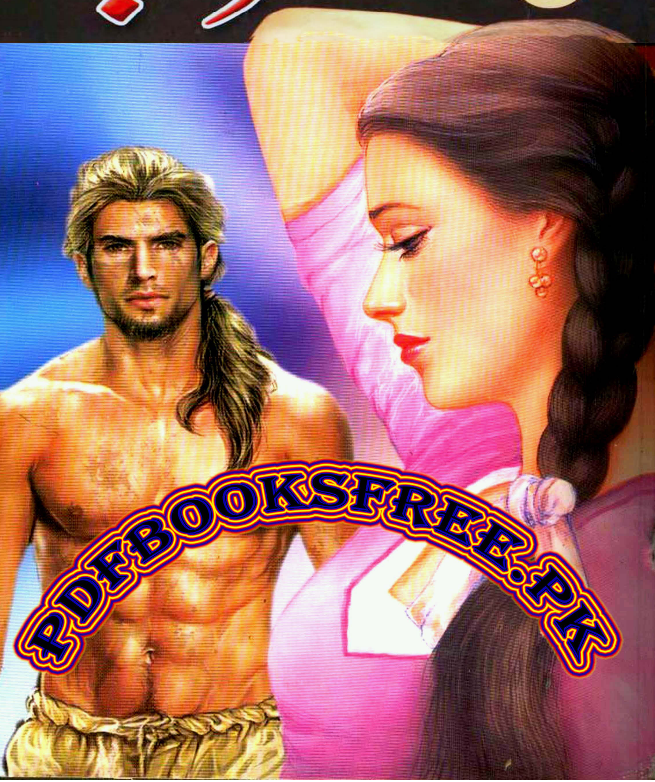
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

سراب

3

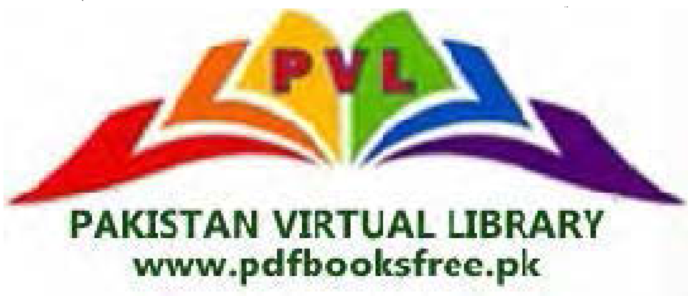


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

سراب

تیسرا حصہ

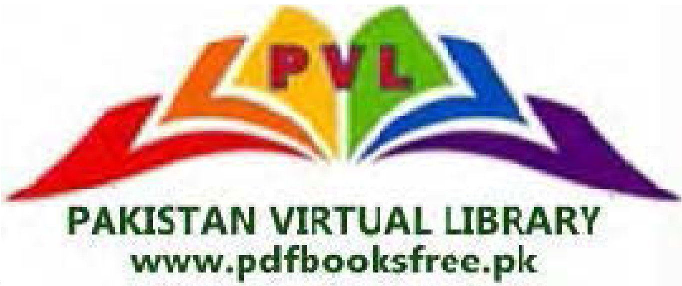
کاشف زبیر



علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247414

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر



ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

سفیر چند لمحے سوچتا رہا پھر تیزی سے نیچے چلا گیا۔ میں نے ہوٹل کے مالک کو بلایا۔ "سنو، ہم نیچے جا کر دروازے بند کر لیں گے۔ اگر اجنبی لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوئے آئیں تو تم گھنٹی بجا کر ہمیں خبردار کر دینا۔" میں نے اس سے کہا تو وہ سر ہلانے لگا۔ فرار والی بات میں نے اس کے سامنے نہیں کی تھی۔ ممکن ہے دشمن کے آدمی اس پر تشدد کرتے تو وہ قبل از وقت راز کھول دیتا۔ ویسے اس کا تشویش سے برا حال تھا۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا اور ایک بار یہاں جنگ چھڑ جاتی تو اس کے ہوٹل کا اللہ ہی حافظ ہوتا! میں غور کرتا رہا اور پھر میں نے اسے بے خبر رکھنے کا فیصلہ واپس لے لیا۔ میں نے اسے اپنے پاس بلایا۔ "سنو، ہم دشمنوں کے آنے سے پہلے عقبی ڈھلان کی طرف اترنا چاہتے ہیں۔"

"وہ تو بہت خطرناک ہے جی، اندھیرے میں اس سے بالکل نہیں اتر سکتے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ ہمیں چند طویل رسیاں اور ٹارچ مہیا کر سکتے ہو۔"

"مل جائیں گی۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

"تب فوراً لے آؤ۔" میں نے تہہ خانے کی طرف جاتے ہوئے اسے ہدایت کی۔

مونا اور ایمن پریشان تھیں۔ سفیر نے کہیں سے نائلون کی پتلی رسی کا ایک طویل لچھا تلاش کر لیا تھا اور اب اس میں مخصوص انداز میں گرہیں لگا رہا تھا تاکہ اترتے ہوئے ان پر گرفت قائم رہے۔ میں نے رسی دیکھی۔ "کیا یہ کافی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"سو گز ہے۔ ایسے ہی دو لچھے اور ہیں۔" اس نے ایک کونے میں پڑے دو لچھوں کی طرف اشارہ کیا۔

"مونا تم بھی گرہیں لگاؤ۔" میں نے ایک لچھا اس کی طرف بڑھا دیا اور دوسرے پر خود گرہیں لگانے لگا۔

ہوٹل کا مالک بھی نیچے آ گیا تھا، اوپر اس کا اکلوتا ملازم نگرانی کر رہا تھا۔

"جیسے ہی ہم نیچے اتریں، تم راستہ بند کر کے سب معمول کے مطابق کر دینا۔ اجنبی افراد ہمارے بارے میں پوچھیں تو مکر جانا، کہنا ہم بھی چلے گئے۔ اگر انہوں نے تم سے حقیقت اگلوالی تو تمہارا حشر کر دیں گے۔ میری بات سمجھ رہے ہو ناں ۔۔۔؟"

"جی جناب!" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"بس تو ڈٹے رہنا اور ہمارے ساتھی آ جائیں تو ان کو اصل بات بتا دینا، وہ خود ہمیں تلاش لیں گے۔"

"میں سمجھ گیا جناب!" اس بار اس نے نسبتاً اعتماد سے کہا۔

رسیوں کے استعمال کے ہم ماہر تھے۔ اس لئے سارا کام دس منٹ میں مکمل کر لیا۔ تینوں رسیوں کو آپس میں ملا کر سب سے پہلے سفیر نیچے گیا۔ اس نے اپنا بیگ شانے سے باندھ لیا تھا۔ جبکہ میں نے اپنے ساتھ مونا کا بیگ بھی باندھ لیا تھا۔ لکڑی کے دروازے کی فولادی کنڈی سے رسی باندھ کر سفیر اتر گیا۔ رسی کا لچھا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ نیچے اترتے ہوئے اسے حسبِ ضرورت کھولتا جاتا۔ رائفلوں اور میگزین والا بیگ مونا کے شانے پر تھا اور ایمن نے اپنا ہینڈ بیگ اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ اسے کوہ پیمائی کا تجربہ نہیں تھا لیکن وہ فٹ اور مضبوط جسامت کی مالک تھی اس لئے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ نیچے اتر گئی۔ پھر میں گیا اور میرے بعد مونا آئی تھی۔ جانے سے پہلے میں نے ہوٹل کے مالک سے کہا۔ "سنو دوست! ہم تم پر اعتماد کر کے جا رہے ہیں، لیکن بعد میں پتا چلا کہ تم نے دھوکا کیا ہے تو ہم پھر آئیں گے۔ ہم نہ آئے تو دوسرے آئیں گے، سمجھ رہے ہو ناں...... میری بات؟"

"جی جناب!" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا، میری دھمکی نے اس کا رنگ اڑا دیا تھا۔

آخر میں مونا آئی تھی۔ میں نے ہوٹل کے مالک سے کہا تھا جیسے ہی رسی ڈھیلی ہو، وہ اوپر سے اسے کھول کر نیچے پھینک دے۔ میرے پیروں تلے کھانے پینے کا گلا سڑا کچرا اور لکڑی کی راکھ آ رہی تھی۔ یہ ایک طرح سے اچھا ہی تھا اس سے پاؤں جمانے میں مدد مل رہی تھی۔ ڈھلان اتنی خطرناک نہیں تھی، جتنی بظاہر دکھائی دیتی تھی۔ ہم بغیر رسی کے بھی اتر سکتے تھے لیکن اس صورت میں اتنی تیزی سے نہیں اتر سکتے تھے۔ ڈھلان خاصی دور تک پھیلی تھی۔ دس منٹ میں ہم کوئی سو گز نیچے آئے تھے۔ نیچے سے سفیر نے آواز دی۔ "رسی ختم ہونے والی ہے۔"

"ڈھلان کیسی ہے؟" میں نے چلا کر پوچھا۔

"اس کے بغیر بھی اتر سکتے ہیں۔ ایمن کو شاید مشکل ہو۔"

"فکر مت کرو، اسے سنبھال لیں گے۔"

"جی میں دیکھ رہی ہوں۔" مونا آگے سے بولی۔ "آپ اسے سنبھالنے کے لئے خاصے بے چین ہیں۔"

"بی مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔" میں نے جھینپ کر کہا۔

جہاں رسی کی حد ختم ہوتی تھی وہاں سفیر نے ایک جگہ تلاش کر لی تھی جس پر ہم لڑھکے بغیر رک سکتے تھے، ہم سب اس پر جمع ہو گئے، اس مشقت نے ہمارا سانس پھلا دیا تھا اور اس بے پناہ سردی میں بھی ہمیں پسینہ آ گیا تھا۔ جب حرکت رکی تو اندازہ ہوا کہ سردی کتنی شدت کی تھی۔ سفیر نے رسی کا آخری سرا ایک جھاڑی سے باندھ کر اسے ڈھیلا چھوڑ دیا تھا کہ ہوٹل کا مالک اسے اوپر سے کھول دے۔ چاند نہیں تھا لیکن صاف آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ ان کی مدھم روشنی میں آس پاس کا ماحول کسی قدر نمایاں تھا لیکن دور کے مناظر دھندلے سے محسوس کئے جا سکتے تھے۔ میں نے سر اٹھا کر ہوٹل کی عمارت کی طرف دیکھا وہ بہت دور نظر آئی تھی۔ اِکا دُکا روشنیاں ستاروں کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔ اچانک اوپر سے رسی سرسراتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ سفیر نے پھرتی سے اسے سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں رسی کو الجھنے سے بچانے لگا۔ ابھی خاصی ڈھلان باقی تھی۔

"فرض کرو...... دعا کا دشمنوں کا ہوا ہو اور نیک نام ابھی تک زندہ سلامت ہو مع اپنے تمام ساتھیوں کے؟" مونا نے سوال کیا۔

"تب بھی یہ کام ضروری تھا کیونکہ دشمن کا سامنا ہونے کے بعد فرار اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اس ڈھلان پر وہ خرگوشوں کی طرح ہمارا شکار کر لیتے۔ اس وقت ہم آزاد تو ہیں۔"

"یہاں سے چلو۔" ایمن سردی سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ورنہ میں تو مر جاؤں گی۔"

"حالانکہ تم جس ملک سے ہو، وہاں اس سے زیادہ سردی پڑتی ہے۔" مونا نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں، لیکن وہاں اس سردی میں کوئی باہر نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، بالخصوص رات کو۔"

"میرا خیال ہے نیچے اترا جائے۔" میں نے اوپر کی طرف دیکھا۔ "ہم اس جگہ بھی محفوظ نہیں ہیں، ابھی چاند نکل آیا تو ہم پھنس جائیں گے، دور سے نظر آئیں گے۔"

سغیر نے ایک پتھر تلاش کیا جو مضبوطی سے زمین میں گڑا ہوا تھا۔ اس کے گرد رسی لپیٹ کر اسے ایک خاص گرہ لگائی۔ جسے نیچے سے بھی جھٹکا دے کر کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک ٹارچ جلائی۔ ہوٹل کے مالک نے دو بڑی ٹارچیں ہمارے حوالے کی تھیں۔ ان کی روشنی میں سو فٹ تک صاف نظر آ رہا تھا۔ ڈھلان اب صاف ستھری تھی یعنی پتھروں اور مٹی پر مشتمل تھی اور اس پر قدم جمانا آسان نہیں تھا۔

"احتیاط سے اترنا۔" میں نے ایمن اور مونا سے کہا۔ "اب ڈھلان خطرناک ہے۔"

بہر حال کوئی سو گز کے بعد ہم اس زمین تک جا پہنچے جس پر بغیر رسی کی مدد کے بھی چلا جا سکتا تھا۔ سغیر نے جھٹکا دے کر رسی کھول لی اور اس کا بنڈل بناتے ہوئے بولا۔ "اب کہاں کا رخ کرنا ہے؟"

"کہیں کا بھی نہیں...... آس پاس کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی ہے جہاں ہم آگ جلا کر رات گزار سکیں اور دشمن سے بھی محفوظ رہیں۔"

"تم دونوں یہاں رکو۔" سغیر نے مونا اور ایمن سے کہا۔ "ہم ذرا آس پاس کا معائنہ کر کے آتے ہیں۔"

"ہم اکیلے......؟" مونا نے پریشان ہو کر لطیفہ کہا جس پر میں نے اور سغیر نے قہقہہ مارا۔

"خوب...... یعنی آپ دونوں اکیلے؟" میں نے کہا۔

سغیر ہنسا۔ "یہ تو وہی بات ہوئی، میں اور بابو اکیلے اور چور اور لاٹھی دو۔"

"مطلب یہ کہ ہم یہاں ہوں اور دشمن یا کوئی جانور آ گیا تو......؟" مونا خفا ہو گئی تھی۔

"تم دونوں کے پاس پستول ہیں اور تم ان کو استعمال کرنا بھی جانتی ہو۔ دونوں میں سے جو بھی آئے، بلا تکلف شوٹ کر دینا لیکن گولی چلانے سے پہلے دیکھ لینا...... ہم نہ ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" ایمن بولی۔

میں نے اسے بتایا کہ ہم کوئی ٹھکانا تلاش کرنا چاہ رہے ہیں جبکہ مونا کو دشمن یا جانور کا خوف لاحق ہے۔

"اوہ......!" ایمن نے کہا۔ "مجھے جانور کا تو خوف نہیں...... ہاں، آدمی سے ڈر لگتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے نزدیکی پتھر پر بیٹھنے کی کوشش کی جو گیدڑ ثابت ہوا۔ گیدڑ نے ایک چیخ ماری اور بھاگ گیا، دوسری چیخ ایمن نے ماری اور مجھ سے لپٹ گئی۔ مونا کی بھی گھگی بندھ گئی تھی۔

"یہ کیا تھا؟" سغیر بولا تو ایمن جلدی سے مجھ سے الگ ہو گئی۔

"گیدڑ تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "کم بخت جلدی بھاگ گیا۔"

ایمن کا خفت سے برا حال تھا۔ ''وہ اچانک ہوا تھا ایسا..... تو اس لئے۔''
''کوئی بات نہیں۔'' سفیر نے فراخ دلی سے کہا۔ ''گیدڑ بدقسمت تھا۔ قسمت والا تو شوبی ثابت ہوا۔''
''بکواس نہ کر۔'' میں نے اردو میں فرمایا۔ ''کوئی جگہ تلاش کرو ورنہ رات میں سردی سے اکڑ جائیں گے۔ ابھی صرف آٹھ بجے ہیں۔''
''آٹھ.....'' سفیر دنگ رہ گیا۔ ''بس اتنا وقت ہوا ہے۔''
''یہاں پانچ بجے سورج غروب ہو جاتا ہے۔'' میں نے بیگ اتار کر مونا کے حوالے کرنا چاہا جو ایمن نے لے لیا۔ ''مجھے دے دو..... اس کے پاس پہلے ہی بیگ ہے، میں خالی ہاتھ ہوں۔''
مونا نے اسے گھورا تھا لیکن منہ سے کچھ بولی نہیں۔ میں نے رائفل نکالی اور اس کے دو اضافی کلپ اپنی جیکٹ میں لگا لئے۔ دوسری رائفل سفیر نے لے لی۔ میرے پاس پستول تھا جبکہ سفیر نے اپنا پستول ایمن کے حوالے کر دیا تھا۔ ''کوئی موقع آئے تو احتیاط سے چلانا ہمارے پاس زیادہ فاضل گولیاں نہیں ہیں۔''
مشرق سے چاند نے سر اٹھا لیا تھا اور ماحول کسی قدر روشن ہو رہا تھا۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہوٹل والی ڈھلان کے مقابل دوسری ڈھلان پر گھنے جنگلات تھے۔ جن کے دامن میں دائیں طرف آگے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو اس جگہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہوٹل سے دکھائی دیا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''میں اس جنگل میں دائیں طرف جاتا ہوں..... تُو بائیں طرف جا۔ مگر زیادہ دور مت جانا، ان لڑکیوں کو زیادہ دیر اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔''
''تُو نے بھی وہی بات کی۔'' سفیر جاتے ہوئے ہنسا۔ ''دو اور اکیلی!''
میں نے دائیں طرف کا رخ کیا۔ ڈھلان کے ساتھ بلند اور سیدھے درخت لگے تھے۔ اس کے نیچے کچھ حصوں میں جھاڑیاں تھیں۔ میں ان سے ہٹ کر درختوں میں داخل ہوا۔ یہاں تاریکی تھی اس لئے ٹارچ روشن کرنا پڑی پھر ایک چٹان کے نیچے معقول قسم کی جگہ مل گئی تھی۔ اس کا چھجا اوپر سے خاصا نکلا ہوا تھا۔ اگر بارش ہو جاتی تو یہ پانی سے بھی تحفظ دے سکتا تھا اور اس کے نیچے آگ جلا کر ہم سردی سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔ اسے دیکھ کر میں فوری طور پر واپس آیا۔ سفیر ابھی نہیں آیا تھا۔ اسے بلانے کے لئے میں نے سیٹی بجائی۔ وہ دوڑا ہوا آیا۔ ''ٹھکانا مل گیا ہے..... سامان اٹھا۔''
دونوں خواتین نے اس قسم کی ڈھلان پر کسی قسم کا سامان اٹھانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس لئے وہ بھی ہمیں اٹھانا پڑا۔ سفیر نے موسم کی مناسبت سے سرد آہ بھری۔ ''کاش..... کہ تم لوگوں نے خود بھی پیدل جانے سے انکار کر دیا ہوتا۔''
''ہوممت۔'' مونا جھینپ گئی۔
''نہیں سوچو..... اب بچا ہی کیا ہے تم دونوں کے سوا!''
سامان چٹان تک لا کر پھر ہم خشک لکڑی تلاش کرنے کی مہم پر نکلے، جسے جلا کر حرارت حاصل کی جا سکے۔ نیچے اس جگہ سردی کی وہ شدت نہیں تھی جو تقریباً ڈیڑھ سو گز بلند ہوٹل والے علاقے میں تھی۔ پھر بھی رات وار بے بغیر نہیں گزار سکتے تھے۔ جب تک حرکت میں رہتے، جسم بھی گرم رہتا تھا جیسے ہی ساکت ہوتے،

سردی مزاج پرسی کرنے لگتی تھی۔ خاصی تگ و دو کے بعد ہمیں کچھ خشک لکڑی ہاتھ آئی تھی۔ اسے جلانے کے لئے سفیر نے خشک گھاس لی۔ چٹان تلے جگہ صاف ستھری تھی۔ انہوں نے ٹارچ جلالی تھی۔ میں نے لکڑی اور گھاس اکٹھا کر کے آگ روشن کی۔ ''لکڑی کم ہے۔'' مونا نے آگ کے قریب سرک کر کہا۔

''فی الحال اس پر گزارا کرو۔ آس پاس خشک لکڑی کم ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس جگہ آبادی ہے۔'' سفیر بھی بولا۔ ''ظاہر ہے اس موسم میں انہیں جلانے کے لئے لکڑی کی زیادہ ضرورت ہے اور وہ اردگرد سے ساری خشک لکڑی سمیٹ کر لے گئے ہیں۔ انہیں درختوں کی نیچی شاخیں کاٹنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔''

''ابھی پھر کوشش کرتے ہیں۔'' میں نے شعلوں کو دیکھ کر مونا کو تسلی دی۔ ''واقعی، یہ لکڑی کم ہے۔''

''یار، مجھے تو بھوک لگی ہے۔'' سفیر نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

''صبر کر یار!'' میں نے چٹان کی جڑ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال سوائے غم کے اور کھانے کو کچھ نہیں ہے۔''

''جی نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔'' مونا مسکرائی اور اس نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ ''جب ہم تہہ خانے میں آئے تو میں نے ہوٹل کے مالک سے نظر بچا کر ایک الماری سے بہت کچھ نکال لیا تھا۔''

مونا کے بیگ میں کیک پیسٹریاں، بن، نصف ڈبل روٹی، بسکٹ کے ڈبے، چپس کے پیکٹ اور چاکلیٹس تھیں۔ سفیر کھل اٹھا تھا۔ ''تم نے وہ کام کیا ہے کہ دل چاہ رہا ہے، تمہارا منہ.....''

''فضول باتیں مت کرو۔'' مونا بگڑ گئی۔

''بھئی جملہ تو پورا سن لیا کرو۔ میں کہہ رہا تھا، تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں؟'' سفیر نے جواب دیا اور عملاً اپنا منہ چیزوں سے بھرنے لگا۔ میں نے ایک بن لیا اور ایک ایمن کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میرے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے شکریہ کہہ کر بن لے لیا اور اس کا پلاسٹک ریپر پھاڑ کر کھانے لگی۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ''دھماکا ہماری وین کا تھا۔''

''امکان تو یہی ہے ورنہ اب تک نیک نام کو آجانا چاہئے تھا۔ اس کا اتنی دور جانے کا ارادہ نہیں تھا۔''

''اسے زیادہ ہی دور بھیج دیا گیا ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔

''کھانے کی چیزیں خاصی تھیں لیکن پینے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا کوئی حل بھی نہیں تھا۔ تاریکی میں پانی تلاش کرنا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے خدا کا شکر ادا کر کے آگ کے اردگرد دراز ہو گئے بلکہ دراز کہاں ہوئے سب سکڑے سمٹے پڑے تھے۔ میں نے سفیر سے کہا کہ میں جاگتا رہوں گا، وہ سو جائے۔ اسے تین بجے اٹھا کر میں خود سو جاؤں گا۔ نیند ایسی چیز ہے جو محاورے کے مطابق پھانسی کے پھندے پر بھی آجاتی ہے۔ اس لئے سخت زمین اور سردی کے باوجود وہ تینوں سو گئے۔ میں اٹھ کر آس پاس سے خشک لکڑی تلاش کرنے لگا اور جو ملتا رہا اسے آگ کی نذر کرتا رہا۔ میری کوششوں سے اتنا ہوا کہ الاؤ سرد نہیں ہوا تھا۔ چٹان کچھ ایسے زاویے کی تھی کہ اس کے نیچے روشن آگ دور سے یا بلندی سے نظر نہیں آسکتی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اس کے اردگرد پتھر جمع کر دیئے تا کہ شعلوں کا انعکاس کم ہو جائے۔

چلتے پھرتے رہنے کا فائدہ یہ ہوا کہ نیند مجھ پر غلبہ نہیں پا سکی تھیں ساتھ ہی میں اردگرد کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ ہوٹل کی عمارت اس جگہ سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسے دیکھنے کے لئے مجھے درختوں سے باہر جانا پڑتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اوپر سے کوئی نیچے دیکھتا تو اسے ہم بھی نظر نہ آتے۔ میں ڈھلان کا جائزہ بھی لیتا رہتا تھا۔ چاند بلند ہونے سے خاص طور سے ہوٹل کے ساتھ والی ڈھلان نمایاں نظر آنے لگی۔ ابھی تک کسی کا اس طرف نہ آنا ثابت کرتا تھا کہ ہوٹل کا مالک ان لوگوں کو بہلانے میں کامیاب رہا تھا یا وہ اس طرف آئے ہی نہیں تھے۔ نیک نام اور اس کے ساتھی اگر زندہ یا کسی قابل ہوتے تو اب تک ہوٹل تک آ چکے ہوتے اور ہماری تلاش میں نیچے بھی آ جاتے۔ میں ان کے لئے افسوس محسوس کر رہا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ رہے تھے اور خاص طور سے نیک نام کی مدد سے میں نہ صرف ایمن کو نکال لایا تھا بلکہ خود بھی بچ گیا تھا ورنہ ایمن کو اغوا کرنے کے لئے آنے والے مجھے بھی لے جاتے۔ دو بجے تک میں خاصی لکڑیاں جمع کر چکا تھا۔ اب صبح تک گزارہ چل سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے سفیر کو اٹھا دیا۔ ''جھنجھوڑنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔'' کک...... کیا ہوا؟''

''اٹھ جا...... اب تیری باری ہے۔'' میں نے الاؤ کے پاس لیٹتے ہوئے کہا۔ آگ کے اثر سے زمین بھی کسی قدر گرم ہو گئی تھی۔ ''سو مت جانا...... اور آس پاس بھی نظر رکھنا۔ تیرے سسرالی رشتے دار نہ آ جائیں۔''

''آہستہ بول...... مونا نے سن لیا تو...... شامت میری آئے گی۔'' سفیر گھبرا کر بولا۔

''تو ابھی سے سکہ بند زن مرید نظر آنے لگا ہے۔'' میں نے ملامت کی۔ ''مردوں کا نام ڈبو رہا ہے۔''

''شوبی...... میں سن رہی ہوں۔'' مونا نے منمناتی آواز میں کہا۔

''سنتی رہو...... ہم کسی سے ڈرتے نہیں ہیں۔'' میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''البتہ ان صاحب کو دیکھ لو شاید گھگی بندھ گئی ہے۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' سفیر نے بھنا کر کہا تھا۔

میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ ذرا دیر میں، میں سو چکا تھا۔ صبح کے قریب آنکھ کھلی تو الاؤ تقریباً بجھ چکا تھا۔ بس انگارے باقی رہ گئے تھے۔ سفیر ایک لکڑی سے انہیں کرید کر جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سردی زیادہ ہو گئی تھی یا مجھے لگ رہی تھی بہرحال ایک ہی پوزیشن میں سوتے سوتے جسم اکڑ گیا تھا۔ مونا اور ایمن ایک دوسرے سے پشت ملائے بے خبر سو رہی تھیں۔ سفیر ایک چاکلیٹ کھا رہا تھا۔ میں نے مونا کے بیگ میں جھانکا۔ ''کچھ چھوڑا بھی ہے یا سب کھا گئے۔''

''ڈسٹریاں ہیں۔ مجھے پسند نہیں ہیں۔'' سفیر نے اطمینان سے جواب دیا۔

بہرحال اندر دو عدد بن بھی تھے۔ میں نے ایک بن نکالا۔ ''یار، کہیں سے پانی مل جائے تو......''

''ابھی سورج نکلنے کے بعد پتا چلے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جہاں سے بھاپ اٹھے گی وہاں پانی ہو گا۔ مگر ابھی سورج نکلنے میں بھی ایک گھنٹا باقی ہے۔''

اس وقت ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ ''یار، الاؤ روشن رکھنا۔ سردی زیادہ ہو گئی ہے۔'' میں نے انگاروں کے پاس ہو کر کہا۔

''اب چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''الاؤ جلانے کا نہیں بجھانے کا وقت ہے۔''

میں نے مونا اور ایمن کو اٹھایا۔ کسی قدر دقت سے وہ اٹھ گئیں۔ ''کیا سونے کے لئے آئی تھیں؟'' میں نے ڈانٹا۔ ''غضب خدا کا...... سورج نکلنے والا ہے اور یہ پڑی سو رہی ہیں۔''

''پلیز شوبی!'' مونا نے منہ بنایا۔ ''ہماری والدہ محترمہ بننے کی کوشش مت کرو۔''

انہوں نے بال سنوارے اور اس کے بعد کھانے کے لئے مونا کے بیگ سے رجوع کیا۔ مونا نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''ہمارے لئے یہ بچایا ہے۔''

''شکر صبر کر کے کھا لو۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''رات کو جاگنا پڑتا تو پتا چلتا۔ اگر کھاتا نہ رہتا تو سو جاتا۔''

مونا اور ایمن نے بادل نخواستہ بچی کھچی چیزوں سے ناشتا کیا۔ میں اور سفیر ایک طرف جا بیٹھے۔ ''اب کیا کرنا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''ظاہر ہے، کسی آبادی کا رخ کرنا ہے۔ وہاں سے ہمیں رہنمائی مل سکے گی۔''

''اس کے بعد......؟''

''اس کے بعد راجا عمر دراز تک پہنچنے کی کوشش کرنی ہے۔''

''کیا دشمن ہمیں اس تک جانے دے گا؟ مجھے یقین ہے، اس نے راستے میں جگہ جگہ گھات لگا رکھی ہو گی۔''

''تب کیا کریں، جانا تو ہے۔''

''یار! ایسا نہیں ہو سکتا...... فی الحال راجا کے پاس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ کہیں اور نکل جائیں۔ اس کے پاس ہم بعد میں جا سکتے ہیں...... جب دشمن ہمیں تلاش کرنا بند کر دے۔''

سفیر کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کل تک کی بات اور تھی، نیک نام اور اس کے ساتھی ہمارے ساتھ تھے اور ہم کمزور نہیں تھے، اب وہ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ پتا نہیں اس دنیا میں بھی تھے یا نہیں؟ ہم چار تھے، صرف میں اور سفیر وقت پڑنے پر کسی سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ مونا اور ایمن سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ وہی ہماری سب سے بڑی کمزوری تھیں۔ اگر اپنی جان کے علاوہ ہم مجبور ہوتے تو ان کی وجہ سے ہوتے۔ مجھے مونا کا ساتھ ہونا شروع سے کھل رہا تھا۔ فتح خان کی قید میں خدا نے مدد کی اور گلے خان کے دل میں خلش ڈالی۔ ورنہ مونا...... میں اس سے آگے سوچ نہ سکا۔ میں نے جھرجھری لی جب سفیر نے کہیں اور چلنے کو کہا تو مجھے خیال آیا۔

''یار، مونا کو ہم تیری حویلی تک نہیں پہنچا سکتے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا اسی وجہ سے تجھ سے نیچے کی طرف چلنے کو کہہ رہا تھا۔ مونا کے سامنے میں کھل کر نہیں کہہ سکتا تھا۔''

''اور وہ مخالفت کر رہی تھی۔'' میں مسکرایا۔

سفیر نے سر ہلایا۔ ''ظاہر ہے اسے بھی یہی خطرہ ہو گا، وہ ہمارا ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''اب ہم واپس جانے کی بات کرتے ہیں تو وہ چوکنا نہیں ہو جائے گی۔''

''ہاں، ہو تو جائے گی لیکن ہم اسے کہہ سکتے ہیں کہ نیک نام اور اس کے ساتھیوں سے بچھڑنے کے بعد ہم اس علاقے میں مزید سفر نہیں کر سکتے لہٰذا واپس جانا ہی مناسب ہو گا۔''

''خاتون، تجھے گھور رہی ہے۔'' میں نے سفیر کو متوجہ کیا۔ ''ممکن ہے ہمارے ارادے بھانپ گئی ہو؟''

مونا اٹھ کر ہمارے پاس آئی اور سفیر کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''یہ واپسی کی کیا باتیں کر رہے ہو تم دونوں؟''

''میرے خدا کیا خرگوش کے کان ہیں تمہارے؟'' سفیر بے ساختہ بولا۔

''اور اس سائز کے کانوں والے ایک بڑے جانور کا دماغ۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ویسے ہم واپسی کا نہیں، آگے پیش آنے والے حالات کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔''

''کیسے حالات؟'' مونا کے لہجے میں شک تھا۔ اس نے میرا جملہ بھی نظر انداز کر دیا تھا۔

''تمہارے سامنے ہیں...... جا بجا ہمیں روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم اپنے محافظوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں آگے کا سفر خودکشی کے مترادف ہے۔''

''پھر کیا ارادے ہیں؟''

''ہم سوچ رہے ہیں کہ کسی اور طرف نکل جائیں۔ ہمارے پاس رقم ہے اور ہم کچھ عرصہ کہیں خاموشی سے گزار سکتے ہیں۔''

''مثلاً کہاں؟''

''بابا...... تم تو بال کی کھال اتار رہی ہو...... ابھی اتنا نہیں سوچا ہے۔'' سفیر نے جھنجلا کر کہا تھا۔

صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا لیکن ابھی پہاڑوں کے عقب میں تھا۔ ''اب چلنے کی تیاری کرو۔ دشمن اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اسے معلوم ہے ہم اس علاقے میں ہیں۔''

''یہاں وہ ہمیں کیسے تلاش کرے گا؟'' سفیر نے بیگ شانے پر لادا۔

''یہاں تلاش کرنا مشکل ہے لیکن اس جگہ سے نکلنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ آمد و رفت کے چند ہی راستے ہوتے ہیں۔''

میں نے آگ پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے۔ جنگل میں آگ کے لئے اصول ہے کہ روانگی سے پہلے اسے پوری طرح بجھایا جائے۔ ورنہ جنگل میں آگ لگنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہم نے دائیں طرف والی گھاٹی کا رخ کیا تھا جہاں اوپر ہوٹل سے کچھ آبادی نظر آئی تھی۔ بیشتر سامان میں نے اور سفیر نے اٹھا رکھا تھا۔ مونا کے پاس بیگ تھا اور ایمن خود کو سنبھال رہی تھی، اس کے پیروں میں ناموزوں جوتے تھے۔ میں چلتے چلتے اچانک رکا۔ وہ تینوں بھی رک گئے، سفیر نے پوچھا۔ ''اب کیا خیال ہے، جناب کا؟''

میں نے سوچ کر کہا۔ ''یار، جس طرح ہم اس آبادی سے واقف ہیں، دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔''

''ہاں، معلومات پر کوئی پابندی تو نہیں ہے۔'' سفیر نے اعتراف کیا۔

''لہٰذا انہوں نے سوچا ہو کہ رات کو ہمیں تلاش کرنے کی زحمت کے بجائے سکون سے آبادی میں رک کر ہمارا انتظار کیا جائے۔ آخر ہمیں کسی آبادی کا رخ کرنا پڑے گا۔''

سفیر چلتے چلتے رک گیا۔ ''پیر و مرشد! دل چاہ رہا ہے، آپ کے ہاتھ چوم لوں...... بخدا کیا غیب سے

مضامین آرہے ہیں۔'' اس نے سامان نیچے رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

''رک کیوں گیا ہے؟''

''وہاں جا کر پکڑے جانا ہے۔'' اس نے نفی سے سر ہلایا۔

''احمق یہ صرف ایک مفروضہ ہے اور اب ہم خود کو کون سا منہ اٹھائے کسی آبادی میں گھس جائیں گے، اچھی طرح دیکھ بھال کر کوئی قدم اٹھائیں گے۔''

سفیر دوبارہ کھڑا ہو گیا اور سامان اٹھا کر چلنے لگا۔ مونا اسے گھورنے لگی اور ایمن ہنس رہی تھی۔ وہ اپنے جوتوں کی وجہ سے سب سے پیچھے تھی اور مونا کے پاس ہو گیا اور میں ذرا پیچھے ہو کر ایمن کے قریب آ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تمہارا ساتھی سفیر بہت جولی ہے۔''

''یہ بات مونا کے سامنے مت کہنا، وہ اس کے معاملے میں بہت حساس ہے۔''

''مجھے پتا ہے وہ اسے پسند کرتی ہے۔ یہ آپس میں شادی کیوں نہیں کر لیتے ہیں۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''ہمارے ہاں مشرق میں اس مرض کا آخری علاج شادی ہے جسے عرفِ عام میں عشق کہتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سارے مراحل آتے ہیں، ویسے ہمارے ہاں عشق کو کامیاب اور لافانی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ شادی سے گریز کیا جائے۔''

''ایسا تو ہمارے ہاں بھی ہونے لگا ہے، اب لوگ شادی سے گریز کرتے ہیں۔''

''مقاصد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تمہارے ہاں شادی سے گریز بیوی اور ہو جانے والے بچوں کی ذمے داری سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور سے اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عشق کو روحانی کیفیت میں شمار کیا جاتا ہے۔''

''اوہ...... میں نے ایک کتاب پڑھی تھی اس میں انڈو پاک میں ایسے ہونے والے قصوں کے بارے میں عجیب و غریب باتیں لکھی تھیں۔ عاشق حضرات نے ناممکن کام کر دکھائے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''بھینسیں چرانے سے لے کر بغیر بھینسوں کی مدد کے دودھ کی نہریں بہانے تک ہمارے ہاں عاشق حضرات نے متعدد محیر العقول کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اگرچہ یہ قصے تحقیق سے ثابت نہیں ہوتے، اس کے باوجود عوام ان پر الہامی کتابوں کی طرح ایمان رکھتی ہے۔''

''ایک عاشق نے اپنی محبوبہ کو اپنی ران کے گوشت کا روسٹ بنا کر کھلا دیا تھا شاید پنوں نام تھا اس کا۔''

''مہینوال نے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''اس کے بجائے وہ اپنی محبوبہ کو تیرنا سکھا دیتا تو آج اس کی نسل کہیں رہ رہی ہوتی۔''

''ہاں، میں نے پڑھا تھا سوہنی نے اس کی مدد سے...... وہ کیا کہتے ہیں اسے...... دریا عبور کرنے کی......''

''گھڑا......'' میں نے بتایا۔ ''اس کی بھابی نے سازش کی۔ پکے گھڑے کی جگہ کچا گھڑا رکھ دیا تھا۔''

اس کے بعد مجھے نہ صرف پکے اور کچے گھڑے بلکہ بھابی کے رشتے کی وضاحت کرنی پڑی اور اسے یہ بھی بتانا پڑا تھا کہ بہن کے شوہر کو بھابا نہیں کہتے۔ اس نے بے حد تعجب کا اظہار کرنے کے بعد کہا تھا۔ ''مشرق واقعی

مشرق ہے یہاں کی ہر شے نرالی ہے۔"

"اس سے زیادہ نرالا پن اور کیا ہوگا کہ اپنے وسائل پر مغرب کو پھلتے پھولتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں او ذرا بھی اعتراض نہیں کرتے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"سیاست نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"حالانکہ تم لوگوں کی اصل سیاست یہی ہے۔ جہاں مشرق اپنے مفاد پر بات کرتا ہے، اسے سیاست قرا دینا شروع کر دیتے ہیں۔"

"اوہ...... میں نے کبھی ان باتوں پر غور نہیں کیا۔" اس کے لہجے میں بے زاری تھی۔

صرف ایمن کا ہی نہیں، میں نے اکثر تعلیم یافتہ اور معقول نظر آنے والی یورپی و امریکی افراد کا اس معاملے میں یہی رویہ پایا ہے۔ جہاں مغرب کے استحصالی رویے کی بات آتی ہے، وہ اسے سیاست قرار دے کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بات کو انتہائی حد تک نظر انداز کرتے ہیں کہ ان کی ذاتی خوشحالی کی تمام جڑیں اسی استحصالی نظام سے پھوٹتی ہیں۔ امریکا اور یورپ دنیا کی کل آبادی کا بمشکل پندرہ فیصد ہیں لیکن یہ خطے دنیا کی کل توانائی کا نصف سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

"سوری!" کچھ دیر بعد ایمن نے کہا۔ "مجھے واقعی سیاست کے موضوع سے چڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"واقعی۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "تب تو تم الیکشن میں ووٹ بھی نہیں دیتی ہوگی؟"

"وہ کھسیا گئی۔ "نہیں ووٹ میں دیتی ہوں، یہ تو ہر ذمے دار شہری کا فرض ہے۔"

"اور اس کے بعد اس کا لیڈر جو کرے، اس سے بری الذمہ ہو جانا چاہئے۔"

"نہیں، وہ غلط کرے گا تو اگلے الیکشن میں لازمی طور پر بھگتے گا۔" اس نے یقین سے کہا۔

"یہی تمہارے نظام کی کامیابی کا راز ہے، لیکن نیا آنے والا بھی تو وہی کرتا ہے جو اس کا پیش رو کرتا آیا تھا۔" میں مسکرایا۔ "خیر چھوڑو اسے۔"

"مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" میں نے اردگرد دیکھا اور پہاڑوں پر سورج کی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ ایک جگہ مجھے جھاڑیوں کے درمیان سے بھاپ اٹھتی نظر آئی۔

"شاید اس طرف پانی ہے۔" میں نے اشارہ کیا۔

سفیر نے بھی دیکھ لیا تھا لیکن جب ہم پانی کے اس چشمے تک پہنچے تو ایک چرواہے کی بھیڑیں اس چشمے کے پانی پر پوری طرح قابض تھیں۔ نہ صرف چشمے تک جانے کا راستہ نہیں چھوڑا تھا بلکہ پانی کو بھی استعمال کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ بھیڑوں کی بائی پروڈکٹ چشمے کے شفاف پانی میں صاف نظر آ رہی تھی۔ ایمن اور مونا نے صاف انکار کر دیا۔ "ہم یہ پانی نہیں پی سکتے۔"

"پی تو ہم بھی نہیں سکتے۔" میں نے ایک بھیڑ کو بے تکلفی سے پانی کی مقدار میں اضافہ کرتے دیکھ کر کہا۔ "آؤ، اس چرواہے سے پوچھتے ہیں۔"

چرواہا چھوٹے قد کا اور زرد دانتوں والا چالاک مگر مسکین نظر آنے والا شخص تھا اس نے غالباً کسی غیر ملکی کی

عطا کی ہوئی جیکٹ پہن رکھی تھیں جو قد میں ایک فٹ اور وزن میں اس سے سو پونڈ زیادہ ہوگا۔ لہٰذا جیکٹ اس کے گھٹنوں تک آ رہی تھی اور آستین میں ہاتھ غائب تھے۔ اس نے ہم سے ہاتھ ملانے کے لئے آستین سے دایاں ہاتھ برآمد کیا، اسے اردو بالکل بھی نہیں آتی تھی البتہ مجھے اور سفیر کو کسی حد تک مقامی زبان آتی تھی، میں نے پوچھا "کیا تم لوگ پانی پیتے ہو؟"

"ہاں۔" اس نے تعجب سے جواب دیا۔ "پانی کون نہیں پیتا۔"

"یہ پانی؟" میں نے چشمے کی طرف اشارہ کیا۔

"ناں ناں...... ہم ادھر سے پانی لاتا۔" اس نے دور نامعلوم مسافت کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جانوروں کے واسطے ہے۔"

"تمہارے پاس پانی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے ایک خاصی بڑی سی چھاگل ہماری طرف بڑھائی۔ گلاس ظاہر ہے نہیں تھا۔ سفیر اور میں نے بلا تکلف پانی پی لیا۔ چرواہا اس دوران میں غور سے اور خاصی تفصیل سے مونا اور ایمن کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "یہ ہماری عورتیں ہیں۔"

"ہم کو نہیں پتا تھا۔" اس نے فوراً مسکین بن کر کہا۔ اس نے پھر مونا اور ایمن کی طرف نہیں دیکھا۔

"یہ جانور تمہارے ہیں؟" سفیر نے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔ ہم غریب آدمی...... دوسروں کا جانور چراتا...... ہم بہت غریب ہے دو بیوی بارہ بچہ......"

میں بھونچکا رہ گیا تھا۔ غربت میں یہ عالم تھا تو پیسا آنے کی صورت میں یہ شخص کیا قیامت ڈھاتا! فیملی پلاننگ والے راشن پانی لے کر اس پر چڑھ دوڑتے۔ اس نے ٹوپی اتار کر سر کھجایا۔ "سچ صاحب! ہم غریب ہے، پر تم اِدھر کہاں؟"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ میں نے فوری طور پر کہانی بنائی۔ "ادھر پیچھے تو دا گرنے سے سڑک بند ہو گئی، ہم کو اسلام آباد جانا تھا۔ پیدل چل پڑے۔ اب تک دوبارہ سڑک نہیں ملی۔"

"سڑک ادھر اوپر ہے۔" اس نے ڈھلان کی طرف اشارہ کیا۔ "پر آگے سے اوپر جانا پڑے گا، جدھر ہمارا گاؤں ہے۔"

"تمہارا گاؤں کتنی دور ہے؟" سفیر نے پوچھا۔

"بہت دور ہے، تم اکیلا نہیں جا سکتا۔" اس نے مکاری سے کہا۔

"یہ ہمارا گائیڈ بننے کی فکر میں ہے۔" سفیر نے مجھ سے اردو میں کہا۔

"احتیاطاً پنجابی میں بات کر۔" میں نے پنجابی میں کہا۔ "یہ مکار اردو اور انگریزی بھی جان سکتا ہے۔"

"اسے نوٹ مت دکھانا پھیل جائے گا۔"

"مجھے تجھ سے زیادہ تجربہ ہے ان لوگوں کا۔" میں نے کہا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہارا نام کیا ہے دوست!"

''زردوز خان۔'' اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ وہ لفظ دوست سے سمجھ گیا تھا کہ صاحب لوگ مفت میں یا برائے نام معاوضے پر اس کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ''ہم بہت غریب ہے صاحب!'' اس نے سرد آہ بھری۔

''ہم بھی کوئی امیر نہیں ہے۔'' میں نے جوابی سرد آہ بھری۔ ''پھر بھی تم سڑک تک ہماری رہنمائی کرو تو ہم پچاس روپے تمہاری خدمت میں پیش کریں گے۔''

''پچاس روپیا!'' اس نے یوں واویلا مچایا جیسے میں نے اس سے کوئی خون خشک کرنے والی مشقت لی ہو اور معاوضہ پسینے والا دے رہا ہوں۔ ''اتنا کم...... اتنے میں تو ہمارا بھیڑ بھی نہ جائے۔''

''بے شک وہ نہیں جاسکتی...... ورنہ کب کا جا چکی ہوتی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ دوست، ہمیں اسلام آباد پیدل اور بھوکے پیاسے نہیں جانا ہے، کرائے اور راستے میں کھانے پینے کے لئے بھی رقم درکار ہوگی۔''

''چلو پچاس روپیہ میں دوں گا۔'' سفیر بولا۔

''پچاس پچاس بی بی لوگ کا بھی۔'' اس نے فوراً شرط عائد کردی۔

''ہمارا بی بی لوگ کے بارے میں بات مت کرو۔'' میں نے غرا کر کہا۔ ''سو روپیہ سے ایک بھی اوپر نہیں ملے گا۔ چلنا ہے تو چلو...... ورنہ ہم خود چلا جائے گا۔''

''گاؤں تمہارا اسی راستے پر آگے ہے اور زیادہ دور بھی نہیں ہے، وہاں سے کوئی نہ کوئی ہمیں سڑک تک پہنچانے والا بھی مل جائے گا۔'' سفیر نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''ٹھیک ہے، ہم لے جائے گا۔'' اس نے بادل نخواستہ رضامندی ظاہر کی۔

ہم نے اپنا اسلحہ چھپا لیا تھا ورنہ وہ فری میں اور سر کے بل ہمیں لے جانے پر آمادہ ہو جاتا۔ ''سنو زردوز خان۔ ہمیں گاؤں سے ہٹ کر کسی راستے سے لے چلو۔''

''کیوں؟'' اس نے مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھا۔

''ہم وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، ممکن ہے تمہارے گاؤں والے میزبانی کے چکر میں پڑ جائیں۔ ہمیں سورج غروب ہونے سے پہلے کسی مناسب جگہ پہنچنا ہے۔''

''ابھی ہمارے گھر چلو...... ادھر ناشتا کرو۔'' اس نے پیش کش کی۔ وہ مزید کمانے کے چکر میں تھا۔

''یار بھوکے کب تک سفر کریں گے!'' سفیر نے کہا۔ ''اس کی بات مان لے۔''

''اور وہاں گاؤں میں دشمن ہوئے تو کسی اور طریقے سے ناشتا کرائیں گے۔''

''اس سے بات کر لیتے ہیں، یہ ہمیں چھپا کر وہاں لے جائے گا۔ بہانہ یہی کر دینا کہ ہم زیادہ دیر رک نہیں سکتے۔''

''تیری بات سے مجھے ایک خیال اور آیا ہے۔ زردوز خان کی مدد سے ہم حلیہ بھی بدل سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''اس سے ہم اپنے اور ان خواتین کے لئے مقامی لباس حاصل کر سکتے ہیں اس حلئے میں تو کوئی میل دور سے ہی پہچانے جائیں گے۔''

''ہم ان لوگوں کا لباس پہن لیں گے......لیکن خواتین۔'' سفیر نے ان کی طرف دیکھا۔''یہ کبھی نہیں مانیں گی۔''

''ان کو صرف شٹل کاک برقع درکار ہوگا نیچے بے شک یہ اس لباس میں رہیں۔''

''مسئلہ شٹل کاک برقع کا ہے۔ یہ روشن خیال خواتین جیل جانا پسند کریں گی، برقع میں نہیں۔''

''یار! جب برقع مل جائے گا تو پہنا بھی دیں گے......فی الحال تو زردوز خان کی پیش کش قبول کرا اور ساتھ ہی بھاؤ تاؤ بھی کر لے۔''

سفیر زردوز خان کی طرف بڑھ گیا۔ جو اسم بامسمّٰی ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے مونا اور ایمن سے کہا۔''اس نے ہمیں اپنے گھر لے جانے کی پیش کش کی ہے۔''

''شکر ہے۔'' وہ دونوں خوشی سے اچھل پڑی تھیں، مونا بولی۔''سر درد سے پھٹ رہا ہے، چائے......''

''اس کی توقع مت رکھو۔ یہاں عام طور سے قہوہ نوش کیا جاتا ہے۔ ناشتا ہی مل جائے تو اسے غنیمت سمجھو بیبیوں۔''

سفیر کامیاب مذارات کے بعد واپس لوٹا تو بے حد خوش تھا۔''سارے معاملات سیٹ ہو گئے ہیں۔ زردوز خان ہزار روپے سکہ رائج الوقت کے بدلے ہمیں نہ صرف فائیو اسٹار ناشتا کرائے گا بلکہ ہمیں مقامی کپڑے بھی فراہم کرے گا۔''

''مقامی کپڑے!'' مونا نے مشکوک لہجے میں کہا۔''وہ کس لئے؟''

''حلیہ بدلنے کے لئے......تاکہ تلاش کرنے والوں کی نگاہ سے بچ سکیں۔''

''سوری، میں ان لوگوں کے کپڑے نہیں پہنوں گی۔'' مونا نے انکار کر دیا۔''برائے مہربانی آپ ہی یہ شوق پورا کیجئے گا۔''

''اور جب دشمن آپ کو شناخت کر کے لے جائے گا تو ہم انجان بن جائیں گے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''کیا آپ اسی لئے ساتھ ہیں کہ ہر معاملے میں انکار کرتی رہیں؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' مونا شرمندہ ہوگئی۔''سوری......!''

ایمن ہمیں دیکھ رہی تھی۔''یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟''

میں نے اب اسے انگریزی میں بریفنگ دی۔''ہمیں اس جگہ سے بحفاظت نکلنے کے لئے حلیہ بدلنا ہو گا۔''

''شکر ہے، یہ بات تم نے کہہ دی ورنہ میں پریشان تھی، غیر ملکی کے طور پر میں کسی طرح ان سے نہیں چھپ سکتی تھی۔ ہمیں حلیہ بدل لینا چاہئے۔''

ایمن کی بات سن کر مونا مزید شرمندہ نظر آنے لگی۔ ہم نے سامان اٹھایا اور زردوز خان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوئے۔ زردوز خان نے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجائی۔ چند لمحے بعد دو مختلف سمتوں سے وہی سیٹیاں سنائی دی تھیں۔ سفیر چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے زردوز کا بازو پکڑ لیا۔

''یہ کیسے سیٹیاں بجا کر خبردار کر رہے ہو؟''

''اپنے ساتھیوں کو...... میں بتا رہا ہوں...... میں جاتا ہوں میرے جانوروں کا خیال رکھنا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔ ''ورنہ کوئی جانور لے جا بھی سکتا ہے......اب وہ خیال رکھے گا۔''

میرے اندر بھی وسوسے آئے تھے لیکن میں نے خود کو تسلی دے لی۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ سفر شروع کیا۔ اس نے اپنی بھیڑیں وہیں چشمے کے پاس چھوڑ دی تھیں۔

''کیا بھیڑیں خود نہیں بھاگ سکتیں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، میرے نہ ہونے سے بھیڑیں ایک جگہ رہیں گی۔''

وہ ہمیں جھاڑیوں کے درمیان سے لے جا رہا تھا۔ جبکہ بعض دفعہ درختوں سے بھی گزرتا تھا۔ شاید اس طرح وہ ہمیں دوسروں کی نظروں سے بچا رہا تھا۔ میں اور سفیر اس سے ذرا پیچھے تھے۔

''اگر اس نے دھوکا دیا؟'' اس نے پوچھا۔

''تو دیکھ لیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''جب پھنس جائیں تب دیکھنے کا فائدہ؟'' سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی دیکھنا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' سفیر نے اسلحے والے بیگ سے دونوں رائفلیں نکالیں۔ ایک مجھے دی اور دوسری اپنے شانے پر لٹکا لی۔ ایک بار زردوز خان راستہ بتاتے ہوئے مڑا تو رائفلیں دیکھ کر رک گیا۔ اس نے ڈرے ہوئے انداز میں کہا۔

''یہ رائفل جی......''

''ہاں، ہمارے دشمن بھی ہیں۔'' سفیر نے بے پروائی سے کہا۔ ''کہیں بھی ٹکراؤ ہو سکتا ہے اس لئے اسلحہ رکھا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک اسلحہ ہے۔''

''دستی بم کے بارے میں بتانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔

''بس غلطی سے منہ سے نکل گیا۔'' سفیر نے شرمندگی ظاہر کی۔

''تم کیوں ڈر رہے ہو؟ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' میں نے زردوز خان کو غور سے دیکھا۔

''وہ تو میں جانتا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''پر صاحب خیال رکھنا، ہم بہت غریب آدمی ہے۔''

اسے غالباً یہ خطرہ تھا کہ ہم اس کا حقِ خدمت نہ مار جائیں۔ میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''ہمیں معلوم ہے، تم بہت غریب آدمی ہو اور ہم اس کا خیال رکھیں گے۔''

اس نے جھوٹ کہا تھا کہ آبادی دور ہے۔ ہم بمشکل بیس منٹ میں اس کے گھر تک جا پہنچے تھے جو اتفاق سے آبادی کے آغاز میں تھا اور ہمیں اتنی صبح آتے کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ راستے میں مجھے خیال آیا، میں نے زردوز خان سے اتنی صبح بھیڑیں لے جانے کی وجہ پوچھی، اس نے بتایا، چند دنوں میں علاقے میں برف باری شروع ہونے والی تھی۔ وہ اس سے پہلے اپنے جانوروں کو زیادہ سے زیادہ چرا لینا چاہتا تھا۔ صبح ذرا سی روشنی ہوتے ہی جانوروں کو لے کر چراگاہ والے علاقے میں آ جاتا تھا۔ اس کا مکان مقامی طرز کا نیم کچا پکا اور خستہ حال تھا۔ دیواریں مٹی اور پتھر کی تھیں جبکہ چھت لکڑی کی تھی۔ انداز جھونپڑے والا تھا اور خاصا مختصر سا مکان تھا۔ موٹا

نے مکان دیکھتے ہی کہا۔ ''ہم کہاں آئیں گے اس میں...... اس کی بیویوں اور بچوں نے جگہ چھوڑی ہوگی۔''
لیکن زر... ن ہمارے لئے ایک الگ، چھوٹا اور کسی قدر گندا کمرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ کسی قدر گندا یوں کہ ہماری آمد سے پہلے وہ نہایت غلیظ رہا ہوگا۔ زردوز خان نے اس کی ہنگامی بنیادوں پر صفائی کی تھی۔ جیسے برسات سے پہلے شہر کی انتظامیہ سیوریج کے نالوں کی صفائی کراتی ہے۔ انداز تقریباً وہی تھا۔ یعنی نالے کی گندنالے کے باہر ڈال دی گئی تھی۔ ہر عمر اور سائز کے بچے ہماری زیارت کو آرہے تھے اور باپ سے گالیاں کھا کر بے مزہ نہیں ہوئے تھے، ایک بے تکلف حضرت نے اندر آکر ایمن کا بیگ کھنگالنے کی کوشش کی۔ ایمن نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔ وہ سمجھنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ اس کے باپ نے اسے درست طریقے سمجھایا اور دو عدد تھپڑ رسید کئے اور برخوردار کو کمرے سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد ہمارے لئے جنگی بنیاد پر ناشتے کی تیاری شروع ہوئی۔ جنگی بنیاد پر یوں کہ باہر ہونے والا شور محاذِ جنگ کے شور سے ذرا کم تھا۔ زردوز خان، اس کی بیویاں اور بچے یکساں طور پر چلا رہے تھے۔ ایمن متفکر ہوگئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''یہ کیوں شور کر رہے ہیں؟''

''زردوز خان اس لئے شور کر رہا ہے کہ ہمارے لئے اعلیٰ درجے کا ناشتا تیار کیا جائے۔ بیویاں اس لئے چلا رہی ہیں کہ وہ ہفتے بھر کے راشن کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور رہے بچے تو ان کا کام ہی چلانا ہے۔''

''یہ بچوں کو اسکول نہیں بھیجتے؟'' ایمن نے وحشت زدہ ہو کر کہا۔

''کیونکہ یہ بچے اسکول بھیجنے کے لئے پیدا نہیں کرتے ہیں اور دوسرے بچے پیدا کرنے سے فرصت ملے تو ان کے دوسرے مسائل پر غور بھی کریں۔''

''کیوں ملک کو ڈی گریڈ کر رہا ہے۔'' سفیر نے مجھے گھورا۔

میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میں بے چارہ کیا ڈی گریڈ کروں گا اس ملک کے کرتا دھرتا پہلے ہی یہ کام مکمل طور پر کر چکے ہیں۔''

کمرے میں نرم قالین بچھا تھا جس کے بارے میں شک تھا۔ وہ صاف ہے بھی یا نہیں۔ ایمن اور مونا نے پہلے تو بیٹھنے سے گریز کیا مگر کب تک کچھ دیر بعد وہ بیٹھ گئیں اور مزید کچھ دیر بعد دیواروں سے ٹیک لگا کر نیم دراز بھی ہوگئیں۔ ہم سب شہری معیار کے سکون و آرام کے عادی تھے اور گزشتہ رات کی خانہ بدوشی نے ہماری چولیں ہلا دی تھیں۔ خاص طور سے ایمن اور مونا کا برا حال تھا۔ نرم قالین ملا تو وہ اونگھ گئیں۔ میں نے زردوز خان کو بلا کر درخواست کی کہ ناشتا بے شک دیر سے ملے لیکن شور شرابے کے بغیر۔ اس دوران میں وہ ہمیں کپڑے لا دے، یہ سن کر اس نے سر کھجایا اور بولا۔ ''وہ ناشتے کے بعد...... ورنہ ابھی اور شور ہوگا۔''

''اور شور...... وہ کس لئے؟'' سفیر نے کہا۔

''عورت اپنا چیز آسانی سے کدھر دیتا ہے۔'' وہ مسکین صورت بنا کر بولا۔ ''شور تو ہوگا۔ پر آپ فکر مت کرو، سب مل جائے گا۔''

''کب تک؟''

''جب آپ روپیا دے گا۔ ہم فوراً جا کر لے آئے گا۔''

میں نے اسے ہزار کا نوٹ دیا جو میں پہلے ہی گڈی سے الگ کر چکا تھا۔ راجا عمر دراز نے ایک لاکھ روپے دیئے تھے۔ رقم کی ہمارے پاس کمی نہیں تھی۔ ایک وسیع کشادہ مسکراہٹ کے ساتھ زردوز خان نے نوٹ لیا۔ ''ہمیں کپڑے پرانے لیکن صاف ستھرے چاہئیں۔ ان عورتوں کے لئے برقع اور پیروں میں پہننے والے مقامی طرز کے جوتے درکار ہیں، ہمارے لئے بھی جوتے لاؤ۔''

''ہزار میں...... '' اس کی مسکراہٹ سکڑ کر غائب ہوگئی۔ ''اتنے میں تو نہیں آئے گا۔''

سفیر نے اسے دو سو روپے اور دیئے۔ ''ہمارے لئے چھوڑو، پر عورتوں کے لئے جوتے ضرور لانا۔''

اپنی بیویوں کو ناشتے کے بارے میں ایک پُر شور بریفنگ دے کر وہ کپڑے لانے کے لئے روانہ ہوا، میں نے اسے خاص طور سے سمجھا دیا تھا کہ ہمارا ذکر نہ کرے۔ ممکن ہے دشمن گاؤں تک آ گیا ہو۔ ہمارے بارے میں اسے پتا چلا تو وہ بلا تکلفی سے راکٹ مار دیگا۔'' راکٹ مارا تو ہمارے ساتھ تمہارا بیوی بچہ بھی گیا۔''

''تم بالکل غریب ہو جائے گا بغیر بیوی بچوں کا۔'' سفیر نے اسے مزید ڈرایا۔

''ہم احتیاط کرے گا۔'' اس نے گھبرا کر کہا تھا۔

زردوز خان کے جانے کے بعد میں اور سفیر بھی دراز ہو گئے تھے۔ قالین سے ایسی بو آ رہی تھی جیسے چھوٹے بچوں والے بستر سے آتی ہے۔ مگر اس وقت ہمیں اتنی ناگوار نہیں لگ رہی تھی۔ وقت آدمی کو حالات سے سمجھوتا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ نصف گھنٹے بعد ایک نسبتاً بڑی عمر کا بچہ آیا یعنی آٹھ، نو سال کا۔ اس نے کسی قدر صاف کپڑا بچھایا اور اس کے بعد ناشتے کی آمد شروع ہوئی۔ یہ سرونگ پارٹی چار سال سے لے کر دس سال کے بچے بچیوں پر مشتمل تھی اور سب نے کچھ نہ کچھ اٹھا رکھا تھا۔ دیسی گھی میں تر تراتے پراٹھے۔ دیسی انڈے، تلے اور ابلے ہوئے، مکھن اور مقامی طرز کی لسی جو بہت گاڑھی ہوتی ہے۔ ناشتا بے حد مقوی تھا لیکن جب ہم نے کھانا شروع کیا تو سب صاف کر دیا۔ شروع میں مونا اور ایمن نے خاصی ناک بھوں چڑھائی تھی مگر جب کھانا شروع کیا تو ہم سے کسی طرح پیچھے نہیں رہی تھیں۔ سردی، رات بھر کی مشقت آمیز نیند (جدید طبی تحقیق کے مطابق سخت اور سرد جگہ سونے سے انسانی جسم بہتر طور پر کیلوریز ضائع کرتا ہے) اور پہاڑی علاقے میں سفر نے ہمارے معدوں کو پوری طرح فعال کر دیا تھا۔ سب سے آخر میں چائے آئی تو ہماری مسرت کے کیا کہنے!

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' مونا نے خلوص سے کہا۔ ''اس چائے کے بدلے زردوز خان کو ہزار روپے اور دینا۔''

اگرچہ اصولی طور پر میں نے مونا سے اتفاق کیا تھا لیکن زردوز خان کو ایک روپیا مزید دینے سے انکار کر دیا۔ ''مجھے لالچی اور کمینے لوگوں سے چڑ ہے، ممکن ہے وہ اس طرح کاروباری ذہنیت نہ دکھاتا تو میں اسے ایک لاکھ دے دیتا۔''

''چل یار! اتنا شاندار ناشتا کرایا ہے اور پھر چائے۔'' سفیر نے مونا کی حمایت کی۔ ''میں دے دوں گا۔''

''تیری مرضی...... لیکن یہ رویہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے، اسے بھنک بھی مل گئی کہ ہمارے پاس بڑی رقم ہے تو اس کی نیت میں فتور آ سکتا ہے محتاط رہ۔''

ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کا ترجمہ میں یا مونا ایمن کے گوش گزار کر رہے تھے تا کہ اسے محسوس نہ ہو۔اس نے میری حمایت کی۔ ''لالچی لوگوں کے سامنے آدمی کو محتاط رہنا چاہئے۔''

ناشتا کر کے مونا اور ایمن نے دسترخوان سمیٹا اور بے تکلفی سے مکان کے اندر چلی گئیں۔خواتین کو یہ بڑی سہولت ہے،اجنبی جگہوں پر بھی آرام سے چلی جاتی ہیں۔

''یار...... چھپنے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے؟''سفیر قالین پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

''دشمن کے اتنے قریب!''میں نے نفی میں سر ہلایا۔''بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ہمیں جلد از جلد اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہئے۔جیسے ہی زردوز خان ہمارے لئے کپڑے لایا، ہم حلیہ بدل کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''زردوز خان سے بسوں اور دوسری ٹرانسپورٹ کے بارے میں بھی پوچھنا۔''سفیر نے یاد دلایا۔''میں سوچ رہا ہوں، ہم کسی راستے سے ایبٹ آباد کی طرف نکل جاتے ہیں۔اس طرف تلاش کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آئے گا۔ہمیں تلاش کرنے والوں کا زور کاغان اور اس کے مخالف سمت میں اسلام آباد کی طرف ہوگا۔''

''یہ تُو نے کام کی بات کی ہے۔''میں نے سوچ کر کہا۔''لیکن کیا یہاں سے ایبٹ آباد جانے کے لئے کوئی ٹرانسپورٹ ملے گی؟''

''جیب میں پیسا ہونا چاہئے، سب مل جاتا ہے۔''سفیر نے کہا۔''اسی لمحے زردوز خان دروازے پر نظر آیا۔اس نے ایک بڑا سا گٹھر اٹھا رکھا تھا۔وہ اندر آیا اور گٹھر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

''اس میں تم لوگوں کے واسطے کپڑے ہیں اور تمہاری بی بی کے واسطے برقع اور جوتا بھی ہے۔''

میں نے کھول کر دیکھا، اندر ملیشیا کے دو سوٹ تھے۔دو عدد شٹل کاک برقع تھے۔جو ان علاقوں میں سفر کرنے والی عورتیں عام استعمال کرتی ہیں۔اپنے علاقے میں یہاں پردے کا رواج کم ہے۔عورتیں عام طور سے چادر یا دوپٹے سے کام چلاتی ہیں۔برقعوں کے ساتھ چمڑے کے زنانہ جوتے تھے، یہ دیسی جوتے صرف اس علاقے میں نظر آتے ہیں، انہیں پہن کر دشوار راستوں پر چلنا آسان ہوتا ہے۔جوڑوں کے ساتھ سروں پر پہننے والی گرم ٹوپیاں بھی تھیں۔جوڑے میرے خیال میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہمارے ناپ کے تھے۔

''کیسا ہے صاحب؟''زردوز خان نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔''میں نے بے پروائی سے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں پہن کر دیکھ لینا چاہئے۔''سفیر نے تجویز پیش کی۔ہم نے دروازہ بند کر کے کپڑے تبدیل کئے۔میری شلوار چھوٹی تھی لیکن اسے شرعی تقاضا بھی سمجھا جا سکتا تھا جبکہ سفیر کی چھوٹی قمیص جیکٹ تلے آ گئی تھی لہٰذا مسئلہ نہیں تھا۔ٹوپیاں بھی ٹھیک تھیں۔اپنے اتارے کپڑے ہم نے بیگوں میں ڈال لئے۔پھر مجھے خیال آیا۔

''ہمیں گرم چادریں بھی درکار ہیں۔''

''دو سو روپے اور لے گا۔''زردوز خان نے کھرے لہجے میں کہا اور دو سو روپے لے کر ہمیں اپنی دو عدد بوسیدہ ہو جانے والی گرم چادریں لا دیں۔

"اس سے مرے ہوئے چوہے جیسی بو آ رہی ہے۔" سفیر نے اپنی چادر کو سونگھا۔
"اور اس سے کھٹملوں والی۔" میں نے اپنی چادر دیکھی۔
"ابھی تو یہی ملے گا۔" زردوز خان نے دانت نکالے۔ "نیا والا تین سو میں ملے گا ایک چادر۔"
"نہیں، یہی ٹھیک ہے۔" میں نے جلدی سے کہا در حقیقت ہمیں ایسا حلیہ بنانے کی ضرورت تھی، جس میں کوئی اور ہماری طرف متوجہ نہ ہو۔ اس کے لئے پرانے کپڑے اور یہ بوسیدہ چادریں ہی مناسب تھیں۔
"ہمارے جوتے اور بیگز!" سفیر نے توجہ دلائی۔ "یہ شک کی وجہ بن سکتے ہیں۔"
"ان کا علاج کرتے ہیں۔" میں نے کہا اور جوتے زردوز خان کے حوالے کئے۔ "اپنے بچوں سے کہو، ان کو باہر مٹی میں لے جا کر خوب رگڑیں لیکن خیال رہے، پھٹیں نہیں۔"
زردوز جوتے لے گیا۔ سفیر نے پوچھا۔ "بیگز کا کیا کرنا ہے؟"
"یار، ان کا بھی کچھ کرلیں گے۔" میں نے کہا۔ "خواتین کو کیسے نکالا جائے۔ یہ تو اندر جا کر بیٹھ گئی ہیں۔"
سفیر نے جھانکا تاکی کرنے والے ایک بچے کو بلایا اور اشاروں سے اسے سمجھایا کہ جا کر مونا اور ایمن کو بلا لائے۔ اشارے اس کی سمجھ میں آ گئے۔ مونا اور ایمن بادل نخواستہ آئیں خاص طور سے ایمن ان عورتوں اور بچوں میں بے حد خوش تھی۔ اس نے اپنے ننھے سے ڈیجیٹل کیمرے سے ان لوگوں کی تصاویر بھی لی تھیں۔
"تم لوگوں کو کیا جلدی ہے؟" مونا نے خفگی سے کہا۔
سفیر نے دانت پیسے۔ "آپ شادی میں یا کسی رشتے دار کے ہاں نہیں آئے ہیں۔ دشمنوں سے بچتے پھر رہے ہیں، اب تیار ہو اور چلو۔"
اگلا مرحلہ دشوار ترین تھا یعنی ان خواتین کو برقع میں جانے پر آمادہ کرنا۔ ایمن نے تو صبر سے پہن لیا حالانکہ رواج سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسے بہت دشواری پیش آ رہی تھی۔ مونا نے خاصا شور مچایا تھا۔ بہر حال اسے برقع اور جوتے پہننا پڑے تھے۔ البتہ کام کی بات ایمن نے کی۔ "یہ لباس اور جوتے پہن کر میں ان راستوں پر کسی صورت نہیں چل سکتی۔"
میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ "یار، یہ تو واقعی مسئلہ ہے۔"
"اگر ایک عدد گدھا ہائر کر لیا جائے؟" سفیر نے فوری طور پر مسئلے کا حل پیش کیا۔
"میں گدھے پر ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔" مونا کی برہمی بڑھتی جا رہی تھی۔
"اب تمہارے لئے یہاں گاڑی تو منگوانے سے رہے۔"
گدھے کا سن کر ایمن کا رنگ بھی اُڑ گیا تھا۔ اس نے منمنا کر کہا۔ "مجھے گدھے سے ڈر لگتا ہے۔ ایک بار بچپن میں مجھے گدھے نے کاٹ لیا تھا۔"
"فکر مت کرو، پاکستانی گدھے بے حد شریف اور امن پسند ہوتے ہیں۔" میں نے اسے تسلی دی اور چلا کر زردوز خان کا نام لیا۔ وہ دوڑا ہوا آیا تھا۔
"یار، یہ جو ہمارے ساتھ خواتین ہیں ان کا پیدل چلنے کا موڈ نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے ایک عدد گدھا یا خچر مل سکتا ہے؟"

"مل سکتا ہے، کیوں نہیں مل سکتا پر کرایہ......"

"مناسب ہونا چاہئے۔" سغیر نے اسے خبردار کیا۔ "کرائے کے نام پر خچر کی قیمت لینے کی کوشش مت کرنا۔"

"صرف سو روپیا...... ہم اس سے ایک روپیا نہیں لے گا۔" اس نے دانت نکالے۔ "پر ہم نہیں جائے گا خچر کا مالک جائے گا۔"

"اسے بلالاؤ...... لیکن ہمارے بارے میں مت بتانا۔"

"ہم سمجھتا ہے۔" زردوز نے کہا اور خچر لانے روانہ ہو گیا۔

مونا اب بھی خفا تھی۔ "سنو، ان عورتوں اور بچوں کو کچھ رقم دینی چاہئے۔ زردوز خان نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ عورتیں اپنے گھر کے لئے اشیائے خورد و نوش کا انتظام خود کرتی ہیں اور زردوز نے ہفتے بھر کا راشن ہمیں ناشتے میں بنوا دیا تھا۔"

"میرا مطلب تھا۔ انڈے اور مکھن وغیرہ!" مونا نے وضاحت کی۔ "اب ان لوگوں کو صرف سوکھی روٹی کھانی پڑے گی۔"

سغیر نے عورتوں اور بچوں کے خیال سے زیادہ مونا کو خوش کرنے کے لئے ایک ہزار کا ایک نوٹ دیا کہ وہ زردوز خان کی بیویوں کو دے آئے۔ "لیکن انہیں کہہ دینا، یہ بات زردوز خان کو نہ بتائیں۔"

دس منٹ بعد زردوز خان، خچر اور اس کے مالک کو لئے حاضر ہوا تھا۔ اس نے ہمیں اپنے دور پرے کے رشتے دار قرار دیا لیکن خچر کے مالک نے یقین نہیں کیا تھا۔ ہم کسی طرح بھی زردوز خان کے رشتے دار نظر نہیں آتے تھے۔ بہر حال ہم گاہک تھے اور یہ بات اس دور دراز گاؤں کا خچر والا بھی جانتا تھا۔ کسٹمر از آل ویز رائٹ، لہٰذا اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اس پر کچھ بولا کہ ہم سڑک تک جانے والے معروف اور مختصر راستے کو چھوڑ کر ایسے راستے سے جائیں گے جس پر کوئی ہمیں دیکھنے نہ پائے۔ البتہ اس زحمت کا معاوضہ اس نے دگنا کر دیا تھا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ یہ کمرشل ازم اور پیسے کی ہوس ہم شہر والے ان علاقوں میں لائے تھے اور اس سے بھی افسوس ناک بات یہ تھی کہ چالاکی سے حاصل کی گئی، ان لوگوں کی کمائی شہر کے لوگ زیادہ چالاکی سے واپس لے جاتے تھے۔ یہاں دستیاب ہونے والی ضروریاتِ زندگی کی ہر شے شہر کے مقابلے میں کہیں مہنگی تھی۔

خچر کافی تندرست تھا۔ مونا اور ایمن بہ صد مشکل اس پر سوار ہوئیں۔ ایک موقع پر خچر بدکا تو دونوں نے سریلی اور ہسٹریائی چیخیں ماری تھیں۔ اس پر خچر نے بھی بے ہنگم آوازیں نکالیں مگر اس کے مالک نے اسے قابو میں رکھا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ بھاگ تو نہیں جائے گا، اس پر ہماری عورتیں ہیں؟"

"نہیں صاحب یہ ہمیشہ سواری گرا کر بھاگتا ہے۔" مالک نے اطمینان سے بتایا۔ "آپ کا بی بی لوگ لے کر نہیں بھاگے گا۔"

شکر ہے، مونا مقامی زبان سے نابلد تھی ورنہ اس جملے پر نہ جانے اس کا کیا ردِ عمل ہوتا خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہنسوں یا غصہ کروں؟ صبح کے دس بج رہے تھے جب ہم نے سڑک کی طرف سفر شروع کیا۔ خچر کے مالک عزیز گل نے بتایا کہ سڑک دو گھنٹے کی مسافت پر تھی کیونکہ ہم آبادی کے اوپر سے چکر کاٹ کر جا رہے

تھے۔ آبادی سے جاتے تو ایک گھنٹا لگتا۔ ہم نے دو عدد بیگز لے کر ان میں سارا سامان بھر لیا تھا اور یہ بیگ ہمارے شانوں پر تھے ان کو چھپانے کے لئے اوپر سے چادر لے لی تھی۔ ہمارے جوتے زردوز خان کے بچوں نے صحیح سے رگڑے تھے۔ ان کی شکل بگڑ گئی تھی۔ مونا اور ایمن مصیبت میں تھیں۔ برقع اور خچر کی سواری دونوں نئی چیزیں تھیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے خاص طور سے ہاتھ کیونکہ ان کے نرم و نازک، نیل پالش زدہ ہاتھ مقامی عورتوں سے بالکل مختلف تھے۔ ایمن آگے تھی اور مونا پیچھے۔ برقع ان کے گھٹنوں تک آرہے تھے۔ خاصی مشکل میں تھیں اور امکان یہی تھا کہ ہمیں دل کھول کر برا بھلا کہہ رہی ہوں گی، دل میں۔ ''ہم برقع اتار کر پیدل نہیں چل سکتے۔'' مونا نے مظلومانہ انداز میں فریاد کی۔

اس سے پہلے کہ سفیر کا دل پسیجتا، میں نے قطعی اور کھردرے لہجے میں کہا۔ ''ہرگز نہیں، ایسے ہی چلو۔''

''شوبی! تم سخت ظالم شخص ہو۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔

''شرم کرو...... یہ لڑکی گوری ہو کر کتنے صبر سکون سے بیٹھی ہے، ایک بار بھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائی اور ایک تم ہو، مسلسل شکوے کئے جا رہی ہو۔'' میں نے اسے شرم دلائی۔ مونا چپ کر گئی۔ ہم زردوز خان کے گھر سے نکل کر بائیں طرف واقع جنگل کی ڈھلان پر چڑھے، ہمیں گھنے درختوں کے اوپر سے جانا تھا۔ اس طرف سوائے چرواہوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ زردوز خان اپنی بھیڑوں کے پاس جانے کے لئے بے چین تھا اس لئے وہ بھی چلا گیا تھا۔ عزیز گل اس کا دوست تھا، اس کے پاس نصف درجن تندرست اور توانا خچر تھے جنہیں وہ کرائے پر چلاتا تھا۔ ڈھلان سے گزرتے ہوئے وہ مسلسل اپنے خچروں کی بات کرتا رہا تھا۔ آخر سفیر کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ ''ہمیں تمہارے خچروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اتنے اچھے خچر سے بھی نہیں؟''

''کسی قسم کے خچر سے نہیں ہے۔'' سفیر غرایا تو عزیز گل بادلِ نخواستہ چپ ہوا تھا۔

میں اردگرد نظر رکھے ہوئے تھا۔ اگرچہ کل سے اب تک کہیں بھی ہمیں دشمنوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ وہ کہیں آس پاس ہی ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ وہ چالاکی سے کام لے کر ان جنگلوں میں گھسنے کے بجائے سکون سے سڑک پر ہمارے منتظر تھے۔ ان علاقوں میں چند ہی سڑکیں تھیں اور باہر آمدورفت کے لئے ان سے گزرنا لازمی تھا۔ میں نے یہ لمبا چوڑا پلان ان کی نظروں سے بچنے کے لئے ہی بنایا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''یار، بہتر ہوگا، سڑک پر پہنچ کر ہم الگ الگ ہو جائیں۔''

''الگ ہو جائیں!'' سفیر چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں اور ایمن، تم اور مونا الگ الگ جوڑے بن جاتے ہیں۔ ہم پاس پاس ہی رہیں گے لیکن ایک دوسرے سے لاتعلق۔''

''ٹھیک ہے...... لیکن کیا تلاش کرنے والے اس سے دھوکا کھا جائیں گے؟''

''اس طرح تو اس حلئے کے بارے میں بھی یہی سوال اٹھتا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''اپنی طرف سے ہمیں ہر ممکن احتیاط کرنی چاہئے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا، اسے یہ تجویز زیادہ اچھی نہیں لگی تھی۔ بارہ

بجے کے قریب ایک پُر مشقت سفر کے بعد ہم سڑک تک پہنچنے میں کامیاب رہے تھے۔ اسی سڑک پر آگے جا کر وہ ہوٹل تھا جہاں سے ہم فرار ہوئے تھے۔ میں نے عزیز گل سے پوچھا۔

''یہاں بس کب تک ملتی ہے؟''

''ہم کو نہیں معلوم۔'' اس نے رُکھائی سے جواب دیا۔ خچروں کے ذکر سے منع کرنے پر وہ خاصا دل برداشتہ نظر آ رہا تھا۔ بہر حال اپنا معاوضہ وصول کر کے اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا اور اس نے بتایا کہ اس سڑک پر شام تین بجے تک بسیں چلتی ہیں۔ میں نے پرائیوٹ گاڑی کا پوچھا۔ ''اس کے لئے بارہ میل نیچے جانا ہوگا، اُدھر بڑا گاؤں ہے، وہاں سے جیپ یا کار مل جائے گا۔''

''بارہ میل!'' میں نے لمبی آہ بھری۔ ''یعنی کوئی پچیس میل، اگر ہم قصبے تک جانا چاہیں تو شام سے پہلے پہنچ سکتے ہیں۔''

''ہاں، ہم ابھی جا کر دو خچر اور لاتا ہے۔ شام تک آپ اُدھر ہوگا۔''

اسے آنے جانے میں دو گھنٹے لگ جاتے اور ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ میں نے سفیر سے بات کر کے پیدل مارچ کرنے کا فیصلہ کیا اور جب عزیز گل سے کہا تو اس نے مطالبہ کر دیا۔ ''ہم پانچ سو لے گا۔''

''پانچ سو۔'' میں اچھل پڑا تھا۔ ''تمہارا دماغ درست ہے، کیا تم کو اسلام آباد لے جا رہے ہیں؟''

''بارہ میل کے پانچ سو!'' مونا نے بھی اعتراض کیا۔

''ہم کو رات اُدھر رکنا ہوگا۔ ہوٹل کا کرایہ کھانا اور خچر کا واسطے چارہ۔ یہ سب ہم کو اپنی جیب سے دینا ہو گا۔''

''لہٰذا تم اس رقم کو دگنا تگنا کر کے ہماری جیب سے نکلوا رہے ہو۔ ہمیں تمہارے ساتھ نہیں جانا۔''

''اچھا چار سو دے دو۔''

''چار روپے بھی نہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''بس آ رہی ہے۔''

اس نے پلٹ کر دور بلندی سے اترتی بس کو دیکھا اور بے زبان خچر پر غصہ اتارتا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ چند منٹ بعد خستہ حال بس جھولتی اور لڑکھڑاتی ہمارے سامنے رکی۔ بس میں پہلے ہی لوگ یوں بھرے ہوئے تھے۔ جیسے انار میں دانے۔ بہر حال ہم سب کسی نہ کسی طرح فٹ ہو گئے تھے۔ مرد و زن کی تخصیص نہیں تھی۔ ایمن اور مونا کو ایک سیٹ پر جگہ ملی۔ مجھے اور سفیر کو دوسرے افراد کے ساتھ باہم شیر و شکر ہونا پڑا تھا۔ ابھی بس چلی تھی کہ ایک دھچکے سے پھر رک گئی۔ میں سمجھا کہ کوئی اور مسافر ہوگا مگر اس کے بجائے ڈرائیور اور کنڈیکٹر کے کسی سے جھگڑنے کی آواز آئی۔

''ہم نہیں روکے گا، گاڑی ہٹاؤ۔''

جواب میں گالیوں کی بوچھاڑ آئی۔ ''تمہاری...... نیچے اترو......''

کسی نے ڈرائیور کو نیچے کھینچ لیا۔ کنڈیکٹر پہلے ہی نیچے تھا۔ میں نے بمشکل چند افراد کے اوپر سے جھانکنے کی کوشش کی۔ سفیر نے میرے کان میں کہا۔ ''یہ کیا چکر ہے؟''

''خطرہ سر پر آ گیا ہے۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔ گالیوں اور دھمکیوں کی آواز بڑھ رہی تھی اور اب ان

میں چند مسافروں کی آوازیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ اچانک کسی خودکار ہتھیار سے برسٹ چلنے کی آواز آئی۔ کوئی چیخا اور سارے مسافر بے ساختہ جھک گئے۔ تب میں نے دیکھا، بس کے عین سامنے نیلے رنگ کی جانی پہچانی جیپ کھڑی تھی اور اس جیپ کے پاس رائفل بردار ایک جانی پہچانی شخصیت تھی۔ میں سیدھا کھڑا تھا اور اس شخصیت نے میری طرف دیکھا تھا۔ میں تیزی سے جھک گیا تھا۔ میرا دل سوال کر رہا تھا، کیا اس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا تھا......؟ اس سوال کا میرے پاس جواب نہیں تھا۔

☆======☆======☆

عظیم الجثہ گلے خان کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے دِل کی دھڑکن رکی تھی۔ وہی گلے خان جس کی وجہ سے ہم ڈیوڈ شا اور فتح خان کی قید سے نکلے تھے۔ وہ ان کا بندۂ بے دام تھا لیکن اس کا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری مدد کی تھی اور مجھے یقین تھا فتح خان نے اسے کم سے کم سزا یہ دی ہوگی کہ اسے قتل کر دیا ہوگا۔ کم سے کم یوں کہ وہ موت سے بھی زیادہ سخت سزا دینے کا ہنر جانتا تھا۔ اس لئے گلے خان کو زندہ سلامت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ نہ جانے کیسے فتح خان نے اسے معاف کر دیا تھا حالانکہ اس کی لُغت میں سرے سے یہ لفظ ہی نہیں تھا۔ ”سفی...... باہر گلے خان ہے۔“ میں نے سرگوشی میں کہا۔

”مارے گئے۔“ وہ کراہا۔ ”وہ ہمیں آنکھیں بند کر کے بھی شناخت کر سکتا ہے۔“

”اس نے شاید مجھے دیکھ لیا ہے اور ابھی ہم پکڑے جائیں گے۔“

”یار، مجھے مونا اور ایمن کی فکر ہے۔“

مونا اور ایمن ہم سے ذرا فاصلے پر تھیں اور برقعوں میں پوری طرح روپوش تھیں۔ ”شاید ان کی طرف دھیان نہ جائے۔“

”ہمیں مفروضوں پر غور کرنے کے بجائے ان سے مقابلہ کرنا چاہئے۔“

میں نے سفیر کی تجویز پر غور کیا۔ گلے خان کے ساتھ کوئی نصف درجن مسلح افراد اور بھی تھے۔ ہم صرف دو تھے، اتنے افراد کا مقابلہ کرنا، ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا۔ دوسرے وہ کھلی جگہ پر اور آزاد تھے۔ جبکہ ہم بس کے چوہے دان میں پھنسے ہوئے تھے۔ کسی نے باہر سے چلا کر مقامی زبان میں کہا۔ ”سب بس سے اتر آؤ ورنہ بم مار کر بس اُڑا دیں گے، ہاتھ اپنے سروں پر رکھ کر آنا۔“

یہ سنتے ہی لوگوں میں کھلبلی مچ گئی اور اب ہر ایک سب سے پہلے بس سے اترنا چاہتا تھا۔ سب بیک وقت نکلنے کی کوشش میں دروازے پر پھنس گئے تھے۔ یہ ان کی چالاکی تھی، وہ اندر آنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے اطمینان سے سب کو بس سے اتار کے شناخت پریڈ کراتے اور ہمیں پکڑ لے جاتے۔ میں نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا۔ اترنے والے مردوں کو چار پانچ مسلح افراد ہانک کر قطار میں کھڑا کر رہے تھے اور چلا چلا کر ان کو ہاتھ سروں پر رکھنے کا حکم بھی دے رہے تھے۔ بس میں برائے نام عورتیں تھیں۔ مونا اور ایمن کے علاوہ ان کی تعداد نصف درجن تھی۔ لوگوں کے نیچے اترنے سے رش کم ہو رہا تھا اور اب باقی لوگ زیادہ تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ سفیر گھبرایا ہوا تھا۔ ”یار اب کیا کریں؟“

”ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں نکلنا ہوگا۔“

''کیسے؟'' سفیر مایوسی سے بولا۔ ''انہوں نے بس کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔''

میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ فتح خان کے آدمیوں میں مجھے صرف گلے خان ہی شناخت کر سکتا تھا اور مجھے امید تھی وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا کیونکہ اس صورت میں فتح خان کو پتا چل جاتا کہ ہمیں فرار کرانے میں اس کا ہاتھ تھا۔ ممکن ہے کسی وجہ سے یہ حقیقت ابھی تک فتح خان کے علم نہ آئی ہو اور گلے خان کی بچت ہو گئی ہو مگر حقیقت جان لینے کے بعد فتح خان سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے معاف کر دے گا۔ گلے خان کی عافیت اسی میں تھی کہ ہم نہ پکڑے جائیں۔ ہمارے آس پاس کے لوگ اٹھ کر دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ جلد یا بدیر ہمیں بھی اٹھنا تھا ورنہ خاص طور سے نظروں میں آ جاتے۔ میں نے پھر سر اٹھا کر دیکھا۔ اترنے والی عورتوں کو ایک طرف کیا جا رہا تھا۔ میں نے سرگوشی کی۔ ''سفی، اٹھ جا...... اسلحہ احتیاط سے رکھنا، ان کی نظر میں نہ آئے۔''

''اسلحہ آئے نہ آئے، ہم تو ان کی نظر میں آ ہی جائیں گے۔''

میں نے مونا اور ایمن کو اشارہ کیا کہ وہ بھی نیچے اترنے والوں میں شامل ہو جائیں، ایمن نے میرا اشارہ دیکھ لیا تھا، اس نے مونا کا بازو ہلایا اور سرگوشی میں کچھ کہا۔ مونا بادل نخواستہ اٹھی تھی۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''ہم ان کے پیچھے اترنے کے بعد جائیں گے۔''

''میرا خیال ہے ہمیں الگ الگ اترنا چاہئے۔''

سفیر کی تجویز اچھی تھی جیسے ہی مونا اور ایمن دروازے کے پاس پہنچیں، میں کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے آگے چار پانچ افراد تھے۔ میں دروازے تک پہنچا تو ایمن اور مونا دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی نظر آئیں۔ شکر ہے کہ شٹل کاک برقع نے ان کو مکمل طور پر چھپا لیا تھا۔ میں نیچے اترا تو ایک رائفل بردار شخص نے مجھے نال کے اشارے سے مردوں والے حصے کی طرف جانے کو کہا، دوسرا غرایا۔ ''ہاتھ اوپر کرو خدائی خوار!''

کلاشنکوف میری بغل تلے تھی۔ اس لئے نمایاں نہیں تھی۔ گہرم چادر نے مجھے پوری طرح چھپا لیا تھا۔ میں نے سر بھی جھکا لیا تاکہ چہرہ آسانی سے نظر نہ آئے، اس کے باوجود میں نے محسوس کیا، گلے خان بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے برابر میں لومڑی کی سی صورت والا ایک پستہ قد شخص کھڑا تھا۔ اس نے چھوٹی نال کی روسی ساختہ شاٹ گن اٹھا رکھی تھی۔ سب سے افسوس ناک منظر کنڈیکٹر کی چھلنی لاش تھی جو بس کے عین سامنے پڑی تھی، اسے بے دردی سے مار دیا گیا تھا۔ شاید اس نے ان لوگوں کو ڈاکو سمجھ کر مزاحمت کی تھی۔ بس کا ڈرائیور مسافروں کے ساتھ کھڑا تھا اور اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سفیر بھی اترا اور مجھ سے ذرا دور کھڑا ہو گیا۔ پانچ افراد ہم سب کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ پوری طرح ہوشیار اور چوکس تھے۔ لومڑی کی صورت والے نے پشتو میں گلے خان سے کہا۔ ''ان کو دیکھو، کون ہے ان میں سے؟''

''کوئی نہیں۔'' گلے خان نے آہستہ سے کہا، وہ لومڑی نما شخص سے ذرا دبا لگ رہا تھا۔

''غور سے دیکھو۔'' لومڑی کی صورت والا غرایا۔ وہ لوگ نہیں ملے تو جانتے ہو خان کیا کرے گا؟''

گلے خان نے بادل نخواستہ ہم مسافروں کے پاس آ کر ہمارا معائنہ شروع کر دیا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ گلے خان ہماری صورتیں بھول جاتا۔ سوائے اس کے کہ کسی وجہ سے اس کی یادداشت ہی چلی جاتی۔ مگر اس کا رویہ حوصلہ افزا تھا، مجھے واضح طور پر دیکھنے کے باوجود اس نے مجھے شناخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

یعنی اسے بھی فکر تھی کہ ہم پکڑے گئے تو اس کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اس لئے وہ ہمیں شناخت کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ میرے سامنے آ کر وہ ایک لمحے کو رکا اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ میرے انداز میں دھمکی تھی اور اس نے اس دھمکی کو سمجھ بھی لیا تھا اس لئے جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ سفیر کے سامنے تو اس نے رکنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی۔ گلے خان نے قطار میں کھڑے آخری آدمی کو بھی دیکھنے کے بعد لومڑی نما چہرے والے کو آگاہ کیا۔ میں نے سکون کا طویل سانس لیا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ گلے خان ہماری طرف اشارہ نہ کر دے۔ اس نے کہا تھا۔ ''ان میں سے کوئی نہیں ہے۔''

''عورتوں کو دیکھو۔'' لومڑی نما چہرے والے نے حکم دیا اور میرا سکون غارت کر دیا۔ عورتوں کو دیکھنے کا مطلب تھا ایمن اور مونا پکڑی جاتیں، ان کا حلیہ مقامی عورتوں سے بالکل مختلف تھا۔ بس برقع اتارنے کی دیر تھی۔ ایمن تو لہجے سے پکڑی جاتی، اسے کوئی مقامی زبان نہیں آتی تھی۔

''جب وہ دونوں مرد یہاں نہیں ہیں تو عورتوں کو دیکھنے کا فائدہ!'' گلے خان نے کمزور لہجے میں کہا۔

''فضول باتیں مت کرو، عورتوں کو دیکھو۔'' لومڑی نما چہرے والا غرایا۔ ساری گفتگو پشتو میں ہو رہی تھی۔ اس لئے مونا کو بھی پتا نہیں تھا کہ روئے سخن ان کی طرف ہے ورنہ وہ شاید اضطراری طور پر خود اپنا بھانڈا پھوڑ دیتی۔ مگر دوسری عورتیں تو یہ زبان جانتی تھیں۔ ایک عورت نے واویلا شروع کیا۔ وہ کسی طرح برقع اتارنے اور اپنا چہرہ دکھانے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس نے لومڑی نما چہرے والے کو بے نقط سناتے ہوئے کہا کہ جس نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی وہ اس کا پیٹ پھاڑ دے گی۔ اس کے پاس خنجر تھا۔

''عورت! منہ بند رکھ۔'' لومڑی نما شخص دھاڑا اور گلے خان سے کہا۔ ''نقاب ہٹاؤ، اس کا۔''

گلے خان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے آج تک ایسا بے غیرتی کا کام نہیں کیا، تم خود ہٹالو۔''

اس پر عورت نے لومڑی نما چہرے والے کو پشتو کی خاص اور شاندار گالیوں سے ایسا نوازا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ... ی طرف عورت کو احتجاج کرتے دیکھ کر مردوں کو بھی جوش آ گیا اور وہ بلند آواز میں شور کرنے لگے۔ مسلح افراد چلا چلا ... ان کو چپ رہنے کا کہہ رہے تھے مگر ایک بار جب عوام بپھرتی ہے تو اسے قابو کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ زبانی احتجاج کے ساتھ لوگ آگے بڑھنے لگے تھے خاص طور سے جن کی عورتیں تھیں، وہ مرنے مارنے پر تُل گئے تھے۔ ایک تنومند شخص مچل مچل کر لومڑی نما آدمی کی طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے ساتھی اسے روک رہے تھے۔

''نکلو یہاں سے۔'' گلے خان نے اس سے کہا۔ ''تم نے بات بگاڑ دی۔ ابھی اس شخص کا حساب بھی دینا ہوگا، قتل کا مطلب سمجھتے ہو۔'' گلے خان نے کنڈیکٹر کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''تم فکر مت کرو۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''تم کو یقین ہے وہ ان میں نہیں ہیں۔''

''نہیں ہیں، اب نکلو یہاں سے۔'' گلے خان نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو جیپ کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب دوڑ کر جیپ میں سوار ہوئے۔ لوگ اب نعرے لگا رہے تھے بلکہ ایک نے پتھر بھی جیپ پر کھینچ مارا، اس پر گلے خان نے اپنی رائفل باہر نکال کر فضا میں برسٹ مارا۔ لوگ بے ساختہ پیچھے کی طرف بھاگے تھے۔ میں اور سفیر پہلے ہی پیچھے تھے۔ جیپ نے چکر کاٹا اور بس کے پاس سے گزر کر چلی گئی۔ ناقابلِ یقین طور پر ہم بچ گئے

تھے ورنہ جس وقت لومڑی نما شخص نے عورتوں کو چیک کرنے کا حکم دیا تھا، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم پکڑے جائیں گے۔ خدا اس خاتون کا بھلا کرے جنہوں نے واویلا مچا کر فتح خان کے سفاک گرگوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا، ان کی سفاکی کا نمونہ کنڈ یکٹر کی لاش کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔ جیپ کے غائب ہوتے ہی کچھ لوگ کنڈ یکٹر کی لاش اٹھانے لگے، میں اور سفیر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔

''پھر بچ گئے۔'' سفیر بولا۔ ''خدا مہربان ہے۔''

''مونا اور ایمن بچ گئیں۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''اگر وہ ان کی طرف جاتے تو ہم خاموش کہاں رہتے؟ پھر آر ہوتا یا پار۔''

مونا اور ایمن نے ہماری طرف آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چپ کھڑی تھیں۔ اگر وہ ہم سے بات شروع کر دیتیں تو شاید بس کے مسافر چونک جاتے۔ اب لوگ بحث کر رہے تھے کہ کیا، کیا جائے؟ ایک خیال تھانے جانے کا تھا لیکن اکثر لوگوں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ کوئی بھی پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ لہٰذا طے پایا کہ اگلی پولیس چوکی تک بس جائے گی اور وہاں پر رپورٹ کی جائے گی۔''

''پولیس!'' سفیر نے سرگوشی کی۔ ''یہ تو آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات ہو جائے گی۔''

رائے عامہ اگلے قصبے میں اتر جانے کے حق میں تھی جو عزیز گل کے مطابق اس جگہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پولیس چوکی اس قصبے کے بعد آتی۔ ''فکر نہ کر، ہم بھی قصبے میں اتر جائیں گے۔''

''وہاں امکان ہے فتح خان کا کوئی نہ کوئی آدمی ہوگا۔''

''ممکن ہے لیکن ہم پولیس چوکی تک جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔'' میں نے غور کیا سفیر کی بات میں وزن تھا۔ انسانوں کو آبادیوں میں تلاش کیا جاتا ہے کیونکہ جلد یا بدیر انسان مجبور ہو کر آبادی کا رخ کرتا ہے۔

''ایک تجویز ہے، ہم قصبے سے ذرا پہلے اتر جاتے ہیں۔''

''اس کے باوجود کسی سواری کے لئے قصبے تک تو جانا پڑے گا۔''

یہ اس وقت دیکھیں گے۔'' میں نے لوگوں کو بس میں سوار ہوتے دیکھ کر کہا۔ ''ابھی تو یہاں سے کھسکنے کی کرو۔'' میرے اشارے پر مونا اور ایمن بھی بس میں سوار ہو گئی تھیں ان کا حوصلہ قابلِ داد تھا۔ عادت نہ ہونے کے باوجود اب تک برقعوں میں ملفوف تھیں بلکہ انہوں نے اس صورت حال کا سامنا بھی بہادری سے کیا تھا اور کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے ان پر شک جاتا۔ مسافروں کے سوار ہوتے ہی بس چل پڑی تھی۔ دن کے تین بجے تھے اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اسی تناسب سے سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہیں کہیں گزشتہ برف کی باقیات پڑی تھیں۔ میں نے محسوس کیا تیز ہوا چلنے لگی تھی۔ یہ بھی سردی میں اضافے کی علامت تھی۔ آدھے گھنٹے بعد بس قصبے کے نزدیک جا پہنچی تھی جو سڑک کے دونوں طرف آباد تھا خاصا بڑا قصبہ تھا لیکن سردیوں کی وجہ سے ویران نظر آ رہا تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر ڈرائیور سے کہا۔

''رکو، ہمیں یہاں اترنا ہے۔''

میرا لہجہ میرے حلیے سے میل نہیں کھا رہا تھا۔ اس پر کئی افراد نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں، ڈرائیور نے

بھی بس روک دی۔ میں نے اور سفیر نے اپنے بیگ اٹھائے اور جب ہم دروازے کی طرف بڑھے تو ایمن اور مونا بھی کھڑی ہو گئیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہی اتری تھیں اس بار بھی کسی نے کچھ نہیں کہا البتہ لوگوں کی نظروں میں شک نظر آیا تھا۔ نیچے اتر کر بس کے جاتے ہی مونا نے شٹل کاک برقع اتارنے کی کوشش کی تھی۔ سفیر نے اسے روکا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں چند منٹ اور اس میں رہی تو بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

"حالانکہ ہمارے ہاں کی عورتیں ساری عمر اس میں گزار دیتی ہیں۔" سفیر نے ملامت کی۔

"وہ عادی ہوتی ہیں۔" مونا جھنجھلائی۔

"پلیز، بحث مت ..... ابھی ہمیں اس جگہ سے نکلنا بھی ہے۔" میں نے چاروں طرف دیکھا۔ "اس سے پہلے کہ دشمن نازل ہو جائے۔"

"اب تو مجھے خواب میں بھی دشمن نظر آتے ہیں۔" مونا نے سرد آہ بھری۔

"شوبی، کیا کرنا ہے اب؟" ایمن میرے پاس چلی آئی۔ مقامی طرز کی سیدھی سی چپل اور برقع میں اس کے لئے چلنا دشوار ہو رہا تھا اس کے باوجود وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"یہاں سے بھی نکلنا ہے۔" میں نے کہا۔ "ابھی کسی گاڑی کی تلاش کرنی ہے۔ میرا خیال ہے میں قصبے کی طرف جاؤں۔ وہاں کوئی نہ کوئی گاڑی مل جائے گی۔"

"میں تجھے اکیلے جانے نہیں دوں گا۔" سفیر جلدی سے بولا۔

"احمقانہ باتیں نہ کرو، ان دونوں کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم دونوں میں سے کسی کا ساتھ رہنا ضروری ہے۔"

"اور ہم کہاں رہیں گے؟" مونا نے پوچھا۔

"فی الحال تم لوگ سڑک سے ہٹ جاؤ۔ ایسا کرو اوپر درختوں میں چلے جاؤ۔ جب تک میں نہیں آؤں، نیچے مت آنا اور نہ ہی کسی دوسرے کے سامنے آنا۔"

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کے سامنے آنے کی۔"

میں نے اپنی بیلٹ سے رقم نکال کر اس میں سے صرف دس ہزار روپے رکھے اور باقی سفیر کو دیدی، پستول اور رائفل چیک کی۔ ہتھیار دونوں ہی ضروری تھے اور اس علاقے میں لوگ اسلحہ عام لے کر گھومتے تھے اس لئے کوئی خاص طور سے میری طرف متوجہ نہ ہوتا۔ میں نے چادر اچھی طرف لپیٹ لی اور سر جھکائے تیز قدموں سے قصبے کی طرف بڑھا۔ سفیر لڑکیوں کو لے کر اوپر چلا گیا تھا۔ سڑک کے آس پاس رہنا خطرناک تھا۔ فتح خان کے کتے پاگلوں کی طرح اس علاقے میں ہماری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ ان سے کسی لمحے بھی ٹکراؤ ہو سکتا تھا۔ قصبہ دور سے جتنا ویران نظر آ رہا تھا درحقیقت اتنا ویران نہیں تھا، دکانیں اور ایک عدد ہوٹل کھلا تھا اور اس کے سامنے کچھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہ سب کمرشل گاڑیاں تھیں۔ کچھ عرصے پہلے تک اس علاقے میں کرائے پر گاڑیاں چلانے والے بیشتر افراد سردیاں گزارنے یا تو نچلے علاقوں میں چلے جاتے تھے یا اپنی گاڑیاں بند کر کے بیٹھ جاتے تھے لیکن گزشتہ چند سالوں سے راستے بہتر ہونے اور میدانوں کی طرف سے برف باری دیکھنے اور اسکیٹنگ کے

شائقین کی آمد سے سردیوں میں بھی مقامی علاقوں میں رونق رہنے لگی ہے اور کاروبار جاری رہتا ہے۔ اس وجہ سے ہوٹل کھلے تھے اور گاڑیوں والے بھی موجود تھے جب اپنے علاقے میں ان کو کئی گنا زیادہ معاوضہ مل سکتا تھا تو ان کو گھروں سے دور جانے کی کیا ضرورت تھی؟

اگرچہ مجھے ایسا کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا جس پر میں فتح خان کا گرگا ہونے کا شبہ کر سکتا۔ ارد گرد موجود تمام افراد مقامی لگ رہے تھے، کم سے کم ان کے انداز سے یہی لگ رہا تھا۔ اس کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔ میں نے ہوٹل کے باہر کھڑی گاڑیوں میں سے ایک بڑی جیپ کو تاڑا اور اندر جا کے ہوٹل کے کاؤنٹر پر کھڑے شخص سے اس کے مالک کے بارے میں پوچھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔ "السلام علیکم! عیسیٰ خان۔۔۔ تمہارا کستور۔۔۔"

میں شرمندہ ہو گیا۔ "معاف کرنا خان صاحب! مجھے سلام کرنا یاد نہیں رہا۔"

اس نے پہلے سے زیادہ برا منہ بنایا۔ "ہم خان نہیں ہے۔"

"البتہ عیسیٰ خان خالص پٹھان تھا۔ درمیانے قد پر اس نے خاصا بھاری بھرکم لباس اور اس سے بھی کہیں زیادہ بھاری پگڑ باندھ رکھا تھا۔ "کیا بات اے صیب! کدر جانا اے۔۔۔ ام جائے گا۔"

"ہمیں ایبٹ آباد تک جانا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"جائے گا، کیوں نہیں جائے گا؟" اس نے یقین سے کہا۔ "تم اور چائے پیو۔ ام اتنا دیر میں جیپ تیار کرتا اے۔"

"تم کتنا لو گے؟" میں نے ہوٹل کے مالک کو چائے لانے کا اشارہ کیا۔

"چار ہزار۔" اس نے چار انگلیاں اٹھا کر کہا۔ "نہ ایک پیسا کم۔۔۔ نہ ایک زیادہ۔"

"منظور ہے۔ میرے ساتھ کچھ لوگ اور ہیں۔"

"پورا جیپ تمہارا اے صیب! جس کو چاہو لے جاؤ۔" عیسیٰ خان نے کہا اور باہر جیپ تیار کرتے چلا گیا اور میں نے چائے سنبھال لی اس موسم میں اس سے زیادہ کسی اور شے کی طلب نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے شرمندگی بھی ہوئی، میرے ساتھی بے چارے باہر ٹھٹھر رہے تھے اور میں یہاں مزے سے چائے پی رہا تھا۔ میں نے ہوٹل کے مالک سے کہا۔ "کھانے کو کچھ مل سکتا ہے۔ پیک کروانا ہے لیکن آدھے گھنٹے کے اندر۔"

"مل جائے گا۔ مرغی تیار ہے، ہم فرائی کرا دیتا ہے۔ ساتھ میں نان ہو جائے گا۔"

"بس تو تم تیار کر کے رکھو۔" میں نے ایک پانچ سو کا نوٹ اس کے سامنے رکھا۔ "میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں۔ کھانا کم سے کم پانچ آدمیوں کا ہو۔"

"باہر عیسیٰ خان جیپ کا تیل پانی چیک کر رہا تھا۔ جیپ اندر سے صاف ستھری اور کشادہ تھی۔ عقبی نشستوں کے پیچھے سامان رکھنے کی خاصی گنجائش تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی بڑی تیزی سے چھاتی جا رہی تھی۔ عیسیٰ خان نے میری طرف دیکھا۔ "صیب! رات ہو چکی اے۔ کیا اس ٹیم سفر کرنا ضروری اے؟"

"بالکل ضروری ہے۔ کچھ لو زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔"

"زندگی موت کا مسئلہ اے۔" اس نے تشویش سے کہا۔ "ام جائے گا، کیوں نہیں جائے گا۔"

"عیسیٰ خان اگر جیپ تیار ہے تو چل کر پہلے میرے ساتھیوں کو لانا ہے، باقی تیل پانی تم ادھر آ کر دیکھ لینا۔ اصل میں ہم بس سے ذرا پیچھے اتر گئے تھے۔"

"اس بس سے جس کا بندہ مار دیا اے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید ڈاکو تھے۔" میں نے سر ہلایا اور گھوم کر جیپ کے اندر آ گیا۔ عیسیٰ خان نے ونڈ اسکرین پر کپڑا مارا اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ جیپ چند سیلف مارنے پر اسٹارٹ ہو گئی۔

"کدر جانا اے صیب!"

"سامنے چلو۔ میرے ساتھی سڑک کے ساتھ رکے ہوئے ہیں۔"

میں نے جیپ اس جگہ رکوائی جہاں میں ان تینوں کو چھوڑ کر گیا تھا۔ "جیپ کی روشنیاں جلائے رکھو۔" عیسیٰ خان کو ہدایت دے کر میں نیچے اترا اور ہیڈ لائٹس کے سامنے کھڑا ہو گیا تا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ لیں، چند منٹ بعد اوپر سے تین سائے درختوں کے عقب سے برآمد ہوئے اور آتے ہی جیپ میں گھس گئے۔

"میرے خدا...... کیا غضب کی ٹھنڈ ہے۔" مونا نے لرزتی آواز میں کہا۔ "اگر تم کچھ دیر اور نہ آتے تو میں جم جاتی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں گرم چائے سے غسل دے کر پگھلا لیتا۔"

"آہ...... یہ تُو نے کیا نام لیا ہے۔" سفیر کراہا۔ "مجھے لگ رہا ہے، میں نے آخری چائے کا کپ شاید ایک سال پہلے پیا تھا۔"

"فکر نہ کر۔ ابھی تجھے سب ملے گا۔" میں نے اسے تسلی دی۔ ذرا دیر بعد ہوٹل کے گرم ماحول میں گرم شیرہ نما چائے پی کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔ میں نے ان کو عیسیٰ خان سے ڈیل کے بارے میں بتایا۔ "ہم ایبٹ آباد جائیں گے۔"

"ایبٹ آباد محفوظ جگہ ہے؟" سفیر نے سوال کیا۔

"اسلام آباد اور راولپنڈی کے مقابلے میں محفوظ ہے۔ وہاں ہمیں بہ آسانی کسی ہوٹل میں کمرے مل جائیں گے، اس کے بعد ہم سوچ سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

ایمن کچھ مضطرب تھی۔ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا، وہ اپنے باپ کے لئے پریشان تھی۔ ممکن ہے اسے خیال آ رہا ہو کہ ہم اس کے باپ کو تلاش کرنے کے بجائے اس علاقے سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہیں لیکن یہ ضروری تھا۔ میں ایمن کو بعد میں سمجھا سکتا تھا۔ ابھی یہاں فتح خان اور اس کے گرگوں سے ہمیں شدید خطرہ تھا۔ انہوں نے نیک نام کی منظم ٹیم کو اُڑا کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس علاقے میں کتنے طاقتور تھے اور ان سے ٹکرانا فی الحال ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہوٹل کے مالک نے کھانا تیار کرا کے پیک کر دیا تھا۔ چائے پیتے ہی ہم تیار ہو گئے تھے۔ ہوٹل کے نسبتاً صاف ستھرے باتھ روم میں سب نے خود کو طویل سفر کے لئے تیار کر لیا تھا۔ عیسیٰ خان بھی بالکل تیار تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی اس نے جیپ چلا دی۔ ہیٹر کی وجہ سے اس کا کیبن خوشگوار حد تک گرم تھا۔ عیسیٰ خان نے مجھ سے کہا۔ "صیب، رات کا وقت اے۔ ٹیم تھوڑا زیادہ لگے گا۔ ام صبح تک ایبٹ آباد پہنچے گا۔"

''فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''بلکہ کسی ایسے راستے سے لے چلو جو زیادہ مصروف نہ ہو۔''

''وہ کیوں صیب!''

''بس ایسے ہی۔'' میں نے اسے ٹالا مگر اس کی آنکھوں میں شک آ گیا تھا۔

''صیب، تم شہری لوگ اے۔ اتنا اسلحہ کیوں لیا اے؟''

''حفاظت کے لئے، ہمیں بعض لوگوں سے خطرہ ہے۔''

''وہ لوگ ادر تو نہیں اے؟'' آخر عیسیٰ خان نے دل کی بات پوچھ لی۔

''کچھ ایسا ہی سمجھو مگر تم فکر مت کرو۔ دشمنی ہم سے ہے، کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

''امارا باپ کو بھی صیب لوگوں نے ایسا ہی تسلی دیا تھا۔' اس نے سر ہلایا۔ ''لڑائی صیب لوگ کا دشمن سے ہوا۔ گولی امارا باپ کو لگا۔''

''وہ اتفاق ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''صیب یہ اتفاق ام غریبوں کے ساتھ ہوتا اے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''امارا ماما جو اے...... وہ بازار گیا تھا اور پولیس اور ڈاکو کے درمیان فائرنگ ہوا۔ گولی امارا ماما کو لگا۔''

''تمہاری خاندانی تاریخ اس ملک کے عوام کی تاریخ سے ملتی ہے۔'' سفیر نے افسوس کا اظہار کیا۔ ''پھر تمہارے والد اور ماموں مارے گئے؟''

''نہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔ ''باپ کا پاؤں میں گولی لگا اور ماما کے بازو میں۔''

''تب تو ڈرنے کی بات ہی نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تمہاری خاندانی تاریخ بتاتی ہے، تم لوگ سر، سینے یا پیٹ پر گولی کھانے کے قائل نہیں ہو۔''

''ام مرنے سے نہیں ڈرتا۔ بستر پر پڑنے سے ڈرتا اے۔''

''حالانکہ آدمی کو قبر میں لیٹنے سے ڈرنا چاہئے۔'' سفیر بولا۔ ''وہاں نہ تو رشتے دار ہوتے ہیں اور نہ تیماردار، صرف فرشتے آتے ہیں۔''

''خدا کے لئے...... تم لوگ کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔'' مونا نے خفا ہو کر کہا۔

''درست کہا بی بی! ویسے بھی دشمن موت کے فرشتے کے ساتھ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔'' میں نے تائید کی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' ایمن نے کہا، وہ خاصی دیر سے خاموش تھی۔

ابھی ہم نے کوئی چھ گھنٹے پہلے اتنا بھاری بھرکم ناشتہ کیا تھا کہ شہر میں کیا ہوتا تو رات تک بھی ہضم ہونے کی نوبت نہ آتی مگر پہاڑی راستوں پر سفر اور غضب کی سردی نے سب ہضم کر دیا تھا۔ میں خود بھی بھوک محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ایمن سے کہا۔ ''تم نکال لو۔ ہم بھی بعد میں کھا لیں گے یا جسے بھوک لگی ہے، وہ تمہارے ساتھ کھا لے۔''

''اور تم......؟''

''میں ابھی نہیں کھا رہا۔'' میں نے جواب دیا۔ دراصل مجھے فکر تھی، ہم بحفاظت اس علاقے سے نکل

جائیں۔ چھ بجے کے قریب عیسیٰ خان نے عام سڑک سے ہٹ کر ایک اور راستے پر جیپ ڈال دی۔ میں نے پوچھا۔"یہ تم کہاں جارہے ہو؟"

"صیب، آپ نے کہا تھا کسی ایسے راستے سے چلو جو مشہور نہ ہو۔ یہ ایسا ہی راستہ ہے۔"

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہے اس پر؟"

"نہیں صیب، پکا سڑک اے۔ لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو تو پتا بھی نہیں چلتا۔"

سردیوں اور بارش کے موسم میں ان علاقوں میں لینڈ سلائیڈنگ معمول کی بات تھی۔ بہرحال پہلی ترجیح کتے کی طرح بو سونگھتے ہوئے دشمنوں سے بچنا تھا۔ باقی قدرتی آفات کا مقابلہ انسان صبر سے کر ہی لیتا ہے۔ ایک مناسب جگہ عیسیٰ خان نے جیپ روک دی تاکہ ہم کھانا کھا سکیں۔ ایمن نے اکیلے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ میں اور سفیر عقبی حصے میں چلے گئے تھے۔ پندرہ منٹ میں ہم نے سب صاف کر دیا۔ اس کے بعد سفر کا پھر سے آغاز ہوا۔ عیسیٰ خان نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔"ام نے کالیا تو ڈرائیونگ مشکل ہو جائے گا۔ ام ایبٹ آباد جا کر کھائے گا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" مونا راستہ دیکھ کر ڈر رہی تھی۔ حالانکہ وہ ان علاقوں میں بہت سفر کر چکی تھی۔ "ایسے راستے پر تو ذرا سی بھول ہوئی اور مارے گئے۔"

عیسیٰ خان نے جیپ کی روشنیاں پوری طرح جلا رکھی تھیں اور بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس سڑک پر آنے کے بعد میں نے اسے بیس میل فی گھنٹا سے اوپر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ عام طور سے وہ دس میل فی گھنٹا کے آس پاس رہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔"اس رفتار سے تو ہم پرسوں صبح ایبٹ آباد پہنچیں گے۔"

"نہیں صیب! بس اس سڑک سے نکل جائے۔ پھر دیکھنا سورج نکلنے سے پہلے آپ ایبٹ آباد میں ہوگا۔ ابھی آپ سو جاؤ۔"

اس کا مشورہ مناسب تھا۔ ابھی تو صرف آٹھ بجے تھے یعنی پوری رات پڑی تھی۔ سفیر عقبی حصے میں چلا گیا تھا۔ وہاں ایک عدد کمبل تھا۔ ایمن اور مونا عقبی نشست پر پھیل کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ میں نے بھی سیٹ ذرا پیچھے کر کے پاؤں پھیلا لئے تھے۔ ہیٹر کی وجہ سے اندر حرارت تھی اور ہم آرام سے تھے، میں نے جسم اور ذہن دونوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اب تک کوئی غیر معمولی صورتِ حال سامنے نہ آنے سے چوکسی کی کیفیت بھی ختم ہو گئی تھی اور شاید دشمن کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ مجھے وسیم، سونیا اور شکیل کا خیال آیا۔ وہ نہ جانے کہاں تھے اور ان پر کیا گزر رہی تھی۔ عادل کی غداری اور خود غرضی نے اسے ہی جہنم رسید نہیں کیا تھا بلکہ اتنے مضبوط گروپ کو بھی شدید نقصان پہنچایا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس سونیا کا تھا، اس نے عادل سے پسند کی شادی کی تھی اور اس نے اسے بھی دھوکا دیا تھا۔ وسیم شدید زخمی ہوا تھا۔ میں سوچتے سوچتے غنودگی میں چلا گیا تھا۔ حالات نے مجھے سخت جاں بنا دیا تھا، اب تکالیف اور دکھ مجھ پر زیادہ دیر حاوی نہیں رہا کرتے تھے۔ جیپ دھیمی رفتار سے چل رہی تھی۔ اس وجہ سے جھٹکے نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں تقریباً نیند میں چلا گیا تھا کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ جیپ رک گئی ہے۔ انجن بدستور چل رہا تھا، میں چونکا۔"کیا ہوا عیسیٰ خان؟" میں نے سامنے دیکھا۔ جیپ کی روشنی میں راستے پر ملبے کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔

''لینڈ سلائیڈنگ!'' عیسیٰ خان نے مایوسی سے کہا۔

''اب کیا ہوگا؟'' عقب سے مونا نے پوچھا۔

''ام دیکھتا اے۔'' عیسیٰ خان نے جیپ کے ڈیش بورڈ سے ایک طاقتور فلیش لائٹ نکالی۔ اس نے ہینڈ بریک لگا کر انجن چلتا رہنے دیا تاکہ ہیٹر بھی آن رہے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے دروازہ کھولا اور سرد ہوا کا ایسا یخ بستہ جھونکا آیا کہ ہم سب لرز اٹھے۔ میں نے بھی جانے کے بارے میں سوچا لیکن سغیر مجھ سے پہلے اتر گیا تھا۔

''تو ادھر خواتین کے ساتھ رہ۔''

''ہم، بچیاں نہیں ہیں۔'' مونا بولی۔

''یہی تو میں بھی کہتا ہوں، اب تم بچی نہیں ہو۔'' سغیر کہتا ہوا اتر گیا۔ جیپ کا کیبن چند لمحے کے لئے پھر سرد ہوا تھا۔ سغیر، عیسیٰ خان کے پیچھے چلا گیا تھا۔ دونوں ملبے اور پتھروں کے ڈھیر کے عقب میں غائب ہو گئے تھے۔ شفاف فضا بتا رہی تھی کہ لینڈ سلائیڈنگ کو خاصا وقت گزر چکا تھا اور اب تک ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے کہ سڑک کو صاف کیا جا رہا ہو۔ یہ کام دن میں ممکن تھا اور اس کا مطلب تھا، ہمیں ساری رات اور شاید سارا دن اسی سڑک پر گزارنا پڑے۔ دوسری صورت یہ ہوتی کہ ہم واپس جاتے مگر اس میں خطرہ زیادہ تھا۔ اس بات کا خاصا امکان تھا کہ فتح خان کے آدمیوں کو ہمارے ایک جیپ حاصل کرنے کی اطلاع مل چکی ہوگی اور عیسیٰ خان کی جیپ کی تلاش شروع کی جا چکی ہوگی۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں امکان تھا کہ فتح خان اور ڈیوڈ شا کے مزید آدمی یہاں آ چکے ہوں اور ہماری تلاش پوری سرگرمی سے جاری ہو۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہمیں واپس نہیں جانا ہے۔ مین ہائی وے پر پکڑے جانے کا امکان زیادہ تھا۔ سغیر اور عیسیٰ خان واپس آئے اور جیپ میں گھس گئے، سردی سے ان کی حالت خراب تھی۔ جیپ کے باہر درجۂ حرارت منفی میں بھی نیچے جا چکا تھا۔ ''صیب، سڑک پر کوئی دو سو گز تک ملبا اے، اس کے بعد سڑک صاف ہے لیکن اِدھر راستہ ملنا مشکل اے۔''

''تب کیا کریں؟''

''جیسا آپ حکم کرو، بولو تو ابھی واپس چلتا اے۔ بڑی سڑک سے جائے گا۔''

''نہیں، جانا اسی سڑک سے ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''عیسیٰ خان کوئی راستہ تلاش کرو۔''

''اتنی بڑی جیپ کا واسطے راستہ ملنا مشکل اے...... پر ام کوشش کرتا اے۔'' اس نے جواب دیا اور جیپ ریورس کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے ایک جگہ اتنی چوڑی مل گئی کہ اس نے جیپ گھما لی۔ اب اسے سڑک کے اطراف میں کسی ایسے راستے کی تلاش تھی جس سے گزر کر سڑک پر پڑے ملبے کے پار جایا جا سکے۔ مگر دو ڈھائی کلو میٹر پیچھے آنے کے باوجود کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ راستہ نظر نہیں آیا ورنہ راستہ تھا ضرور۔ ایک جگہ عیسیٰ خان نے جیپ روک دی۔

''صیب، ایسے تو ام واپس بڑی سڑک پر چلا جائے گا۔''

''بڑی سڑک پر کسی صورت نہیں جانا ہے۔''

''تب رات گزارنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنا پڑے گا۔ جیپ کا انجن چلا کر رکھا تو سارا ڈیزل ختم ہو جائے گا۔'' اس نے مسئلہ بیان کیا۔

اس ویران جگہ رات گزارنے کے لئے کوئی پناہ گاہ مل سکے گی؟''

''ام کوشش کرسکتا اے صیب! اور پہاڑ پر لکڑی کاٹنے والوں نے ٹھکانا بنا رکھا ہوتا اے۔ ام کو ایسا کوئی جگہ مل گیا تو رات آرام سے گزرے گا۔''

''تب تلاش کرو۔'' مونا نے کہا۔ ''میرا تو برا حال ہے۔''

''اور ذرا پیچھے ایک جگہ اے۔'' عیسیٰ خان نے جیپ آگے بڑھا دی۔

''یہ مختصر سی بل کھاتی اور خطرناک ڈھلان والی سڑک تھی جس پر دو بڑی گاڑیاں برابر سے نہیں گزر سکتی تھیں اور اس موسم میں قطعی ویران پڑی تھی۔ گزشتہ تین گھنٹے میں ہمیں محض دو تین گاڑیاں ملی تھیں جس جگہ لینڈ سلائیڈنگ ہوئی تھی اس سے کوئی تین کلومیٹر پیچھے ایک اونچے پہاڑ کے ساتھ عیسیٰ خان نے جیپ کچے میں اتار کر روک دی اور انجن بند کر دیا۔ ''معاف کرنا صیب! ڈیزل کم اے۔ راستے میں ملنے کا امکان بھی کم اے۔ اس لئے بچت ضروری اے۔''

''خدا کے لئے...... جلدی جاؤ...... اتنی سی دیر میں جیپ سرد ہوگئی ہے۔'' مونا نے کہا۔

''میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔'' سفیر نے پھر کہا اور نیچے اتر گیا۔ دونوں فلیش لائٹ لے کر ڈھلان پر واقع جنگل میں داخل ہو گئے۔ میں نے کیبن کے اندر کی روشنی بجھا دی تھی۔ ایمن نے کہا۔ ''پلیز اسے بلاؤ، میرا دم گھٹ رہا ہے اتنے اندھیرے میں۔''

''مجبوری ہے۔ اتنے اندھیرے میں یہ معمولی سی روشنی بھی بہت دور سے نظر آ سکتی ہے اور ہمیں تلاش کرنے والے آس پاس ہی گھوم رہے ہیں۔ اس لئے احتیاط بہتر ہے۔''

''ایک منٹ میرے پاس چھوٹی سی ٹارچ ہے، اس کی روشنی باہر نہیں جائے گی۔'' مونا نے اپنے بیگ میں ہاتھ مار کر ٹارچ برآمد کی اور اسے جلایا۔ کیبن میں ہلکی سی روشنی پھیل گئی تھی۔ امکان یہی تھا کہ فاصلے سے اس کو دیکھنا محال تھا۔ یہ مشکل سے ایک انگلی جتنی لمبی ٹارچ تھی جس میں چھوٹا گھڑی سیل پڑتا ہے اور اس میں عام بلب کے بجائے ایل ای ڈی لگا ہوتا ہے جو بہت کم بجلی استعمال کرتا ہے۔ اس ننھے سے سیل سے بھی یہ ٹارچ گھنٹوں جل سکتی تھی۔ ایمن نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ''تھینک یو، تاریکی میں میرا سانس رکنے لگتا ہے۔''

عیسیٰ خان نے اس طرح جیپ روکی تھی کہ یہ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھی لیکن مجھے دور تک سڑک پر دکھائی دے سکتا تھا۔ بشرطیکہ روشنی ہوتی یعنی کوئی گاڑی اس طرف آنے لگتی تو مجھے اس کی ہیڈ لائٹس خاصی دور سے نظر آ جاتیں اور شاید اس وجہ سے ہماری بچت ہوگئی۔ ابھی سفیر اور عیسیٰ خان کو گئے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ مجھے کوئی دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر کسی گاڑی کی روشنیاں دکھائی دیں۔ ''کوئی گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔''

میں نے کہا تو ان دونوں نے بیک وقت باہر دیکھا، مونا بولی۔ ''ہاں کوئی آ رہا ہے۔''

''نکلو جیپ سے اپنا سامان بھی اٹھاؤ، اس سے پہلے کہ وہ سر پر آ جائیں۔''

اتنی سردی میں باہر جانے کے خیال سے مونا اور ایمن کی جان نکل گئی تھی، ایمن نے کہا۔ ''ممکن ہے دشمن نہ ہوں۔''

''ممکن ہے دشمن ہوں...... پھر؟'' میں نے سوال کیا تو ان کو چپ لگ گئی تھی۔ میں نیچے اترا اور عقبی حصے

سے اپنا سامان نکالا۔ جیپ کی چابی لگی تھی میں نے چابی نکال کر دروازہ لاک کر دیا۔ وہ دونوں کھلی فضا میں آنے کے بعد تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ کانپنا شروع کر دوں مگر اپنی مردانہ خو کو بلند رکھنے کے لئے میں نے کانپنے سے گریز کیا۔ البتہ میرا حال بھی اتنا ہی برا تھا۔ ہوٹل سے روانگی سے پہلے میں نے اور سفیر نے اپنے گرم کپڑے پہن لئے تھے ورنہ نہ جانے کیا حشر ہوتا۔

''مونا اپنی ٹارچ سے روشنی دکھاؤ۔'' میں نے کہا مونا نے ٹارچ سے روشنی کی اور آگے جانے لگی، میں اس کے نقش قدم پر تھا اور ایمن میرے پیچھے۔ اس پہاڑ پر بڑے تنوں والے بلند قامت سیدھے درخت تھے۔ جا بجا پتھر اور چٹانیں تھیں جن پر قدم جمانا آسان نہیں تھا۔ ذرا سا پاؤں پھسلتا تو سڑک تک کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، ایمن کا جوتا اس قسم کے سفر کے لئے قطعی غیر موزوں تھا اس لئے اسے سب سے زیادہ دشواری پیش آ رہی تھیں مونا کے پیروں میں جا گرز تھے، دوسرے وہ ان راستوں کی عادی تھی اس لئے مزے سے چلی جا رہی تھی۔ کوئی سو گز اوپر آ کر ہم رک گئے۔ آنے والی گاڑی اب کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی، میں نے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجائی۔ سفیر اس سیٹی کو پہچانتا تھا۔ فوراً ہی مجھے اس کی طرف سے جواب ملا تھا۔ میں نے اسے اشارہ دے دیا تھا کہ میں جیپ سے باہر ہوں اور کوئی خطرہ ہی ہوگا جو میں جیپ سے باہر تھا، مجھے امید تھی، وہ جیپ کی طرف جانے سے گریز کرے گا۔ آنے والی گاڑی اب کچھ ہی فاصلے پر تھی، ایمن اور مونا ایک درخت کی جڑ سے چپک کر بیٹھ گئی تھیں۔ میں نے مونا سے ٹارچ لے لی اور اپنی رائفل بھی نکال لی تھی۔ اگر یہ دشمن تھے تو مقابلہ ناگزیر تھا۔ مرنے مارنے کا مرحلہ آنے والا تھا۔ ایک بار پھر مجھے سفیر کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ اوپر کہیں تھا، میں نے جوابی سیٹی مارنے کے بعد ٹارچ سے اشارہ دینا شروع کیا کچھ دیر بعد اوپر سے بھی روشنی نظر آئی۔ سفیر اور عیسیٰ خان ہماری طرف ہی آ رہے تھے۔

آنے والی گاڑی خاصی رفتار میں تھی لیکن جیسے ہی وہ جیپ کے نزدیک پہنچی، اس کی رفتار میں کمی آنے لگی تھی اور جیپ کے پاس آ کر وہ رک گئی۔ مجھے وہ درمیانے سائز کی لینڈ کروزر فور وہیل ڈرائیو لگی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس عیسیٰ خان کی جیپ پر مرکوز تھیں۔ اس میں سے چار افراد اترے انہوں نے جیپ کو گھیر لیا، ان کا انداز اور ان کے پاس بڑا اسلحہ دیکھنے کے بعد شک وشبے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ وہ ہمارے پیچھے آئے تھے۔ اتنی دور سے میں ان کی باتوں کی آواز نہیں سن سکتا تھا مگر ان کو دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے فلیش لائٹ کی مدد سے عیسیٰ خان کی جیپ کا اندر سے جائزہ لیا اور اسے خالی پا کر دائیں بائیں دیکھنے لگے تھے۔ ایک نے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور وہ سب ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں بحث کرنے لگے تھے۔ شاید ہمیں تلاش کرنے کے بارے میں پلان بن رہا تھا۔

سفیر اور عیسیٰ خان بے خبر تھے کہ نیچے فتح خان کے گرگے آ چکے تھے اور وہ مزے سے فلیش لائٹ جلائے چلے آ رہے تھے۔ نیچے موجود کسی شخص نے اس کی روشنی دیکھ لی اور ان میں ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ اوپر کی طرف اشارے کر کے زور شور سے آپس میں بات کرنے لگے تھے۔ میں نے پلٹ کر سفیر کو ٹارچ جلا بجھا کر خطرے کا سگنل دیا جو شاید اس نے دیکھا نہیں یا سمجھا نہیں۔ وہ بدستور ٹارچ جلائے چلا آ رہا تھا۔ نیچے والے احمقوں نے بالآخر اپنی گاڑی کی روشنیاں بجھا دیں۔ میری جگہ کوئی انسانیت سے عاری شخص ہوتا تو اب تک ان چاروں کو

ہمیشہ کی نیند سلا چکا ہوتا۔ ان کے لئے ایک برسٹ کافی ہوتا لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ موقع ملنے پر یہ مجھے مارنے سے گریز نہیں کریں گے، میرا ان پر ہاتھ نہیں اٹھ رہا تھا۔ اس جگہ بیٹھے رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ سب سے پہلے اسی طرف آتے ہمارا مزید اوپر جانا لازمی تھا۔

''چلو ہمیں اوپر جانا ہوگا۔'' میں نے ان دونوں سے کہا۔

''اس اندھیرے میں، میں بالکل نہیں چل سکتی۔'' ایمن نے مجھے آگاہ کیا۔

''آؤ، میں تمہیں سہارا دوں گا۔'' میں نے اس کا بازو پکڑا۔

''مجھ بے چاری کا تو آپ کو خیال بھی نہیں ہے۔'' مونا نے حالات کو بالائے طاق رکھ کر شکوہ کیا۔

''بابا، تمہارے پاس جاگرز ہیں اور تمہیں تجربہ بھی ہے، اس بے چاری کو کچھ نہیں آتا۔''

''بہت خیال ہے اس بے چاری کا؟''

''تمہارا خیال رکھنے والا احمق آرہا ہے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''چلنا ہے تو چلو ورنہ بیٹھی رہو دونوں۔''

ایمن ہماری گفتگو تو نہیں سمجھ سکی تھی لیکن اتنا جان گئی کہ موضوع وہی تھی۔ ''میں چل لوں گی۔'' اس نے کہا۔

''جلدی کرو، یہ جگہ غیر محفوظ ہے۔'' میں نے بیگ کندھے پر ڈالا اور اوپر کی طرف بڑھ گیا۔

''ویٹ اے منٹ!'' ایمن نے لپک کر میرا بازو تھام لیا، مونا بھی میرے پیچھے آنے لگی تھی۔ تاریکی کی وجہ سے میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ آنے والے جان گئے تھے کہ ہم پہاڑی کی ڈھلان پر ہیں، اس کے باوجود میں نے جلد بازی سے گریز کیا۔ عجلت میں گر کر میں کوئی ہڈی تڑوانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ دل ہی دل میں سفیر کو بے نقط سنا رہا تھا جو بدستور فلیش لائٹ جلائے دشمنوں کے لئے مشعل راہ بنا ہوا تھا۔ اسے نیچے سے کوئی نہایت آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ سفیر اور عیسیٰ خان ہم سے کوئی دو سو گز اوپر تھے۔ اچانک نیچے سے فائر کی آواز آئی اور فلیش لائٹ، بجھ گئی۔ میرا دل ایک لمحے کو دھک سے رہ گیا تھا۔ مگر جب سوائے روشنی گل ہونے کے اور کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے ٹارچ جلا کر اس سے اوپر اشارہ کیا۔ جواب میں سفیر نے ایک ثانیے کے لئے فلیش لائٹ جلا کر اوکے کا اشارہ کیا تھا۔

''شکر ہے۔'' مونا نے نجانے کب سے دبی سانس خارج کی۔ ''میں تو سمجھی تھی......''

میں وقفے وقفے سے ٹارچ روشن کر کے سفیر کو اپنی پوزیشن سے آگاہ کر رہا تھا تاکہ وہ سیدھا میری طرف آئے حتیٰ کہ اس کی آواز آئی۔ ''بس کر، میں آگیا ہوں۔''

''لوٹ کے بدھو آگئے؟'' مونا نے طنز کیا۔

''بس شکر کرو، لوٹ آئے ہیں۔'' سفیر نے جگجیت سنگھ کے انداز میں گنگنا کر کہا۔

''ابھی وہ نیچے سے گولی مار دیتے تو ساری گلوکاری دھری رہ جاتی۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''جب میں نے سیٹی بجائی تھی تو ٹارچ جلانے کی کیا ضرورت تھی اور یہ عیسیٰ خان کہاں ہے؟''

''ام ادھر ہے۔'' اس کی لرزتی آواز درخت کے پیچھے سے آئی تھی۔ ''ام کو پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔ امارا خاندانی تاریخ گواہ اے۔''

"فکر مت کرو، ابھی صرف ایک گولی چلی ہے۔" میں نے اسے تسلی دی۔
"ابھی اور چلے گا۔" اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ "ام خواہ مخواہ مارا جائے گا۔"
"ابھی تک تمہارے خاندان میں کوئی نہیں مارا گیا ہے۔" مونا نے بھی اسے تسلی دی۔
"اس بات کا کیا گارنٹی اے کہ آئندہ بھی نہیں مارا جائے گا؟"
"اگر ہم اس طرح بحث کرتے رہے تو ضرور مارے جائیں گے، دشمن اس طرف ہی آ رہا ہے۔" میں نے ایک بیگ سغیر پر لاد دیا۔ اس طرح میرے پاس اب ایک ہی بیگ تھا۔ مونا نے اپنا مختصر سا بیگ خود اٹھا رکھا تھا۔
"اوپر کی طرف چلو۔" میں نے ایمن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"اوپر...... پر امارا گاڑی نیچے اے۔"
"دشمن بھی نیچے ہے۔ اگر تم اپنی خاندانی تاریخ کو درست ثابت کرنا چاہتے ہو تو شوق سے نیچے جاؤ۔"
"اوف......ام کیا کرے؟"
"یار مرد بنو!، روتے کیوں ہو۔" سغیر نے اسے ڈانٹا۔ "وہ تمہاری جیپ کھا نہیں جائیں گے۔"
"ہاں، تم ہاتھ آ گئے تو تمہیں نہیں چھوڑیں گے کیونکہ تم ان کے دشمنوں کے ساتھ ہو۔"
"اچھا تو امارا گاڑی اللہ کے حوالے۔" اس نے سرد آہ بھری۔
"گڈ، یہ کی ناں مردوں والی بات اور اگر تمہاری گاڑی کو نقصان ہوا تو ہم ذمے دار ہوں گے۔"
عیسیٰ خان کی تشویش رفع ہو گئی تھی۔ "تب ام آپ کے ساتھ اے صیب!"
میں نے نیچے دیکھا، اس طرف لمبی لمبی روشنیاں لہرا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے بھی طاقتور ٹارچیں نکال لی تھیں۔ وہ اوپر آ رہے تھے، ان کا رخ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اوپر دائیں طرف چلو۔ ان سے دور جانا ہے۔"
"یار، اوپر کے بجائے نیچے نہ جائیں؟" سغیر نے تجویز پیش کی۔ "ان کی گاڑی لے جاتے ہیں۔"
"ان کا گاڑی!" عیسیٰ خان چونکا۔ "اور امارا گاڑی......؟"
"اسے تم لے جاؤ گے۔" سغیر نے جواب دیا۔
"گاڑی لے کر ہم کہاں جائیں گے، آگے بھی ان لوگوں سے ٹکراؤ کا امکان ہے۔" میں نے غور سے کہا۔ "دوسرے انہوں نے گاڑی میں کسی نہ کسی کو چھوڑا ہو گا۔"
"ایک آدھ بندہ ہوا تو اسے قابو کرنا کون سا مسئلہ ہے؟" وہ بولا۔
میں نے دیکھا، ٹارچوں کی روشنیاں پھیل رہی تھیں۔ "او کے ہم نیچے جانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تصادم کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا۔ عیسیٰ خان تم پستول چلانا جانتے ہو؟" اس نے میرے سوال کا سخت برا منایا۔
"امارے ہاں، بچہ چلنا بعد میں سیکھتا ہے، ہتھیار چلانا اسے پہلے آتا اے۔"
"اچھا اچھا...... خفا مت ہو۔" میں نے اسے سغیر کا پستول تھما دیا۔ "ممکن ہے دشمن تمہاری خاندانی تاریخ کو دہرانے کی کوشش کرے تب تم اسے جواب دے سکتے ہو۔ ویسے یہ ہماری لڑائی ہے چاہو تو ایک طرف ہو

جاؤ۔‘‘

’’ام اتنا بے مروت نہیں ہے۔‘‘ اس نے پھر برا مان کر کہا۔

’’او کے...... تم بے مروت نہیں ہو۔‘‘ میں نے چلنا شروع کر دیا۔ ’’اس سے پہلے دشمن واپس گاڑی کی طرف جائے، ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔‘‘

ایمن کو میں نے سہارا دیا تھا اور مونا کو سفیر نے۔ حالانکہ اسے سہارے کی اتنی ضرورت نہیں تھی لیکن سفیر کے خیال میں ایسا کرنا ضروری تھا۔ عیسیٰ خان سب سے آگے پستول تھامے چل رہا تھا۔ ہم چکر کاٹ کر نیچے جا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے دشمن نے ٹارچیں روشن کر رکھی تھیں اور ہمیں معلوم تھا کہ وہ کتنی دور تھے اور کس سمت میں حرکت کر رہے تھے۔ عیسیٰ خان ہمیں اس طرح نیچے لے جا رہا تھا کہ ہم ان لوگوں سے دور تھے مگر گاڑیوں کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر ہم رک گئے، اس سے آگے جاتے تو گاڑی یا اس کے آس پاس موجود شخص ہمیں دیکھ سکتا تھا۔

’’اِدھر دیکھو۔‘‘ میں نے ان سے کہا، اپنی پشت سے بیگ اتارا اور رائفل بھی سفیر کے سپرد کر دی۔ ’’احتیاط سے...... ممکن ہے دشمن تمہاری طرف آئے۔ بوکھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

ایمن نے میرا بازو تھام لیا۔ ’’کہاں جا رہے ہو تم؟‘‘

میں نے اس کے بازو پر تھپکی دی۔ ’’فکر مت کرو۔ میں ابھی آیا۔‘‘

میں درختوں اور پتھروں کی آڑ میں گاڑیوں کی طرف جانے لگا۔ ایک پتھر کی آڑ سے میں نے ایک کنکر تلاش کیا اور اسے عیسیٰ خان کی جیپ کی طرف اچھال دیا۔ سناٹے میں ٹن کی آواز آئی تھی۔ اس کا ردِ عمل فوری سامنے آیا تھا۔ لینڈ روور سے ایک سایہ جدا ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا پھر جیپ کی طرف آیا۔ اس نے جیپ میں جھانکا، کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر واپس لینڈ روور تک پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی اس نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا، میں نے عقب سے اس کے سر پر پستول کا دستہ رسید کیا۔ کراہ کر وہ آگے جھکا۔ دوسری ضرب نے اسے ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے ایک ٹی ٹی برآمد ہوئی اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میں نے گاڑی کی آڑ لے کر ٹارچ روشن کر کے اشارہ کیا۔ وہ سب بھاگے دوڑے آئے تھے۔

’’سفیر تُو لینڈ روور میں لڑکیوں کے ساتھ جائے گا۔‘‘

’’اور تُو......؟‘‘ سفیر نے سوال کیا۔

’’میں اس کے ساتھ عیسیٰ خان کی جیپ میں ہوں گا۔‘‘ میں نے بے ہوش شخص کی طرف اشارہ کیا۔

’’اسے لے جانے کی کیا ضرورت ہے، پھینکو اسے۔‘‘ مونا نے اعتراض کیا۔

’’بی بی، آپ چپ کر کے گاڑی میں بیٹھیں۔‘‘ میں نے اسے کہا۔ ’’اس سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔‘‘

وقت نہیں تھا۔ سفیر جلدی سے لینڈ روور کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، لڑکیاں عقبی حصے میں گھس گئی تھیں۔

میں نے بے ہوش شخص کو عیسیٰ خان کی جیپ کے عقبی حصے میں ڈالا۔ عیسیٰ خان کسی قدر فکر مند لگ رہا تھا۔

’’صیب! اس کا کیا کرنا اے؟‘‘

’’اچار ڈالنا ہے۔‘‘ میں نے جواب دیا۔ ’’جلدی سے نکلو یہاں سے۔ اگر اس کے ساتھی آ گئے تو ہمارا

آملیٹ بھی بن سکتا ہے۔ روشنیاں مت جلانا ابھی۔"

پہلے عیسیٰ خان نے جیپ اسٹارٹ کی پھر سفیر نے لینڈ روور آگے بڑھائی۔ میں ڈھلان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں روشنیاں لہرا رہی تھیں۔ ان کے کانوں تک گاڑیوں کی آواز شاید ہی پہنچی ہوگی، ایک منٹ میں ہم اس ڈھلان سے آگے جا چکے تھے، کوئی دو سو گز کے بعد عیسیٰ خان نے روشنیاں جلانے کو کہا۔ "صیب، اندھیرے میں کسی کھڈ میں اتر جائے گا۔"

"او کے جلالو۔ مگر زیادہ تیز مت کرنا۔"

عیسیٰ خان نے ہیڈ لائٹس آن کیں تو سفیر نے بھی آن کر لیں۔ میں نے اندرونی کیبن کی روشنی کر کے بے ہوش شخص کا جائزہ لیا۔ خدوخال سے ہی مقامی لگ رہا تھا۔ اس نے اونی شلوار قمیص کے اوپر موٹی گرم جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اگر یہ فتح خان کے آدمی تھے تو اس نے خاصے احمق لوگ منتخب کر کے روانہ کئے تھے۔ ان کو پتا ہی نہیں چلا اور ہم کتنے آرام سے وہاں سے نکل آئے۔ میں نے وار خاصے زوردار کئے تھے لیکن سر پر اونی ٹوپی کی وجہ سے وہ صرف بے ہوش ہوا تھا۔ دس منٹ بعد اس نے کلبلانا شروع کر دیا تھا۔ پندرہ منٹ میں ہم کوئی چار پانچ کلومیٹر آگے نکل آئے تھے۔ میں نے عیسیٰ خان سے کہا۔ "سڑک سے ہٹ کر کسی جگہ گاڑی روک لو۔ اس سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"کیا پوچھے گا صیب!"

"یہ ہمیں بتائے گا، آگے ہماری تلاش میں اور کتنے شکاری کتے گھوم رہے ہیں؟"

"آگے بھی اے۔" عیسیٰ خان ڈر گیا تھا۔ "اب ام ضرور مارا جائے گا۔"

"اب تم خان برادری کا نام ڈبو رہے ہو؟" میں نے اسے ملامت کی۔

"ایسا نہیں اے صیب!" اس نے دفاعی انداز میں کہا۔

"تو اور کیا بات ہے، تم تو کہہ رہے تھے۔ تمہیں پستول چلانا خود چلنے سے پہلے آیا تھا اور اب بزدلی دکھا رہے ہو۔"

"ام بزدل نہیں اے۔" اُسے غصہ آ گیا تھا۔ "موقع پڑا تو آپ دیکھ لے گا صیب!"

عیسیٰ خان نے جیپ ایک نسبتاً ہموار جگہ پر روک لی۔ پیچھے سفیر بھی رک گیا تھا۔ "روشنیاں بجھا دو۔" میں نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ جیپ کا عقبی دروازہ کھول کر بے ہوش شخص کو نیچے کھینچ لیا۔ وہ کسی قدر ہوش میں تھا، اس نے مزاحمت کی تھی۔ سفیر بھی اتر کر چلا آیا تھا۔ "کیوں رکا ہے یار!"

"پیچھے نظر رکھ۔ میں ذرا اس سے دو دو باتیں کر لوں۔" میں نے اس شخص کی جیکٹ اتار کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "گاڑی اسٹارٹ رکھنا۔ تم بھی تیار ہو۔" میں نے عیسیٰ خان کی طرف دیکھا اور اس شخص کی قمیص بھی اتار دی۔ "خواتین سے کہنا اس طرف دیکھنے سے گریز کریں۔"

"معاملہ سنسر کی حدود میں داخل ہو گیا ہے۔" سفیر نے مجھے اس شخص کی شلوار اتارتے دیکھ کر کہا اور لینڈ روور کی طرف لپکا۔ اب اس کے جسم پر بنیان اور ایک عدد انڈرویئر تھا۔ میں نے بنیان کھینچی تو اسے ہوش آ گیا تھا۔

"یہ کیا کرتا ہے۔" اس نے ہڑبڑا کر کہا۔

"تم کو ذرا ہوا لگا رہا ہے۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

بے پناہ سردی اسے فوراً حواسوں میں لے آئی تھی۔ "میرے کپڑے دو۔" اس نے لرزتی آواز میں مطالبہ کیا۔

"ضرور...... لیکن پہلے میرے چند سوالوں کے جواب دو۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ حلق پھاڑ کر چلایا۔ "میرے کپڑے......!"

میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ وہ الٹ کر زمین پر گرا اور تڑپ کر سیدھا ہو گیا۔ زمین برف بنی ہوئی تھی۔ میں نے پھر لات مار کر اسے گرایا اور اس کے سینے پر پاؤں رکھ دیا۔ وہ بری طرح مچل رہا تھا۔

"اب چلانا مت!" میں نے خوں خوار لہجے میں کہا۔ "یہ مت سمجھنا، تمہارے ساتھیوں تک آواز جا سکے گی۔"

"تت...... تم...... کیا چاہتے ہو؟" اس نے بے اختیار لرزتے ہوئے پوچھا۔

"فتح خان کے اور کتنے گرگے ہیں ہماری تلاش میں؟"

"کون فتح...... خان!" اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

"لگتا ہے تم سردی سے مرنا چاہتے ہو۔ اس وقت درجۂ حرارت منفی چھ ہے اور مشکل سے بیس منٹ میں تمہارا جسم سرد پڑ جائے گا اور پھر دنیا کا کوئی ڈاکٹر تمہیں نہیں بچا سکے گا۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"کیوں ایک مجرم کے لئے جان دینا چاہ رہے ہو۔ میرے لئے یہ جاننا اتنا ضروری بھی نہیں ہے، جیسے تم پانچوں سے نمٹ سکتے ہیں تو باقیوں کو بھی لٹا سکتے ہیں۔"

"میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا، کیا تم نے؟"

میں ہنسا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا۔ جو کرنا ہے جنگل کے بھوکے جانور کریں گے۔"

"تم نے...... مار دیا انہیں؟" وہ چلایا تھا۔

"تو کیا ان کی دعوت کرتا؟" میں نے طنز کیا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تو تم کو بھی ان کے پاس بھیج دوں گا۔"

آسمان سے بادل چھٹنے لگے اور چاند کی ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ خوف زدہ تھا مگر اپنا خوف چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پستول نکال کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ "تب تمہارا کیا فائدہ۔ میں اپنا ایک دشمن ہی کم کر دوں، دوسروں کو بھی دیکھ لوں گا۔"

"خدا کے لئے۔" وہ ہکلایا۔ "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"ہاں واقعی، تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ہے سوائے اس کے کہ تم دشمن کے ساتھی ہو۔ اس لئے میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ تمہارے دونوں گھٹنوں میں گولیاں مار کر ہمیشہ کے لیے ناکارہ کر دوں گا۔"

میں نے ذرا پیچھے ہو کر اس کے گھٹنے کا نشانہ لیا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے، بولو کیا معلوم کرنا ہے؟''

''آگے سڑک پر کتنے بندے ہمیں تلاش کر رہے ہیں؟''

''مجھے اس بارے میں زیادہ نہیں معلوم......لیکن مری تک دو پارٹیاں اور ہیں۔''

''فتح خان کہاں ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم......اسے میں نے دیکھا بھی نہیں ہے، صرف نام سنا ہے۔ یہ صرف شمشیر کو معلوم ہے۔''

''شمشیر کون ہے؟''

''ہمارا استاد......اسے بھی تم نے مار دیا۔''

میں نے گھما پھرا کر اس سے سوال کیے مگر اسے بچ مچ زیادہ معلوم نہیں تھا سردی سے اس کی حالت خراب ہو رہی جا رہی تھی اور چہرہ نیلگوں پڑ گیا تھا۔ آخر میں نے اسے اٹھنے اور کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ عیسیٰ خان کی جیپ کے عقبی حصے میں کچھ رسی پڑی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے درمیانی نشست پر دھکیل دیا۔ ''اگر تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو سب سے پہلے تمہیں گولی ماروں گا۔''

''اب کدر جانا اے صیب!'' عیسیٰ خان نے پوچھا۔

''واپس چلو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''مین روڈ پر ہم تمہیں فارغ کر دیں گے۔''

''شکریہ صیب!'' وہ خوش ہو گیا۔ اس نے جیپ آگے بڑھا دی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے، مین سڑک پر دشمنوں سے ٹکراؤ ناگزیر تھا اور ہمارے پاس صرف دو رائفلیں اور دو عدد پستول تھے جبکہ دشمن کے پاس لامحدود اسلحہ تھا۔ رات بارہ بجے کے قریب ہم مین ہائی وے پر پہنچ چکے تھے۔ میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ خواتین کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ ان کی حالت خراب ہو گی۔ ہائی وے پر جانے سے پہلے میں نے جیپ رکوالی۔ ''بس عیسیٰ خان! ہمارا تمہارا ساتھ یہیں تک تھا۔''

نیچے اتر کر میں نے قیدی کو بھی اتارا اس کا نام راز گل تھا۔ عیسیٰ خان ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ میں نے اسے چار ہزار پیشگی دے دیئے تھے۔ راز گل کو دھکیل کر میں لینڈ روور تک لایا۔

''یہ کس کی جیپ ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''شمشیر خان کی۔'' اس نے جواب دیا۔

''اسے کیوں رخصت کر دیا؟'' سفیر نے لینڈ روور سے جھانک کر کہا۔ ''اور اس کا کیا کرنا ہے؟''

''ابھی سوچا نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور راز گل کو لینڈ روور کے عقبی حصے میں ٹھونس دیا۔ یہ خانہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں نے پہلے چیک کر لیا تھا۔ اس کے اندر ایسی کوئی شے نہیں تھی جس سے وہ خود کو آزاد کرا سکتا۔ ایک بڑا اور بڑا سا بکس تھا۔ وہ بھی مقفل تھا۔ میں فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ مونا اور ایمن عقبی نشست پر اونگھ رہی تھیں اور فی الحال انہوں نے میرا دماغ کھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''یار، ہمیں سفر جاری رکھنے کے بجائے کوئی پناہ گاہ تلاش کرنی چاہیے۔'' سفیر نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایسے ہم کب تک سفر کرتے رہیں گے؟''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن اس موسم میں پناہ کہاں ملے گی۔ ہوٹل تک بند پڑے ہوں گے۔''

''ہوٹلوں کا رخ بھی نہیں کرنا ورنہ مارے جائیں گے۔ اس علاقے میں لوگوں کے بنگلے ہیں۔ ان میں سے کسی میں پناہ لی جا سکتی ہے۔''

''ہاں، میرا خیال ہے چند کلومیٹر بعد ایک جگہ کچھ بنگلے ہیں تو۔'' میں نے یادداشت پر زور دیا۔ ''لیکن ہمیں پناہ دے گا کون؟''

سفیر ہنسا۔ ''کوئی نہیں، ہمیں لینا پڑے گی۔''

''تیرا مطلب ہے، مان نہ مان، میں تیرا مہمان؟''

''اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔'' سفیر بولا۔ ''ہم اس طرح سفر کرتے رہے تو کہیں نہ کہیں دشمن کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔''

''پلیز، میں نیند اور تھکن سے مرنے والی ہوں۔'' مونا عقب سے بولی۔ ''کہیں تو رکو۔''

''کوشش کرتے ہیں۔ دعا کرو کہ دشمن سے ٹکراؤ نہ ہو۔''

سفیر نے مین ہائی وے پر آتے ہی رفتار تیز کر دی تھی۔ میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مذکورہ بنگلے کہاں تھے۔ میں نے کئی سال پہلے وہ جگہ دیکھی تھی۔ وہ جگہ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھی۔ جب مری کی طرف سے ایبٹ آباد کی طرف آتے ہیں تو ایک سڑک دائیں طرف اوپر کی جانب جاتی تھی اور اس پر یہ بنگلے تھے جو صاحب حیثیت امرا نے بنوائے تھے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ سمیت گرمیوں میں یہاں آتے تھے۔ سرما میں برف باری دیکھنے آتے تھے۔ امید تھی کہ فی الحال ان بنگلوں میں بیشتر خالی ہوں گے اور شاذ ہی کوئی آ کر ٹھہرا ہوگا۔ البتہ چوکیداروں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ ''مجھے یاد آتا ہے۔ ان بنگلوں کی طرف جانے والے راستے سے ذرا پہلے ہائی وے پر ایک پیٹرول پمپ اور کچھ دکانیں ہیں جن سے عام استعمال کا سامان ملتا ہے۔''

''گڈ! اب تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں ہوگا۔'' سفیر بولا۔

رات کے اس پہر سڑک مکمل طور پر ویران تھی۔ اردگرد کوئی گاڑی یا فرد نظر آتا تو امکان یہی ہوتا، اس کا تعلق دشمن سے نکلتا مگر خیریت رہی، کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا۔ ایک گھنٹے بعد ہم مطلوبہ پیٹرول پمپ تک جا پہنچے۔ دکانیں اور پمپ دونوں بند تھے لیکن ان سے ہمیں نشانِ منزل مل گیا تھا۔ سفیر نے لینڈ روور واپس گھمائی اور دائیں طرف آنے والے راستے پر چڑھا دی۔ اونچے گھنے درختوں کے درمیان سے گزرتا یہ راستہ بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ بنگلے اس راستے پر آنے والی ایک ہموار چھوٹی سی جگہ پر بنے تھے۔ یہ شاید تین ایکڑ کا ٹکڑا تھا جس پر کوئی درجن بھر بنگلے بنے تھے۔ ایک کلومیٹر سفر کے بعد بنگلے آ گئے۔ سفیر نے گاڑی ان کی طرف گھما دی۔ بیشتر بنگلے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سفیر نے تجویز پیش کی۔ ''بہتر ہے کسی غیر آباد بنگلے میں تشریف فرما ہوا جائے۔''

''میں تجھ سے اختلاف کروں گا۔ اوّل تو یہ ایک غیر قانونی کام ہوگا، دوسرے ہمیں کئی تالے توڑنا پڑیں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے، خالی بنگلے میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے ایسا بنگلا تلاش کرنا چاہئے جس میں کم سے کم چوکیدار ہو۔ اسے ہزار دو ہزار دیں گے تو وہ خوشی خوشی سارا بندوبست کر دے گا۔''

''شوبی ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' مونا بولی۔ ''اور ہم میں کچھ کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔''

میں نے ایک بنگلے کی طرف اشارہ کیا جس کی بعض کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ ''اس کے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا؟''

''بسم اللہ۔'' سفیر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ یہ بنگلا ذرا آخر میں تھا اور اس کے بعد ڈھلان تھی۔ میں گاڑی سے اترا اور لوہے کا بڑا سا گیٹ بجایا۔ سناٹے میں آہنی شور اس طرح گونجا کہ ایک لمحے کو میں خود بھی اچھل پڑا مگر اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا۔ چند لمحے بعد بنگلے کے برآمدے میں کوئی آیا تھا۔ اس نے لالٹین اٹھا رکھی تھی۔ میں نے جھری سے جائزہ لیا۔ آنے والا حلیئے سے چوکیدار لگ رہا تھا۔ اس نے مقامی زبان میں پوچھا۔

''کون ہے رات کے اس وقت؟''

''مسافر ہیں، پناہ چاہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ گیٹ کھول کر باہر آیا، اس نے لالٹین اونچی کر کے میرا اور گاڑی کا جائزہ لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔ ''ہمیں سفر کرتے ہوئے رات ہو گئی ہے۔ اس لئے صبح تک پناہ چاہتے ہیں۔ اس کے لئے معقول معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔''

''کیوں نہیں صاحب!'' معاوضے کا سن کر اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم شہر سے آئے ہیں اس لئے وہ اردو میں بات کر رہا تھا۔ وہ تقریباً پچاس برس کا طویل قامت اور دبلا شخص تھا۔ اس نے گرم اونی چادر لے رکھی تھی۔ ''میرا نام زرین علی ہے۔ اندر آؤ صاحب! گاڑی بھی لے آؤ۔''

''ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں صاحب! ادھر بوت کمرا اے۔'' اس نے گیٹ کھولا۔

سفیر گاڑی کھلے گیٹ سے اندر لے آیا۔ اس نے جان بوجھ کر گاڑی کو کورڈ پورچ میں لے جا کر روکا تھا کہ وہ باہر سے آسانی سے نظر نہ آئے۔ زرین مجھے اندر لے آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا اسے راز گل کے بارے میں کیا بتاؤں، پھر مجھے خیال آیا۔ ''زرین! ہمارے ساتھ ہمارا نوکر بھی ہے۔ بے چارہ پاگل ہو گیا ہے۔ اسے دکھانے بڑے اسپتال شہر لے گئے تھے۔''

''اوہو...... خطرناک پاگل اے؟'' اس نے افسوس کیا۔

''نہیں، خطرناک تو نہیں ہے لیکن کبھی کبھی خود کو نقصان پہنچانے لگتا ہے اس لئے اسے باندھ کر رکھنا پڑتا ہے۔ راستے میں بھی اسے دورہ پڑا تھا اس لئے باندھنا پڑا۔ یہ بتاؤ کہ کوئی خالی کمرا ہے جس میں اسے بند کیا جا سکے تاکہ یہ خود کو نقصان نہ پہنچا سکے۔''

''خاص کمرا تو نہیں اے۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''اور پیچھے کوٹھری اے...... ام اس کو ادر رکھ سکتا اے۔''

''ٹھیک ہے مگر اسے بند رکھنا ہوگا۔ ورنہ یہ دورے کی حالت میں باہر نکل جائے گا اور اسے یہ پرکھا بھی نہیں ہوگی کہ باہر کتنی سردی ہے۔''

''آپ بے فکر ہو جاؤ صاب۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔ ''وہ کدر اے؟''

''گاڑی میں...... ابھی ہم نے اسے باندھ رکھا ہے۔''

''میرے ساتھ آؤ، اس کوٹھری میں بند کرتا اے۔''

''پہلے مجھے کوٹھری دکھاؤ۔''

سغیر، موتا اور ایمن بنگلے کی نشست گاہ میں آ گئے تھے، میں نے سغیر کو اشارہ کیا کہ وہ راز گل پر نظر رکھے۔
میں زرین کے ساتھ بنگلے کے عقبی حصے میں آیا جسے وہ کوٹھری کہہ رہا تھا، وہ اصل میں بنگلے کا اسٹور روم تھا اس میں آمدورفت کے لئے صرف ایک دروازہ تھا۔ اوپر چھوٹا سا روشن دان تھا جس سے کوئی بلی تو گزر سکتی تھی لیکن انسان کے لئے اس سے نکلنا ناممکن تھا۔ دروازہ بھی مضبوط تھا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اندر ایک عدد چارپائی اور اس پر گدا پڑا تھا۔ زرین نے وضاحت کی۔ "جب صاحب لوگ آتا اے تو ام اور سوتا اے۔"
دوسری صورت میں وہ بنگلے کے کسی بیڈ روم میں ٹھاٹ سے سوتا ہوگا۔
"ٹھیک ہے، میں اپنے ملازم کو لاتا ہوں لیکن اس کے کمرے کا دروازہ کسی صورت مت کھولنا۔ بعض اوقات وہ خطرناک بھی ہو جاتا ہے۔ ایک بار دورے کی حالت میں اس نے اپنے ساتھی ملازم کو جان سے بھی مارنے کی کوشش کی۔ وہ تو دوسروں نے دیکھ لیا تھا، ورنہ اس نے تو گلا دبا ہی دیا تھا۔"
"اتنا خطرناک اے!" زرین کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "اسے کیوں رکھا اے صاحب، نکال باہر کرو۔"
"کیا کریں، خاندانی ملازم ہے، اس کے باپ دادا ہماری خدمت کرتے آئے ہیں۔" میں نے اطمینان سے جھوٹ بولنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔
میں نے آ کر گاڑی کے عقبی حصے سے راز گل کو نکالا۔ "سنو بیٹے، تم ہمارے پاگل نوکر ہو۔ اس لئے فرار ہونے یا اس بنگلے کے چوکیدار کو ورغلانے کی کوشش مت کرنا، ایسا نہ ہو تمہارے ساتھ اسے بھی پار کرنا پڑے۔"
"میں چپ رہوں گا۔"
"اسی میں تمہاری عافیت ہے، آئندہ بھی زندہ رہو۔ تم نے اندازہ کر لیا ہوگا، میں بلاوجہ کسی کو قتل نہیں کرتا جب تک وہ مجھے مجبور نہ کر دے۔"
اسے اچھی طرح ڈرا دھمکا کر میں نے اسے کوٹھری میں بند کر دیا۔ زرین نے ہمارے لئے نچلے حصے کے دو بیڈ روم کھول دیئے تھے۔ یہ شاید گیسٹ ہاؤس کا حصہ تھا کیونکہ کمروں میں نارمل قسم کا فرنیچر تھا۔ البتہ کام کی چیز آتش دان تھے۔ زرین نے بوری میں سے لا کر آتش دانوں میں لکڑی کا کوئلہ سلگایا تھا۔ تھوڑی دیر میں کمرے مناسب حد تک گرم ہو گئے تھے۔ کھانے کے لئے فی الحال کچھ نہیں تھا اس نے مکئی کی روٹی اور مکھن پیش کر دیا۔ ہم نے اسے ہی حلق سے اتارا البتہ اس نے کافی شاندار بنائی تھی۔ کھا پی کر موتا اور ایمن تو فوری طور پر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں نے سغیر سے اکیلے میں کہا۔ "میں زرین کے ساتھ ہوں تو سو جا، چار گھنٹے بعد تجھے جگا دوں گا۔"

"تجھے اس پر اعتماد نہیں ہے۔" سغیر نے زرین کی طرف اشارہ کیا۔
"ظاہر ہے، وہ کون سا میرا سگا ہے۔ اگر راز گل بھاگ گیا تو ہمیں بھی اس جگہ سے بھاگنا پڑے گا۔"
سغیر نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے میں سو جاتا ہوں۔"
"اور میں بے خوابی کے بہانے زرین سے گپ شپ کرتا ہوں۔" میں نے باہر کا رخ کیا۔ زرین لاؤنج میں آتش دان کے سامنے بستر لگائے لیٹا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔
"خیریت صاب! کوئی کام......؟"

"نہیں یار!" میں آتش دان کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔"نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تم سے گپ شپ کروں۔"

"کیوں نہیں صاب!" وہ خوش ہو گیا تھا۔"کوئی چائے......کافی......قہوہ پئے گا؟"

"کافی تو تم پلا چکے ہو......ہاں چائے مل جائے تو......"

"میں ابھی لایا صاب!" وہ جانے لگا پھر رکا۔"صاب وہ......آپ کا نوکر......کیا اسے بھی روٹی اور چائے دوں؟"

"ہاں، اسے بھی دو۔ بلکہ ایسا کرو، میرے ساتھ چلنا تاکہ کوئی مسئلہ ہو تو میں سنبھال لوں۔"

"بالکل صاب! ام کو تو اس کے پاس جانے کا سوچ کر ڈر لگتا اے۔"

زرین علی چائے بنانے چلا گیا۔ دس منٹ بعد اس نے ٹرے میں مکئی کی روٹی، مکھن اور چائے لا کر مجھے دی۔

"امارے ساتھ چلو صاب!"

زرین نے کوٹھری کے باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ اس نے تالا کھولا اور میں نے ٹرے راز گل کے سامنے رکھی جو چارپائی پر کمبل میں دبکا ہوا تھا۔"یہ کھا لو اور سو جانا۔"

"مجھے پیشاب کے لئے جانا ہے؟" اس نے مطالبہ کیا۔

"پہلے کھا لو۔ ہم ابھی آتے ہیں پھر تم کو لے جا سکیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ اگرچہ پستول میں نے کمرے میں رکھ دیا تھا لیکن راز گل کے سامنے میں نے ہاتھ مستقل اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھا تھا جیسے میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ ہم واپس لاؤنج میں آئے۔ کوٹھی میں بجلی کی تقریباً تمام ہی اشیاء تھیں لیکن بجلی نہیں تھی۔ بنگلے میں تیل سے جلنے والے لیمپ لگے تھے۔ میں نے بجلی کے بارے پوچھا۔

"اور بجلی نہیں اے صاب! جنریٹر ہے......جب صاب لوگ آتا ہے تو چلاتا اے۔"

"صاحب کہاں رہتا ہے تمہارا......اسلام آباد......یا کسی اور شہر میں؟"

"نہیں، اسی علاقے میں رہتا اے۔ کبھی کبھی آتا اے۔ ابی اس کا بی بی اور ہی تھا۔ اس کے بچہ ہونے والا اے۔ اسے صاب نے شہر بھیج دیا اے۔ اس کا طبیعت بہت خراب تھا۔"

"حیرت ہے، جب وہ اس علاقے میں ہی رہتا ہے تو اس کوٹھی میں کیوں نہیں رہتا؟"

"ام کیا جانے صاب! وہ تو ادھر آتا بی کم اے۔ سال میں دو تین بار ای آتا اے۔ پر اب بی بی کی وجہ سے چکر لگاتا اے۔"

"بی بی واپس آئے گی؟"

"ہاں، پر دس بارہ دن لگے گا۔" اس نے کہا اور چائے کے برتن اٹھانے لگا۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔

"اسے لیٹرین لے جانا ہے۔" میں نے کہا۔"کدھر ہے لیٹرین؟"

زرین علی نے مجھے لیٹرین دکھایا۔ یہ بھی عقبی حصے میں تھا۔ میں نے اس سے دروازے کی چابی لے کر اسے برتن دھونے کچن کی طرف روانہ کر دیا۔ اسے کوٹھری سے نکال کر لیٹرین تک لایا۔"اگلے چوبیس گھنٹے کے

لئے صرف پانچ منٹ میں فارغ ہو جاؤ ورنہ مجھے کچھ ایسا کرنا پڑے گا کہ تمہیں اس قسم کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی۔''

وہ پانچ منٹ میں آ گیا تھا۔ اسے کوٹھری میں بند کر کے میں واپس آیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سوائے مہمان خانے، لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے سب بند تھا۔ غالباً اس وجہ سے زرین بے فکر تھا۔ یہاں سے کچھ غائب کرنا ممکن نہیں تھا۔ زرین واپس آ چکا تھا اور مقامی زبان کا ایک گانا گنگناتے ہوئے آتش دان میں کوئلے سلاخ سے کرید رہا تھا۔ ''صاب! آپ کو گانا اچھا لگتا اے۔''

''ہاں، بشرطیکہ گانے والا مرد نہ ہو۔'' میں نے سر ہلایا۔

''یعنی امارا گانا پسند نہیں اے۔''

''مرد گلوکاروں میں مجھے صرف تان سین پسند ہے وہ بھی اس لئے کہ مر چکا ہے۔'' میں آتش دان کے پاس نیم دراز ہو گیا۔ گانے کے بجائے تم مجھے اس علاقے کے بارے میں بتاؤ۔''

''ام اس علاقے کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ ام خود سوات کا رہنے والا اے۔''

''تب اپنے علاقے کے بارے میں بتاؤ۔''

''ام پندرہ سال کا تھا جب ادھر سے نکلا۔ اب ام پچاس سال کا اے ام سترہ سال لاہور رہا اور بارہ سال ام اسلام آباد رہا۔ اس کے بعد سے ادر اے۔''

''یعنی تم چھ سال سے ادھر ہو؟'' میں نے غور کیا۔ ''تم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ اپنے گاؤں کب تک پہنچ جاؤ گے؟''

''جب ام ساٹھ کا ہو جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تب ام اور باغ لگائے گا۔ خوبانی کا، سیب کا اور اخروٹ کا۔'' اس کی آنکھوں میں خواب آ گئے تھے۔

''تمہارے پاس زمین ہے؟''

''نہیں اے...... امارا باپ کا تھا۔ پر وہ قرض میں چلا گیا۔ ام پیسے جمع کر رہا اے، اپنی زمین واپس لے گا۔ پھر اس پر باغ لگائے گا۔ جب ام مرے گا تو امارا بیٹا بے زمین نہیں ہوگا۔''

اس کے لہجے میں دکھ تھا اور اس دکھ میں وہ ساری داستان بھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف اس غریب چوکیدار کی نہیں، اس ملک میں بسنے والے تقریباً ہر غریب کا دکھ تھا۔ وہ جو خود حاصل نہیں کر سکا، وہ اپنے بیٹے کے لئے چاہتا ہے۔ وہ اپنی محرومیوں سے اپنی اولاد کو بچانا چاہتا ہے مگر درّہ خنجراب سے کراچی کی پورٹ تک، کوئٹہ سے لاہور تک بے شمار مافیائیں ہیں جن کا کام ہی اس ملک میں بسنے والے لوگوں سے ان کے معمولی معمولی خواب چھین لینا ہے۔ یہ جو چھین لیتی ہیں اس پر خوش نہیں ہوتیں جو نہیں چھین پاتیں، اس پر بے چین رہتی ہیں۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔ آتش دان میں انگارے کبھی کبھی چٹختے تھے۔ میں نے خاموشی کو توڑا۔ ''تمہارا صاحب اعتراض نہیں کرے گا تم نے ہمیں ٹھہرایا؟''

''نہیں، صاب! اگر صاب نے منع کیا ہوتا تو امارا کیا مجال تھا، آپ کو ادر ٹھہراتا۔ بات یہ اے لوگ اور صرف مشکل میں آتا اے۔ اسے پناہ دینا چاہئے امارا صاب نے ام کو کبھی منع نہیں کیا اور سال میں چار پانچ بار

آپ جیسا مہمان آجاتا اے۔ ام خدمت کرتا اے۔ ام کو بی کچھ نہ کچھ مل جاتا اے۔"

"معاف کرنا، مجھے اس کا خیال نہیں رہا۔" میں نے اپنا پرس نکالا اور اس میں سے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "فی الحال اسے رکھو۔ باقی حساب جاتے وقت کرلیں گے۔"

"مہربانی صاب!" اس نے خوشی سے نوٹ لے لیا۔ زرّین کچھ دیر بات کرنے کے بعد سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ ظاہر ہے جاگنا اس کی نہیں میری مجبوری تھی۔ وہ خراٹے لینے لگا تو میں نے اس کے پاس رکھی چابیاں لے کر کوٹھری کا رخ کیا تھا۔ وقت گزاری کے لئے راز گل سے پوچھ گچھ سے بہتر مشغلہ اور کیا ہوسکتا تھا اگرچہ نیند اور تھکن کی وجہ سے میرا سر بوجھل ہو رہا تھا لیکن ابھی دو گھنٹے جاگنا تھا۔ وہ بے خبر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ میں نے اس پر پڑا کمبل کھینچا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا تھا۔ "کک......کون......کیا بات ہے؟"

"میں ہوں۔" میں نے اسے پھر چارپائی پر دھکیل دیا۔ "تم سے ذرا گپ شپ کا ارادہ ہے۔"

"جی جناب!" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "فتح خان کے اس علاقے میں کہاں کہاں ٹھکانے ہیں؟"

"اس بارے میں شمشیر خان جانتا تھا۔" اس نے مسکینی سے کہا۔ "ویسے بھی میں اس علاقے کا رہنے والا نہیں ہوں۔"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"کالام کا جی!"

"تب یہ کیسے ممکن ہے تم اس علاقے سے ناواقف ہو۔ یہ جگہ کالام سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"بس جی، کبھی اس طرف آنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"تمہارے گروپ کا لیڈر شمشیر خان تھا۔ باقی دو گروپس جو ہمیں تلاش کر رہے ہیں، ان میں کون ہے؟"

"باقیوں کو تو میں نہیں جانتا لیکن جو گروپ اوپر کے علاقے میں ہے، اس کا سربراہ صابر شاہ ہے۔"

"صابر شاہ کون ہے؟"

"وہ فتح خان کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے۔ اس علاقے کا رہنے والا ہے۔ میں نے سنا ہے، بہت خطرناک آدمی ہے۔ انسان کو مکھی، مچھر کی طرح مار دیتا ہے۔"

"خوب، سامنے آئے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بتاؤ، نیچے جو گروپ ہے وہ کس کا ہے؟"

"اس کا مجھے نہیں معلوم۔" اس نے لجاجت سے کہا۔ "صاحب، میں نے آپ سے کچھ نہیں چھپایا ہے، مجھے جانے دینا، مجھے مت مارنا میری ایک بوڑھی ماں ہے۔"

"سب کی بوڑھی مائیں ہوتی ہیں اور ماں کا اتنا ہی خیال ہے تو ایسے چکروں میں کیوں پڑے؟"

اس کا چہرہ ستا گیا تھا۔ "بس جی، قسمت ہی خراب ہے۔ ورنہ آج آرام سے گھر میں ہوتا۔"

میں نے اس سے کچھ دیر اور پوچھ گچھ کی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سچ بول رہا ہے یا اس نے کوئی غلط بیانی کی بھی تھی تو میں اسے پکڑ نہیں پایا تھا۔ بہر حال صابر شاہ کا نام ایک اضافہ تھا۔ اگر مجھے ان لوگوں سے مقابلہ کرنا تھا اور ان کے مقابلے میں کھڑے رہنا تھا تو میرے لئے ضروری تھا ان کے بارے میں تمام معلومات رکھوں۔

جنگ وہی جیتتا ہے جس کا جاسوسی کا نظام مضبوط ہو۔ میں اس کے پاس سے اٹھ گیا جیسے ہی باہر نکلا، میں نے زرّین علی کو سامنے پایا، وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ غالباً اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں۔ میں نے تالا لگایا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے لاؤنج میں لے آیا۔ ''تم نے ہماری باتیں سن لی ہیں؟''

''تھوڑی سی صاب!'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''کیا یہ آپ کا دشمن اے۔ نوکر نہیں اے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''دشمن کا ساتھی...... وہ ہمارے پیچھے ہے۔ یہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔''

زرّیں پریشان نظر آنے لگا۔ ''صاب، میں نے آپ کو مسافر سمجھا۔''

''ہم مسافر بھی ہیں اور ہمارے دشمنوں سے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو پتا نہیں ہے کہ ہم کہاں ہیں؟''

''پر وہ آپ کو تلاش کرتا اور آ گیا؟''

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔ میں نے کہا ناں اس کا امکان نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ پھر مجھے ایک خیال آیا۔ ''سنو زرین! کیا ہم اپنی گاڑی کہیں اور نہیں چھپا سکتے، یہ بالکل سامنے کھڑی ہے؟''

''اور پیچھے جگہ اے۔'' اس نے بنگلے کے عقبی طرف اشارہ کیا۔

''تب چلو، اسے ابھی وہاں کھڑا کرتے ہیں۔ کوئی ترپال ہے تو اسے ڈھک دو۔''

''ترپال تو نہیں اے پر اور کوئی گاڑی کو دیکھ نہیں سکتا۔''

میں نے چابی لی اور لینڈ روور کو لے جا کر بنگلے کے عقبی حصے میں کھڑا کر دیا۔ اس طرف واقعی اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس طرف نہ تو کوئی بنگلا تھا اور نہ ہی کوئی اونچی جگہ تھی بلکہ یہ اس مسطح چوٹی کا سب سے اونچا اور آخری حصہ تھا۔ اس کے بعد ڈھلان تھی۔ اندر آ کر میں نے وقت دیکھا۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ سفیر نے زیادہ ہی سو لیا تھا۔ میں نے اسے جگایا اور مختصراً صورت حال سے آگاہ کیا۔ خاص طور سے زرین کے بارے میں خبردار کیا اور اس کی جگہ گرم بستر میں گھس کر فوراً ہی خواب خرگوش میں گم ہو گیا۔ باہر کے مقابلے میں اندر کمرے گرم تھے۔ میری نیند کے دوران میں کوئی خلاف معمول واقعہ پیش نہیں آیا تھا اس لئے میں سکون سے سوتا رہا پھر مجھے بارہ بجے سفیر نے اٹھایا۔

''اٹھ جا یار!'' اس نے میرا پاؤں ہلایا۔ ''کب تک سوتا رہے گا، بارہ بج رہے ہیں۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''اف، میں بھوک سے فوت ہونے والا ہوں۔''

''منہ ہاتھ دھولے...... پھر زرین ناشتا بنا دے گا۔ ہم نے تو کر لیا ہے۔''

کمرے کے ساتھ واش روم تھا اور اس میں گرم پانی آ رہا تھا۔ گرم پانی دیکھ کر میرا دل مچل گیا۔ نہ جانے کتنے عرصے سے میں نے غسل نہیں کیا تھا۔ میں نے کپڑے اتارے اور گرم شاور لینے لگا۔ طبیعت خوش ہو گئی تھی۔ میں نے باہر آ کر دوسرے کپڑے پہنے لاؤنج میں آیا تو مونا اور ایمن سر جوڑے ایمن کے لیپ ٹاپ کمپیوٹر پر کچھ دیکھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ جلدی سے سیدھی ہو گئیں اور ایمن نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ وہ اس ننھے سے کمپیوٹر کو اپنے بیگ میں ساتھ ساتھ لئے پھر رہی تھی۔ ''کیا دیکھا جا رہا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' مونا جلدی سے بولی۔ ''ہم بس ایسے ہی دیکھ رہے تھے۔''

"کھانے کو کچھ ملے گا؟"

"میں دیکھتی ہوں، زرین ناشتا بنانے گیا تھا۔" مونا بولی اور لاؤنج سے نکل گئی۔

"خیریت...... یہ اتنی بدحواس کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے ایمن سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا۔" وہ دبی دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "رات ایسی بے ہوشی کی نیند آئی تھی۔"

"میں صبح چھ بجے سویا تھا لیکن اتنی نیند کافی ہے میرے لئے۔ تم پریشان تو نہیں ہو؟"

"کیا مجھے نہیں ہونا چاہئے؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"ہونا چاہئے۔ ہم تو عادی ہو گئے ہیں، آئے دن ایسے ہی حالات سے گزرتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اس بار دشمن تمہارے لئے اتنا پاگل ہو رہا ہے۔"

ایمن کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے پوچھا۔ "شوبی! ڈیڈی زندہ ہیں ناں......؟"

"اس کا یقین تو مجھے بھی نہیں ہے۔ صرف ایک اندازہ ہے اور جو فتح خان کی قید میں دیکھا تھا۔"

"میں نے برسوں ان کو مردہ سمجھا ہے۔ میرا دل اسے قبول کرتے ہوئے ڈر رہا ہے، اگر یہ بات غلط نکلی تو......؟"

"یہ میرا اندازہ ہے فتح خان نہایت عیار شخص ہے اس نے برٹ شا کو ہیروں کے چکر میں زندہ رکھا ہوگا۔ وہ اس سے ہیرے حاصل کرنا چاہتا ہوگا۔ مگر برٹ شا نے اپنی زبان بند رکھی ہوگی۔ اس لیے اب اسے دباؤ میں رکھنے کے لیے فتح خان تمہیں اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ کامیاب رہا تو برٹ شا اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس کے پاس کامیابی کا یہ واحد طریقہ ہے اور برٹ شا کی زندگی لازمی ہے کیونکہ صرف وہی جانتا ہے کہ ہیرے کہاں ہے۔ فتح خان جس طرح تمہیں حاصل کرنے کے لیے پاگل ہو رہا ہے اس سے مجھے لگ رہا ہے کہ برٹ شا اس کے قبضے میں زندہ ہے۔"

"ممکن ہے فتح خان انہیں حاصل کر چکا ہو؟"

"اس صورت میں وہ یہاں نہیں ہوتا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے، وہ ہیرے وہیں ہوں گے۔"

"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں! اوّل تو مجھے ہیروں سے دلچسپی نہیں ہے، دوسرے ان کو تمہارے ڈیڈی نے چھپایا تھا اور اس نے ہیرے یقیناً کسی ایسی جگہ چھپائے ہوں گے جہاں سے ان کو دوبارہ آسانی سے حاصل کیا جا سکے۔" میں نے کہا۔ "ویسے ان ہیروں کی کہانی کیا ہے؟"

"ڈیڈی ایک سائیڈ بزنس بھی کرتے تھے۔ نوادرات کی ڈیلنگ کا۔ جن دنوں وہ پاکستان آ رہے تھے، اٹلی کی ایک پارٹی نے ان سے رابطہ کیا تھا۔ ان کو ایک افغان سردار سے یہ ہیرے لے کر پارٹی کو پہنچانے تھے اور سردار کو سوئس بینک ڈرافٹ کی صورت میں رقم دینا تھی۔ یہ خاصی بڑی رقم تھی چار اعشاریہ دو ملین امریکی ڈالرز۔ ڈیڈی کو اس سلسلے میں دس فی صد کمیشن دیا گیا تھا۔"

اس اثنا میں مونا ناشتے کی ٹرے لے آئی۔ قلچے نما پراٹھے، تلے ہوئے انڈے اور سوجی کا حلوا تھا۔ ساتھ میں چائے کے دو مگ تھے۔ مونا نے ٹرے میرے سامنے رکھ دی، چائے وہ اپنے اور ایمن کے لئے لائی تھی۔

اسے دیکھ کر ایمن چپ ہو گئی تھی۔ مونا نے چائے میں دودھ اور چینی ڈالی اور مگ ایمن کو تھما دیا۔ میں نے ناشتے سے انصاف شروع کیا۔ ''سفیر کہاں ہے؟''

''زرّین کے ساتھ لگا ہے، اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

''گڈ!'' میں نے سر ہلایا اور ایمن کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔''

''گڑبڑ وہاں سے شروع ہوئی جب ان ہیروں کا علم اتفاق سے فتح خان کو ہو گیا اور اس نے انہیں ہتھیانے کی کوشش شروع کر دی۔''

''مجھے یقین ہے تصویر اور پتھر چرانے جانے والے چور بھی فتح خان کی سازش سے راجا عمر دراز کے ہاتھ لگے تھے، مقصد صرف تم لوگوں کو جاننے سے روکنا تھا۔''

ایمن چونکی۔ ''مجھے بھی یقین ہے، میرے ذہن میں بھی بالکل یہی خیال آیا تھا، کاش اس وقت ڈیڈی میری بات مان لیتے، اس دیوانگی کو چھوڑ کر واپس چلے جاتے۔''

''تمہارے ڈیڈی خوش قسمت ہیں ورنہ میں نے ان چیزوں کے پیچھے درجنوں افراد کو اپنی جان سے ہاتھ دھوتے دیکھا ہے۔ ان میں سے کئی میرے ہاتھوں مارے گئے۔''

''تمہارے ہاتھوں......؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ ''تم کسی کو نہیں مار سکتے۔''

''ہاں، میں نے یہ کام جان بوجھ کر نہیں کیا مجھے مجبور کیا گیا تبھی میں نے کسی کی جان لی تھی۔''

مونا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''خاتون، تمہارے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمی کا شکار ہیں۔''

''پلیز، میرے سامنے انگلش میں بات کیا کرو۔'' ایمن نے خفگی سے کہا۔ ''آدابِ محفل کے خلاف ہے۔''

''اوکے!'' میں نے کہا۔ ''ہم آئندہ خیال رکھیں گے۔''

مونا نے مجھے گھور کر دیکھا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ ایمن نے حیرت سے کہا۔ ''اسے کیا ہوا، میں نے تو ایک عام سی بات کہی تھی۔''

''کچھ نہیں......وہ سفیر کے پاس گئی ہے۔''

ایمن میرے پاس کھسک آئی۔ ''کبھی کبھی یہ مجھے حیران کر دیتی ہے۔ جب میں محسوس کرنے لگتی ہوں کہ ہمارے درمیان بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے تو اچانک کسی بات پر اس کا موڈ خراب ہو جاتا ہے اور یہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی ہے۔''

''اس کی ایک ہی وجہ ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''سرکار کی کوششوں سے ہماری خواتین میں روشن خیالی تو آ گئی ہے مگر ان کے سوچنے کے انداز میں جذباتیت برقرار ہے۔ اس وجہ سے ان کے رویے میں یکسانیت نہیں پائی جاتی، تم فکر مت کرو، مونا دل کی اچھی لڑکی ہے۔''

''ہاں، اس کا تو مجھے بھی علم ہے۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ ہم کب تک یہاں رہیں گے۔ اسلام آباد کب جائیں گے۔''

''فی الحال تو اسلام آباد جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور اس جگہ کیا خرابی ہے۔ رہنے کو بہترین بنگلا ہے جس

میں تمام سہولتیں بھی ہیں، تین ٹائم پکا پکایا کھانے کے ساتھ وقت بے وقت چائے کافی بھی مل رہی ہے، دشمن کی کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ ہماری تلاش میں اس موسم میں مارا مارا پھر رہا ہے اور ہم اس پُرآسائش بنگلے میں بیٹھے ہیں۔''

''نہیں، مسئلہ تو کوئی نہیں ہے۔ بس مجھے گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔''

''فتح خان کے ہاتھ آنے سے بہتر ہے، یہ تھوڑی سی گھبراہٹ برداشت کرلو۔ اصل میں تم ان حالات کی عادی نہیں ہو، دو چار دن ہمارے ساتھ رہو گی تو عادی ہو جاؤ گی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''باہر کیسا موسم ہے، آؤ ذرا گھوم کر آئیں۔''

''ہاں، یہ اچھا خیال ہے۔'' وہ خوش ہو گئی تھی۔

میں نے جیکٹ، گرم ٹوپی پہنی اور جوتے پہنے اور ایمن کے ساتھ باہر جانے لگا تھا کہ لاؤنج میں زرین آ گیا۔ ''صاب، کافی لایا اے۔''

''لاؤ یار دو...... ہم ذرا لان میں جا رہے ہیں۔''

اس نے مجھے کافی کا بھاپ اڑاتا مگ تھمایا۔ ''صاب، زیادہ دیر باہر مت رہنا۔ ادر کا سردی چپکے سے جسم میں اتر جاتا اے۔''

''ہم جلدی آ جائیں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

بنگلے کے سامنے خاصا بڑا لان تھا جس پر چنار اور اخروٹ کے درخت لگے تھے اور فی الحال ہر شے پر خزاں چھائی ہوئی تھی۔ سخت اور سرمئی ہو جانے والی گھاس میں موجود نمی سردی سے جم گئی تھی اور جب ہم اس پر قدم رکھتے تھے تو یہ برف کرچ کرچ کی آواز کے ساتھ ٹوٹتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، ہم نازک سے شیشوں پر چل رہے ہیں اور وہ ٹوٹتے جا رہے ہیں۔ میں نے جلدی جلدی کافی کے گھونٹ لئے کیونکہ کھلی فضا میں غضب کی سردی تھی۔ کافی تیزی سے ٹھنڈی پڑ جاتی۔ ایمن کھلی فضا میں آ کر خوش تھی۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''شاید آج رات برف باری ہو۔''

آسمان پر بادل تھے لیکن سفید رنگ کے تھے۔ ''یہ بادل برف باری نہیں کرتے۔''

''میں بچپن سے ایسا موسم دیکھتی آئی ہوں۔ ہماری جاگیر شمالی انگلینڈ میں ہے جہاں شاذ ہی سورج نظر آتا ہے۔ ہوا اور بادل کہہ رہے ہیں کہ برف باری کا امکان ہے۔''

''کمال ہے، میں تو سمجھتا تھا اس انداز میں پیش گوئی صرف ہمارا محکمۂ موسمیات کر سکتا ہے۔''

''تو کیا میں بکواس کر رہی ہوں!'' وہ خفا ہو گئی تھی۔

''اوہ سوری! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ہم ٹہلتے ہوئے چنار کے درخت تلے چلے آئے، یہ بہت بڑا اور بہت پرانا چنار تھا۔ چنار کا درخت بہت سُستی سے بڑھتا ہے اور اس کی عمر بھی بہت طویل ہوتی ہے۔ کشمیر میں سینکڑوں برس پرانے چنار کے درخت ہیں۔ میں نے ہری پور میں چنار کے تیس چالیس فٹ اونچے درخت دیکھے ہیں جن کی عمر تین سو برس سے زیادہ ہے۔ یہ کشمیر کے مسلمان حکمرانوں کے دور میں لگائے گئے تھے۔

''شوبی! تم اپنے ماں باپ سے نہیں ملتے؟'' ایمن نے اچانک کہا تو میرے سینے میں تیر سا لگا تھا۔ کتنے برس ہو گئے تھے ان کو دیکھے۔ ماں جی میرے لئے کس طرح تڑپتی ہوں گی۔ اکثر میں سوچتا تھا کہ سب بھول کر حویلی چلا جاؤں لیکن جب وہ سیاہ آنکھیں سوچوں میں آتیں اور مجھ سے سوال کرتیں۔ ''کیا میرا سامنا کر سکو گے؟'' تو میرا خیال پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا تھا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' میرا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سرد ہو گیا تھا۔

''سوری...... اگر میں نے کوئی پرسنل بات پوچھی ہو۔'' وہ میرے لہجے سے گھبرا گئی تھی۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ہاں، میں برسوں سے گھر نہیں گیا۔ میرا اپنے ماں، باپ اور بہن بھائیوں سے کوئی رابطہ نہیں رہا ہے۔''

''مگر کیوں شوبی! ماں، باپ کو تو کوئی نہیں چھوڑتا اور میں نے دیکھا ہے تو تمہارے ملک میں ماں، باپ کی بہت قدر کی جاتی ہے۔''

''ہاں، مجھے بھی ان سے بے پناہ محبت ہے لیکن میں ان سے ملنے ان کے گھر نہیں جا سکتا۔''

ایمن نے میرا سرد ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ''شوبی! اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو۔ اس طرح تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرے دل پر کوئی بوجھ ہے۔ مونا کی بچی نے میرے بارے میں سب ہی پھوٹ دیا تھا کیا؟ میں نے سوچا۔ ''تم میرے دل کے بوجھ کے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

ایمن ہچکچائی۔ ''وہ تمہاری کوئی کزن تھی ناں...... تم اسے پسند کرتے تھے لیکن پھر اس کی شادی تمہارے بھائی......''

''مونا......!'' میں نے دانت پیسے۔

''اس کا قصور نہیں ہے۔ یہ تو میں نے سوال کر کر کے اس سے اگلوایا ہے۔'' ایمن گھبرا کر بولی۔ ''پلیز! اسے کچھ مت کہنا۔ اس کا قصور نہیں، یہ تو میں ہوں جو تمہاری زندگی کے ہر ہر پہلو سے واقف ہونا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''بس ایسے ہی۔'' وہ کچھ دیر چپ رہی پھر اس نے پوچھا۔ ''تمہاری کزن بہت خوبصورت تھی ناں......؟''

میرے تصور میں سیاہ آنکھوں کے ساتھ گلابی رنگ والے نقوش بھی در آئے تھے۔ جنہیں میں برسوں سے اپنی یادداشت سے دور دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک نازک سا سراپا جسے میں بھول جانا چاہتا تھا مگر چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا۔ سب میرے اندر اس طرح محفوظ تھا، جیسے شیشی کے اندر خوشبو محفوظ ہوتی ہے۔ شیشی نہ بھی کھلے تب بھی خوشبو آ ہی جاتی ہے۔ ایمن کی آواز نے مجھے چونکایا تھا۔

''وہ خوبصورت تھی؟''

''شاید تھی۔ اگر خوبصورتی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی آپ کی یادداشتوں میں بس جائے تو وہ خوبصورت

ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''یاد تو تم نے مجھے بھی رکھا تھا۔'' وہ تیکھے انداز میں بولی۔

میں چونکا۔ ''ہاں، تم بھی یاد تھیں۔''

''یعنی میں خوبصورت ہوں؟''

''میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''ہاں، تم بھی خوبصورت ہو۔''

''کتنی خوبصورت؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔

''بابا...... اس سے زیادہ جتنا تم لگتی ہو۔'' میں نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

''شوبی، تم جانتے ہو، میں یہاں کیوں آئی ہوں؟''

''برٹ شا کی تلاش کے لئے۔'' میں انجان بنا۔

''ہاں، یہ وجہ بھی ہے لیکن ایک وجہ اور بھی ہے۔'' وہ میرے قریب آ گئی۔ ''وہ وجہ تم ہو شوبی! میں تمہارے لئے بھی یہاں آئی ہوں۔''

''میرے لئے، میں تو خود برے حالوں سے گزر رہا ہوں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''انسان کو برے حالات میں اپنوں کی مدد اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے نرمی سے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ ''اپنوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے ہیں۔''

''رائٹ، مگر تمہارا یہ عمل سنسر کی زد میں آتا ہے۔'' میں نے اتنی ہی نرمی سے اس کی بانہیں ہٹا دیں۔ ''سرِ عام ہمارے ہاں اس قسم کی حرکت کا مطلب حدود کی دفعہ کے تحت پولیس اسٹیشن جانا بھی ہو سکتا ہے۔''

اس نے برا نہیں منایا اور شوخی سے بولی۔ ''او کے! اکیلے میں تو پابندی نہیں ہے ناں......؟''

''اکیلے میں بھی پابندی سمجھو۔ دراصل ہمارے معاشرے میں مرد اور عورت کو اتنی آزادی نہیں ہے اس لئے میرا ضمیر اس کی اجازت نہیں دے گا۔''

''اچھا!'' وہ کسی قدر مایوس ہوئی تھی یا شاید پوز کر رہی تھی۔ عورت مرد کے معاملے میں مایوس ہونا جانتی ہی نہیں ہے۔ ایمن جانتی تھی، میدان صاف ہے اس کا کوئی مدِمقابل نہیں ہے۔ اس لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مجھے خاتون کی کوششوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا بشرطیکہ وہ ایک حد میں رہتیں۔ ایمن ہمارے لئے اتنی ہی ضروری تھی، جتنا ہم اس کے لئے ناگزیر تھے۔ وہ ہماری مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح وہ ہمارے لئے بعض معاملات میں مؤثر ثابت ہو سکتی تھی۔ فی الحال تو اسے فتح خان کے قبضے میں جانے سے بچانا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''اندر چلو۔ اس سردی میں اتنی دیر باہر رہنا مناسب نہیں ہے، ویسے بھی ہم اس جگہ چھپے ہوئے ہیں زیادہ باہر نکلنے سے گریز کرنا چاہئے۔''

''گاڑی کہاں ہے؟'' وہ خالی پورچ دیکھ کر چونکی۔

''اسے عقبی حصے میں کھڑا کر دیا ہے۔ اس جگہ اسے گیٹ سے بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔''

ہم اندر آئے تو زرین علی، سفیر اور مونا کو کوئی قصہ سنا رہا تھا۔ جس کا مرکزی کردار وہ خود تھا۔ میں اور ایمن آتش دان کے پاس چلے آئے۔ زرین علی نے قصہ ادھورا چھوڑ کر مستعدی سے چائے کا پوچھا۔

''لے آ دیار......! اور اسے ناشتا دیا۔''

''جی صاب...... صبح صاب کے ساتھ جا کر دے آیا تھا۔'' اس نے سفیر کی طرف اشارہ کیا۔ اسے ہم میں سے کسی کا نام نہیں معلوم تھا، احتیاطاً ہم اس کے سامنے ایک دوسرے کا نام نہیں لیتے تھے۔ زرین کے جانے کے بعد سفیر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''کہاں تھے جناب؟''

''انگریزی میں پوچھو۔'' مونا نے معصومیت سے طنز کیا۔ ''ورنہ ایمن برا منا جائے گی۔''

''میں نے برا نہیں منایا تھا صرف ایک جنرل بات کی تھی۔'' ایمن نے صفائی پیش کی۔ ''تم سب اپنی زبان میں بات کرتے ہو اور میں احمقوں کی طرح تمہارا منہ دیکھوں۔''

''سوری، آئندہ اس کا خیال رکھیں گے۔'' سفیر نے معذرت کی۔

''شوبی! آئندہ کا کیا پلان ہے؟'' مونا نے میری طرف دیکھا۔

''فی الحال تو یہیں قیام کرنا ہے۔'' میں قالین پر دراز ہو گیا۔ ''جب تک ہماری تلاش میں پھرتے دشمن ٹھنڈے نہ پڑ جائیں۔''

''اگر مالک آ گیا بنگلے کا تو بے عزتی سے رخصت ہوں گے۔'' مونا نے ڈرایا۔

''جرأت ہے کسی کی۔ کوئی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے تو......'' سفیر نے اپنا پستول نکال کر بدمعاشوں والے انداز میں لہرایا۔ پھر اس نے اسے انگلی پر گھما کر پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر پستول نیچے گر گیا۔ سفیر نے کھسیا کر اسے اٹھا لیا۔ ''بس ذرا پریکٹس کی کمی ہے۔''

''وہ بھی ہو جائے گی اگر یہی حالات رہے۔'' مونا نے طنز کیا۔

سفیر سنجیدہ ہو گیا۔ ''بی بی! تمہیں کسی نے مجبور نہیں کیا تھا حویلی سے نکلنے کے لئے...... بلکہ تمہیں روکا تھا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' مونا گھبرا گئی تھی۔

''مونا...... گھر سے باہر حالات دشوار ہی ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہو گا تم اور ایمن کسی محفوظ مقام پر رہو۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔'' مونا نے ہمارے لہجوں سے اندازہ لگا لیا کہ ہمارے کیا عزائم تھے اس لئے اس نے مخالفت سے گریز کیا۔ ''لیکن اس جگہ سے تو نکلیں۔''

''ہاں، ابھی ہم محفوظ ہیں۔'' ایمن نے سر ہلایا۔ ''جب ہماری تلاش رک جائے گی تب نکلنا مناسب ہو گا۔'' زرین علی چائے بنا لایا تھا۔ اس نے چائے سرو کی۔ ''صاب، دوپہر کو کھانے میں کیا لے گا۔''

''جو بھی مل جائے، بس اچھا بنا ہو۔'' میں نے کہا۔

''لیکن خیال رہے ہم مسلمان ہیں!'' سفیر نے اسے خبردار کیا۔ ''دال سبزی...... یہ نبیوں کی خوراک ہوتی ہیں۔

زرین علی نے دانت نکالے۔ "ہم سمجھتا اے صاب! ابی آپ کو بھیڑ کے گوشت کا ایک ڈش کھلائے گا۔ یہ ام نے بلتستان میں بنانا سیکھا تھا۔"

"جس میں سبزی بھی پڑتی ہے۔" سفیر نے پوچھا۔

"مشروم اور کچھ مقامی سبزی پڑتا اے۔ پر ام یقین دلاتا اے تم نے اتنا مزے کا سبزی کبھی نہیں کھایا ہو گا۔" اس نے کہا۔ "شام اس کے ساتھ ایک خاص نان بی بنائے گا۔"

"زرین تم چوکیدار ہو یا باورچی؟" مونا نے حیرت سے کہا۔

"ام سب اے۔" وہ ہنسا۔ "ویسے ام نے زیادہ نوکری باورچی کا کیا اے۔ ام کو شہری کھانے بنانے بھی آتے ہیں۔"

"مثلاً بریانی اور پلاؤ۔" سفیر نے حسرت سے کہا۔ "قورمہ کھائے نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئی ہیں!"

"خدا کا خوف کرو، ابھی دو دن پہلے تم نے ہوٹل میں یہ سب کھایا ہے۔" مونا نے اسے یاد دلایا۔

"دو دن؟" سفیر نے بے یقینی سے کہا۔ "مجھے تو لگ رہا ہے، بہت عرصہ گزر چکا ہے۔"

زرین دانت نکال کر ان کی نوک جھوک سن رہا تھا۔ "ام کھلائے گا۔ پر ابھی نہیں...... کچھ سامان نہیں ہے جا کر لانا پڑے گا۔"

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہے، ہم اس پر گزارہ کر لیں گے۔"

زرین پریشان ہو گیا۔ "پر صاب ضرورت کا کچھ سامان تو باہر سے لانا ہوگا۔ ورنہ کھانا کیسے بنے گا۔"

"کچھ بھی ہو، اس بنگلے سے باہر نہیں جانا ہے۔"

"جیسا آپ کا حکم...... پھر ام سے شکایت مت کرنا۔" زرین نے سر ہلایا اور چائے کے برتن لے گیا۔

سفیر سونے کے لئے چلا گیا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے دوپہر کے کھانے پر نہ اٹھایا جائے۔ میں سمجھ رہا تھا، وہ آنے والی رات کو جاگنے کے لئے بھی سو رہا تھا۔ مونا اور ایمن ہلکی پھلکی کشیدگی کے بعد پھر شیر و شکر ہو رہی تھیں۔ میں نے زرین سے ایک چادر مانگی اور اسے سر تک اوڑھ کر باہر جانے لگا۔ چادر نے مجھے پوری طرح چھپا لیا تھا اور میں مقامی باشندہ ہی لگتا۔ مونا چونکی تھی۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"ذرا باہر کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے پستول اور رائفل لی۔ یہ دونوں بہ آسانی چادر تلے چھپ گئے تھے۔ ایمن اور مونا نے بھی ساتھ چلنے کی بات کی۔ میں نے انکار کیا۔ "کسی کا یہاں رکنا ضروری ہے۔ زرین اگرچہ ابھی تک سیدھا رہا ہے مگر اس پر نظر رکھنا ہوگی۔ ایمن تمہارے پاس پستول ہے ناں......؟"

"نہیں۔" اس نے انکار کیا۔

"مونا اسے سفیر کا پستول لا دو اور ہاں پوری طرح ہوشیار رہنا۔"

بنگلے کے گیٹ سے نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بیشتر بنگلے بھی خالی اور ویران لگ رہے تھے۔ ان کے چوکیدار بھی تھے تو وہ مالکان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اپنے

گھروں کو چلے گئے تھے۔ درمیان میں ایک پتھروں سے بنی سڑک کے دونوں طرف یہ بنگلے تھے۔ بعض بنگلے ذرا پیچھے تھے۔ سردی بے پناہ تھی۔ مکمل گرم کپڑوں اور چادر کے باوجود میں لرز اٹھا تھا۔ میں نے چادر مضبوطی سے لپیٹی اور تیز قدموں سے پہاڑی سے نیچے جانے والے راستے پر چل پڑا تھا۔ پتھروں کی سڑک غالباً بنگلوں کے مالکان نے اپنی مدد آپ کے تحت بنوائی تھی۔ یہ کوئی نصف کلومیٹر لمبی اور نیچے سڑک سے جا ملتی تھی۔ سڑک تک مجھے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ میں واپس پلٹنے کا سوچ رہا تھا کہ ایک گاڑی نیچے کی طرف سے نمودار ہوئی اور میرے برابر سے گزرتی ہوئی بنگلوں کی طرف جانے والے راستے پر گھوم گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک قوی ہیکل بوڑھا تھا اور عقبی نشست پر مجھے دو لڑکیوں کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں بھی اوپر کی طرف چل پڑا۔ میرے دل میں خدشہ آیا تھا یہ زرین کے مالکان میں سے نہ ہوں لیکن جب میں اوپر پہنچا تو گاڑی کو ایک بنگلے سے ذرا فاصلے پر رکے پایا۔ میں اس کے پاس سے گزرنے لگا تو بڑے میاں نے پکارا۔

''اے بھائی......سننا......''

''جی فرمائیے۔'' میں رک گیا تھا۔

بوڑھا کار سے اتر آیا۔ یہ ذرا پرانے ماڈل کی مرسیڈیز کار تھی۔ ''کوئی مسئلہ ہوا ہے۔ کار بند ہوگئی ہے۔''

''میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''سامنے کوٹھی ہے، وہاں تک گاڑی کو دھکا لگانا ہے۔'' بوڑھے نے بنگلے کے کھلے گیٹ کی طرف اشارہ کیا کار کی عقبی نشست خالی تھی۔ یعنی لڑکیاں اندر جا چکی تھیں۔

میں نے رائفل کو شانے پر منتقل کیا۔ ''کیوں نہیں۔''

''شکریہ جناب!'' بوڑھا خوش ہوگیا۔ لہجے سے وہ راولپنڈی کے آس پاس کا رہنے والا لگ رہا تھا۔ اس نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ میں مقامی نہیں تھا اس لئے اس کے طرزِ تخاطب میں تبدیلی آ گئی تھی۔ میں نے ڈکی پر ہاتھ رکھا اور کار کو دھکیلنے لگا۔ بوڑھا بھی اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دھکا لگا رہا تھا۔ پانچ منٹ میں کار بنگلے کے پورچ میں تھی۔ بوڑھے نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ''اندر آئیں جناب، ایک کپ چائے......''

''شکریہ۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''اب مجھے جانا ہے۔''

دراصل مجھے خدشہ تھا۔ ابھی بڑے میاں سوالات شروع کر دیں گے۔ میرے انکار نے اسے مایوس کیا تھا۔ ''اچھا...... بی بی لوگ ناراض ہوں گے میں نے آپ کو ایسے ہی جانے دیا تو......''

''کوئی بات نہیں، میری طرف سے معذرت کر لینا۔''

لیکن اس سے پہلے میں جاتا، ایک لڑکی باہر نکل آئی۔ ''تاج الدین! سامان اندر لاؤ۔'' وہ مجھے دیکھ کر رک گئی۔ ''یہ کون ہے؟''

''انہوں نے میری مدد کی ہے، کار اندر لانے میں۔'' تاج الدین نے کہا۔

''اوہ...... بہت شکریہ!'' لڑکی نے کہا۔

''اس میں شکریے کی کیا بات ہے، اب مجھے اجازت دیں۔''

''نہیں...... آپ ایسے نہیں جا سکتے۔ ہمارے ساتھ کم سے کم ایک کپ چائے پی کر جائیں گے۔'' لڑکی

نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ویسے آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

"خادم کو اشرف کہتے ہیں۔" میں نے ذہن میں آنے والا پہلا نام بتا دیا۔

"اشرف۔" وہ ہنسی۔ "واٹ اے نیم!"

"کیوں اس میں کیا بات ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

لڑکی تقریباً بائیس برس کی تھی۔ متناسب جسامت اور درمیانہ قد۔ چہرے کے نقوش دلآویز تھے۔ سرخی مائل رنگت اور اونی ٹوپی تلے اس کے سنہری مائل بال جھانک رہے تھے۔ "سوری، میں بلاوجہ ہنستی ہوں، میرا نام ثمینا ہے۔"

"مس ثمینا! مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

تاج الدین ڈکی سے دو عدد سوٹ کیس نکال کر اندر لے آیا تھا۔ "جی نہیں، آپ اندر آئیں۔ ویسے آپ یہیں آئے ہیں؟" ثمینا نے بنگلوز کی طرف اشارہ کیا۔

"ذرا آگے ہے۔ بنگلا...... ہم یہاں سے گزر رہے تھے، موسم کی وجہ سے رک گئے۔"

"اوہ، کوئی جاننے والے ہیں؟"

"نہیں، بس ایسے ہی۔" میں نے جواب دیا۔

"یعنی کسی چوکیدار نے ٹھہرایا ہے رقم لے کر۔" وہ ذہین تھی، بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔ "یہاں کے اکثر چوکیدار یہی کام کرتے ہیں۔ اس طرح اضافی انکم حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا تو چوکیدار ہی غائب ہے، اپنے گھر چلا گیا ہوگا۔"

"شاید......!" میں نے کہا۔

وہ مجھے اندر لے گئی۔ یہ خاصی پُرآسائش قسم کی کوٹھی تھی۔ کم سے کم اس کے ڈرائنگ روم سے تو یہی لگ رہا تھا۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر تھا اور خاصی قیمتی آرائش تھیں "اے بنٹی! کہاں ہو تم؟" ثمینا نے اپنی ساتھی کو پکارا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ "یہ کوٹھی میرے پاپا کی ہے اور بنٹی میری کزن ہے۔ ہم برف باری دیکھنے آئے ہیں۔"

بنٹی صاحبہ اندر سے برآمد ہوئیں۔ تعارف کا مرحلہ طے ہونے کے بعد انہوں نے تاج الدین سے کافی تیار کرا کے مجھے پلائی۔ بنٹی ثمینا کی نسبت زیادہ خوبصورت کہی جا سکتی تھی مگر اس کی بے حد گوری رنگت میں کشش نہیں تھی۔ انہوں نے سوالات بھی خاصے کئے تھے اور میں نے سارے ٹالنے والے جواب دیئے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے خیال آ رہا تھا وہ تینوں میرے لئے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ کافی پیتے ہی میں کھڑا ہو گیا اور ان سے جان چھڑا کر وہاں سے نکل آیا۔ ثمینا مجھے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ "جانے سے پہلے ہم سے ضرور ملیے گا۔"

"جی ضرور!" میں نے دوبارہ اس طرف نہ پھٹکنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

حسب توقع ایمن اور مونا پریشان تھیں۔ "کہاں رہ گئے تھے؟" مونا نے مجھے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"ہم پریشان ہو گئے تھے۔" ایمن نے اس کی تائید کی۔

"واقعی آپ دونوں پریشان ہیں۔" میں نے اردو میں کہا تو مونا کی رنگت سرخ ہو گئی تھی۔

"آپ بھی فضول بولے جاتے ہیں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔
"کیا کہہ رہے ہو تم دونوں؟" ایمن نے ہمیں گھورا۔
"کچھ نہیں، یہ بتاؤ کہ کھانے کی کیا پوزیشن ہے؟ ایک تو اس علاقے میں بھوک بہت لگتی ہے۔" میں نے چادر اتار کر آتش دان کے سامنے دراز ہوتے ہوئے کہا۔
"بن گیا ہے، میں زرین سے کہتی ہوں وہ کھانا لگا دے۔"
"قیدی کا کسی نے خیال کیا۔ وہ بے چارہ صبح سے بھوکا پیاسا بند ہے۔"
"سفیر نے اسے ناشتا کرا دیا تھا لیکن آپ بلاوجہ اس مصیبت کو لے آئے۔ راستے میں کہیں پھینک دیتے۔" مونا بولی۔
"وہ ہمارا سارا پلان سن چکا تھا، اپنے ساتھیوں کو لے کر سیدھا یہاں آتا۔"
"تو اس کا خیال رکھتے۔"
"بس بھول ہوگئی۔" میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ "بی بی، جا کر کھانے کا پتا کرو۔"
"کہاں تھے تم؟" مونا کے جاتے ہی ایمن کھسک کر میرے پاس آگئی۔
میں نے اسے مختصراً اینا اور بنٹی کے بارے میں بتایا۔ "اچھا رہا کہ ان سے ملاقات ہوگئی۔"
"کیوں؟" ایمن نے مجھے گھورا۔
"بوقت ضرورت ہمارے پاس رکنے کے لئے ایک ٹھکانا اور ہو سکتا ہے۔"
ایمن مطمئن نظر نہیں آ رہی تھی۔ "شوبی! ہمیں ٹھکانے تلاش کرنے کے بجائے یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنا چاہئے دشمن جتنا نزدیک ہو خطرہ اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔"
"ٹھیک ہے لیکن فی الحال باہر نکلنا بھی مناسب نہیں ہے۔ قدرت نے بیٹھے بٹھائے ایک پناہ گاہ مہیا کر دی ہے، ایسے میں باہر نکل کر خطرہ مول لینا عقل مندی نہیں ہوگی۔ ہمیں کچھ دن صبر کرنا پڑے گا۔"
"جیسے تمہاری مرضی!" اس نے بے دلی سے کہا۔
میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ایمن، مجھ پر بھروسا کرو۔ یہ اعصابی جنگ ہے، اس میں وہی جیتے گا جس کے اعصاب زیادہ مضبوط ہوں گے۔ ورنہ ہم برٹ شا کو کیا تلاش کریں گے، خود پکڑے جائیں گے۔"
"میں کبھی ایسی صورتِ حال سے گزری نہیں ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔
"اس لئے کہہ رہا ہوں مجھ پر بھروسا کرو۔"
مونا اچانک آئی تھی، میں نے جھینپ کر ایمن کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ مونا معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔
"مجھے ڈیڈی کی فکر ہے۔" ایمن کی آواز بھرا گئی تھی۔
"تم اتنے سالوں سے ان پر صبر کیے ہوئے تھیں۔" مونا نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔
"اس وقت کی بات اور تھی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ ڈیڈی زندہ ہو سکتے ہیں لیکن اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا، شوبی! کیا میں پولیس کی مدد نہیں لے سکتی؟"
"ہاں، یہ ممکن ہے، اوپر سے دباؤ پڑے گا تو پولیس ان کو سرگرمی سے تلاش کر سکتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ

تلاش کہاں کرے؟''

''ایک بات اور یہ ہے ممکن ہے ابھی فتح خان نے تمہارے ڈیڈی کو زندہ رکھا ہو لیکن پولیس نے ان کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو فتح خان خطرہ محسوس کر کے ان کو مار سکتا ہے۔

''نہیں۔'' ایمن نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''یا کم سے کم ان کو کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ جہاں پولیس یا ہم اسے تلاش نہ کر سکیں۔ اس وقت مجھے اتنا آئیڈیا تو ہے کہ اس نے برٹ شا کو کہاں رکھا ہو گا۔''

''تم پولیس کی مدد نہیں کر سکتے؟'' ایمن نے التجا کی۔

''میں نے پولیس کی مدد کرنے کی کوشش کی تو وہ برٹ شا کو بھول جائے گی اور پہلے مجھے اندر کرنے کی کوشش کرے گی۔ تم کیوں بھول رہی ہو، میں پولیس کو انتہائی مطلوب ہوں۔''

''سوری، مجھے خیال نہیں رہا تھا۔'' ایمن خفیف ہو گئی۔

''کیا خیال ہے، زرین کو کھانا لگانے کو نہ کہا جائے؟'' مونا نے شاید ماحول بدلنے کے لئے تجویز پیش کی تھی۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ!'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر میں زرین نے لاؤنج میں ہی کھانا لگا دیا تھا۔ یہ مقامی طرز کی ڈش تھی۔ ہلکے سے شوربے میں گوشت اور سبزیاں اُدھ گلی تھیں، مجھے یاد تھا شاید سرمد علی خان کے گاؤں میں، میں نے اسی قسم کی کوئی ڈش کھائی تھی۔ خاص قسم کے روغنی خانوں کے ساتھ یہ کھانا بہت مزے کا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے مقامی طرز کا قہوہ سرو کیا تھا۔ کھانے کے بعد میں سونے کے لئے چلا گیا۔ چار بج رہے تھے میں نے سفیر کو اٹھا دیا۔

''اب تیری ڈیوٹی ہے۔''

سفیر نے جماہی لی۔ ''میری غیر موجودگی میں کچھ نیا تو نہیں ہوا۔''

میں نے اسے ٹینا اور بنٹی کے بارے میں بتایا اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''کیسی ہیں؟''

میں نے اسے گھورا۔ ''تُو بھول رہا ہے، مونا بھی یہاں ہے۔''

''یہ حقیقت تو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''خیر کھانے میں کیا ہے؟''

''جب کھائے گا تو دیکھ لینا۔'' میں اس کی جگہ دراز ہو گیا۔ آتش دان میں انگارے راکھ بن رہے تھے لیکن کمرے کا درجہ حرارت خوشگوار تھا، مجھے چند ہی منٹ میں نیند آ گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو تاریکی پھیل چکی تھی، میں نے اٹھ کر کیروسین لیمپ روشن کیا۔ بنگلے میں جا بجا ایسے لیمپ دیواروں میں لگے تھے۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور باہر آیا۔ مونا اور سفیر کچن میں تھے۔ جبکہ ایمن نشست گاہ میں میز پر اپنا کمپیوٹر رکھے کچھ کام کر رہی تھی۔

''اٹھ گئے تم؟'' اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

''ہاں، تم کیا کر رہی ہو؟''

''خاص نہیں۔ اپنے بعض پروگرام چیک کر رہی تھی۔''

''حیرت ہے تمہارے کمپیوٹر کی بیٹری اب تک کام کر رہی ہے۔''

''ہاں، میں نے اس میں خاص بیٹری لگوائی تھی جو دس گھنٹے سے زیادہ چلتی ہے، مجھے اس کی ضرورت رہتی ہے۔ اکثر ڈاکومینٹریز کے دوران چارجنگ کے لئے بجلی نہیں ملتی۔''

''تم نے اس شعبے کا انتخاب کیوں کیا؟ تم چاہتیں تو فلم یا ٹی وی میں بھی ٹرائی کر سکتی تھیں۔''

''تعریف کا شکریہ!'' وہ مسکرائی۔ ''لیکن اس طرف میرا دھیان کبھی نہیں گیا اور جہاں تک اس شعبے کا تعلق ہے تو تم اسے خاندانی اثر بھی کہہ سکتے ہو۔ ہمارے خاندان میں اکثر افراد کو مہم جوئی، فطرت اور انوکھی جگہوں کی سیر میں دلچسپی رہی ہے۔''

''جیسے تمہارے دادا اور پھر باپ......!''

''ڈیڈی کاروباری آدمی تھے اور ان کو اس قسم کے معاملات سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، سمجھ لو وہ ایک طرح سے اپنے باپ کی ادھوری مہم مکمل کرنے آئے تھے۔''

''یعنی راجا عمر دراز سے وہ چیزیں حاصل کرنے جو اس نے تمہارے دادا کے ہمراہ ہمالیہ کی ایک مہم میں حاصل کی تھیں۔''

''اس نے وہ چیزیں چرائی تھیں۔'' ایمن نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

''افسوس میں تمہارے دادا کے اس دعوے سے متفق نہیں ہوں۔ جہاں تک میں نے عمر دراز کو سمجھا ہے وہ چور نہیں ہو سکتا۔ اس کا تعلق ایک بے حد معزز خاندان سے ہے اور اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔''

''انسان صرف دولت کے لئے تو چوری نہیں کرتا ہے۔''

''اسے نوادرات کا معقول حد تک شوق ہے لیکن اتنا نہیں کہ وہ اس کے لئے چوری پر اتر آئے، اس کا کہنا ہے، یہ چیزیں اس کی اپنی ملکیت ہیں اور ولیم شا غلط طور پر ان کو اپنی ملکیت قرار دے رہا ہے۔''

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی کہ دونوں میں سے کون درست ہے سوال یہ ہے جو بھی جھوٹ بول رہا ہے وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ میں نے بھی وہ تصویر دیکھی ہے۔ عام سی تصویر تھی۔ ایسی تصویریں لندن اور پیرس میں فٹ پاتھوں پر سستے داموں فروخت ہوتی ہیں۔ ہاں، وہ پتھر حیرت انگیز تھا۔''

''راجا عمر دراز کا کہنا ہے، اس تصویر سے اس کی جذباتی وابستگی ہے۔ یہ اسے کسی عزیز ہستی نے تحفے میں دی ہے اور پتھر بھی اسی ہستی کا ہے۔ تم جانتی ہو تمہارا نام نہاد چچا ڈیوڈ اس کے بدلے منہ مانگی قیمت دینے کو تیار تھا مگر راجا نے اسے کسی بھی قیمت پر فروخت کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد ڈیوڈ نے بے دریغ رقم خرچ کی۔ مقامی بدمعاشوں کی خدمات حاصل کیں اور اس تصویر کے حصول کے لئے درجنوں افراد کی جان کی قربانی دے دی۔''

''اس نے پتھر کے حصول کی کوشش نہیں کی؟'' ایمن نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ سوال میرے ذہن میں بھی آیا تھا لیکن وہ پتھر آج بھی راجا کے محل میں محفوظ ہے۔ اس کا مطلب ہے اصل اہمیت تصویر کی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، تصویر کی یہ اہمیت کیوں ہو سکتی ہے؟''

ایمن کو اس تصویر کے بارے میں علم نہیں تھا اور نہ ہی اس نے دورانِ گفتگو کبھی مجھ سے اس پُر اسرار زمین

کا ذکر کیا تھا، جہاں اس کے دادا اور عمر دراز گئے تھے یا جانتی تھی تو کسی وجہ سے اس کے ذکر سے گریز کر رہی تھی۔ اس لئے میں نے بھی فی الحال اس بات کو نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا۔ ''جہاں تک میرا خیال ہے، اس تصویر میں کوئی معما پوشیدہ ہے۔''

''کس قسم کا معما؟''

''ابھی میں اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے کسی خزانے کا نقشہ ہو۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''سچی بات ہے، میں نے اس معاملے میں زیادہ غور کبھی نہیں کیا۔ مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں رہی ہے۔ ورنہ شاید میں اپنے طور پر ان ہیروں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا جو برٹ شا نے چھپائے تھے، اس وادی میں چھپانے کی زیادہ جگہیں نہیں ہیں۔''

ایمن نے سر ہلایا۔ ''میں نے پچھلے دنوں ان ہیروں کے بارے میں ایک ماہر سے معلوم کیا تھا، اس کا خیال ہے ہیروں کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان کی مالیت اس وقت پچاس ملین امریکی ڈالرز کے لگ بھگ ہے۔''

''یعنی پانچ کروڑ ڈالرز اور ہماری کرنسی میں کوئی تین ارب روپے۔ بس اسی سے اندازہ کرلو میں کس قسم کا شخص ہوں۔ دولت مجھے بھی اچھی لگتی ہے لیکن میں کبھی اس کی دیوانگی میں مبتلا نہیں رہا، میں اپنا کیریئر بنانا چاہتا تھا، وہ میں نے حاصل کرلیا تھا۔''

''تمہارے بزنس کو کون سنبھالتا ہے؟''

''پتا نہیں، میرا منیجر طاہر ہے۔ وکیل ہے۔ یہی دونوں مل کر دیکھ بھال کرتے ہیں۔ میں نے عرصہ ہوا ان سے اس بارے میں بات بھی نہیں کی۔ میرا راولپنڈی کا دفتر ڈیوڈ شا کے مقامی حلیف مرشد علی کے بدمعاشوں نے جلا دیا تھا۔ میرے چوکیدار کو قتل کر دیا۔ میرا سب سے بڑا نقصان یہی ہے۔ میں اب تک اس کے گھر والوں کے لئے بھی کچھ نہیں کر سکا۔'' میں نے دکھ سے کہا۔

''واقعی افسوس ناک واقعہ تھا۔'' ایمن نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میرے نزدیک انسان کی جان ہر شے سے بڑھ کر قیمتی ہے۔''

''بدقسمتی سے اس دنیا کے بیشتر بااختیار اور طاقتور لوگ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک ان کا مفاد دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے دنیا جہنم بنی ہے۔ ملکوں کے اقتدار پر بھی یہی لوگ قابض ہیں۔''

''درست کہا تم نے...... دنیا ایک خاص نظام کے قبضے میں جا چکی ہے۔'' ایمن بولی۔ ''بہرحال یہ تو ایک بحث ہے۔ یہ بتاؤ کہ موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''میں نے کہا ناں، اب یہ اعصاب کا کھیل بن گیا ہے اور اس میں وہ فریق ہارے گا جس کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔ دشمنوں سے ہمارا معاملہ آپس میں اس طرح گتھ گیا ہے کہ نہ ہم ان کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ وہ تو ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔'' ایمن نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''ان لوگوں نے نیک نام کی وین کو بم سے اڑا دیا۔''

''ان کو یقین تھا کہ ہم وین میں نہیں ہیں ورنہ وہ کبھی یہ قدم نہ اٹھاتے۔ تم سمجھ سکتی ہو، تم فتح خان کے لئے کتنی قیمتی ہو؟''

''ڈیوڈ شا تو مجھے مارنے کے درپے ہوگا۔'' اس نے تلخی سے اپنے چچا کا نام لیا۔

''ہاں، مگر وہ شاید تمہارے بارے میں اتنا فکرمند نہیں ہے، تمہیں ناکام بنانے کے لئے اس کا ایک مہرہ مرشد علی کافی ہے، وہ بلا وجہ تمہیں مار کر اپنے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لے گا۔''

''اور تم؟ تمہاری کیا اہمیت ہے ان لوگوں کے نزدیک، تمہارے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟''

''اس بارے میں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مرشد علی میرے خون کا پیاسا ہے اور میں اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ میرے قتل سے کم کسی شے پر راضی نہیں ہوگا۔ مگر ابھی ہمارے خلاف جو لوگ سرگرم عمل ہیں ان کا تعلق مرشد علی سے نہیں بلکہ فتح خان سے ہے اور فتح خان ڈیوڈ شا کے لئے کام کر رہا ہے، تم اسے کرائے کا گوریلا بھی کہہ سکتی ہو۔''

''فتح خان کی تم سے بھی تو دشمنی ہے۔'' ایمن نے یاد دلایا۔ ''شینا کے لئے اس نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''وہ دشمن اب بھی ہے مگر فتح خان کے نزدیک اس سے زیادہ اہم دوسرے مفادات ہیں اوّل تو وہ ہیروں کے چکر میں ہے۔'' میں نے کہا تو مجھے خیال کہ اس نے برٹ شا کی زبان کھلوانے کے لئے مجھے بھی استعمال کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں اس کے جھانسے میں نہیں آیا۔ میں نے بات جاری رکھی۔ ''دوسرے ڈیوڈ شا کسی مقصد کے تحت مجھے اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے اور اس نے یہ کام فتح خان کو سونپ رکھا ہے، اس وجہ سے بھی وہ فی الحال مجھے قتل کرنے سے گریز کر رہا ہے۔''

''اس سارے معاملے میں مونا اور سفیر کا کیا کردار ہے؟''

''کچھ بھی نہیں...... لیکن مرشد علی ان کا دشمن بھی ہو رہا ہے۔ ایک بار پہلے بھی فتح خان ان دونوں کو سفیر کے علاقے سے اغوا کر چکا ہے مگر اس سے پہلے کہ انہیں مرشد علی کے حوالے کیا جاتا، میں نے انہیں چھڑا لیا۔ اس میں فتح خان کے ایک آدمی نے ہماری مدد کی تھی۔ تم اسے دیکھ چکی ہو۔''

ایمن چونکی۔ ''وہ کون ہے؟''

''جب فتح خان کے آدمیوں نے بس کو گھیر لیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک بے حد موٹا سا شخص تھا۔''

''ہاں، مجھے یاد ہے، مجھے لگ رہا تھا وہ اپنے ساتھیوں سے اختلاف کر رہا تھا۔ خاص طور سے اس لومڑی جیسے چہرے والے سے۔''

''لومڑی نما چہرہ۔'' میں ہنسا۔ ''اچھی تشبیہ دی ہے۔ وہ واقعی لومڑی تھا اور وہ گلے خان سے اختلاف کر رہا تھا اس نے عورتوں کی تلاشی کا حکم دیا تھا۔ وہ تو اس عورت کا خدا بھلا کرے جس نے واویلا مچا کر ان لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لوگوں کے جذبات جوش میں آ گئے تھے۔''

''میں نے بھی محسوس کیا ہے، عورتوں کے معاملے میں یہاں کے لوگ بہت حساس ہیں۔ اپنی عورت کو

سب کی نظروں سے بچا کر رکھتے ہیں۔"

"اسی وجہ سے ہماری بچت ہوئی۔ اگر تم دونوں برقع میں نہ ہوتیں تو ہم پہلے ہی پکڑے جا چکے ہوتے۔"

"کون، کس کے کام آیا؟" سفیر نے نشست گاہ میں آتے ہوئے پوچھا۔

"برقع والا آئیڈیا!" میں نے اسے کہا۔

"آئندہ میں اس خیمے میں جانے کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دوں گی۔" مونا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

"بی بی، جیل کا مرحلہ دور ہے۔" میں نے ملائمت سے کہا۔ "ویسے سفیر کی حویلی بری جگہ نہیں ہے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔" سفیر نے میری تائید کی۔

"صرف مونا ہی نہیں، بلکہ تم بھی۔"

"جی نہیں، میں تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اور میں تم دونوں کا۔" مونا جلدی سے بولی۔

"مونا...... ہم بہت نازک صورت حال سے دوچار ہیں۔ ہم میں سے جو بھی کسی محفوظ جگہ پہنچ جائے ہماری مضبوطی کی وجہ بنے گا۔ اس طرح ہم سب غیر محفوظ ہیں۔"

"ان بی بی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" مونا نے نام لئے بغیر اردو میں اہمن کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی بات دوسری ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "اس کے لئے فی الحال کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے۔"

"اور میں اسے حویلی لے گیا تو میں وہاں خود نہیں رہ سکوں گا۔" سفیر نے سر کھجایا۔ "ماں جی کو فرنگیوں بلکہ فرنگنوں سے خاصی چڑ ہے۔"

"تو تم دونوں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" مونا نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ "میں وہاں کیا کروں گی؟"

"وہی جو لڑکیاں کرتی ہیں۔" سفیر نے ڈانٹا۔ "حویلی میں کام کی کمی ہے؟"

"ماں جی کچھ کرنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ پانی بھی پینے جاتی تھی تو دو تین ملازمائیں پہلے ہی دوڑ کر لے آتی تھیں۔"

"کوئی بات نہیں ہے، میں ماں جی سے کہہ دوں گا۔ وہ ساری ملازماؤں کی چھٹی کر دیں اور سارا کام تم کرو گی۔" سفیر نے تجویز پیش کی۔

"میں ماسی ہوں کیا؟" مونا بھنا گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" سفیر نے اتنے بے ساختہ کہا کہ میں نے بے ساختہ قہقہہ مارا تھا۔

"میں اکیلے حویلی نہیں جاؤں گی۔" مونا ضدی لہجے میں بولی۔

"ہاں سفیر تمہارے ساتھ جائے گا۔"

"صرف چھوڑنے کے لئے۔" وہ بولا۔

"یار تیری ملازمت کا کیا ہوا ہوگا؟" اچانک مجھے خیال آیا۔

"مسلسل غیر حاضری پر شوکاز نوٹس جاری ہو گیا ہوگا اور کچھ عرصے بعد ملازمت سے بھی برطرف کر دیا

جاؤں گا۔" سفیر مسکرایا۔ "بہر حال میں نے ملازمت کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں، شوق سے کی تھی۔"

"اور میری ملازمت بھی گئی سمجھو۔" مونا نے ٹھنڈی سانس لی۔

"فکر مت کرو، ذرا حالات کے چکر سے نکلیں تو تمہارے لئے پکی ملازمت کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو مونا جھینپ گئی تھی۔

"بس فضول بلو الوتم سے۔"

"زرین کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے سفیر سے پوچھا۔ "اور ہمارے قیدی کو دانہ پانی ڈالا؟"

"زرین ہمارے بارے میں فکر مند ہے۔ خاص طور سے طویل قیام کے بارے میں۔ اسے فکر ہے اس کا صاحب یا اس کا کوئی جاننے والا آ گیا تو وہ کیا جواب دے گا؟"

"اسے تسلیاں دیتے رہا کرو۔ وہ فرنٹ ہو گیا تو ہمارے لئے مسائل کھڑے کر سکتا ہے۔"

"یار، میرا خیال ہے ہمیں کل صبح سویرے نکل جانا چاہئے۔ تلاش کرنے والے اب تھک چکے ہوں گے۔" سفیر نے تجویز پیش کی۔

"فتح خان جیسے لوگ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانتے۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب تک اس کے آدمی اس تک پہنچ چکے ہوں گے اور اسے لینڈ روور کا پتا چل گیا ہوگا جو ہمارے پاس ہے۔ اس جیپ کی خاص طور سے تلاش جاری ہوگی۔ ابھی ہمیں نکلنے سے گریز کرنا چاہئے۔"

"کب تک......؟"

"کم سے کم دو دن اور...... اور ویسے بھی آج رات برف باری کا امکان ہے۔ مس ایمن کا خیال بھی ہے۔"

میں نے ایمن کی طرف دیکھا تو اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھایا۔ "یہ صرف میرا اندازہ ہے، میں اس کے بارے میں کوئی حلفیہ بیان نہیں دے سکتی۔"

"برف باری کی صورت میں راستے آمد و رفت کے قابل نہیں رہیں گے جب تک کہ برف صاف نہ کر دی جائے۔" میں نے کہا۔

"لیکن ہم برف باری کی آڑ میں نکل جائیں۔" سفیر نے اصرار کیا۔ "دشمن سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی ایسے موسم میں باہر نکلے گا۔"

"ہمیں تلاش کرنے والے خود اپنی پناہ گاہوں میں دبک جائیں گے۔" ایمن نے بھی سفیر کی تائید کی۔

"میں بھی یہاں سے نکلنے کے حق میں ہوں۔" مونا بولی۔

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ تینوں متفق تھے اور ان کے مقابلے میں، میں اکیلا تھا۔ میں کوئی بھی فیصلہ اکیلے نہیں کر سکتا تھا۔ خاص طور سے جب اس پر دوسروں کی زندگی کا انحصار بھی تھا۔ میں نے ان تینوں کو دیکھا۔

"تم تینوں کا فیصلہ منظور ہے لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ ہمیں جلد بازی سے گریز کرنا چاہئے۔"

"تاخیر سے کوئی نیا مسئلہ بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔" سفیر نے کہا۔ "بہتر یہی ہے، ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں، یہ بہر حال دشمن کا علاقہ ہے اور اسے یہاں زیادہ سہولت حاصل ہے۔"

"سارا ملک ہی دشمن کا ہے۔" میں مسکرایا۔ "ہر جگہ ان کو ہم سے زیادہ سہولت ہے۔"

"اس جگہ ہم بے دست و پا ہیں کسی دوسری جگہ کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔"

سفیر کی بات میں وزن تھا۔ شہر میں وسیم جیسا مضبوط جاں نثار تھا، اس کا منظم گروپ تھا۔ جو مرشد علی جیسے شخص کو ناکوں چنے چبوا سکتا تھا۔ ندیم جو ہمارے لئے قانون کی جنگ لڑ رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔

"او کے، ہم کل صبح روشنی نمودار ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

"گڈ! اب کی ناں کام کی بات۔" سفیر خوش ہو گیا تھا۔

"اس شخص کا کیا کرنا ہے؟" ایمن نے قیدی راز گل کے بارے میں پوچھا۔

"کیا کرنا ہے، مار کر کھائی میں پھینک دیں گے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیا...... سچ مچ؟" ایمن کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

میں ہنسا۔ "اتنے سفاک نظر آتے ہیں کہ ایک مجبور انسان کی جان لیں۔ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر اسے چھوڑ جائیں گے۔ جہاں سے وہ اپنے ساتھیوں میں واپس جا سکے۔"

ایمن نے سکون کا سانس لیا۔ "شکر ہے تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔"

"رات کے کھانے کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

"زرین آلو بھرے پراٹھے اور قیمہ تیار کر رہا ہے۔" مونا نے اطلاع دی۔ "بس بننے والا ہے۔"

"میں سوچ رہا ہوں اسے لئے چلتے ہیں۔ کھانے لاجواب بناتا ہے۔" سفیر نے کہا۔

"خود تو ہمارے پاس رہنے کو ٹھکانا نہیں ہے، اسے کہاں رکھیں گے؟" مونا نے اسے گھورا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ تمہارے ہاتھ کے بنے کھانے کھا لوں گا۔" سفیر نے سرد آہ بھری۔

"منہ دھو رکھو...... میں نے کوئی کھانے نہیں بنانے۔"

سفیر نے دانت نکالے۔ "وہ بھی میں بنا لوں گا، اور کچھ......؟"

"تمہارا سر!" مونا جھینپ کر وہاں سے چلی گئی۔

"یار، میرا مشورہ ہے حویلی جا کر دو بول پڑھوا لے۔ جتنی دیر کرے گا، مسئلہ اتنا ہی الجھے گا۔"

"میں ایمرجنسی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔" سفیر نے انکار کیا۔ "جب بھی کی دھوم دھڑکے سے اور یار دوستوں کے ساتھ کروں گا۔"

"اس آزادی کے فی الحال آثار نظر نہیں آ رہے۔"

"تب مجھے بھی آزاد اور رہنے دے کچھ عرصے۔ شادی کے لئے تو ساری عمر پڑی ہے۔"

رات کا کھانا ہم نے نو بجے کے قریب کھایا تھا۔ میں نے زرین کے ساتھ جا کر راز گل کو کھانا دیا۔ وہ اب تک شرافت سے رہ رہا تھا۔ کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا تھا اور اس کے بعد مونا اور ایمن اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سفیر کو بھی نیند آ رہی تھی، اس نے جماہی لی۔ "یار، میں بھی چلا...... جب نیند آئے تو مجھے اٹھا دینا۔"

"میں تجھے دو بجے اٹھا دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ سفیر کے جانے کے بعد میں لاؤنج میں آتش دان کے سامنے بیٹھ گیا۔ زرین دروازے اور کھڑکیاں چیک کر رہا تھا۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنا بستر بچھا لیا۔

میرے حواسوں پر بھی غنودگی طاری ہو رہی تھی حالانکہ ابھی چند گھنٹے پہلے بھرپور نیند لے کر اٹھا تھا۔ شاید پیٹ بھر کر کھانے کے نتیجے میں خمار طاری ہو رہا تھا۔ میں نے سر جھٹکا۔ زرین لیٹنے کے چند منٹ کے اندر خراٹے لینے لگا تھا۔ میں آتش دان کے پاس نیم دراز سر جھٹکتا رہا۔ مگر نیند تھی کہ ریلے کی طرح چڑھی چلی آ رہی تھی۔ اچانک میں بلبلا اٹھا۔ آتش دان میں لکڑی کا کوئلہ چٹخا اور اس کا خاصا بڑا انگارہ آ کر میرے بازو پر کلائی سے ذرا اوپر چپکا تھا، میں نے جلدی سے اسے جھٹکا لیکن ذرا سی دیر میں اس نے کھال پر آبلہ ڈال دیا تھا جس میں بے پناہ سوزش ہو رہی تھی۔ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور اسی لمحے دوسری طرف منہ کئے لیٹے زرین کے خراٹے رک گئے۔ میں چونکا تھا اور نہ جانے میرے ذہن میں کیا آیا کہ میں آتش دان کے سامنے لیٹے ہوئے ساکت ہو گیا اور آنکھیں یوں بند کر لیں جیسے گہری نیند میں ہوں، شاید یہ آبلہ نہ ہوتا تو میں سو بھی چکا ہوتا۔

زرین نے اٹھ کر محتاط انداز میں میرا جائزہ لیا اور بولا۔ ''سو گیا یہ بی!''

اس نے اپنی چابیاں سنبھالیں اور بنگلے کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا۔ میں کچھ دیر لیٹا رہا پھر دبے قدموں اٹھا اور زرین کے پیچھے گیا۔ وہ کوٹھری کی طرف جا رہا تھا۔ جس میں راز گل بند تھا۔ اسے کوٹھری کے دروازے کا تالا کھولتے دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ آبلے کی تکلیف کم ہوئی تھی اور میرے حواسوں پر پھر سے غنودگی طاری ہونے لگی۔ یک لخت مجھے احساس ہوا کہ ہمیں کوئی خواب آور دوا دی گئی تھی۔ شاید قہوے میں، ورنہ سب کو بیک وقت نیند کیسے آ سکتی تھی اور خاص طور سے مجھے۔ جبکہ میں اپنی نیند پوری کر چکا تھا۔ نیند کے جھونکے جس شدت سے حملہ آور ہوئے تھے، صاف لگ رہا تھا میں کچھ دیر سے زیادہ نہیں جاگ پاؤں گا۔ میں نے اپنا پستول نکالا اور دبے قدموں کوٹھری تک پہنچا۔ زرین، راز گل کو جگا کر اس سے کہہ رہا تھا۔

''بھاگ جاؤ۔ جلدی سے جا کر صاب کو بتاؤ، میں نے سب کو نیند کا دوا دے دیا۔''

راز گل غور سے سن رہا تھا اور یقیناً اچھل پڑا ہوگا جب میں نے جھٹکے سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ زرین کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ ''یہ کیا کرتا صاب! دروازہ کھولو۔''

''صاب کے بچے! بے وقوف بنا رہا ہے، اب بیٹھا رہ اس جگہ۔'' میں نے کنڈی کو اچھی طرح بند کر دیا۔ اس کے بعد اندر آ کر بنگلے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا۔ میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور ذہن پر رہ رہ کر غبار چھا رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے بنگلے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں چیک کیں، ان میں سے کوئی کھلی نہ ہو۔ پھر میں واش روم میں آیا، سرد پانی کے چھینٹے منہ پر مارے، اس سے عارضی فائدہ ہوا تھا مگر جیسے ہی کمرے میں آیا، پورا کمرا میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ سفیر بیڈ پر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ میں اس کے برابر میں ڈھیر ہو گیا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ مجھے یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ زرین، راز گل سے کس صاحب کو اطلاع دینے کو کہہ رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کوئی بے ہوشی کے دوران ہم پر قابو نہ پا سکے۔

☆======☆======☆

میں سویرا کو سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ کتنی کمزور ہو گئی تھی۔ گلاب رنگت مرجھا گئی تھی اور سیاہ آنکھوں میں چمکتے ستارے ماند پڑ گئے تھے۔ میں نے بے قراری سے پوچھا۔ ''سویرا! یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''کیا ہوا؟'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''میں ٹھیک تو ہوں۔''

''نہیں.......مجھ سے بچھڑنے کے بعد تم کتنی بدل گئی ہو، کتنی کمزور ہوگئی ہو۔''

''آپ مجھ سے دور ہی کیوں ہوئے؟''اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔تم جانتی ہو، تمہیں مجھ سے دور کیا گیا ہے۔''

''شوبی! میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی، میں مر جاؤں گی۔''

اس کے آنسوؤں نے مجھے بے تاب کر دیا تھا۔ میں نے بے اختیار ہاتھ بڑھایا، اس کے آنسو صاف کرنا چاہے اچانک ایک آواز نے مجھے لرزا دیا۔''شہباز! یہ کیا کر رہا ہے۔سویرا اب تیرے بھائی کی امانت ہے۔تیرا اس پر کوئی حق باقی نہیں ہے۔''

''نہیں۔''میرا ہاتھ رک گیا۔سویرا، جو پُرامید نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی، بولی۔

''کیا ہوا شوبی! رک کیوں گئے؟''

''سویرا، میرا اب تم پر کوئی حق نہیں ہے۔''میں نے رُخ پھیر لیا۔

''ایسا نہ کہیں۔''وہ تڑپ کر بولی۔میرے پاس آنا چاہا لیکن اس سے پہلے وہ مجھے چھوتی میں آگے بڑھ گیا۔

''شوبی! رکیں......میری بات سنیں۔''وہ عقب سے چلائی۔

مگر میں رکا نہیں، مجھے خوف تھا، میں رکا تو اس کے اور اپنے درمیان رشتے کی بے ادبی کا مرتکب ہو جاؤں گا۔وہ پیچھے سے پکار رہی تھی۔''شوبی!......سنیں، شوبی......شوبی!''

☆======☆======☆

"شوبی.....شوبی!" آواز مسلسل آرہی تھی۔

"سویرا.....خدا کے لئے..... مجھے مت پکارو۔" میں نے کراہ کر کہا۔

اس نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ "شوبی! ویک اَپ.....لسن.....ویک اپ!"

اچانک میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ سویرا نہیں، ایمن تھی جو میرا بازو پکڑ کر مسلسل ہلا رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ "کک.....کیا ہوا؟"

"شوبی! باہر.....فتح خان ہے۔"

اس بار میں صحیح معنوں ہڑبڑا گیا تھا۔ "فتح خان.....کہاں پر؟"

"پتا نہیں، کیا ہو رہا ہے۔ میری آنکھ دروازہ بجانے کی آواز سے کھلی تھی۔ شوبی، میں نے کھڑکی سے جھانکا تو پورچ میں ایک بڑی سی وین کے پاس مجھے فتح خان نظر آیا۔"

"میرے خدا.....!" میں اٹھ کر بھاگا۔ "تم سفیر کو جگاؤ۔ اس کے منہ پر ٹھنڈا پانی مارو، یہ نیند کی دوا کے اثر میں ہے۔" میں ایمن اور مونا کے کمرے میں آیا۔ اس کی کھڑکی سے پورچ کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ میں نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا۔ پورچ میں ایک سیاہ رنگ کی وین کھڑی تھی جس کے شیشوں پر پردے نظر آرہے تھے البتہ ڈرائیونگ کمپارٹ میں شیشے نہیں تھے اور وہ خالی تھا۔ اچانک مجھے پورچ کے سامنے بنگلے کے دروازے پر کسی کی حرکت کا احساس ہوا۔ فتح خان سامنے آیا تھا، وہ بلاشبہ فتح خان تھا۔ دن طلوع ہو چکا تھا۔ رات بھر کی برف باری کے بعد بادل ہلکے ہو گئے تھے اور روشنی پوری تھی۔ فتح خان کسی پر برس رہا تھا پھر ایک لمبے قد کا مسلح شخص سامنے آیا جو سر جھکائے فتح خان کی باتیں سن رہا تھا، بند کھڑکی کی وجہ سے آواز نہیں آرہی تھی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم جس خطرے سے بچتے اور چھپتے پھر رہے تھے، وہ پوری شدت سے سامنے آ گیا تھا۔ میں نے کھڑکی سے بس اتنا پردہ سرکایا تھا کہ پورچ کا منظر نظر آئے۔ فتح خان یا اس کا ساتھی اس طرف دیکھتے بھی تو انہیں کچھ نظر نہ آتا۔ مونا بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے پردہ برابر کر کے اسے جھنجھوڑا اور پھر سرہانے رکھے جگ کا پانی اس کے منہ پر پھینکا تھا۔ وہ نیند میں کسمسائی۔

"سفی کے بچے!"

"یہ میں ہوں۔" میں نے اسے پھر جھنجھوڑا۔ "اٹھ جاؤ۔ خطرہ فتح خان کی صورت میں سر پر آ گیا ہے۔"

فتح خان کا نام سن کر مونا بھی تیزی سے حواس میں آ گئی تھی اور اسے پوری طرح ہوش میں لانے کے لئے میں نے اسے فتح خان کی جھلک بھی دکھادی تھی۔ "میرے خدا......ہم پھنس گئے۔"

"سامان سمیٹو اپنا اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو سامان بلا تکلف پھینک کر جان بچانے کی کوشش کرنا۔" میں نے دوسری رائفل بھی اٹھائی۔ ایمن سفیر کو جگا چکی تھی، وہ بستر پر بیٹھا تھا اور ناراض لگ رہا تھا۔

"یہ کس قسم کا مذاق ہے؟"

"مذاق نہیں فتح خان، باہر پورچ میں موجود ہے اور کسی وقت بھی اندر آ سکتا ہے۔" میں نے رائفل اس کی طرف اچھالی۔ "صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"فتح خان کو کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں ہیں؟" ایمن نے سوال کیا۔

"یہ ساری حرام زدگی، زرین کی ہے۔" میں نے کہا۔ "اس نے ہمیں رات قہوے میں کوئی خواب آور دوا دی تھی جس کے اثر سے ہم سب سو گئے۔ خوش قسمتی سے میرا ہاتھ جل گیا اور میں نے زرین کو راز گل کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسے بھی راز گل کے ساتھ قید کر دیا۔" میں نے مختصراً احوال بتایا۔ "فتح خان غالباً اس وجہ سے اندر نہیں آ سکا ہے کہ زرین نہیں ہے۔"

"وہ سمجھ رہا ہے، زرین کہیں چلا گیا ہے۔" ایمن بولی۔ "اور شاید اسے ہمارے بارے میں علم نہیں ہے ورنہ وہ دروازہ توڑ کر آ جاتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، اس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے لیکن ہماری موجودگی زیادہ دیر راز نہیں رہے گی، جیسے ہی وہ عقب میں کھڑی لینڈ روور دیکھے گا، جان جائے گا کہ ہم بھی آس پاس پائے جاتے ہیں۔" میں لاؤنج والے حصے میں آیا، پورچ والا دروازہ اسی طرف تھا۔ میں نے قریب جا کر سن گن لی۔ فتح خان کی دبی آواز آ رہی تھی، وہ کسی کو بے نقط سنا رہا تھا۔ اس کے ساتھی نے کہا۔ "خان جی! پیچھے تو کوئی نہیں ہے، سوائے ایک گاڑی کے۔"

"کیسا گاڑی؟" فتح خان کی آواز آئی۔ "اور کوئی گاڑی نہیں اے۔"

"سرمئی رنگ کی لینڈ روور ہے؟" دوسرے آدمی نے کہا۔

"وہ لوگ ادر ہے۔" فتح خان نے بے ساختہ کہا اور میں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ وہ دونوں عقبی حصے کی طرف گئے تھے، میں نے احتیاط سے دروازہ کھولتے ہوئے باہر جھانکا۔ وین کے آس پاس کوئی نہیں تھا میں نے چلا کر ان تینوں کو آواز دی۔ "سامان، سمیت آ جاؤ ادھر۔"

چند لمحے بعد وہ سامان بدست نمودار ہوئے تھے۔ مونا سب سے آگے تھیں "سنو، ہمیں وین میں یہاں سے نکلنا ہے، میں جا کر وین دیکھتا ہوں، تم لوگ تیار رہو۔ جیسے ہی میں کہوں وین کے عقبی حصے میں گھس جانا۔"

سفیر کو شاید میرے پلان پر اعتراض تھا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ میں باہر نکلتے ہی وین کے ڈرائیونگ کمپارٹ میں گھسا اور یہ دیکھ کر میری باچھیں کھل گئیں کہ چابی اگنیشن میں لگی تھی۔ میں نے انہیں آواز دی۔

"آ جاؤ...... ہری اَپ!"

وہ تینوں دوڑتے ہوئے آئے۔ میں نے چابی گھمائی اور وین کا طاقتور ڈیزل انجن جھرجھری لے کر

اسٹارٹ ہو گیا۔ مونا اور ایمن عقبی دروازہ کھول کر اندر گھس گئیں اور میں نے سفیر کی حیرت زدہ آواز سنی۔

"ادھر ایک عورت ہے...... میرے خدا!"

"سفیر، تُو آگے آ جا۔ یہ اسے دیکھ لیں گی۔" میں نے کہا اور وین کو آگے بڑھا دیا۔

"رک جا، مجھے کہاں چھوڑے جا رہا ہے!" سفیر چلتی وین کا دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔

پورچ سے نکلتے ہوئے میں نے مین گیٹ کی طرف جاتے ہوئے بنگلے کے دائیں طرف دیکھا، عقبی طرف جانے کا راستہ صرف اس طرف سے تھا۔ فتح خان اور اس کا ساتھی صرف اس طرف سے آ سکتے تھے۔ گیٹ کی سیدھ میں آتے ہی میں نے رفتار بڑھائی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ رک کر گیٹ کھولا جاتا اور ہم باہر نکلتے۔ فتح خان اور اس کے ساتھی کا مسلح ہونا لازمی تھا۔ دروازے کے قریب میں نے سائیڈ مرر میں فتح خان اور اس کے طویل قامت ساتھی کو عمارت کے پہلو سے برآمد ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھی نے خود کار رائفل اٹھا رکھی تھی، اس نے رائفل وین کی طرف سیدھی کی تھی لیکن میں نے فتح خان کو اشارے سے اسے روکتے دیکھا۔ اسی لمحے وین کا بمپر مین گیٹ سے ٹکرایا۔ خوش قسمتی سے اس کے پٹ بند تھے لیکن کنڈی نہیں لگی تھیں معمولی سے تصادم نے پٹوں کو طوفانی انداز میں وا کیا اور وین باہر نکلتی چلی گئی۔ میں نے زبردست کوشش کے بعد اسے سڑک پر سیدھا کیا ورنہ وین سامنے والی کوٹھی کی دیوار توڑ کر اندر گھس جاتی۔ سڑک پر لاتے ہی میں نے اسے پوری رفتار سے دوڑایا تھا۔

"آرام سے...... کیا مروائے گا۔" سفیر چلایا۔

"آرام کا وقت نہیں ہے۔" میں اسٹیئرنگ سے لڑتے ہوئے بولا۔ سڑک پر برف کی تہہ تھی جو نرم اور پھسلوں تھی، اس پر زیادہ رفتار سے وین دوڑانے کا مطلب یقینی حادثہ تھا مگر رکنے کا مطلب بھی موت ہو سکتا تھا۔ جب وین کوئی سو گز آگے آئی تو پہاڑی سے اترنے والی سڑک شروع ہو گئی، اس موقع پر میں نے رفتار کم کی ورنہ حادثہ یقینی ہو جاتا۔ ڈھلان کی وجہ سے بریکیں بھی ناکارہ تھیں۔ وین برف پر پھسلنے لگی تھی۔ سفیر شاید کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ مستقل بریکوں پر زور ڈالنے سے رفتار ذرا قابو میں آئی تو ہم دونوں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ دھیمی رفتار سے وین آگے جا رہی تھی اور میں مسلسل عقبی آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا، فتح خان لینڈ روور لے کر ہمارے پیچھے ضرور آئے گا اگرچہ چابی کی عدم موجودگی میں اسے اسٹارٹ کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ مین ہائی وے سے چند سو گز کے فاصلے پر میں نے وین روک دی اور رائفل سمیت نیچے اترنے لگا تو سفیر نے بوکھلا کر پوچھا۔ "او بھائی، کیا ارادے ہیں؟"

"سفیر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالو۔ میں فتح خان کو پیچھے آنے سے روکنا چاہ رہا ہوں۔ اگر حالات اس کے برعکس ہو جائیں تو وین لے کر نکل جانا۔"

"اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"ہے یار...... فتح خان کو ہائی وے پر آنے سے روکنا ہے، وہ یہاں سے اپنے آدمیوں کو پیغام بھیج کر راستوں کی ناکا بندہ کرا سکتا ہے۔ ہم گھیر لئے جائیں گے۔"

"تُو جا کہاں رہا ہے؟" سفیر چلایا۔

"میں ذرا اوپر جاؤں گا اور فتح خان کی گاڑی ناکارہ بنانے کی کوشش کروں گا۔ ممکن ہوا تو اسے بھی جہنم

رسید کر دوں گا۔''

''یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' سفیر جلدی سے بولا۔ ''حکیم قادس اور برٹ شا اس کے قبضے میں ہیں اس کے مارے جانے کا ان پر نہ جانے کیا اثر ہو۔ حکیم خاص طور سے ضروری آدمی ہے۔''

''او کے، میں خیال رکھوں گا البتہ اس کی قضا آ جائے تو اور بات ہے۔''

میں نیچے اترا اور سفیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ انجن چل رہا تھا میں نے ایندھن کی پوزیشن دیکھ لی تھی ٹنکی تقریباً فل تھی۔ اس ایندھن کے ساتھ ہم مری سے بھی آگے تک جا سکتے تھے ممکنہ طور پر راولپنڈی تک مگر اولین مرحلہ اس علاقے سے صحیح سلامت نکلنے کا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر سلائیڈنگ ڈور کھولا۔ مونا اور ایمن ایک نشیب پر تھیں۔ سامنے ایک عورت چادر میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

''اس نے کچھ بتایا، کون ہے یہ؟'' میں نے اسے گھورا۔

''نہیں، یہ ایک لفظ نہیں بول رہی ہے۔'' مونا نے بتایا۔

''اس کی اور وین کے اس حصے کی تلاشی لی۔ یہاں اسلحہ عین ممکن ہے۔''

''اس کی تلاشی لی تھی اور اس کے پاس سے کچھ نہیں نکلا، البتہ اس سیٹ کے نیچے خانے میں بہت کچھ ہے۔'' مونا نے اس نشست کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ بیٹھی تھیں۔

''مجھے دیکھنے دو۔'' میں نے کہا تو انہوں نے اٹھ کر نشست ہٹائی۔ خانے میں واقعی خاصا اسلحہ تھا۔ اس میں رائفلیں، اسنائپر رائفل، دستی بم اور ایک چھوٹا راکٹ لانچر اور اس کے راکٹوں کا بکس بھی تھا۔ چند چھوٹے پستول تھے ان میں سے ایک نے میری توجہ حاصل کی۔ یہ اعشاریہ چار دو کا پستول تھا اور اس پر سائلنسر بھی لگا تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ اس میں بارہ گولیوں کا کلپ تھا۔ میں نے ایک فاضل کلپ اٹھا لیا۔ ایمن اور مونا تشویش سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ سوالات کی ابتدا مونا نے کی۔

''شوبی، رکے کیوں ہو؟''

''ایک ضروری کام ہے آگے خطرہ ہے اسے کلیئر کئے بغیر آگے نہیں جا سکتے۔''

''کیسا خطرہ ہے؟'' ایمن نے دریافت کیا۔

''فتح خان ہمارے راستے میں رکاوٹ کھڑی کر سکتا ہے، اسے اس جگہ روکنا لازمی ہے۔''

ایمن کا چہرہ فکر انگیز ہو گیا تھا۔ ''شوبی! وہ خطرناک شخص ہے۔''

''میں اس سے اس وقت بھی ٹکرا چکا ہوں جب میں صرف ایک ناتجربے کار لڑکا تھا۔'' میں مسکرایا۔ ''تم فکر مت کرو، میں غیر ضروری خطرہ مول نہیں لوں گا لیکن اس جگہ سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم فتح خان کو اس کے ساتھیوں سے رابطہ کرنے سے روک دیں۔ تم لوگ بھی اس اسلحہ خانے سے پستول وغیرہ نکال لو۔'' میں نے کہا اور ڈور کھول کر نیچے اتر گیا۔ وین سڑک کے نسبتاً چوڑے اور کم ڈھلان والے حصے پر کھڑی تھی میں نے ایک بار پھر سفیر کو ہدایت کی۔

''اگر کوئی مسئلہ ہو تو ان لوگوں کو لے کر نکل جانا۔''

''اور تو......؟'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''میری بات یاد رکھنا۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔

میں سڑک کے اوپری حصے کی طرف بھاگا تھا۔ میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا جہاں مور چا بنا کر فتح خان کو روک سکوں، تقریباً دو سو گز کے بعد خاصی سیدھی سڑک تھی مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی ہموار جگہ پر میں اسے آسانی نشانہ بنا سکتا تھا بلکہ اس جگہ گاڑی کی رفتار بھی تیز ہوتی اس لئے اس کا ٹائر برسٹ ہونے کی صورت میں اسے حادثہ ہو سکتا تھا۔ میں نے سڑک کے کنارے ایک چوڑے تنے والے درخت کے عقب میں پوزیشن سنبھال لی، ہمیں فتح خان کے بنگلے سے نکلے دس منٹ ہونے کو آئے تھے اور فتح خان سے اس سے زیادہ تاخیر ممکن نہیں تھی وہ کسی وقت بھی نمودار ہو سکتا تھا میں نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور پستول سنبھال لیا۔ تجربے کے طور میں نے اس سے دو فائر کئے اور گولیاں درست جگہ پر لگیں۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ پہلے اوپر گرے رنگ کی گاڑی کی جھلک دکھائی دی اور پھر لینڈ روور طوفانی انداز میں سڑک پر نمودار ہوئی تھی۔ میں نے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے لینڈ روور کے اگلے ٹائروں پر پستول سے لگا تار فائرنگ کی۔ میں اس وقت تک ٹریگر دباتا رہا۔ جب تک خالی۔ ''کلک کلک'' کی آواز نہیں آنے لگی تھی، مجھے نہیں معلوم کہ کس گولی نے کام کیا تھا۔ لینڈ روور کا اگلا دایاں ٹائر دھماکے سے پھٹا۔ وہ بری طرح لہرائی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر فتح خان کا ساتھی تھا، اس نے وین کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر گاڑی اس کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ لہرائی اور الٹ گئی۔ دو تین قلابازیاں کھائیں اور سیدھی میری طرف آئی۔ میں اٹھ کر بھاگا اور درخت کے عقب میں چلا گیا۔ مجھے مشکل سے نکلنے کا موقع ملا تھا میرے عقب میں آتے ہی گاڑی پوری قوت سے آ کر درخت سے ٹکرائی اور درخت بری طرح لرز اٹھا، دھماکے کی آواز کے ساتھ شیشے بکھرنے اور دھات چٹخنے کی سمع خراش آوازیں میں نے بے حد نزدیک سے سنی تھیں۔ میرے دائیں بائیں سے اس کے پرزے اڑ کر گزرے تھے۔ ایک ٹائر تو میرے سر کے پاس سے گولی کی طرح گزرا تھا۔ درخت بے حد مضبوط تھا ورنہ وزنی لینڈ روور نے جتنی قوت سے ٹکر ماری تھی، درخت کو گر جانا چاہئے تھا۔ ابھی میں سنبھل نہیں پایا تھا کہ اوپر سے پتوں اور شاخوں پر جمی برف برسنا شروع ہو گئی۔ ایک وزنی گولا آ کر میرے شانے سے ٹکرایا تو میں اس جگہ سے اٹھ کر بھاگا۔ ورنہ برف کے گولے مجھے سنگسار کر دیتے۔

جب برف پڑتی ہے تو درختوں کی اونچی شاخوں پر جم جاتی ہے اور جب دھوپ نکلتی ہے تو اوپر کی برف پگھل کر نیچے آتی ہے اور اندرونی شاخوں پر پھر سے جم جاتی ہے۔ یہ برف الٹی نوکدار شکل میں جم جاتی ہے، اوپر سے پانی کی آمد کے ساتھ یہ برفانی تیر لمبے اور وزنی ہو جاتے ہیں اور جب ان کا وزن ایک حد سے بڑھ جائے یا کسی وجہ سے درخت کو حرکت ہو تو یہ نیچے برس پڑتے ہیں۔ تیس چالیس فٹ کی بلندی سے گرنے کی صورت میں تین سے چار کلوگرام وزنی برفانی تیر جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس وجہ سے میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا اور بال بال بچا تھا۔ اوپر سے گرنے والی برف میں ایسے کئی وزنی برفانی تیر تھے۔

میں ایک اور درخت کے پیچھے تھا۔ تصادم کے بعد لینڈ روور پہلو کے بل سڑک کے پاس جا گری تھی اور اس کا حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ خاص طور سے فرنٹ کا حصہ بری طرح متاثر تھا۔ مجھے امید نہیں تھی جو بھی اس حصے میں ہو گا، وہ صحیح سلامت ہو گا۔ میں نے کچھ دیر لینڈ روور کا جائزہ لیا۔ میری رائفل نہ جانے کہاں گئی تھی، وہ درخت

کے پاس رکھی تھی۔ پستول البتہ میرے پاس تھا، میں نے اس کا کلپ بدلا اور محتاط انداز میں لینڈ روور کی طرف بڑھا۔ گھوم کر سامنے آنے پر دیکھا اس کی ٹوٹی ونڈ شیلڈ سے ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا، اس کا سر سامنے کے رخ سے پھٹ گیا تھا اور مغز جھانک رہا تھا۔ اگر وہ شخص زندہ بھی تھا تو بس کچھ دیر کا مہمان تھا۔ سامنے والے حصے میں دوسرا فرد نہیں تھا۔ میں نے اس شخص کو سیدھا کیا۔ وہ فتح خان نہیں تھا، فتح خان کہاں ہے؟ میں نے سوچا، لینڈ روور میں اندر جھانکا، عقبی نشستوں پر بھی کوئی نہیں تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ فتح خان کہیں نہیں تھا، وہ نہ جانے کہاں تھا۔ شاید بچ نکلا تھا۔ میں درخت کی طرف لپکا اگر وہ بچ گیا تھا اور مسلح تھا تو مجھے بہ آسانی نشانہ بنا سکتا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ ابھی میں درخت کے پاس پہنچا تھا کہ فائر ہوا اور گولی میرے سر کے اوپر سے گزری تھی۔ فائر سڑک کے دوسری طرف سے ہوا تھا۔ میں نے پلٹ کر جوابی فائر کیا۔ مجھے فتح خان کی جھلک نظر آئی تھی۔ وہ سڑک کے اس طرف ایک درخت کے عقب میں ہو گیا تھا۔

''شہباز! تم آج بچے گا نہیں۔'' اس نے چلا کر کہا۔

''اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر بھی تم یہ بات کہہ رہے ہو؟'' میں نے جواب دیا اور رائفل کی تلاش میں نظر دوڑانے لگا۔ فتح خان سے نمٹنے کے لئے رائفل ضروری تھی۔ اس کے پاس رائفل تھی، اس لحاظ سے اسے برتری حاصل تھی مگر رائفل نہ جانے کہاں گر گئی تھی اور میں اسے آزادی سے تلاش کر بھی نہیں سکتا تھا۔ فتح خان میری تاک میں تھا۔

''ایک آدمی کا مرنے سے ہم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''تم بھی ایک ہی آدمی ہو۔''

''ہم فتح خان ہے۔''

''فتح خان تم ہو یا کوئی اور، موت سب کو آنی ہے۔ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا، مجھے جانے دو۔''

''بکومت۔ ابھی میرا ساتھی تم سب کو گھیر لے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تم کتے کی موت مارا جائے گا اور ہم باقی سب کو لے جائے گا۔''

میں نے محسوس کیا، فتح خان اس طرح بات کر کے وقت لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا واقعی اس کے ساتھی آ رہے تھے، مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر لگ گئی جو راستے میں رکے ہوئے تھے۔ انہوں نے دھماکے کی آواز سنی تھی، مجھے ڈر تھا کہ سفیر اس طرف نہ آ جائے۔ فتح خان پر خون سوار تھا۔ جس طرح میں درخت کے پیچھے سے نہیں نکل سکتا تھا، اسی طرح فتح خان بھی اپنی جگہ سے نہیں نکل سکتا تھا۔ البتہ کوئی سڑک پر آ جاتا تو وہ ہم دونوں کے نشانے پر ہوتا۔ میں آہستہ سے پیچھے ہٹا، دوسرا درخت کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں چاروں ہاتھوں پیروں کے بل اس تک پہنچا۔ اس کے عقب سے میں نے سڑک پار دیکھا۔ کیا فتح خان بھی اسی طرح حرکت کر رہا ہوگا؟ میں نے سوچا۔ ایک درخت کے پیچھے آنے کے بعد دوسرے درختوں تک جانا اتنا مشکل نہیں تھا۔ درخت درمیان میں آنے سے میں فتح خان کے براہ راست نشانے سے محفوظ ہو گیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اتنی عقل اس کے پاس تھی کہ وہ سمجھ سکتا تھا، میرے ساتھی آس پاس تھے اور وہ ان کی طرف جا سکتا تھا۔ میں تیزی سے نیچے جانے لگا، خوش قسمتی سے میں ڈھلان والی جگہ پر تھا۔ اس لئے نیچے جانے کے لئے آزاد تھا۔ بعض

مقامات پر مجھے ذرا دشواری پیش آئی تھی لیکن میں کسی نہ کسی طرح نیچے ڈھلان تک پہنچا۔ ایک اونچی پتھروں کی دیوار سے کود کر میں سڑک تک پہنچا اور پوری قوت سے نیچے کی طرف بھاگا۔ اس جگہ میں قطعی غیر محفوظ تھا۔ ایک طرف پہاڑی کی دیوار تھی۔ جسے پتھروں کی مدد سے سیدھا کیا گیا تھا۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ فتح خان سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جاؤں۔

میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے وین چھوڑی تھی۔ مجھے چند لمحے کے لئے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا یہ وہی جگہ تھی کیونکہ میں نے جہاں وین چھوڑی تھی، اس جگہ وین نہیں تھی۔ میں نے سڑک پر آگے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ سڑک گھومتی ہوئی نیچے جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ مجھے ہائی وے نظر آنے لگی مگر سیاہ وین کا نام ونشان نہیں تھا۔ وہ لوگ کہاں چلے گئے، سفیر مجھے لئے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ کیا دھماکے کی آواز نے اسے جانے پر مجبور کیا تھا یا کوئی اور وجہ تھی، ہائی وے تک آتے آتے مجھے یقین ہو گیا تھا، کسی مجبوری کی وجہ سے سفیر میرا انتظار کئے بغیر جا چکا تھا۔ میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ میں حیران اور پریشان سا سڑک پر کھڑا تھا۔

اچانک مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا، اس طرح کھلے میں رہ کر میں دشمن کے لئے آسان نشانہ بنا ہوا تھا۔ میں جلدی سے واپس ڈھلان پر آ گیا۔ ایک جگہ کچھ سخت جھاڑیاں تھیں، میں ان کی آڑ میں اس طرح سے بیٹھ گیا کہ بیک وقت اوپر سے آنے والی سڑک اور ہائی وے پر نظر رکھ سکوں۔ مجھے اس دوران میں ایک خدشہ اور ستانے لگا تھا کہ میرے ساتھیوں کو فتح خان کے گرگے نہ لے گئے ہوں۔ مجھے اس جگہ بیٹھے ہوئے دس منٹ ہوئے تھے کہ اوپر ہائی وے سے ایک مزدا پک اَپ نمودار ہوئی۔ ڈرائیونگ کیبن میں دو افراد تھے اور چار افراد پیچھے کھلی جگہ بیٹھے تھے۔ وہ سب مسلح تھے۔ مزدا گھوم کر اوپر جانے والی سڑک پر مڑی تھی کہ سامنے سے فتح خان نمودار ہوا اسے دیکھتے ہی پک اَپ رک گئی تھی۔ مسلح افراد نکلے اور فتح خان کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے، وہ سخت غصے میں تھا اور ان کو سخت سُست کہہ رہا تھا۔ مجھے اس کی آواز نہیں آ رہی تھی لیکن انداز سے کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔

میں نے دیکھا، چار افراد دوبارہ پک اَپ میں سوار ہوئے اور پک اَپ ریورس ہو کر ہائی وے پر آگے روانہ ہو گئی، جس طرف سفیر کو جانا چاہئے تھا۔ مجھے امید ہونے لگی شاید وہ ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ تبھی فتح خان اپنے ساتھیوں کو ان کے پیچھے روانہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو افراد تھے۔ فتح خان کا دایاں بازو شانے سے خون آلود ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جس وقت ٹائر برسٹ ہونے سے لینڈ روور بے قابو ہوئی تھی، فتح خان نے نیچے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس وجہ سے بچ گیا تھا ورنہ وہ گاڑی کے اندر ہوتا تو بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بات معمولی زخموں پر ٹل گئی تھی۔ فتح خان نے دائیں ہاتھ میں وزنی رائفل اٹھا رکھی تھی یعنی زخم ایسا نہیں تھا جو اس کی آزادی کو محدود کرتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو دائیں بائیں جانے کا حکم دیا اور خود سڑک اور ہائی وے کے سنگم پر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہاں سے وہ تین طرف نظر رکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھی اوپر جانے والی سڑک پر دائیں بائیں جنگل میں داخل ہوئے۔ وہ محتاط انداز میں تلاش کر رہے تھے۔

ایک میری طرف آیا تھا۔ وہ درختوں اور جھاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ مشکل مرحلہ تھا۔ دن کا وقت ہونے کی وجہ سے فوراً نظر میں آ جاتا اور جھاڑی میں دبکا رہتا تو جلد یا بدیر اس کی نظروں میں آ جاتا۔ اس کے پاس خودکار

رائفل تھی اور میرے پاس محض پستول۔ مجھے فوری فیصلہ کرنا تھا۔ میں فتح خان کے ساتھی کو گولی مارتا تو ایک طرح سے اپنی موجودگی کا اعلان خود کر دیتا۔ اس کے بعد فتح خان اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا۔ دوسری طرف مجھے یہ فائدہ تھا کہ مجھے ایک رائفل مل جاتی اور میں فتح خان کے مقابلے کی پوزیشن میں آ جاتا۔ میں نے گر گے سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور فیصلہ کرتے ہی میں حرکت میں آیا اور رائفل بردار کے دائیں شانے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی، اس کا ہاتھ ناکارہ ہو جاتا اور اس کا خون بھی میرے سر نہیں جاتا۔ گولی لگتے ہی اس نے چلا کر کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا رائفل اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور زمین سے رائفل اٹھالی۔

وہ نیچے گرا بائیں ہاتھ سے اپنا شانہ دبا کر خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور اگلے ہی لمحے جھٹکے سے نیچے گر گیا تھا۔ اس کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے اور وہ نزع کے عالم میں جھٹکے لے رہا تھا۔ اسی لمحے فضا برسٹ کے شور سے گونج اٹھی۔ کسی نے برسٹ مارا تھا۔ نشانہ شاید میں تھا اور درمیان میں وہ آ گیا، دوسرے ہی لمحے میں زمین پر گر کر رینگتا ہوا نزدیکی درخت کی آڑ میں چلا گیا۔ برسٹ فتح خان کے ساتھی نے ڈھلان کی طرف سے مارا تھا۔ فتح خان بھاگتا ہوا اس طرف آ رہا تھا، میں نے درخت کی آڑ سے اس پر فائر کیا جو عجلت میں ضائع گیا۔ فتح خان ایک پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ اس کے ساتھی نے دوبارہ فائر کئے، گولیاں اس درخت کے تنے پر لگیں جس کے عقب میں، میں تھا۔ اس کا نشانہ اچھا تھا۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے سے وہ بالکل درست نشانہ لے رہا تھا۔ میں فتح خان کی تاک میں تھا لیکن وہ مکار پتھر کے پیچھے اس طرح دبک گیا تھا کہ بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگلی بار اس کے ساتھی نے گولیاں برسائیں تو میں پھر بال بال بچا تھا۔ وہ گھوم کر میرے پیچھے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے اردگرد دیکھا۔ ایک نسبتاً چوڑے تنے کا درخت تھا اور اس کے ساتھ ایک پتھر اس طرح تھا کہ میں اس کے عقب میں چلا جاتا تو دو طرف سے محفوظ ہو سکتا تھا۔ میں نے اندازے سے فتح خان کے ساتھی کی طرف ایک برسٹ مارا اور اٹھ کر اس درخت کی طرف دوڑا تھا اس بار بھی میں بال بال بچا تھا۔ گولی مجھ سے پہلے درخت پر لگی تھی، اگلے لمحے میں چھلانگ لگا کر اس کے عقب میں جا چکا تھا۔ اس بار فتح خان نے بھی مجھ پر فائر کیا تھا۔ پھر وہ چلایا۔ ''شہباز! تم بچ کر نہیں جا سکتا خود کو میرے حوالے کر دو۔''

''مجھے پکڑ سکتے ہو تو پکڑ لو۔ ویسے صرف نصف گھنٹے میں یہ دوسرا آدمی ہے جو میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔''

''میرے پاس کتوں کی کمی نہیں ہے۔'' فتح خان نے غرور سے کہا۔ ''تم دو مارے گا، ابھی کچھ دیر میں دس اور آ جائے گا، پھر تم کیا کرے گا؟''

میں فتح خان کی بکواس سننے کے بجائے فرار کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے پیچھے جنگل تھا، جس کا سلسلہ ایک طرف تو اوپر جا رہا تھا اور دوسری طرف یہ دائرے کی صورت میں نیچے ہائی وے سے مل رہا تھا۔ درخت دس سے بیس فٹ کے فاصلے پر تھے اور ان کے درمیان میں پتھر تھے یا جھاڑیاں اور وہ آڑ نہیں دے سکتی تھیں۔ میری پوزیشن ایسی تھی کہ میں اس جگہ آڑ سے نکلتا تو فوراً نظر میں آ جاتا۔ دو طرف سے کی جانے والی

فائرنگ سے بچنا محال تھا، اب تک قسمت تھی جو میں بچتا آ رہا تھا۔ فی الحال میرے پاس دبکے رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ساتھ ہی مجھے احساس تھا فتح خان اور اس کا ساتھی مجھے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ فتح خان سڑک پر ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نیچے کے ساتھ اوپر کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر بھی تھی۔ میں نے حقیقت جاننے کے لیے فتح خان سے کہا۔ ''فتح خان...... تم مجھے روک سکتے ہو لیکن میرے ساتھیوں کو نہیں وہ ہر گزرتے لمحے تم سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔''

''ان کے پیچھے میرا آدمی گیا ہے، وہ بھی پکڑا جائے گا۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ سفیر، مونا اور ایمن ابھی فتح خان کی گرفت سے باہر تھے۔ ''فتح خان وین میں ایک عورت بھی تھی، وہ کون ہے؟''

''جب وہ آئے گا تو تم دیکھ لے گا۔'' فتح خان بولا۔

''فتح خان! برٹ شا تمہارے قبضے میں ہے، اگر یہ بات ڈیوڈ شا کو معلوم ہو جائے؟''

''ہو جائے...... ہم اس کے لئے پیسے کا واسطے کام کرتا ہے، اس کے باپ کا غلام نہیں ہے۔''

فتح خان سے گفتگو کے دوران میری نظریں اوپری ڈھلان پر مرکوز تھیں۔ فتح خان سے بات کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مجھے اس کی جگہ کا اندازہ رہے اور میں بے فکری سے اس کے ساتھی پر توجہ دے سکوں، میں نے رائفل کو تیار رکھا تھا اور میں اس کے نظر آتے ہی فائر کر دیتا۔ ''ڈیوڈ شا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہارا...... میں۔'' فتح خان نے جواب میں ایک ناقابلِ بیان پتا بتایا تھا۔ میں نے قہقہہ لگایا۔

''فتح خان، ڈیوڈ شا کو اپنے محل وقوع کا پتا چلا تو وہ سخت برا منائے گا۔''

جواب میں فتح خان نے ڈیوڈ شا کی شان میں خاصی وزنی گستاخی کی تھی۔ میں نے پھر اسے پن چبھوئی ''اگر اسے ہیروں کا پتا چل گیا تو کیا وہ تم کو اتنی آسانی سے ہضم کرنے دے گا۔''

''ہیرا، اس کے باپ کا نہیں ہے۔''

''لیکن، وہ تمہارا مائی باپ ضرور ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ عین اسی لمحے مجھے اوپر درختوں میں حرکت محسوس ہوئی تھی، میں جلدی سے درخت کے ساتھ لگے پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ ''فتح خان! تم ڈیوڈ شا سے نہیں لڑ سکتے۔ اسے تمہارے جیسے درجنوں غلام مل جائیں گے۔ تمہاری حیثیت استعمال شدہ روڑے سے زیادہ نہیں ہے۔''

جواب میں فتح خان کی جانب سے گالیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ اس نے مجھے اور ڈیوڈ شا کو ایک صف میں رکھ کر نوازا تھا۔ مجھے اس کی آواز سے اطمینان تھا، وہ اپنی جگہ پر تھا اور میں اس کے ساتھی کی طرف پوری توجہ دے سکتا تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کر لی تھی اور اس شخص کے نظر آتے ہی فائر کرنے کے لئے تیار تھا، وہ اوپری درختوں میں اس طرح حرکت کر رہا تھا کہ اس کی معمولی سی جھلک کبھی کبھی نظر آتی تھی لیکن اسے نشانہ بنانے کے لئے یہ جھلک کافی نہیں تھی۔ میں ایک بھرپور جھلک کا منتظر تھا وہ جس طرف حرکت کر رہا تھا، میں نے اس سے آگے درختوں کی پوزیشن دیکھی۔ ایک جگہ درختوں کے بیچ واضح خلا تھا۔ میں نے رائفل کا رخ اس طرف کر لیا۔ پتھر سے خود کو لگاتے ہوئے ساکت کر لیا اور میری انگلی ٹریگر پر پوری طرح تیار تھی۔ کنکھیوں سے میں دیکھ رہا تھا، وہ رفتہ رفتہ اس خلا کے قریب آ رہا تھا۔ لازمی تھا وہ تیزی سے اس خلا کو عبور کرتا اور میرے پاس وقت کم ہوتا۔

شاید نصف سیکنڈ......اگر میں تاخیر کرتا یا جلد بازی کر جاتا، دونوں صورتوں میں وہ بچ جاتا اور اس کے بعد میں اس کے رحم وکرم پر ہوتا کیونکہ اس کے بعد وہ ایسی پوزیشن میں آ جاتا کہ بہ آسانی مجھے نشانہ بنا سکتا تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے سانس روک لی تھی اور مجھے احساس تھا کہ وہ خلا کے پاس آ رہا ہے۔ فی الحال میں نے فتح خان کو بھی ذہن سے نکال دیا تھا۔

حسبِ توقع اس نے بے حد تیزی سے خلا کو پار کرنے کی کوشش کی تھی، اس کی جھلک دیکھتے ہی میں نے لبلبہ دباتے ہوئے رائفل کو دائیں سے بائیں ہلکی سی جنبش دی تھی۔ فضا برسٹ کے شور سے گونجی تھی۔ وہ خلا پار کر گیا تھا۔ میرا دل ڈوب گیا۔ وہ بچ گیا تھا۔ اب مجھے اس کی جوابی کارروائی سے بچنا تھا۔ میں پتھر کی آڑ میں اور بھی دبک گیا تھا۔ خلا پار کرنے کے بعد مجھے اس کی طرف سے کوئی حرکت نظر نہیں آئی تھی، میں نے فتح خان کو دیکھنے کا سوچا لیکن اس کے لئے مجھے پتھر کی آڑ سے نکلنا پڑتا اور اس دوران مجھے فتح خان کے ساتھی کی طرف سے خطرہ تھا۔ اچانک اوپر سے پتھر لڑھکتے دکھائی دیئے اور پھر ایک انسانی جسم قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے گرنے لگا۔ دو تین بار لڑھک کر وہ ایک درخت کے ساتھ ٹک گیا۔ وہ فتح خان کا ساتھی تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، کیا اسے گولی لگی تھی یا وہ اس طرح کوئی چال چل رہا تھا؟ مجھے اس طرح اپنی کمین گاہ سے نکال کر سامنے لانا چاہتا تھا مگر کوئی اس طرح اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالتا۔ میں نے جھانک کر فتح خان کی طرف دیکھا۔ وہ پتھر کی آڑ میں تھا۔ میں یک دم اوپر کی طرف دوڑا۔ چند چھلانگوں میں، میں اس شخص کے پاس تھا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا اور اس کے سینے میں دو سوراخ تھے۔ وہ بلاشبہ مر چکا تھا۔ افسوس کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں اسے نہ مارتا تو وہ مجھے مار دیتا۔ اب مجھے فتح خان کی فکر تھی۔ میں نے مرنے والے کے لباس سے رائفل کے فاضل میگزین نکال لئے اور درختوں کی آڑ میں اوپر جانے لگا۔

فتح خان نے خاصی دیر سے ردِ عمل ظاہر کیا تھا۔ اس نے نیچے سے فائرنگ کی تب تک میں درختوں میں خاصا اوپر جا چکا تھا اور اس کی زد سے باہر تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں کہاں جاتا؟ میرے پاس اسلحہ تھا۔ رائفل اور اس کے تین عدد اضافی میگزین تھے، ایک پستول تھا لیکن میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ فتح خان کے پاس آدمی تھے اور کچھ دیر میں اس کے پاس آ جاتے، اس کے بعد وہ پوری قوت سے میرے خلاف حرکت میں آ جاتا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ مجھے اوپر بنگلوں میں سے کسی میں پناہ لینی چاہئے۔ اوّل تو فتح خان کا دھیان اس طرف کم ہی جاتا۔ بھلا کون دشمن کی کچھار میں جاتا ہے۔ اس کا خیال یہی ہوتا کہ میں اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور ہونے کی کوشش کروں گا۔ پھر اس موسم میں زیادہ دیر باہر رہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ برف باری کے بعد سرد ہوا چلنی شروع ہو چکی تھی اور درجہ حرارت گرتا جا رہا تھا۔

اس خیال کی ایک وجہ اور بھی تھی، میرے خیال میں میرے ساتھی جلد یا بدیر پکڑے جاتے اور وہ اسی جگہ لائے جاتے۔ میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔ میں نے ہر ممکن تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ جنگل کے بیچ پتھروں اور چٹانوں پر قدم جمانا آسان نہیں تھا، میں چاہتا تھا کہ اس سے پہلے فتح خان کا دھیان اس طرف جائے، میں اوپر پہنچ جاؤں۔ مجھے دو جگہ سے سڑک عبور کرنا پڑی تھی۔ اندر داخل ہونے کے لئے میں نے بائیں طرف والی ڈھلان پر بنگلوز کے عقب سے جانے کا فیصلہ کیا۔ عین ممکن تھا، درمیانی راستے سے جانے پر میں کسی کی نظر میں آ

جاتا۔ بائیں طرف ڈھلان خاصی ترچھی تھی دراصل یہ وی کی صورت کا پہاڑی کٹاؤ تھا جس کی تہہ میں برساتی نالہ تھا۔ میں نے وقت دیکھا، بارہ بج رہے تھے اس بار شاید بارش کا امکان تھا۔ برف باری کے مقابلے میں سرما کی بارش کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور درجہ حرارت بہت کم ہو جاتا ہے۔ میں نے تیسرے بنگلے کا انتخاب کیا تھا کیونکہ اس کی عقبی دیوار خاصی نیچی تھی۔

☆======☆======☆

میں نے دل ہی دل میں بنگلے کے مالک سے معذرت کی اور دیوار عبور کر کے اندر داخل ہو گیا۔ دیوار کے ساتھ برچ کا درخت تھا۔ میں اس کے تنے کی آڑ میں دبک گیا۔ کچھ دیر سن گن لیتا رہا۔ نہ کوئی آہٹ تھی اور نہ ہی کوئی حرکت۔ بنگلا ویران تھا۔ میں دبے قدموں عمارت کی طرف بڑھا۔ کسی کے نہ ہونے کا مطلب تھا کہ بنگلا بند ملتا اور میں زبردستی ہی اندر جا سکتا تھا۔ پیچھے کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھے۔ میں گھومتا ہوا پہلو کی طرف آیا تب میری نگاہ اوپر آتش دان کی چمنی پر پڑی۔ اس سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ دن ہونے کی وجہ سے یہ اتنا نمایاں نہیں تھا اس وجہ سے دور سے نظر نہیں آیا تھا۔ میں محتاط ہو گیا۔ اندر کوئی تھا۔ یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ مجھے باہر ٹھٹھرنا نہیں پڑتا۔ خوش قسمتی سے پہلو کا ایک دروازہ کھلا تھا اور میں خاموشی سے اندر گھس گیا۔ میں نے رائفل شانے پر لٹکا کر پستول نکال لیا تھا۔ اس پر سائلنسر تھا۔ یہ گیلری تھی، اس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ میں آہستہ آہستہ دونوں طرف کے تیسرے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سا کھول کر اندر جھانکا۔ کمرا خالی تھا البتہ اندر آتش دان جل رہا تھا۔ بستر پر چند نسوانی ملبوسات بکھرے تھے۔ میں اندر آ گیا۔ ایک طرف دروازہ تھا اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

یہ کمرا کسی عورت کا تھا اور وہ واش روم میں تھی۔ اس کے کپڑے کمرے میں بستر پر پھیلے تھے اور یہ کوئی عام صورتِ حال ہوتی تو میں یہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا۔ مگر ابھی مجھے بہر صورت پناہ کی ضرورت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے کہ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آنا بند ہو گئی اور اس سے پہلے کہ میں کہیں چھپتا، واش روم کا دروازہ کھلا اور بنٹی اندر سے برآمد ہوئی۔ اس نے جسم پر بڑا سا تولیا باندھ رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے چیخ مارنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ ''خبردار! آواز نہ نکلے......ورنہ پھر کبھی آواز نہیں نکلے گی۔''

بنٹی بھی مجھے دیکھ کر اتنا ہی حیران ہوئی تھی جتنا میں اسے دیکھ کر۔ میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ میں انجانے میں ان لوگوں کے بنگلے میں گھس آیا تھا۔ بنٹی نے جلدی سے ہاتھ بلند کر لئے۔ اس نے تولیہ درست طریقے سے باندھا بھی نہیں تھا بلکہ ابھی باندھ رہی تھی۔ نتیجے میں تولیا نیچے گر گیا۔ میں نے بے ساختہ لاحول پڑھی اور رخ دوسری طرف کر لیا۔ ''جلدی سے کپڑے پہنو اور کوئی غلط حرکت مت کرنا۔''

بنٹی تولیا اٹھاتی ہوئی بیڈ کی طرف لپکی، اس نے بے حد پھرتی سے لباس تبدیل کیا۔ مشکل سے ایک منٹ لگا ہو گا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جامے میں آ گئی ہے تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''سوری! مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ تمہارا بنگلا ہے اور نہ یہ پتا تھا کہ یہ تمہارا کمرا ہے۔''

بنٹی نے سویٹر پہنا جو جینز کی طرح اس کے جسم پر فٹ ہو گیا تھا۔ اس بار میں نے دل ہی دل میں لاحول

بڑھی۔اس نے کانپتی آواز میں پوچھا۔''تت......تم ڈاکو ہو؟''

''خاتون! کیا میں صورت سے تمہیں ڈاکو نظر آتا ہوں؟'' میں نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

''اور میں تمہیں خاتون نظر آتی ہوں؟'' اس نے بھی اسی انداز میں جز بز ہو کے کہا۔

''بہتر ہوگا ہم دونوں معذرت کا تبادلہ کر لیں۔'' میں نے پستول نیچے کر لیا۔''میں پناہ کے لئے یہاں آیا ہوں۔دشمن میرے پیچھے ہیں۔''

''اتنی جلدی تمہارے دشمن بھی پیدا ہو گئے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''پیدا تو وہ خاصا عرصہ پہلے ہو گئے تھے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔''مجھ سے بھی پہلے......لیکن آج بدقسمتی سے یہاں ٹکرا گئے۔ہم نے اس کی کوٹھی میں پناہ لے رکھی تھی اور وہ اچانک آ گیا۔میرے ساتھی عجلت میں نکل گئے اور دشمنوں کو ان کے پیچھے جانے سے روکنے کے لئے میں یہیں رہ گیا،اس کے بعد معاملہ الٹا ہو گیا۔اب دشمن میرے پیچھے ہے۔''

بنٹی نے گہری سانس لی۔''میں نے سوچا بھی نہیں تھا،تم سے دوبارہ اس طرح ملاقات ہو گی۔شکر کرو ہمارے ڈرائیور کو پتا نہیں ہے۔''

''اچھا ورنہ وہ کیا کر لیتا؟''

''بہت کچھ کر سکتا ہے،اسے محض بوڑھا نہ سمجھو،سابق آرمی کمانڈر ہے۔پاپا نے خاص طور سے ہماری حفاظت کے لئے لگایا ہے۔''

''وہ......اس کا مطلب ہے تمہارے پاپا توپ چیز ہیں؟''

''میاں ممتاز حسین کا نام سنا ہے؟''

''میں چونکا۔''آں......ہاں......وہ جو وسطی پنجاب کا ایک طاقتور سیاست دان ہے؟''

''میرے پاپا ہیں۔''اس نے فخر سے کہا۔

''اور تم لوگ اس طرح پھر رہی ہو جبکہ الیکشن قریب ہیں۔تمہارے پاپا کا کوئی مخالف اس کا فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔''

''پاپا کو بھی نہیں پتا کہ ہم کہاں ہیں؟''اس نے اطمینان سے بتایا۔''کسی اور کو کیا پتا ہوگا؟''

''ایسا مت کہو۔دشمن کبھی کمزور یا بے خبر نہیں ہوتا اس کا مجھے اچھی طرح تجربہ ہو گیا ہے۔''

''تمہارے دشمن کون ہیں اور کیوں ہیں؟''

''میرے دشمن!'' میں نے گہری سانس لی۔''خاصے احمق اور فرعون ہیں۔بس میرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور کیوں،اس کی وجہ بھی میں نہیں جان سکا۔اتفاق سے ان کا تعلق بھی سیاست سے ہے۔''

اس نے بے نیازی سے بستر پر پھیلی اپنی اشیاء اٹھا کر الماری کی دراز میں ڈال دیں۔وہ جتنی تیزی سے نارمل ہوئی تھی اور مجھ سے عمومی گفتگو شروع کر دی تھی۔اس سے ظاہر تھا کہ وہ خاصی روشن خیال لڑکی تھی۔عین ممکن ہے وہ مخلوط سوئمنگ پولز میں جاتی ہو۔یعنی بے لباسی اس کے لئے کوئی نئی بات نہ ہو اور وہ اب مجھ سے خوف زدہ بھی نہیں تھی۔اپنا کام نمٹا کر اس نے میری طرف دیکھا۔''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''ظاہر ہے، جب تک باہر میرے دشمن دندنا رہے ہیں، میں پناہ چاہتا ہوں۔''

''اور میں یا ٹینا انکار کر دیں......؟'' وہ مسکرائی۔

''تب مجبوراً مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑیں گی۔''

''او کے، او کے۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ اوپر کئے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے ہماری مدد کی تھی اور ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔''

''شکریہ!'' میں نے اس کے لہجے میں خلوص محسوس کرتے ہوئے پستول جیکٹ میں رکھ لیا۔ ''لیکن تمہارا محافظ......! وہ اعتراض نہ کرے؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ وہ روبوٹ ہے جو صرف ہماری بات سنتا ہے اور جو سنتا ہے، بس اس پر عمل کرتا ہے باقی تمام معاملات میں وہ گونگا، بہرا اور اندھا ہے۔''

''اس کے باوجود میں اس کے سامنے نہ آنا چاہوں تو......؟''

''نو پرابلم! اس کمرے تک محدود رہو۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''ہاں، ٹینا سے میں نہیں چھپا سکتی۔''

''وہ تو ظاہر ہے، ویسے بائی داوے...... کیا واقعی تم لوگ اتنی دور صرف برف باری دیکھنے آئی ہو؟''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر مسکرائی۔ ''تم واقعی چالاک ہو۔ ٹینا کا ایک بوائے فرینڈ ہے، پاپا اسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اگر ٹینا اس سے کہیں اور ملے تو پاپا کو پتا چل جائے گا۔ اس لئے وہ یہاں آئے گا۔''

''میرا اندازہ درست تھا۔'' میں نے گہری سانس لے کر سوچا۔ ''یہ بے راہ رو لڑکیاں تھیں، ظاہر ہے ٹینا کا بوائے فرینڈ محض ملاقات کے لئے تو نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ اپنے جذبات کا اظہار فلمی انداز میں ڈوئٹ گا کر کریں گے۔''

''کیا تمہارے پاپا کو تمہاری ان سرگرمیوں پر اعتراض نہیں ہوتا؟''

''نہیں، پاپا نے ہمیں پوری آزادی دے رکھی ہے، وہ روشن خیال آدمی ہیں۔''

''سبحان اللہ۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی اور دل میں کہا۔ ''خدا ایسے بے غیرت باپوں سے اس ملک کو محفوظ رکھے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''شاید تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔''

''ہاں، بدقسمتی سے میں نے ایک تاریک خیال گھرانے میں پرورش پائی ہے جو انسان کی شرافت اور تہذیب کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دیتا ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ کھسیا گئی۔ ''چھوڑو اس موضوع کو۔''

مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ وہ کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے؟ میں نے بنٹی سے کہا۔ ''تمہارے پاس کوئی دوربین ہے؟''

''ہاں، لیکن اس کا کیا کرنا ہے؟''

''سوال مت کرو۔ دوربین دو مجھے۔'' میں نے کہا تو اس نے الماری میں رکھی دوربین نکال کر مجھے تھما دی، یہ طاقتور دوربین تھی۔ ''مجھے چھت پر جانا ہے۔'' میں نے دوسرا مطالبہ کیا۔

"اس موسم میں؟" وہ کسمسائی۔

"ہاں میں ابھی کئی گھنٹے کھلی فضا میں گزار کر رہا ہوں۔ اتنی سردی بھی نہیں ہے۔"

"میں نہیں جاسکتی۔" اس نے انکار کیا۔

"کچھ پہن لو اور میرے ساتھ چلو۔" میں نے اس کے انکار کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دی تھی۔ "تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے۔" میں نے پستول دوبارہ نکالا تو اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

"اوکے...... میں چلتی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا اور الماری سے ایک بھاری اوورکوٹ نکالا۔ اس بنگلے میں بجلی تھی اور مجھے کہیں دور جنریٹر چلنے کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ اوورکوٹ کے ساتھ اس نے اونی ٹوپی اور دستانے پہنے پھر پیروں میں اونی موزے چڑھائے۔

"فی الحال میں نہیں چاہتا کہ ٹینا یا تمہارے خادم کو پتا چلے، اس لئے کسی ایسے راستے سے چلو کہ یہ راہ میں نہ آئیں۔" میں نے ایک مطالبہ اور کیا۔

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے، راستہ ایک ہی ہے۔"

میرے لہجے میں دھمکی محسوس کر کے اس نے جلدی سے یقین دلایا۔ "یہاں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔"

مگر میں پوری طرح محتاط رہا۔ ان لڑکیوں کا کردار جاننے کے بعد ان پر بھروسا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس ذہنیت کے لوگ صرف اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔ بنٹی مجھے گیلری سے لائی۔ اس حصے میں گول سیڑھیاں اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ "یہ سیڑھیاں براہ راست اوپر والی منزل پر نکلتی ہیں۔" اس نے مجھے آگاہ کیا۔

میں نے سیڑھیوں کی طرف کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ "اسے کیوں بند کر رہے ہو؟"

"تاکہ کوئی ہمارے پیچھے نہ آسکے۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے فکر مت کرو، تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

میرے تسلی دلانے کے باوجود اس کی تشفی نہیں ہوئی تھی وہ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔ ہم اوپر آئے۔ یہ کوٹھی کا سب سے بلند حصہ تھا اور اس جگہ سے اردگرد کے بنگلوں کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا، ان میں فتح خان کا بنگلا بھی تھا۔ میں نے دوربین نکال کر دیکھا۔ بنگلے کا سامنے کا لان اور پورچ کا حصہ صاف نظر آ رہا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ وہاں فتح خان، راز گل اور زرین کے ساتھ موجود تھا۔ فتح خان ان پر برس رہا تھا اور ان دونوں کی حالت بری تھی۔ خاص طور سے راز گل کی۔ شاید اس لئے کہ اس نے مجھے سب بتا دیا تھا۔ فتح خان کچھ کہتے ہوئے راز گل کی پشت پر گیا۔ اچانک اس کا ہاتھ بلند ہوا اور اس نے ایک چھوٹے پھل والا خنجر دستے تک راز گل کے سر میں اتار دیا تھا۔ میں اچھل پڑا تھا اور دوربین میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ بنٹی بھی دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہکلا کر کہا۔ "یہ...... اس...... نے کیا، کیا......؟"

میں نے جھپٹ کر دوربین اٹھائی۔ راز گل اوندھے منہ فرش پر پڑا تھا۔ وہ بلاشبہ مر چکا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ فتح خان اچانک اسے ختم کر دے گا۔ زرین یوں لرز رہا تھا جیسے اسے جاڑے کا بخار چڑھا ہو۔ فتح

خان نے اس سے کچھ کہا اور وہ پھرتی سے راز گل کی لاش کھینچتا بنگلے کے عقبی حصے میں لے گیا۔ میں نے دوربین گھمائی۔ ایک مسلح شخص مجھے بنگلے کے مین گیٹ پر بھی نظر آیا تھا۔ اچانک بنٹی نے میرا بازو ہلایا۔ "وہ دیکھو...... ایک گاڑی آ رہی ہے۔"

میں نے دوربین سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ یہ وہی سیاہ وین تھی جو سفیر، مونا اور ایمن کے ساتھ لے کر نکل گیا تھا۔ اس کے فرنٹ پر پڑا ڈینٹ نمایاں تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ وہ پکڑے گئے تھے۔ درحقیقت مجھے پہلے سے یہ خدشہ تھا۔ سیاہ وین چلتی ہوئی آ کر فتح خان کے بنگلے کے سامنے رکی۔ مسلح شخص رائفل تانے وین کی ڈرائیونگ سیٹ تک آیا، اس نے جھک کر کسی سے بات کی اور واپس آ کر گیٹ کھول دیا تھا۔ وین اندر پورچ میں جانے لگی۔ فتح خان کے ساتھی کہیں تیز تابت ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت میں وین کو جا لیا تھا۔ "یہ......کون ہے؟" بنٹی سرگوشی میں بولی۔

"چپ کرو......" میں نے جھنجلا کر کہا۔

وین پورچ میں رک گئی، اس کے اگلے حصے سے دو افراد اترے۔ ایک نے فتح خان سے کچھ کہا۔ وہ وین کے عقبی حصے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ فتح خان نے آگے بڑھ کر وین کا سلائیڈنگ ڈور کھولا اور اشارے سے کسی کو باہر آنے کو کہا۔ میں نے دوربین وین کے دروازے والے حصے پر مرکوز کر دی تھی کہ اس سے کون اترتا ہے؟ سب سے پہلے وہ عورت اتری جسے میں نے ایمن اور مونا کے ساتھ وین کے عقبی حصے میں دیکھا تھا۔ اس نے سیاہ شال اوڑھ رکھی تھی جس پر سفید دھاگوں سے کڑھائی ہوئی تھی۔ اس نے سر گھمایا، اس کا چہرہ سامنے آیا اور مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہونے لگا۔ وہ بھاگ بھری تھی......رحمت خان کی بیٹی۔ اس کے معصومانہ نقوش ویسے ہی تھے اور چہرے پر ویرانی نظر آ رہی تھی۔ فتح خان نے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلا۔ وہ اسے اندر جانے کو کہہ رہا تھا۔

"بس مسٹر اشرف!" اچانک ایک سرد سی شے میری گردن سے آ لگی۔ "اب حرکت مت کرنا۔"

بولنے والی بنٹی تھی اور اس کے ہاتھ میں میرا ہی پستول تھا۔

میں ساکت رہ گیا تھا لیکن دوربین آنکھوں اور وین سے نہیں ہٹائی تھی۔ "اگر تم نے مجھے گولی مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو مجھے دو منٹ کی مہلت دو۔ میں اپنے ساتھیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، دشمن ان کو پکڑ کر لے آیا ہے۔" میں نے سکون سے کہا۔

"اوکے......دیکھ لو!" اس نے فراخ دلی سے جواب دیا۔

میری نگاہیں وین کے دروازے پر مرکوز تھیں، وین اس طرح کھڑی تھی کہ میں اس کے اندر جھانکنے سے قاصر تھا لیکن بجائے اس کے اندر سے کوئی برآمد ہوتا۔ فتح خان کے ساتھی نے وین کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ فتح خان کے ساتھ اندر چلا گیا۔ صرف ایک شخص جو ڈرائیونگ سیٹ سے اترا تھا وین کے پاس کھڑا تھا۔ جبکہ مسلح شخص بنگلے کے گیٹ پر تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ وین ان لوگوں کے ہاتھ آ گئی تھی تو میرے ساتھی کہاں تھے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ان کو وین میں چھوڑ دیا جاتا، کیا ان کو کہیں اور لے جایا گیا تھا؟ فتح خان کے ساتھ جس پک اَپ پر وین کے تعاقب میں گئے تھے، وہ واپس نہیں آئی تھی۔ کیا میرے ساتھیوں کو اس پر کہیں لے جایا گیا تھا لیکن نہ

جانے کیوں یہ بات میرے دل کو نہیں لگی تھی۔ سغیر، مونا اور خاص طور سے ایمن اتنے کم اہم نہیں تھے کہ فتح خان ان کو اپنے پاس بلوانے کے بجائے کہیں اور بھیج دیتا۔ ایمن کو تو وہ بہر صورت اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے اندر امید کی ایک کرن جاگی تھی۔ اس کا مطلب تھا میرے ساتھی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگے تھے۔

"بس دو تین منٹ سے خاصے زیادہ ہو گئے ہیں۔" بنی نے میری گردن پر پستول کی نال سے دباؤ ڈالا۔

"کیا مجھے کلمہ پڑھنے کی اجازت ملے گی؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا اور اس کی طرف گھوما، وہ ہنسی۔

"کیوں نہیں...... جب آخری وقت آئے تو پڑھ لینا" اس نے پستول واپس میری جیکٹ میں ڈال دیا۔

"میرے...... خدا! کتنا وزنی ہے۔"

"پاگل لڑکی ہتھیاروں اور ہتھیار رکھنے والوں سے ایسے مذاق نہیں کرتے۔" میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"ممکن ہے میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت یہاں تمہاری لاش پڑی ہوتی۔"

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں، مجھے اور کوئی نظر نہیں آیا؟"

"اس حرکت کا مقصد؟" میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ "تمہیں صرف اتنا بتانا کہ تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گی۔"

"رئیلی!" میں نے طنز کیا۔ "کیا میں تمہارے ماے کا پتر لگا ہوں۔"

"دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر اعتبار کرنے کو دل چاہتا ہے اور ان لوگوں میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔ عورت کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں میل نہیں آتا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں بھی مجھے وہی بات نظر آتی ہے۔"

"لگتا ہے مردوں کا خاصا تجربہ ہے تمہیں۔" میں نے کہا اور پھر دوربین سے فتح خان کے بنگلے کا جائزہ لیا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔" اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ "میں نے تمہارے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"وہ نہیں آئے، نہ جانے کہاں ہیں۔ آزاد بھی ہیں یا ان لوگوں نے ان کو کہیں اور رکھا ہے۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"ظاہر ہے پہلے میں جاننے کی کوشش کروں گا کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ اس کے بعد ان کو چھڑانے کی کوشش کروں گا۔"

جب میں فتح خان کے بنگلے کی طرف نہیں دیکھ رہا ہوتا تھا تو نیچے بیٹھ جاتا تھا۔ کیونکہ جس طرح میں ان کو دیکھ رہا تھا، اس طرح وہ بھی مجھے دیکھ سکتے تھے۔ بنی نے جھانکنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے نیچے کھینچ لیا۔

"بلاوجہ کی جھانکا تاکی مت کرو۔ یہ خطرناک لوگ ہیں اور ابھی بھرپور تلاش شروع کر دی جائے گی، ممکن ہے یہ اس طرف بھی آ جائیں۔"

"بے شک آ جائیں لیکن تمہیں نہیں پا سکیں گے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے ایک بار پھر دوربین سے دیکھا۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وین کے پاس موجود شخص

ٹہلتا ہوا گیٹ تک چلا گیا تھا اور چوکیدار سے گپ شپ کر رہا تھا۔ یعنی وین میں اب کوئی نہیں تھا ورنہ وہ ایسے چھوڑ کر نہ جاتا۔

''ہماری کوٹھی میں تہہ خانہ ہے۔ خفیہ تہہ خانہ...... اس کا راز صرف مجھے، ٹینا اور پاپا کو معلوم ہے۔''

''بنٹی اور ٹینا...... کیا یہ تمہارے اصل نام ہیں؟''

وہ ہنسی۔ ''بھلا دیہات میں ایسے نام کون رکھتا ہے ہماری گرینڈ ماما نے ہمارے نام اپنے فیشن کے مطابق رکھے تھے، میں نور النسا ہوں اور ٹینا تہذیب النسا۔'' وہ ہنسی کے مارے دہری ہونے لگی۔ ''ہاؤ فنی، کوئی سوچ سکتا ہے، ہم جیسی لڑکیوں کے اتنے بیک ورڈ نام ہوں گے۔''

''کیوں نہیں، میں نے خود علم دین اور اللہ رکھا کو ٹونی اور سنی بنتے دیکھا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور ایک نظر چاروں طرف ڈالی۔ مجھے باہر کی طرف سے ایک سفید رنگ کی اسپورٹس کار بنگلوز کی طرف آتی نظر آئی۔ میں نے توجہ نہیں دی تھی اس وقت چونکا جب کار آ کر ان لوگوں کے بنگلے کے سامنے رکی۔

''یہ کون ہے؟'' میں نے بنٹی سے پوچھا۔ کار سے ایک نوجوان اترا تھا، لمبے بالوں والا۔

''کرم دین عرف کرموں عرف کرمین۔'' بنٹی نے اسے دیکھ کر انکشاف کیا۔

''یہ تینوں نام اس کے ہیں؟'' میں نے دوربین سے اس کا جائزہ لیا۔

''ہاں، کرم دین اصل نام ہے۔ کرموں ہم پیٹھ پیچھے کہتے ہیں اور منہ پر کرمین، ویسے یہ ٹینا کا بوائے فرینڈ ہے، اس سے ملنے آیا ہے۔''

''اچھا یہ ہے وہ نمونہ...... اگر یہ ٹینا کے بیڈ روم میں قیام کرے گا تو امید ہے، وہ تمہارے بیڈ روم میں نہیں آئے گی؟'' میرے سوال پر بنٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''آں...... ہاں۔'' اس نے ہچکچا کر تسلیم کیا۔

''بائی دا وے، جب تمہارے پاپا اتنے ہی روشن خیال ہیں تو تم لوگوں کو ایک بوائے فرینڈ سے ملنے کے لئے اتنے پاپڑ کیوں بیلنا پڑ رہے ہیں؟''

''وہ دراصل پاپا اسے پسند نہیں کرتے ہیں۔'' بنٹی نے کرمین کی طرف دیکھا۔ وہ مین گیٹ کی بیل بجا رہا تھا۔

''کسی سیاسی وجہ سے؟'' میں نے غور کیا۔

اس بار بھی وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچائی۔ ''ہاں...... کہہ سکتے ہو۔''

میں نے فتح خان کے بنگلے کی کھڑکیوں اور دروازوں کا جائزہ لیا۔ دروازے سارے بند تھے اور بیشتر کھڑکیاں پردہ پوش تھیں البتہ ایک کھڑکی سے پردہ ہٹا ہوا تھا جس کی وجہ سے مجھے بہت کچھ جاننے کا موقع ملا۔ کھڑکی سے ایک بیڈ روم کا منظر واضح تھا۔ اچانک خالی بیڈ پر بھاگ بھری یوں گری جیسے کسی نے اسے دھکا دیا ہو پھر دھکا دینے والا سامنے آیا۔ بھاگ بھری دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رو رہی تھی، یہ بات اس کے نازک لرزتے بدن سے بھی واضح تھی۔ پچھلے چند مہینے میں وہ خاصی کمزور ہوئی تھی اور اس کا رنگ روپ کملا گیا تھا، جس چیز نے میری توجہ کھینچ لی، وہ اس کا کسی قدر ابھرا ہوا پیٹ تھا۔ وہ امید سے تھی۔ فتح خان نے اسے اپنی داشتہ بنا رکھا

تھا اور اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کے لئے اس نے نام نہاد نکاح بھی پڑھوالیا تھا جو قانونی لحاظ سے غلط تھا کہ بھاگ بھری ابھی اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی جبکہ وہ قانونی لحاظ سے بالغ نہیں تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نام نہاد آرگنائزیشنز اور سماجی کارکنوں کو یہ مظلوم عورتیں نظر نہیں آتیں جو طاقتوروں کے قبضے میں ہیں اور ان کے استحصال کا شکار ہیں۔ میں نے تلخی سے سوچا۔ ان کو صرف یہ فکر ہے کہ جذباتی ہو کر گھروں سے بھاگنے والے نوجوانوں کی راہ میں معاشرہ یا مذہب کوئی رکاوٹ نہ ڈالے اور کوئی مظلوم عورت یا لڑکی ان لوگوں کے ہتھے چڑھ جائے تو یہ اسے انصاف دلانے کے بجائے اسے اپنی کمائی اور تشہیر کا ذریعہ بنا لیتی ہیں اور جب ان کا مطلب نکل جاتا ہے تو پلٹ کر ان مظلوم عورتوں کو پوچھا بھی نہیں جاتا۔

فتح خان نے بھاگ بھری کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر اسے بستر سے کھینچ کر اٹھالیا تھا اور اب اس کے کان میں منہ گھسا کر اسے نہ جانے کیا کہہ رہا تھا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا، وہ اسے دھمکیاں دے رہا ہے۔ بھاگ بھری پوری شدت سے لرز رہی تھی، میرا دل چاہا کہ رائفل سے گولی مار کر اس ذلیل شخص کا سر اڑا دوں۔ اس جگہ سے فتح خان کے بنگلے کا فاصلہ دو سو گز تھا اور اتنے فاصلے تک یہ رائفل بہ آسانی مار کرتی تھی، مجھے اپنے نشانے پر اعتبار تھا۔ مگر میں صرف سوچ سکتا تھا جب تک میرے ساتھیوں کا پتا نہیں چل جاتا میں قادر ہونے کے باوجود فتح خان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو طے تھا سفیر، مونا اور ایمن اس جگہ نہیں لائے گئے تھے۔ اگر وہ فتح خان کے قبضے میں تھے تو ان کو کہیں اور رکھا گیا تھا۔ فتح خان منظر سے ہٹ گیا تھا اور بھاگ بھری بستر پر بیٹھی تھی، اس کے چہرے کی ویرانی دیکھ کر میرا دل کٹنے لگا۔ مرشد کے ڈیرے اس خاندان کی رہی سہی تباہی کا ذمے دار میں تھا میری مدد کرنے کے جرم میں ان مظلوم عورتوں کو سزا ملی تھی۔ بھاگ بھری کی ماں تو جان سے گزر گئی لیکن بھاگ بھری کی حالت بتا رہی تھی، وہ روز مرتی ہے اور روز جیتی ہے۔ ماں چھن گئی اور وہ خود باپ سے دور ایک بے آبرو زندگی گزار رہی تھی۔ اس لڑکی کو فتح خان کے چنگل سے نکالنا اب میری ذمے داری تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' بنٹی نے مجھے چونکایا۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے دوربین نیچے کر لی۔

''نیچے چلو، سردی بہت ہے۔''

''چلو...... لیکن میں پھر بتا دوں...... میری موجودگی کا کسی کو پتا نہ چلے۔''

''چلو...... میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے مجھے دروازے کی طرف دھکیلا۔

ہم نیچے آئے۔ اس بار بھی کسی سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ ''تمہارا خادم خاص کہاں ہوگا؟''

''کچن میں ہمارے لئے کھانا بنا رہا ہوگا۔''

''میرے خدا! اس قدر ہر فن مولا شخص ملا ہے تمہیں۔''

''ابھی تم کھاؤ گے تو پتا چلے گا۔ بہت اچھا کھانا بناتا ہے۔ میں نے چکن کارن سوپ اور فنگر فرائی بنانے کو کہا ہے۔ ٹینا اور اس کا بوائے فرینڈ کھانا کھائیں گے، میں دوپہر میں کھانا نہیں کھاتی۔''

''بدقسمتی ہے میری، یعنی مجھے تلے ہوئے آلوؤں اور سوپ پر گزارہ کرنا پڑے گا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ایسے حالات میں بھی تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟"

"ہاں! کیوں کہ یہ نئی بات نہیں ہے۔ آئے دن ہم پکڑے جاتے ہیں یا دشمن کو پکڑ لاتے ہیں۔ ممکن ہے کل یہ بدبخت ہمارے قبضے میں ہو۔"

بنٹی نے ایک واکی ٹاکی نما آلہ نکالا اور اس پر تاج الدین سے رابطہ کیا۔ "کب تک تیار ہوگا...... او کے زیادہ لا نا اور ہاں، اس کے بعد مجھے کافی کا تھرماس بھر کر دے جانا۔"

"یہ کی ناں تم نے کام کی بات۔" میں نے اس کے واکی ٹاکی بند کرنے کے بعد خوش ہو کر کہا۔

میں آتش دان کے پاس اپنے یخ ہو جانے والے ہاتھ سینک رہا تھا۔ وہ بھی پاس چلی آئی۔ "فکر مت کرو، شام کی چائے کے ساتھ میں سینڈوچ بنوالوں گی۔"

"یہاں کوئی ملازم نہیں ہے۔ پھر سامان کون لاتا ہے کھانے پینے کا؟ دیکھ بھال کون کرتا ہے؟"

"ایک پڑوسی بنگلے کا چوکیدار دن میں یہاں کا ایک چکر لگاتا ہے۔ اسٹاک ہونے والا سامان تو رہتا ہی ہے باقی ہم آتے ہوئے لے آتے ہیں۔"

"اگر تمہارا خادم اچانک آجائے، میں کہاں پناہ لوں...... بستر کے نیچے یا واش روم میں؟"

"الماری میں۔" وہ مسکرائی۔ "اس میں خاصی جگہ ہے۔"

میں نے رائفل ایک طرف رکھ دی تھی۔ بنٹی نے چھت پر جو حرکت کی تھی، مجھے اس کی طرف سے نوے فی صد اطمینان ہو گیا تھا لیکن دس فی صد ابھی باقی تھا اس لئے میں محتاط تھا۔ بنٹی نے اوورکوٹ اتار دیا تھا۔ وہ نسبتاً چھوٹے قد کی اور کسی قدر بھرے بھرے جسم والی لڑکی تھی۔ یہ بھاری پن موزوں مقامات پر تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ دو انچ سے زیادہ نہیں تھا۔ نقوش کے لحاظ سے بھی وہ اپنی بہن سے بہتر تھی۔ "تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے؟"

وہ چونکی۔ "کیا معلوم کرنا چاہ رہے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم کیا بور ہونے آئی ہو؟"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "اچھا، میں سمجھی کہ کوئی اور بات ہے۔"

"کوئی دوسری بات ہو ہی نہیں سکتی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یقین سے کہا۔

"اچھا!" وہ ہنسی پر چیلنج دینے والے انداز میں۔ "دیکھتے ہیں۔"

میں نے رائفل اٹھا کر الماری میں ایک ہینگر سے لٹکا دی۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی شے میرے جسم سے جدا نہیں تھی جس سے تاج الدین کو شک ہوتا جیسے ہی اس نے دروازے پر دستک دی۔ میں خاموشی سے الماری میں چلا گیا۔ اس کا دروازہ جالی دار تھا جس سے ہوا کی آمد ورفت رہا کرتی تھی اور باہر کا منظر بھی نظر آتا تھا۔ فنگر فرائی ہاٹ پاٹ میں تھے اور سوپ شیشے کے ڈھکن والے پیالے میں تھا اس لئے دونوں چیزیں گرم تھیں۔ ساتھ میں ان کے لوازمات تھے۔ تاج الدین نے ٹرالی بستر کے سامنے روکی۔ بنٹی دونوں پاؤں سکیڑے بستر پر بیٹھی تھی۔

"کافی کتنی دیر میں لاؤں بے بی!"

"آدھے گھنٹے بعد لے آنا اور ہاں تین مگ لانا۔" بنٹی نے اس سے کہا۔

"میں جانتا ہوں بے بی، آپ استعمال شدہ مگ میں کچھ نہیں پیتی ہیں۔"

تاج الدین کے جانے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ میں دیکھ رہا تھا، اس دوران میں بنٹی نے نہ تو الماری کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی تاج الدین کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ اس نے سوپ کے پیالے سے ڈھکن ہٹایا اور چمچے سے بھاپ اڑاتے سوپ کو اپنے پیالے میں ڈالنے لگی۔ "آجاؤ، ورنہ ٹھنڈا ہو کر بے مزہ ہو جائے گا۔"

میں بھوک محسوس کر رہا تھا اس لئے میں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا جب تک بنٹی نے اپنا پیالہ ختم کیا میں سوپ کا ڈونگا خالی کر چکا تھا۔ البتہ فنگر فرائی سے مجھے خاص دلچسپی نہیں تھی اس لئے میں نے بس چکھے تھے۔

"تمہاری خوراک خاصی ہے۔" اس نے ڈونگے کا جائزہ لیا۔

"پہلے تو نہیں تھی لیکن آج کل میں بکرا بھی کھا سکتا ہوں یہ بے چارہ تو معمولی سا سوپ تھا۔"

بنٹی کی خوراک بھی کم نہیں تھی اس نے تقریباً ایک کلو آلوؤں کے فنگر فرائی دیکھتے ہی دیکھتے صاف کر دیئے تھے۔ وہ شاید فاسٹ فوڈ کی شوقین تھی اس وجہ سے اوور ویٹ تھی۔ ساتھ میں وہ ورزش یا تیراکی بھی باقاعدگی سے کرتی تھی اس لئے زائد وزن بھی دلکشی کا باعث بن گیا اس کو بھدا نہیں کیا تھا۔ جب تک ہم نے کھانا ختم کیا، تاج الدین کافی کا تھرماس اور مگ لے آیا تھا۔ مجھے الماری میں جانا پڑا۔ برتن لے جانے سے پہلے اس نے بنٹی سے پوچھا۔ "شام کی چائے کے ساتھ کچھ لینا پسند کریں گی بے بی!"

"ہاں، پنیر، ایگ، سینڈوچ بنا لینا۔"

تاج الدین کے جانے کے بعد میں باہر نکلا۔ بنٹی واش روم چلی گئی تھی۔ میں نے اپنے لئے کافی نکالی اور آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔ بنٹی نے باہر آ کر مجھے متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن پھر میرا موڈ دیکھ کر خاموشی سے خود بھی کافی پینے لگی۔ یہ بات یقینی تھی کہ فتح خان کے آدمی مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے، یعنی روشنی میں میرا باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ رات کی تاریکی مجھے پردہ فراہم کرتی۔ مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ فتح خان تک رسائی دشوار بھی تھی اور خطرناک بھی۔ پھر اس جیسے شخص کو میں قابو کر لیتا تو موجودہ پوزیشن میں اس سے کچھ اگلوانا تقریباً ناممکن تھا۔ بہتر حکمت عملی یہ ہوتی کہ میں فتح خان کے جانے کا انتظار کرتا اور اس کے بعد اس کے بنگلے پر دھاوا بول دیتا۔ اس کے کسی آدمی سے اگلوانا اتنا مشکل نہ ہوتا اور میں بھاگ بھری کو بھی نکال سکتا تھا۔ یہ فیصلہ کر کے میں اطمینان محسوس کرنے لگا۔ فتح خان جیسے شخص کے لئے کسی جگہ ٹک کر بیٹھنا مشکل تھا، وہ شاید صرف بھاگ بھری کی وجہ سے یہاں آیا تھا، اسے ہم لوگوں سے دور رکھنے کے لئے یہاں لایا تھا۔

"تم لیٹ جاؤ، تھک گئے ہو گے۔" بنٹی نے بستر پر ہاتھ پھیر کر کہا، اس کے انداز میں دعوت تھی۔

"شکریہ!" میں آتش دان کے سامنے ہیٹنگ چیئر پر دراز ہو گیا۔ "تم نے لیٹنا ہے تو لیٹ جاؤ۔"

"میں سوچ رہی ہوں، ایک چکر بینا کا لگا لوں، کہیں وہ نہ چلی آئے۔"

"ضرور...... لیکن تمہاری غیر موجودگی میں تاج الدین نہ آ جائے۔"

اس نے سوچا۔ "اس کا خطرہ ہے۔ وہ کسی کام سے نہ آ جائے۔ تم محتاط رہنا میں بس ایک منٹ میں آئی۔"

ویسے ٹینا اور کرموں کے پاس میرے لئے وقت نہیں ہوگا۔'' وہ معنی خیز انداز میں ہنسی جس پر میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ وہ ہمارے ملک کے بگڑے ہوئے طبقے کی نمائندہ تھیں۔ تعجب انگیز بات تھی، ان کا تعلق ایک قدامت پرست جاگیردار خاندان سے تھا۔ کسی پوش شہری فیملی سے نہیں۔ ان کی آزاد خیالی تعجب انگیز تھی لیکن یہ ایک نہایت عبرت اثر حقیقت کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ اقتدار اور دولت کے نشے میں جب کسی خاندان کے مرد بے راہ روی اختیار کرتے ہیں تو ان کی عورتیں بھی زیادہ دیر راستی پر قائم نہیں رہ پاتیں، جلد یا بدیر وہ بھی بے راہ روی پر اتر آتی ہیں اور اپنی عزت بچانے کے لئے مردوں کو یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔ رفتہ رفتہ بے غیرتی ان کے خون میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے کہ دنیا دکھاوے کے لئے اپنی روایات اور تہذیب پر عمل کرنے والے اندرونِ خانہ ایک حمام میں ننگے ہوتے ہیں۔ تاریخ دیکھیں تو ایک صاحب اقتدار اور امرا خاندان کے مردوں نے عیش و عشرت کی باقی رہ جانے والی نظیریں قائم کی ہیں تو ان کی عورتیں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہیں، ہمیں ان کے قصے بھی ملتے ہیں۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ بنٹی کو گئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں ان کے کردار پر غور کرتے ہوئے اپنے حالات کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں چونک کر کرسی سے اٹھا تھا کہ دروازہ کھلا اور بنٹی اندر آئی، اس کا چہرہ تمتما رہا تھا، اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور مجھ سے طنزاً بولی۔ ''تم اس طرح ہوشیار تھے؟''

''تم نے بہت دیر لگا دی۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''خیریت...... بڑی سرخ ہو رہی ہو۔''

''یہ ٹینا کا بوائے فرینڈ ایک نمبر کا حرام زادہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ کچھ دیر کے لئے کمرے سے گئی اور لگا مجھ سے عشق بھگارنے۔''

''یعنی وہ تم دونوں کے چکر میں ہے؟''

''ہاں، خاصے عرصے سے، لیکن میں اس کے ہاتھ نہیں آئی۔ اب بھی کہہ رہا تھا کہ وہ میری خاطر آیا ہے، ٹینا سے دوستی تو صرف بہانہ ہے۔''

''قابل قدر خیالات ہیں اس کے۔ پھر تم نے کیا جواب دیا؟''

''جواب۔'' وہ ہنسی۔ ''اس کے چہرے پر ایک عدد نیل ہوگا اور وہ ٹینا کو اس کے بارے میں وضاحت دے رہا ہوگا۔''

''اس علاقے میں کہیں فون ہے؟''

''دو میل آگے پوسٹ آفس پر ملے گا۔ یہاں کوئی موبائل کام نہیں کرتا ہے صرف سیٹلائٹ فون کام کرتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''وہ تو صحرائے گوبی اور قطب جنوبی میں بھی کام کرتا ہے لیکن ہو تو......''

''میرے پاس ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''ہے تمہارے پاس!'' میں اچھل پڑا تھا۔ ''تم نے بتایا نہیں۔''

''تم نے پوچھا ہی نہیں۔'' اس نے سادگی سے کہا اور اپنے بیگ سے سیٹلائٹ فون نکالا۔ یہ جدید ساخت کا مختصر سا فون تھا۔ اس زمانے میں جدید جی ایس ایم موبائل فون پاکستان میں عام ہونا شروع ہوئے تھے۔

سٹلائٹ فون کے بارے میں تو بہت کم لوگ جانتے تھے۔ میں نے سگنل دیکھے، بنٹی نے بتایا۔
''یہاں پر بھی کام کرتا ہے لیکن کھلی فضا میں بہت بہتر کام کرتا ہے۔''
''میں اس سے کال کر سکتا ہوں؟''
اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں کر سکتے ہو۔ یہ پوسٹ پیڈ (Post Paid) ٹائپ کا ہے۔ لامحدود کالز کی جا سکتی ہیں۔ بل پاپا ادا کرتے ہیں، مجھے نہیں معلوم کیسے کرواتے ہیں؟''
''تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے، تھینک یو ویری مچ!'' میں نے سچ مچ خلوص سے کہا۔
میرے ذہن میں ندیم کے گھر کا نمبر محفوظ تھا۔ میں نے کال ملانے سے پہلے بنٹی سے پوچھا۔ ''اس کا نمبر آ جاتا ہے سی ایل آئی پر؟''
''نہیں۔ نمبر نہیں آتا اور نہ ہی ٹریس کیا جا سکتا ہے۔''
میں نے ندیم کا نمبر ملایا، اس وقت چار بج رہے تھے۔ فون اس کی بیگم شازیہ نے اٹھایا تھا۔ عقب سے اس کے بچوں کے شور مچانے کی آواز آ رہی تھی۔ بات کرنے سے پہلے اس نے چلا کر ان کو کمرے سے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ پھر پوچھا۔ ''ہاں، کون بول رہا ہے؟''
''بھابی، میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اپنا نام لینے سے گریز کیا۔ ''یہ وکیل کی دُم کہاں ہے؟''
''ارے بھیا، تم......'' وہ جلدی سے بولیں۔ ''تو اب تک دفتر سے نہیں آئے۔''
''مجھے اس کا موبائل نمبر دیں۔'' میں نے کہا اور اشارے سے بنٹی سے پین مانگا۔ اس نے پین دیا اور میں نے شازیہ کا دیا فون نمبر لکھ لیا۔ میرا موبائل سامان کے ساتھ تھا جو سیاہ وین میں تھا۔ میں نے ندیم کا موبائل نمبر ملایا، اس کی محتاط سی آواز آئی۔ ''کون ہے؟''
''تمہارا والدنا بزرگوار۔'' میں نے کہا۔
''ابے تُو! کتے کی دم!'' وہ چلایا۔ ''تجھے سو سال نلکی میں رکھنا پڑے گا، میرے ہاتھ تو آ۔''
''بکواس نہ کر...... میں بہت مہنگی کال کر رہا ہوں۔ یہ بتا کہ سفیر نے تجھ سے کوئی رابطہ کیا ہے؟''
''نہیں کیا، وہ تیرے ساتھ نہیں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔
''نہیں یار!'' مجھے مایوسی ہوئی تھی۔ ''وہ مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ تجھے پتا ہے ایمن بھی ہمارے ساتھ تھی۔''
''ہاں پتا ہے، اس کی گمشدگی پر یہاں سنسنی پھیلی ہے۔ ہوٹل سے اس کے غائب ہونے کی کڑیاں نہ جانے کہاں کہاں ملائی جا رہی ہیں۔ مغربی میڈیا بہت اچھل رہا ہے۔''
''کسی طریقے سے وزارتِ داخلہ کو اطلاع کر دے کہ یہ ڈیوڈ شا کا کام ہے۔ وہ بھی پاکستان میں ہے۔ برٹ شا بھی اس کے قبضے میں ہے۔''
''مشکل ہے، اوپر والے مرشد علی کے آگے مجبور ہیں اور ہماری حکومت مغرب کے سامنے، اس لئے ایمن کی تلاش مخصوص سمتوں میں کی جاری ہے۔''
''یہ بتا کہ مرشد علی سے مفاہمت کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''
''درمیان میں تو اس کا وکیل بات ہی نہیں کر رہا تھا لیکن کل اس کا فون آیا ہے، تیرے خلاف بارہ میں

سے دس مقدمات بوگس ہیں، ان کو ختم کرنے کی بات کر رہا ہے۔ تیرے خلاف دو کیس اہم ہیں، ایک تو قتل حادثہ اور دوسرا نادر علی پر قاتلانہ حملے کا کیس۔ ایف آئی آر میں تیرا نام مرکزی ملزم کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ مرشدان پر مفاہمت کرتا ہے تو تجھ پر کم سے کم پولیس کا دباؤ ہٹ جائے گا۔"

"اکرم چشتی کا کیا ہوا؟"

"معطل ہے مگر فرعونیت سے دندناتا پھرتا ہے۔ پچھلے دنوں عدالت میں اس سے سامنا ہوا تھا۔ کہنے لگا شہباز سے کہہ دینا۔ اب وہ نادر علی کے کہنے پر نہیں اپنے لئے تیری ہڈیاں توڑے گا۔"

"اسے کہہ دینا، اس کا انجام بھی اس کے باپ جیسا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں نے یہی کہا تھا۔" ندیم ہنسا۔

"وسیم، شکیل اور سونی کا کچھ پتا چلا؟"

"ہاں، وہ خیریت سے ہیں۔" ندیم نے اس بار محتاط انداز میں کہا۔ "یہ بتا تُو کہاں ہے؟"

"یار، دشمنوں کا داؤ چل گیا۔ میں اسلام آباد کے پاس ہوں اور لاہور کی طرف جا رہا ہوں۔" میں نے جان بوجھ کر غلط کہا۔ امکان یہی تھا کہ ندیم کا موبائل انڈر آبزرویشن ہوگا اس لئے دشمن مس گائیڈ ہو جائے۔

"اچھا، میں تجھ سے پھر بات کروں گا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سفیر اور مونا کے ندیم سے رابطہ نہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ دشمن کے قبضے میں تھے۔

"تمہارا ایک بار پھر شکریہ!" میں نے فون بنٹی کی طرف بڑھایا، اس نے فون لیا اور میرے پاس آ گئی۔

"صرف زبانی شکریہ ادا کرو گے؟" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں اور کون سا طریقہ ہے؟" میں انجان بنا۔

وہ اتنی نزدیک آ گئی کہ اس کی گرم سانسیں میرے چہرے سے ٹکرانے لگی تھیں۔

"اور بھی کچھ طریقے ہیں۔" اس نے میرے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھی تھی۔ میں نے کوئی حرکت نہیں کی تھی، ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ میری سرد مہری محسوس کر کے وہ ذرا پیچھے ہو گئی۔

"تم جس طریقے سے شکریہ وصول کرنا چاہتی ہو، وہ میرے بس میں نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی کسی کا اس طرح شکریہ ادا کیا ہے۔"

"کیوں؟" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کیونکہ میرے نزدیک یہ عورت کی توہین ہے۔"

"بیک ورڈ!" اس نے منہ بنا کر کہا اور بستر پر جا کر بیٹھ گئی۔

"چلو، یہی سہی۔" میں واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تاج الدین سینڈوچز کب لائے گا؟"

بنٹی نے واکی ٹاکی پر تاج الدین سے سینڈوچز اور چائے لانے کو کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہیں سچ مچ عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے یا حالات کی وجہ سے......؟"

"تمہارے پاس کرنے کے لئے کوئی اور بات نہیں ہے؟" میں نے بیزاری سے کہا۔ "میرے نزدیک ان سب کی خاص اہمیت نہیں ہے۔"

"تم عورت سے بیزار ہو۔" اس نے الزام لگایا۔

"اس کے برعکس میں عورت کو پسند کرتا ہوں۔ عورت بیزار تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو تم پسند کرتی ہو اور وہ تمہاری طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں۔"

"کیا احمقانہ باتیں کر رہے ہو؟" اس نے منہ بنایا۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں۔" میں نے سیدھا ہو کر کہا۔ "یہ بتاؤ، ایک عورت کے کتنے روپ ہوتے ہیں؟"

"بہت سارے..... ماں، بیٹی، بہن اور اس کے علاوہ بے شمار روپ ہیں۔"

"لیکن جیسی توجہ تم مجھ سے چاہ رہی ہو، وہ مرد کو ان تمام رشتوں سے کاٹ کر عورت کے صرف ایک کردار تک محدود کر دیتی ہے، میں اسے عورت بیزاری کہتا ہوں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"شکر ہے، تمہاری سمجھ میں میری بات آ گئی۔ کرمین، ایسا ہی شخص ہے، اسے صرف عورت سے دلچسپی ہے بلکہ ایسے لوگوں کو ناموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کے نزدیک تمام عورتیں محض جسم ہوتی ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ بنٹی نے مجھے اشارہ کیا اور میں پھرتی سے الماری میں داخل ہو گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اس لئے بنٹی نے اٹھ کر کھولا۔ میری طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ تاج الدین ہو گا مگر دروازہ کھولتے ہی اسے زوردار دھکا لگا اور وہ قالین پر جا گری، اس کی چیخ نے مجھے چونکایا۔ میں نے جالی سے جھانکا۔ دو نوجوان اندر آئے اور جیسے ہی بنٹی نے اٹھنے کی کوشش کی انہوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا، وہ پستول سے مسلح تھے۔ بنٹی ہکلائی۔ "کک..... کون ہو تم؟"

"ابھی بتاتے ہیں..... بلکہ آرام سے بتائیں گے۔" ان میں سے ایک بولا جس کے بال لمبے تھے۔ "یہ بتا کوئی اور تو نہیں ہے یہاں؟"

"نن..... نہیں۔"

"اسے لے چل۔" دوسرا بولا، اس کے کان میں مندری پڑی تھی۔

"بنٹی بار بار الماری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اگر ان لوگوں کو شک ہو جاتا تو مجھے مجبوراً مقابلہ کرنا پڑتا اور فی الحال میں ہنگامہ آرائی نہیں چاہتا تھا مگر نوجوان احمق تھے، انہوں نے نہ تو بنٹی کی حرکتوں پر غور کیا اور نہ ہی کمرے کی حالت پر۔ وہ اسے دھکیلتے ہوئے کمرے سے لے گئے۔ ان کے جانے کے کوئی تین چار منٹ بعد میں الماری سے نکلا تھا۔ یہ نہ جانے کون سی نئی آفت نازل ہوئی تھی۔ میں نے سوچا۔ اب مجھے اس سے بھی نمٹنا تھا۔ سچی بات ہے مجھے اس وقت بنٹی سے ہمدردی کے بجائے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ میرے بکھیڑے سمٹنے کے بجائے پھیلتے جا رہے تھے۔ دو نئے مسئلے سامنے آئے تھے جبکہ پرانے مسئلے جوں کے توں تھے۔

وہ لوگ جاتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے۔ میں نے الماری سے اپنی رائفل بھی لے لی تھی مگر اسے شانے پر لٹکا کر میں نے پستول نکالنے پر اکتفا کیا۔ محدود جگہ پر رائفل کے مقابلے میں پستول کہیں بہتر تھا۔ گیلری خالی تھی، میں نے کوٹھی کا نقشہ ذہن میں لانے کی کوشش کی۔ یہ عقبی حصہ تھا اور وہ لوگ شاید فرنٹ والے حصے میں تھے۔ امکان یہی تھا کہ یہ ڈاکو تھے اور تمام گھر والوں کو ایک جگہ جمع کر کے آرام سے لوٹ مار کا

ارادہ رکھتے تھے۔ گویا میرا سامنا کسی بھی لمحے ان ڈاکو حضرات سے ہو سکتا تھا۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ گیلری کے خاتمے پر ایک اور چھوٹی گیلری تھی اور اس میں ایک طرف کچن اور اس سے متصل ڈائننگ ہال تھا۔ یہاں تاج الدین اس حالت میں پڑا تھا کہ اس کے سر سے خون بہہ کر جم گیا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں سختی سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ بے ہوش تھا لیکن سانس ہموار ہی تھی۔

تاج الدین یہاں تھا تو لڑکیاں اور ڈاکو کہاں تھے؟ اچانک مجھے خیال آیا۔ وہ لڑکیوں کو اغوا کر کے نہ لے گئے ہوں۔ میں باہر کی طرف آیا مگر مرکزی ہال میں داخل ہونے والا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یعنی وہ لوگ اندر ہی تھے۔ نیچے کی منزل مجھے خالی ہی ملی تھی اس لئے میں نے اوپر کی منزل کا رخ کیا۔ بنٹی نے تو مجھے نہیں بتایا تھا لیکن میرے خیال میں ٹینا کا بیڈروم اوپر ہی تھا۔ اس کی تصدیق سیڑھیوں سے ذرا اوپر آتے ہی ہو گئی تھی، میں نے دبی آواز میں کسی کو روتے سنا۔ آواز نسوانی تھی پھر کسی نے پنجابی میں ایک فحش سی گالی دی تھی۔ ''اتار کپڑے......!''

آواز اسی کمرے سے آئی تھی جو سیڑھیوں کے فوراً بعد تھا۔ میں نے احتیاط سے کمرے کے کی ہول سے اندر جھانکا۔ الفاظ نے مجھے بہت کچھ سمجھا دیا تھا، رہی سہی کسر کی ہول سے نظر آنے والے سین نے پوری کر دی۔ ٹینا، بنٹی اور تینوں افراد اندر موجود تھے۔ ٹینا بستر پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کرمین اس کے سر پر پستول لئے کھڑا تھا اور بنٹی کو لے جانے والے اس کا لباس اتارنے کی جدوجہد کر رہے تھے اور اس میں خاصی حد تک کامیاب رہے تھے۔ میں نے گہری سانس لی، یہ ڈاکو نہیں نفس پرست درندے تھے، بنٹی شور کر رہی تھی اور ٹینا کے منہ سے بھی سسکیاں نکل رہی تھیں۔ میں نے اندر کا نقشہ اپنے ذہن میں واضح کیا۔ فوراً ایک حکمت عملی ترتیب دی اور یک دم دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر کرمین کو گولی ماری وہ چکرا کر ٹینا پر ڈھیر ہو گیا اور جتنی دیر میں وہ دونوں لفنگے سنبھلتے، میں رائفل ان کی طرف سیدھی کر چکا تھا۔

''ہینڈز اَپ...... اب کسی نے حرکت کی تو اپنی موت کا خود ذمے دار ہوگا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

انہوں نے بنٹی کو چھوڑ کر ہاتھ بلند کر لئے تھے، بنٹی ہذیانی انداز میں چلائی، ٹینا کے پاس پہنچی اور اسے بستر سے کھینچ کر اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ کرمین کا خون ٹینا پر گرا تھا اور شاید گرم خون کی بو نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اپنے جسم پر گرنے والے خون کو صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر میری ساری توجہ ان دونوں پر تھی میں نے انہیں حکم دیا۔ ''اوندھے منہ لیٹ جاؤ...... ہری اَپ، دونوں ہاتھ سر پر ہوں۔''

انہوں نے اس بار بھی پھرتی سے حکم کی تعمیل کی تھی۔ میں نے کرمین کی طرف دیکھا۔ گولی اس کے شانے پر لگی تھی۔ دائیں شانے کی وجہ سے اس کا پستول والا ہاتھ بیکار ہو گیا تھا اور وہ بائیں ہاتھ سے پستول اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا پستول اٹھا لیا۔

''چپ پڑے رہو اور تم دونوں واش روم جا کر اپنا حلیہ درست کرو۔'' میں نے بنٹی اور ٹینا سے کہا۔ بنٹی نے اس کے اور اپنے کپڑے اٹھائے اور اسے سہارا دے کر واش روم میں لے گئی۔ میں نے ان دونوں سے بھی پستول لے لئے اور حفظ ماتقدم کے طور پر ان کی تلاشی بھی لی۔ پھر میں نے کمرے کا جائزہ لیا اور ایک طرف ٹرائی پوڈ پر نصب کیمرے کو دیکھ کر میں چونکا تھا۔ اس کا مقصد واضح تھا۔ یہ لوگ اپنی نفسانی تسکین کرنے کے ساتھ ان لڑکیوں کی تصویریں بھی لینا چاہتے تھے تاکہ ان کو بلیک میل کر سکیں۔ میرا دل چاہا کہ ایک ایک گولی ان تینوں کے

گندگی سے بھرے دماغوں میں اتار دوں۔ میں نے کرمین یعنی کرم دین کو بستر سے کھینچ کر نیچے قالین پر گرایا، اس نے چیخ ماری۔ "بس...... ابھی سے بھول گئے؟" میں نے اس کی پسلیوں کو ٹھوکر سے نوازا۔

"کون ہو تم؟" مندری والے نے ذرا حوصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں جانتے کن لوگوں سے پنگا لے رہے ہو!"

"ہاں اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے تم جیسے حرام زادوں کا شجرۂ نسب جاننے کی، البتہ اپنا تعارف کراتا ہوں۔" میں نے کہا اور اچھل کر اپنا جوتا مندری والے کی پسلیوں پر رکھا میرا پورا بوجھ زیادہ وزن کے ساتھ آیا تو اس کی کئی پسلیاں خشک لکڑیوں کی طرح ٹوٹ گئیں۔ اس کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکلی اور جب میں نے پاؤں ہٹایا تو وہ قالین پر اپنی پسلیاں دبائے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔ "اتنا تعارف کافی ہے یا مزید تعارف کراؤں؟"

لمبے بالوں والا سخت دہشت زدہ تھا۔ اتنے میں ٹینا اور بنٹی بھی اپنا حلیہ درست کر کے واش روم سے باہر آ گئی تھیں۔ میں نے ٹینا کی طرف دیکھا۔ "یہ کیا چکر ہے مس ٹینا......؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولی۔ "میں اور یہ کتا اندر تھے کہ یہ بنٹی کو لے کر اندر گھس آئے۔"

"یہ بھی بتاؤ کہ ہم کیا کر رہے تھے؟" کرم دین نے خباثت بھرے انداز میں کہا تھا۔

میں نے جوتے کی ایڑی اس کے شانے کے زخم پر رکھ کر دبائی تو اس نے ذبح ہونے والے بکرے کی سی آواز نکالی تھی۔ "مجھے عورتوں پر ظلم کرنے والے شیطان لگتے ہیں اور میں ان کو قتل کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے جتنا میں پوچھوں بس اتنا جواب دو۔"

میں نے جوتے کی خون آلود ہو جانے والی ایڑی اس کے لباس سے صاف کی تھی، بنٹی چونکی۔ "تاج الدین کے ہوتے ہوئے یہ اندر کیسے گھس آئے؟"

"تمہارا خادم خاص ڈائننگ ہال میں بندھا پڑا ہے۔ وہ بے ہوش ہے، اسے دیکھو اور فی الحال کوئی حرکت مت کرنا یعنی کسی سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں......؟"

"ہاں۔" بنٹی نے سر ہلایا اور ٹینا کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔

کرم دین مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس نے گولی کا زخم برداشت کر لیا تھا۔ "ہاں تو مسٹر کرم دین! یہ کیا چکر ہے۔ جب تمہیں ویسے ہی پکی پکائی کھانے کو مل رہی تھی تو تم نے یہ حرکت کیوں کی؟" میں نے کیمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "میاں صاحب کو بلیک میل کرنے کے لئے؟"

"تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟" اس نے میرا سوال نظر انداز کر دیا تھا۔

"بکومت، میرا موڈ خراب ہو گیا تو تم تینوں کو ننگا کر کے باہر نکال دوں گا اور چند دن میں تمہاری تصویریں اخبارات میں چھپ رہی ہوں گی۔" میں نے معنی خیز نظروں سے کیمرے کی طرف دیکھا۔ "تم سوچ سکتے ہو وہ کیسی تصویریں ہوں گی؟"

پہلی بار کرم دین فکرمند نظر آیا تھا مگر اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ "تم اس معاملے میں نہ پڑو، یہ ہماری

لڑائی ہے۔ اس میں دخل دو گے تو ......؟"

میں نے ایک بار پھر اس کے کھلے زخم پر جوتے کی ایڑی رکھ کر دبائی اور لمبے بالوں والے سے کہا۔ "تم بتاؤ، یہ کیا چکر ہے؟"

کرم دین اب اس کتے کی طرح چلا رہا تھا، جس کے کان کاٹ دیئے گئے ہوں، اس کے منہ سے نکلنے والی چیخوں نے لمبے بالوں والے کو خاصا دہشت زدہ کر دیا تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا، کرم صاحب ہم سے کام لیتا رہتا ہے۔"

"یہاں کیا کرنا تھا؟"

اس بار وہ جواب دیتے ہوئے جھجکا۔ "صاحب ان لڑکیوں کے ساتھ ہماری تصویریں بناتا۔"

"تبھی تم دونوں اتنے پُر جوش تھے کہ تم دونوں نے بنگلے کی پوری طرح تلاشی لینے کی زحمت بھی نہیں کی۔" میں نے طنز کیا تو کرم دین نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ بہر حال ان کا مقصد واضح تھا، کرم دین کا تعلق میاں ممتاز حسین کے مخالفوں سے تھا اور اس نے ثینا کو اپنے جال میں پھنسا کر میاں صاحب کو بلیک میل کرنے کا بندوبست کیا تھا۔ انتخابات قریب تھے۔ پرانی سیاسی جماعتوں اور چہروں کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ نئے اتحاد اور نئے چہرے سامنے آ رہے تھے۔ ممتاز حسین ہمیشہ آزاد حیثیت سے انتخاب لڑتا تھا اور وسطی پنجاب میں اس کا قلعہ مضبوط تھا۔ پانچ، چھ صوبائی اسمبلی کی نشستیں اور دو تین قومی اسمبلی کی نشستیں ہمیشہ اس کی جیب میں رہا کرتی تھیں۔ میں نے واش روم کا معائنہ کیا، اس کے مختصر سے روشن دان کا جائزہ لیا اس سے بلی کا بچہ ہی باہر نکل سکتا تھا۔ وہاں سے نکلنے کا دروازے کے سوا کوئی راستہ تھا نہ ہی وہاں کوئی ایسی چیز تھی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے۔ میں نے ان کو باتھ روم میں بند کر دیا۔

"کوئی غلط حرکت کی تو میں قتل کر کے لاش کے ٹکڑے کر کے بہا دوں گا۔" میں نے ان کو دھمکایا اور دروازہ باہر سے بند کر کے نیچے آیا۔ "بنی اور ثینا تاج الدین کو کھول کر ہوش میں لے آئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ چونکا۔

"آپ، جناب......"

"انہوں نے ہمیں ان بدمعاشوں سے بچایا ہے۔" ثینا ممنونیت سے بولی۔ "یہ بروقت فرشتہ بن کر آئے تھے۔"

نہ جانے بنی نے اسے میرے بارے میں کیا بتایا تھا اس لئے وہ محتاط ہو گیا۔ میں نے تاج الدین سے کہا۔ "اگر تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تو باہر نکل کر دیکھو، ان کے اور ساتھی نہ ہوں۔"

"میں دیکھتا ہوں جناب! پہلے بے خبری میں مار کھا گیا تھا ورنہ یہ مجھ پر آسانی سے قابو نہیں پا سکتے تھے۔"

تاج الدین کے جانے کے بعد میں نے مختصر الفاظ میں ان دونوں کو کرم دین کے عزائم سے آگاہ کیا تھا۔ ثینا کا چہرہ خفت اور خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔ "پاپا تو خودکشی کر لیتے۔" اس نے بے ساختہ کہا اور میں کہتے کہتے رہ گیا کہ پاپا کو اب بھی خودکشی کرنی چاہیے تھی۔

"اب ان کا کیا کرنا ہے؟"

"میرا خیال ہے پاپا کو بتا دیتے ہیں۔" بنٹی نے تجویز پیش کی۔

"اس صورت میں مجھے براہ کرم اس معاملے سے الگ رکھو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بعض معاملات کی وجہ سے میں ان چکروں میں نہیں پڑ سکتا۔"

"اور مجھے تو پاپا شوٹ کر دیں گے۔" ٹینا منمنائی۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" بنٹی نے اسے جھڑکا۔ "جب پاپا نے ہم پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے تو ہمیں ان سے چھپ کر ان کے ناپسندیدہ لوگوں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ تم لوگوں کا اپنا معاملہ ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن بہتر یہی ہے اپنے پاپا کو خبردار کر دو۔ ممکن ہے ان لوگوں کے اور ساتھی بھی ہوں۔ وہ آ گئے تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" بنٹی نے میری تائید کی۔ "ہمیں پاپا کو بتا دینا چاہئے۔"

"لیکن میرا ذکر ذرا کم ہو۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا اور ٹینا والے بیڈ روم میں آیا۔ وہ تینوں ابھی تک شرافت سے باتھ روم میں تھے۔ ان کا جائزہ لے کر میں واپس نیچے آیا تو تاج الدین بنگلے کے اردگرد کا معائنہ کر کے آ گیا تھا۔ اس نے اندر آنے والے تمام دروازے بند کر دیئے تھے۔ "اردگرد کوئی نہیں ہے جناب!" اس نے مجھے رپورٹ دی۔

"تاج الدین، میں نے ان بدمعاشوں کو فی الحال ٹینا کے بیڈ روم کے باتھ روم میں بند کیا ہے لیکن کوئی اور جگہ ہے جہاں ان کو بے فکری سے بند کیا جا سکے؟"

"بالکل ہے جناب!" اس نے مستعدی سے کہا۔ "عقبی حصے میں ایک خالی کمرا ہے، وہ ان کے لئے ٹھیک رہے گا۔"

میں نے تاج الدین کی مدد سے ان تینوں کو اس کمرے میں منتقل کیا۔ ٹینا اور بنٹی کمرے کی حالت سدھار رہی تھیں، خون آلود چادر ہٹا کر بیڈ پر دوسری بیڈ شیٹ بچھا دی گئی تھی۔ قالین پر سے خون کے دھبے صاف کئے جا رہے تھے، میں نے کیمرے اور ٹرائی پوڈ کو ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا۔ اس پر کرم دین کی انگلیوں کے نشانات محفوظ تھے۔ بنٹی نے اپنے پاپا کو فون کر دیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا۔ "پاپا اپنے آدمی بھیج رہے ہیں۔ وہ ہمیں اور ان لوگوں کو یہاں سے لے جائیں گے، تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، ابھی مجھے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی! ورنہ پاپا کی مدد سے تم یہ کام زیادہ آسانی سے کر سکتے ہو۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی زیادہ فکر تھی۔ شام کے پانچ بجے اندھیرا پوری طرح چھا چکا تھا، میں دوربین لے کر اوپر آیا۔ فتح خان کی کوٹھی بھی برقی قمقموں سے روشن تھی۔ یعنی جنریٹر چلا لیا گیا تھا۔ سیاہ وین اور اس کے ساتھ ایک سفید کار بھی وہاں موجود تھی۔ نہ جانے یہ سفید کار کب آئی تھی اور اس میں کن لوگوں کو لایا گیا تھا۔ میں نے تشویش سے سوچا۔ گیٹ پر مسلح شخص موجود تھا اور اس نے الاؤ جلا رکھا تھا اس کے علاوہ اور کوئی اس طرف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے عمارت کی کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ بیشتر تاریک تھیں اور جن پر ذرا روشنی تھی ان پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے۔

''ٹی ٹائم!'' عقب سے بنٹی کی آواز آئی۔

''شکریہ!'' میں نے اس سے سرامک کا بنا بڑا مگ لیا جس سے خوشبودار بھاپ اٹھ رہی تھی۔

بنٹی نے فتح خان کے بنگلے کی طرف دیکھا۔ ''یہ سفید کار بعد میں آئی ہے۔''

''ہاں اور ممکن ہے میرے ساتھی اس میں لائے گئے ہوں۔''

''سنو، پاپا کے جو آدمی آئیں گے ان کی مدد سے ہم تمہارے ساتھیوں کو چھڑا سکتے ہیں۔''

''پتا نہیں وہ کب آئیں اور میری مدد کرنا پسند بھی کریں یا نہیں!'' میں نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ ''میں نے سوچا ہے اگر آج رات فتح خان باہر گیا تو میں اس کے بنگلے میں جاؤں گا۔''

''تاج الدین تمہاری مدد کر سکتا ہے۔'' بنٹی نے پیشکش کی۔

میں نے انکار کیا۔ ''وہ بوڑھا آدمی ہے اور زخمی بھی ہے پھر اسے نیچے بہت سارے کام ہیں۔ یہ کام میں بہتر طور پر کر سکتا ہوں۔'' میں نے خالی مگ اسے تھما دیا۔ ''اب تم جاؤ، تم نے کچھ نہیں پہنا ہے۔''

''پہنا تو تم نے بھی کچھ نہیں ہے، میں تم کو اوورکوٹ لا دیتی ہوں۔''

''مجھے تمہارا اوورکوٹ نہیں آئے گا۔''

'اپنا نہیں...... پاپا کا اوورکوٹ ہے یہاں، وہ لا دیتی ہوں۔'' اس نے وضاحت کی اور نیچے چلی گئی۔

اوپر سردی خاصی سے زیادہ تھی۔ ہوا تیز تھی اور اس میں تلوار کی سی کاٹ تھی، میرے جسم کے کھلے حصوں پر یہ کسی تیز دھار چاقو کی طرح لگ رہی تھی۔ اچانک میرے بائیں ہاتھ میں موجود دوربین پھسلنے لگی تھی۔ میں نے گرفت قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ دوربین میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ میں نے تشویش سے اپنے ہاتھ کا جائزہ لیا جو یخ بستہ اور بے جان ہو رہا تھا، مجھے انگلیوں کو حرکت دینے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔ میں نے سیدھے ہاتھ سے اس کی مالش کی اور اسے جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ حکیم قادس کا علاج ادھورا رہ جانے سے مجھے اس ہاتھ میں کبھی کبھی بے جان سی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ سرد موسم میں اس کی گرفت کمزور پڑ جاتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے دوربین اٹھا کر گلے میں لٹکا لی۔ کچھ دیر میں بنٹی اوورکوٹ لے آئی تھی۔ یہ خاصا گرم کوٹ تھا جس کے اندر منک کا استر تھا اسے پہن کر میں نے خاصا فرق محسوس کیا تھا۔

''تمہارے لئے کھانے کو کچھ لاؤں؟'' بنٹی نے پوچھا۔

''ابھی نہیں، تقریباً نصف گھنٹے بعد اور ہاں، تھرماس میں کافی بھی لانا۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''ان تینوں کی نگرانی ہو رہی ہے؟''

''نہیں، ان کو بند تو کر دیا ہے۔''

''یہ ضروری ہے۔ ان کے پستول کہاں ہیں؟''

''ہمارے پاس ہیں، دو تاج کے پاس ہیں اور ایک میرے پاس...... مجھے پستول چلانا آتا ہے، ٹینا کو پستول سے ڈر لگتا ہے۔''

''حالانکہ اسے جس چیز سے ڈرنا چاہئے، اس سے ڈر نہیں لگتا۔'' میں نے سادگی سے کہا تو بنٹی چونک گئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو اشرف!" اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بائی داوے، یہ تمہارا اصل نام ہے؟"

"نہیں لیکن تم میرا اصل نام جان کر کیا کرو گی؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن تم بتا دو تو کیا حرج ہے؟"

"حرج ہے۔ تمہارا میرے بارے میں کم سے کم جاننا ہی بہتر ہے۔ تم بہت ساری آفتوں سے بچ جاؤ گی۔ ویسے تم چاہو تو مجھے مسٹر ناٹھنگ کہہ سکتی ہو، میں ناچیز بھی ہوں۔"

"نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔" اس کی آواز میں خفگی تھی۔ سیڑھیوں کے دروازے کے عین اوپر بلب لگا تھا مگر میں نے اس کے بجائے سیڑھیوں کے اندر والے حصے میں موجود بلب جلا دیا تھا، اس کی معمولی سی روشنی باہر آ رہی تھی، یہ ہمارے لئے کافی تھی اور اس کا دور سے نظر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ کو گرم کرنے کے لئے اوورکوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اس کے اندر بھی منک کی پوستین کا استر تھا۔ یہ بھی بہت گرم تھی۔ اب میرے لئے نگرانی کرنا آسان ہو گیا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے میں چھت پر ٹہلتے ہوئے وقفے وقفے سے فتح خان کے بنگلے کی طرف جھانک لیا کرتا تھا۔ چھ بجے بنٹی میرے لئے سینڈوچز اور کافی لے آئی تھی۔ اس نے بھی اوورکوٹ لے لیا تھا، وہ میرے ساتھ رکنے پر آمادہ نظر آتی تھی۔ اوپر کرسیاں اور ایک میز بھی رکھی تھی۔ اس نے سامان میز پر رکھا۔ سینڈوچز ہاٹ پاٹ میں تھے۔ وہ اس میں سے نکال کر سینڈوچز مجھے دیتی رہی اور خود اس نے صرف کافی لی تھی۔ اپنے بڑھتے وزن کے بارے میں اس نے فرمایا۔

"پچھلے کچھ عرصے سے میں زیادہ ہی کھانے لگی ہوں۔ مجھے اپنا کم سے کم دس پونڈ ویٹ لوز کرنا ہے۔"

وہ جتنی دل جمعی سے فنگر فرائی کھا رہی تھی، اس صورت میں یہ کام بڑا دشوار تھا۔ میں نے اکثر ڈائٹنگ کرنے والی خواتین کو دیکھا ہے، وہ کھانا چھوڑ دیتی ہیں لیکن فاسٹ فوڈ جسے جنک فوڈ بھی کہتے ہیں، اسے نہیں چھوڑتیں اور ان کا مسئلہ جوں کا توں رہتا ہے۔ بنٹی بھی یہی کر رہی تھی۔ بہر حال یہ اس کا مسئلہ تھا، کھانا چھوڑ کر اگر وہ وزن کم کرنے کی خوش فہمی میں مبتلا تھی تو میری بلا سے۔ میں نے ہاٹ پاٹ صاف کر کے اپنے لئے کافی نکالی۔

"کچھ ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ منحوس شخص تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہے؟"

"بات خاصی احمقانہ ہے۔ تم یقین نہیں کرو گی۔" میں نے کہا۔

اس کا تجسس بھڑک گیا تھا۔ "نہیں پلیز، میں یقین کر لوں گی۔"

"تو پھر دل تھام کر سنو۔" میں نے پیشہ ور داستان گو کے انداز میں کہا۔ "یہ قصہ دل گداز ہے۔ اس ملک پریشان کے ایک آفت زدہ شہر کے ایک ستم رسیدہ محلے میں ایک حسین ماہ جبیں، فتنہ ساماں رہتی تھی۔ اس کی عمر اس کی اداؤں سے ذرا ہی کم تھی۔ اتفاق سے میں سرگرداں اور پریشان اس کے کوچے میں جا نکلا۔ مزید اتفاق سے میرا یہ دشمن بھی اس طرف آ نکلا اور مزید سے بھی زیادہ اتفاق سے ہم دونوں بیک وقت اس فتنہ ساماں کو بیک وقت دیکھ کر اس پر جزواں عاشق ہو گئے۔ بس تب سے آج تک ہمارے درمیان دشمنی....."

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ جھنجلا گئی تھی۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا لیکن تم نہیں مانیں۔'' میں نے موسم کی مناسبت سے سرد آہ بھری اور کافی نکالی۔
''تم بھی خاصے گہرے آدمی ہو۔''
''لیلیٰ کو مجنوں تک گہرا آدمی لگتا تھا، اپنی وفات تک لیلیٰ نہیں جان سکی تھی کہ مجنوں اس پر عاشق کیوں ہوا تھا؟''

''او کے، نہیں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ'' وہ بھنائی پھر مسکرائی۔ ''لیکن ایک بات کنفرم ہے تم اچھے آدمی ہو۔''

''شکریہ!'' میں نے فتح خان کے بنگلے کی طرف دیکھا اور چونکا۔ وہاں پورچ میں چند افراد نظر آ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے دوربین لگائی۔ یہ تین افراد تھے ان میں فتح خان اور وین کا ڈرائیور تو مانوس تھے تیسرا فرد اجنبی تھا اور شاید وہی سفید کار میں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سفید کار میں بیٹھے اور کار بنگلے کے گیٹ سے نکل کر نیچے سڑک کی طرف روانہ ہوگئی۔ کار کے نکلتے ہی مسلح چوکیدار نے گیٹ اندر سے بند کر لیا تھا۔ وین سے برآمد ہونے والا ایک اور فرد فتح خان کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ مجھے زرین بھی نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ اندر تھا یا راز گل کی طرح ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا۔ فتح خان اور اس کے دو ساتھیوں کے جانے کے بعد نفری خاصی کم ہوئی تھی اس کا مطلب تھا کہ مجھے اندر ایک یا دو افراد سے نمٹنا پڑتا۔

میں نے دوربین سے بنگلے کی چار دیواری کا جائزہ لیا۔ یہ کوئی آٹھ فٹ اونچی دیوار تھی اس پر خاردار تاریں یا کانچ کے ٹکڑے بھی نہیں لگے تھے، اسے پھلانگنا مسئلہ نہ تھا لیکن میں سلیقے سے کام کرنا چاہتا تھا، اس لئے پہلے مسلح چوکیدار سے نمٹنا تھا تاکہ فرار کے راستے میں رکاوٹ نہ ہو اس کے بعد میں اندر جاتا۔ سفید کار کے اندر گنجائش اتنی نہیں تھی کہ اس میں بیک وقت تین افراد کو لایا جا سکتا لیکن ایک امید تھی کہ اگر میرے ساتھی فتح خان کے قبضے میں تھے تو اس عمارت میں ان کی موجودگی ممکن تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ فتح خان کہاں اور کتنی دیر کے لئے گیا تھا، ممکن ہے وہ کئی دن تک نہ آتا اور میں بھی ممکن تھا کہ چند گھنٹے بعد لوٹ آتا۔ میں نے ایک بار پھر بنگلے کے کھڑکی، دروازوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا مگر کوئی کھڑکی کھلی نہیں تھی۔ یہ جاننے کے لئے اندر کتنے افراد تھے، میرا اندر جانا ضروری تھا۔ مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے اتنا پیٹ بھر کر کیوں کھا لیا تھا، اس سے سستی آتی ہے۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' بنٹی میرے پاس چلی آئی تھی۔
''میرا دشمن ابھی ابھی بنگلے سے نکلا ہے، ممکن ہے اندر میرے ساتھی ہوں۔ یہ دھاوا بولنے کا اچھا موقع ہے۔''

''لیکن تم اکیلے ہو۔ پاپا کے آدمیوں کا انتظار کر لو۔ اکیلے آدمی کے لئے یہ کام مشکل ہے۔''
''وہ تو ہے، مگر میں انتظار نہیں کر سکتا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں اسے آگاہ کیا۔
''اچھا تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔''
''تم......؟'' میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم کیا کرو گی؟''
''مجھے پستول چلانا آتا ہے۔ ایک بار میں نے ایک کتے کو گولی ماری تھی۔ اس نے ہمارے نوکر کے بچے کو کاٹ لیا تھا۔''

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''بی بی، یہ دو پایہ ہیں...... چوپایوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ زیادہ بھیڑ سے کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''اچھا!'' اسے مایوسی ہوئی تھی۔

''ہاں، تم ایک طرح سے مدد کر سکتی ہو۔'' مجھے خیال آیا۔ ''مجھے سب سے پہلے باہر والے کو قابو کرنا ہے، اسے دھوکے سے باہر بلانا ہوگا۔''

''اس کی تو تم فکر ہی مت کرو۔'' اس نے شوخی سے کہا۔ ایسا اُلو بناؤں گی کہ خود سر ہاتھ سے اتار کر سامنے رکھ دے گا۔''

''ہاں، بابا...... تم عورتوں کو اللہ نے یہ خصوصی صلاحیت دی ہے۔ مرد کی عقل کو گھاس چرنے کے لئے بھیج دیتی ہو۔'' میں نے تائید کی۔

''کب چلنا ہے؟''

''بس یہ سینڈوچز ذرا اپنی جگہ بنالیں۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''ان کی موجودگی میں بھاگ دوڑ ذرا مسئلہ ہوگی۔''

''تم نے پھر خوش خوراکی کا مظاہرہ کیا ہے۔''

حکیم قادس کے زیرِ علاج رہنے کے بعد میری بھوک کھل گئی تھی، اگرچہ اس کا علاج چھوٹے ہوئے خاصا عرصہ ہو چکا تھا مگر اب بھی میں اپنی نارمل خوراک سے زیادہ ہی کھا جاتا تھا، میں نے خود کو وارم اَپ کرنے کے لئے چھت پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس سے پیٹ کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا۔ چہل قدمی کے دوران میں کسی موزوں حکمت عملی پر غور کرتا رہا۔ میرے پاس ایک رائفل اور دو عدد پستول تھے۔ سائلنسر والے پستول کا صرف ایک اضافی میگزین تھا جبکہ رائفل کے دو اضافی میگزین تھے۔ دوسرے پستول کے تین میگزین تھے، یعنی اسلحہ کافی سے زیادہ تھا۔ البتہ مقابلے کی نوبت آ جاتی تو نامعلوم تعداد کے مقابلے میں، میں اکیلا ہی ہوتا اس لئے مقابلے سے گریز کرنا تھا۔ بہتر یہ ہوتا کہ میں خاموشی سے ایک ایک کر کے سب کو قابو کرتا۔ باہر والے مسلح فرد کو قابو کر کے اندر داخل ہونے کے بعد پہلا کام دوسری منزل پر واقع اس بیڈروم تک رسائی حاصل کرنا تھا جس میں فتح خان اور بھاگ بھری نظر آئے، بھاگ بھری سے مجھے معلوم ہو سکتا تھا کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ عام طور پر فتح خان جیسے مکار بھی ان بے بس عورتوں کے سامنے غلطی کر جاتے ہیں اور سب باتیں ان کے سامنے کرتے ہیں اس طرح ان کو نفسیاتی برتری کا احساس ہوتا ہے اور یہ اپنے خفیہ ترین راز بھی ان کے علم میں لے آتے ہیں۔ سات بجے میں نیچے آیا۔ اس وقت تک فتح خان یا اس کا کوئی ساتھی بنگلے میں واپس نہیں آیا تھا۔ بنٹی اور نینا، بنٹی کے کمرے میں تھیں۔ مجھے دیکھ کر بنٹی نے جلدی سے کہا۔ ''میں نے ابھی پاپا سے بات کی ہے، ان کے ملازم اسلام آباد سے آ رہے ہیں۔''

''ان کو آنے میں کم سے کم سات آٹھ گھنٹے لگیں گے اور میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو بنٹی کھڑی ہو گئی اس نے ہاتھ آگے کیا۔

لاؤ پستول دو۔''

میں نے ہچکچاتے ہوئے پستول اسے تھما دیا۔ ''احتیاط سے استعمال کرنا۔''

''میں تیار ہوں۔'' وہ ذرا آگے بڑھی، اس نے ایک نہایت چست قسم کی پتلون پہن رکھی تھی اور اوپر چست تر سویٹر تھا۔ خاصا توبہ شکن حلیہ تھا اس کا۔ ٹینا نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ کس چکر میں پڑ رہی ہو۔ شاید میرے آنے سے پہلے ان کے درمیان اسی معاملے پر بحث ہو رہی تھی۔ میں نے بھی اس سے کہا۔ ''بنٹی! میرا خیال ہے تم اس معاملے میں نہ پڑو، بعد میں کوئی دشواری بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ بولی۔

''بنٹی! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے......'' ٹینا نے کہنا چاہا۔

''تم چپ کرو۔'' بنٹی غصے سے بولی۔ ''اگر یہ شخص نہ ہوتا تو تمہارے اس حرامی نے ہمیں ساری دنیا کے سامنے تماشا بنانے کا بندوبست کر لیا تھا۔''

''اوکے، اوکے! میں یہ نہیں کہہ رہی۔'' ٹینا گھبرا گئی۔ ''میں تمہیں منع نہیں کر رہی ہوں، مگر تمہیں اس قسم کے معاملات کا کیا پتا ہے؟''

''میں صرف باہر رہ کر اس کی مدد کروں گی۔ میں اندر نہیں جاؤں گی۔'' بنٹی نے اپنی بہن کو یقین دلایا تھا۔

''باہر رہ کر تم کیا کرو گی؟''

''باہر رہ کر یہ اندر موجود چوکیدار کو باہر آنے پر مجبور کرے گی۔'' میں نے اسے بتایا اور بنٹی سے پوچھا۔ ''دستانے ہوں گے۔''

''ہاں، پاپا کے رکھے ہیں، میں لا دیتی ہوں۔'' بنٹی نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ ٹینا کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''مسٹر! تم اسے منع کیوں نہیں کر رہے؟''

''اس لئے کہ مجھے واقعی اس کی مدد کی ضرورت ہے۔''

''مجھے لگ رہا ہے تم اسے مروا دو گے۔'' اس کا انداز الزام دینے والا تھا۔

''میں کوشش کروں گا کہ وہ محفوظ رہے۔''

''بنٹی دستانے لے کر آئی۔ ''میں نے تاج الدین سے کہہ دیا ہے۔ ان لوگوں کی سختی سے نگرانی کرے۔'' وہ اپنی بہن سے بولی۔ ''اور براہ کرم کرموں سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے۔'' ٹینا نے منہ بنایا۔ ''مجھے کیا پتا تھا وہ اتنا ذلیل شخص نکلے گا، میں اس کے منہ پر تھوکنے بھی نہ جاؤں۔''

''بس یہی کرنا۔'' بنٹی بولی اور میرے ساتھ باہر نکل آئی۔

''تمہیں ٹینا سے کوئی خدشہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ خاصی احمق ہے، آئی مین...... جذباتی عورت ہے۔ کرموں اسے پھر بے وقوف بنا سکتا ہے۔''

''اس صورت میں تم نے درست کیا کہ تاج الدین کی ڈیوٹی لگا دی لیکن جس طرح تم نے تاج الدین کو

ان کی نگرانی پر لگایا ہے، اسی طرح ٹینا اسے کہیں اور نہیں بھیج سکتی۔"

"نہیں، تاج الدین کے نزدیک میرا حکم زیادہ اہم ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

☆======☆======☆

میں نے اوور کوٹ اتار دیا اور بنٹی کے دیئے دہری تہہ والے دستانے ہاتھوں پر چڑھا لئے، جو اندر سے سوتی اور باہر سے اونی تھے لیکن ان کو پہن کر مجھے پستول پکڑنے میں کسی دشواری کا سامان نہیں کرنا پڑا تھا۔ ہم باہر آئے۔ آسمان پر بادل ہونے کی وجہ سے ہر طرف گہری تاریکی تھی لیکن دو تین بنگلوں سے آنے والی روشنیوں کی وجہ سے ماحول بالکل تاریک بھی نہیں تھا۔ فتح خان والے بنگلے کے آس پاس خاصی روشنی تھی۔ اگر مسلح چوکیدار اندر سے جھانک رہا ہوتا تو ہم اسے صاف نظر آجاتے اس لئے میں اور بنٹی اس طرف کے بنگلوں کی دیوار تک آ گئے، اب ہمیں براہِ راست دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں اور بنٹی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے فتح خان کے بنگلے کے گیٹ تک آئے۔ میں نے بنٹی کو اشارہ کیا اور وہ گیٹ کے عین سامنے جا کر کراہنے لگی تھی۔ اس کی آواز میں ایسا لوچ اور تاثر تھا کہ میں دل ہی دل میں اس کی اداکارانہ صلاحیتوں کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اندر سے بھی فوری ردِعمل سامنے آیا تھا۔ "کون ہے؟" چوکیدار نے پوچھا۔

"اوف......ہائے...... میرے پاؤں میں چوٹ لگی ہے، پلیز......میری مدد کرو۔"

میں گیٹ کے پاس ستون کی آڑ میں چپک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بنٹی نے چالاکی دکھائی۔ جیسے ہی وہ باہر آیا، بنٹی مخالف سمت میں پیچھے سرک گئی۔ "کیا ہوا......کون ہو تم؟"

"میرے پاؤں میں چوٹ لگی ہے، مجھ سے چلا نہیں جا رہا، یہ دیکھو۔" بنٹی نے پاؤں اس کے سامنے کیا۔

"کدھر ہے؟" اس نے پتلون اور جوتے کے اوپر سے نہ جانے کیا دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"ادھر ہے۔" میں نے اس کی گدی پر رائفل کا دستہ رسید کیا تھا۔ وار اتنا کاری تھا کہ وہ چوں چراں کئے بغیر اوندھے منہ زمین پر جا گرا۔ میں نے پھرتی سے اس کی جیکٹ میں عقب سے ہاتھ ڈالا اور اسے گیٹ کے کھلے بغلی دروازے سے اندر لے گیا۔ بنٹی ہمارے پیچھے تھی۔ میں نے چوکیدار کو گیٹ کے برابر میں بنی چھوٹی سی چوکی کے اندر ڈال دیا۔ "بنٹی، اب تم جاؤ۔"

"نہیں، میں تمہارے ساتھ اندر چلوں گی۔" اس نے اصرار کیا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو، تمہارا کام یہیں تک تھا، اب واپس جاؤ اور ہاں اگر میں واپس نہ آؤں تو میں نے جس موبائل نمبر پر فون کیا تھا، اس پر اطلاع کر دینا کہ میں فتح خان کے قبضے میں ہوں۔"

"اوکے!" اس نے بادل نخواستہ کہا اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔ میں نے گیٹ کا بغلی دروازہ بند کر دیا۔ خوش قسمتی سے عمارت سے مین گیٹ واضح نظر نہیں آتا تھا۔ درمیان میں گھومتے ڈرائیو وے کے ساتھ کئی بڑے درخت تھے۔ میں نے چاردیواری کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا اور دائیں طرف سے ہوتا ہوا عمارت کے پہلو میں جا نکلا۔ ایک بار عمارت کے احاطے میں آجانے کے بعد میں دشمن کی نظر سے محفوظ تھا۔ نچلی منزل کی کھڑکیاں اس کے بغیر ہی تھیں۔ اوپری کھڑکیوں تلے ایک تین فٹ تک باہر نکلا چھجا تھا لیکن یہ ترچھا تھا اور اس پر پاؤں جمانا بہت دشوار کام تھا۔ اس لئے میں نے اسے نظرانداز کر کے عمارت کے اندر جانے کے لئے متبادل راستہ

تلاش کرنا شروع کیا۔ اگلے دس منٹ میں واضح ہو گیا تھا کہ باہر کی طرف کھلنے والے تمام دروازے اندر سے بند تھے۔

اب میرے پاس دو راستے تھے یا تو میں کسی کے باہر آنے کا انتظار کرتا لیکن اس موسم میں نہ جانے کوئی باہر آنا پسند کرتا یا نہیں، میرے پاس وقت نہیں تھا اور میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں پائپ کے ذریعے اوپری چھجے تک جاتا۔ پائپ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ یہ سیوریج کا موٹا پائپ تھا اور میں بہ آسانی اسے گرفت کر سکتا تھا۔ مگر اوپر جانے کے لئے دستانے اتارنا لازمی تھا۔ میں نے رائفل شانے پر لٹکائی۔ دستانے اتار کر جیب میں ٹھونسے اور دونوں ہاتھوں سے یخ بستہ پائپ تھام کر اوپر چڑھنے لگا۔ جوتوں سمیت چڑھنا دشوار تھا لیکن میں جوتے نہیں اتار سکتا تھا۔ میرے پاؤں سلپ کر رہے تھے اور سارا زور ہاتھوں پر آ رہا تھا۔ خاصی دشواری کے بعد میں کسی نہ کسی طرح چھجے کے اوپر جا پہنچا۔ سانس درست کر کے اور توازن قائم کرنے کے بعد میں چھجے پر کھڑا ہوا۔ اس پر ابھرے ہوئے ڈیزائن کی وجہ سے پاؤں جمانا کسی قدر آسان ہو گیا تھا۔ میں نے راہ میں آنے والی پہلی کھڑکی چیک کی وہ اندر سے بند تھی۔ میں دوسری کھڑکی کی طرف بڑھا۔ وہ کھڑکی ابھی خاصی دور تھی جس سے میں نے بھاگ بھری کو دیکھا تھا۔ اس سے اگلی کھڑکی بھی اندر سے بند ثابت ہوئی تھی اور اس سے اگلی بھی۔ اس طرح میں خود بخود اپنی مطلوبہ کھڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شکر ہے تیز ہواؤں نے چھجے پر پڑی برف اڑا دی تھی ورنہ اس پر قدم جمانا ناممکن ہی ہوتا۔ میں ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے رہا تھا اور قدم جما کر رکھ رہا تھا۔ کوئی چودہ فٹ کی بلندی سے گر کر میں اپنی ایک آدھ ہڈی بہ آسانی تڑوا سکتا تھا۔ اب میں عمارت کے سامنے والے حصے پر تھا۔ پورچ کے اوپر یہ چھجا چوڑا ہو گیا تھا۔ اس جگہ رک کر میں نے سانس درست کی۔ میرا بایاں ہاتھ سرد پڑنے لگا لیکن اس کی قوت اور کارکردگی ابھی برقرار تھی۔ سستانے کے دوران میں نے اسے بغل میں دبا کر گرم کرنے کی کوشش کی۔

اس چھجے سے آگے کا سفر دشوار تھا کیونکہ اب برف بھی تھی اور ہوا اس طرف کی برف اڑانے میں ناکام رہی تھی اور پاؤں سلپ کر رہا تھا۔ میں دیوار کا ایک حد سے زیادہ سہارا نہیں لے سکتا تھا اس سے توازن بگڑنے لگتا جو اور بھی خطرناک تھا۔ جیسے تیسے میں نے اس کھڑکی تک رسائی حاصل کی جس میں مجھے بھاگ بھری نظر آئی تھی۔ میں نے کھڑکی کا سلائیڈنگ پٹ سرکا کر اسے کھولنے کی کوشش کی۔ یہ بھی اندر سے بند تھی۔ فتح خان اور اس کے ساتھی محتاط تھے، انہوں نے کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی، کھڑکی پر پردہ بھی تھا اس لئے میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ اندر بھاگ بھری ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا تھا۔ میں نے کھڑکی کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اس کے ایک کونے سے پردہ کسی قدر ہٹا ہوا تھا، میں نے سرک اور جھک کر اس سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ مجھے بیڈ کا ایک حصہ دکھائی لیکن کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا مگر میں مستقل اندر دیکھتا ہی رہا۔ اچانک کوئی سامنے سے گزرا تھا۔ میں اندازہ لگانے سے قاصر رہا کہ وہ کون تھا۔ بھاگ بھری یا کوئی اور پھر مجھے بیڈ کے کونے میں پاؤں نظر آئے۔ نرم و نازک سے نسوانی پاؤں۔ وہ بھاگ بھری ہی ہو سکتی تھی۔ اس جگہ اور کوئی عورت نہیں تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ شیشہ توڑ کر میں ایک منٹ میں اندر جا سکتا تھا مگر اس کی آواز بنگلے میں موجود افراد کو خبردار کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بھاگ بھری بھی چلا سکتی تھی۔ میں نے سوچا اور ایک فیصلہ کیا۔ میں نے کھڑکی کے شیشے پر

آہستہ سے دستک دی۔ اس کا فوری ردِعمل ہوا، پھیلے ہوئے پاؤں سمٹ گئے تھے۔ میں نے دوبارہ دستک دی۔ چند لمحے بعد پردہ سرکا اور شیشے کے عقب سے بھاگ بھری کا خوف زدہ چہرہ نظر آیا۔ یہ شفاف شیشہ تھا اس لئے میں بھی اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ بھاگ بھری نے مجھے کلین شیو دیکھا تھا اور اب میرے چہرے پر کئی دن کی بڑھی ہوئی شیو تھی۔ بھاگ بھری کی آنکھیں پھیل گئی تھیں، اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ میں نے اشارے سے اندر سے کھڑکی کھولنے کو کہا۔ بھاگ بھری نے سر ہلایا اور چٹخنی گرا کر پٹ ہٹایا اور میں اندر کود گیا۔

"شہباز صاحب!" اس نے بے تابی سے کہا۔

"ہاں بھاگ بھری۔" میں نے دکھ سے سر ہلایا۔ "تمہارا مجرم......"

وہ دکھی ہوگئی۔ "اس میں تمہارا کیا قصور، یہ تو میرے مقدر میں تھا۔ بابا کدھر ہے؟"

"وہ ہمارے پاس ہے۔" میں نے کھڑکی اندر سے بند کر کے پردہ برابر کر دیا۔ "میں تمہیں اور اپنے ساتھیوں کو لے جانے آیا ہوں۔"

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ "تم مجھے نہیں لے جا سکتے۔ فتح خاں بہت طاقتور آدمی ہے۔ وہ تمہیں مجھے لے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس وقت بھی وہ تمہاری تلاش میں نکلا ہے، تم اندر کیسے آئے؟"

"فتح خان اتنا طاقتور بھی نہیں ہے، مجھے دیکھو، اس جگہ سے فرار ہو کر دوبارہ یہاں آیا ہوں۔ بھاگ بھری میرے ساتھی کہاں ہیں؟ وہ تمہارے ساتھ وین میں تھے۔"

"ہاں...... لیکن وہ میرے ساتھ تو نہیں پکڑے گئے تھے۔ تمہارا ساتھی راستے میں ایک جگہ ان دونوں عورتوں کو لے کر اتر گیا تھا۔ اس نے ایک اور گاڑی لے لی تھی۔ وہ سرخ رنگ کی جیپ تھی۔"

میں نے سکون کا طویل ترین سانس لیا تھا جو نہ جانے کب سے میرے سینے میں اٹکا ہوا۔ سفیر نے بالکل درست کام کیا کہ پہلے لڑکیوں کو محفوظ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر مجھے ایک خیال نے مضطرب کر دیا۔ "تم نے یہ بات فتح خان کو تو نہیں بتائی۔"

"نہیں، میں نے اسے اتنا بتایا ہے کہ وہ مجھے وین میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، اس نے مجھے مارا بھی اور دھمکیاں بھی دیں لیکن میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔"

"میں نے دیکھا تھا۔"

"تم نے کیسے دیکھا صاحب!" اس نے تعجب سے کہا۔

"بھاگ بھری، یہ سب میں فارغ وقت میں بتاؤں گا، ابھی یہ بتاؤ کہ اس عمارت میں کتنے آدمی ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم، مجھے نیچے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اچھا، اس منزل پر کون ہے تمہارے علاوہ؟"

"فتح خان کا خاص آدمی ہے ریاض خان۔ اس کا رشتے دار بھی ہے۔ میری نگرانی فتح خان کی غیر موجودگی میں وہی کرتا ہے۔ وہ سامنے والے کمرے میں ہے۔"

"کھانا کون لاتا ہے؟"

''زرین نامی آدمی لاتا ہے۔''

گویا مجھے اب ایک شخص سے نمٹنا تھا۔ سفیر، مونا اور ایمن کے آزاد ہونے کا سن کر مجھے اطمینان ہوا تھا۔ میں نے بھاگ بھری سے مزید سوالات کئے، اس کے مطابق فتح خان کو ایک بات کرنے والی مشین پر کوئی اطلاع ملی تھی جس کے بعد وہ چلا گیا۔ اس نے بھاگ بھری سے کہا تھا کہ وہ دو تین دن بعد آئے گا۔ یعنی وہ اس علاقے سے دور گیا تھا، میں ایک بار پھر تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ فتح خان کو کس کے بارے میں اطلاع ملی تھی؟ کیا اسے سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں معلوم ہوا تھا؟ خاص طور سے ایمن اس کے لئے بہت ضروری تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''بھاگ بھری، میرے ساتھ چلو۔''

''نہیں۔'' وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ ''میں نہیں جا سکتی۔''

''فتح خان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''میں فتح خان کی وجہ سے نہیں کہہ رہی۔'' اس نے ایک نظر اپنے ابھرے ہوئے پیٹ پر ڈالی اور پھر مجھ سے کہا۔ ''میں اب کسی کے سامنے جانے کے قابل نہیں رہی۔''

''بھاگ بھری اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''تم بالکل معصوم ہو۔ تمہارا باپ آج بھی تمہارے لئے تڑپتا ہے۔''

''لیکن بابا کو یہ تو نہیں معلوم کہ میں آبرو گنوا چکی ہوں، ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہوں۔'' اس نے تلخی سے کہا تھا۔

''رحمت خان بچہ نہیں ہے، اسے اچھی طرح معلوم ہے، درندوں کی قید میں اس کی بیٹی پر کیا گزر سکتی ہے۔ اس نے خود کو ہر صورتِ حال کے لئے تیار کر لیا تھا۔ وہ تمہیں معصوم سمجھتا ہے۔''

''پھر بھی صاحب...... میں تو شرم سے مر جاؤں گی۔'' اس نے دل گرفتگی سے کہا۔

''پاگل!'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''مرنے مارنے کی بات اس وقت کرنا جب تیرے سر پر کوئی نہ ہو۔ ابھی تیرا بابا اور ہم ہیں...... تیرے مجرموں سے بدلہ ہم لیں گے۔ ان کو عبرت کا نشان بنا دیں گے۔ اگر ہم کچھ نہ کر سکے تب تم یہ بات کہہ سکتی ہو۔ تیرا بابا تیرا منتظر ہے۔''

اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ ''سچ، بابا...... آج بھی مجھ سے پیار کرتا ہے؟''

''پہلے سے بھی زیادہ، بھاگ بھری!'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''اس نے اپنے آنسو صاف کئے۔ ''تب میں چلوں گی۔''

میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''بھاگ بھری کسی ترکیب سے ریاض کو یہاں بلا سکتی ہو؟''

اس نے معصومیت سے سر ہلایا۔ ''میں اسے آواز دوں گی تو فوراً آ جائے گا۔''

''نہیں، ایسے نہیں۔ اسے غافل کرنا ہے۔ تم کہنا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، تمہارے سر میں بہت زور سے درد ہو رہا ہے۔ وہ اندر آئے گا اور میں اسے قابو کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں اسے آواز دوں۔''

''نہیں، پہلے مجھے پوزیشن لینے دو۔'' میں نے کہا۔ ''اسے اندر آنے پر مجبور کرنا باہر مت جانا۔ سر پکڑ کر

ھر کی طرف جانا۔ اسے دروازہ کھول کر آواز دو۔"

"میں دروازے کی آڑ میں تھا۔ بھاگ بھری نے دروازہ کھولا اور آواز دی۔ "ریاض، ادھر آؤ۔"

"کیا بات ہے؟" کچھ دیر بعد ایک کھردری سی آواز نے پوچھا۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے، بہت زیادہ......" اس نے سر تھام لیا اور پیچھے ہٹی۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے بستر تک گئی اور اس پر بیٹھ گئی۔ وہ بلاشبہ اچھی اداکاری کر رہی تھی۔ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ وہ دروازے تک آیا تھا لیکن اندر نہیں آیا۔

"کیا بات ہے، کیوں شور کر رہی ہو؟"

"میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے، مجھے چکر آ رہے ہیں۔" بھاگ بھری کہتے کہتے گری اور کروٹ کے بل لیٹ کر ساکت ہو گئی۔

"بھاگ بھری!" اس شخص نے آواز دی اور کمرے میں آیا ہی تھا کہ میں نے عقب سے ہاتھ ڈال کر اسے گردن سے دبوچ لیا۔ وہ تڑپا تو میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر زور سے مارا لیکن اتنی زور سے نہیں کہ وہ بے ہوش ہو جاتا، تاہم اس کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

"ہلنا مت۔" میں نے پاؤں سے دروازہ بند کیا۔ "آواز بھی مت نکالنا ورنہ یہ تمہاری آخری آواز ہوگی۔ پستول بے آواز ہے، تم کو بھی پتا نہیں چلے گا، کب مر گئے؟"

وہ ساکت ہو گیا تھا۔ بھاگ بھری اٹھ بیٹھی تھی اور اسے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ریاض نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ آوارہ عورت! اس نے......" اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے میں نے دوسری بار پستول کا دستہ اس کے سر پر مارا۔ اس بار وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اسے چھوڑا تو وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ میں اسے ہوش میں رکھنا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ میں نے اس کا بڑا سا پٹکا اتار کر اس سے پٹیاں پھاڑیں اور ان سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ بچے ہوئے کپڑے اس کے منہ میں ٹھونس کر اس کا منہ بند کیا اور بھاگ بھری سے کہا۔ "تم دیکھو، اس منزل پر کوئی اور نہ ہو۔ تم سیڑھیوں کے پاس رکنا۔ اگر کوئی اوپر آئے تو مجھے خبردار کر دینا۔"

بھاگ بھری سر ہلاتے ہوئے چلی گئی۔ مجھے او کے کی رپورٹ دے کر وہ سیڑھیوں کی طرف چلی گئی تھی۔ میں نے ریاض کو ہوش میں لانے کے لئے بے رحمانہ طریقہ استعمال کیا۔ میں نے پستول کے دستے سے اس کے گھٹنوں پر ضربیں لگانا شروع کیں، اس نے بھاگ بھری کے لئے جو لفظ کہے تھے، اس کے بعد میرے دل میں اس کے لئے رحم کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اوباش اور بدکردار فتح خان تھا۔ لگاتار ضربیں لگیں تو اسے ہوش میں آنا پڑا۔ تکلیف کی شدت سے اس کا جسم مچل رہا تھا۔ منہ بند تھا لیکن اس کی آنکھوں سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ریاض خان میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں تمہاری بوٹی بوٹی کاٹ کر اذیت دیتا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ، فتح خان یہاں سے کیوں گیا ہے۔ اسے کون سی اطلاع ملی تھی؟"

اس نے بے تابی سے سر ہلایا۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہونے کی وجہ سے آواز نکالنا محال تھا۔ میں نے کپڑا نکالنے سے پہلے اسے خبردار کیا۔ "غیر ضروری اور اونچی آواز نہ نکلے۔"

''رُ خ...... خدا کے لئے...... بہت درد ہو رہا ہے۔'' اس نے کراہ کر کہا۔ ''تم نے میرے گھٹنے توڑ دیے ہیں۔''

''ابھی کہاں توڑے ہیں، صرف چند ضربیں لگائی ہیں۔ ہاں، میرے سوال کا جواب نہ ملا تو صرف گھٹنے ہی نہیں، تمہاری اور بھی ہڈیاں ٹوٹیں گی۔''

''فتح خان نے...... مجھے...... بھی...... نہیں بتایا۔''

میں نے اس کا منہ ایک ہاتھ سے دبا کر دوسرے سے ہاتھ سے اس کے گھٹنے پر پستول کے دستے کی ضرب لگائی، اس کا جسم تڑپا تھا۔ جب ذرا اس کا جسم ساکت ہوا تو میں نے اس کا منہ چھوڑا۔ ''مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔''

''اسے اطلاع ملی...... تھی...... تت...... تم...... اسلام آباد میں ہو۔'' اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ!'' میں نے گہری سانس لی، یعنی میں نے ندیم سے جو بات کی تھی، وہ ان لوگوں تک پہنچ گئی۔ میں نے ایک بار پھر اطمینان محسوس کیا کہ سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں ان کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ ''یعنی فتح خان اسلام آباد گیا ہے۔ میرے تین ساتھیوں کی تلاش جاری ہے......؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے اس جگہ سے مری تک ہمارے درجنوں آدمی ان کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''یہاں اور کتنے آدمی ہیں؟''

''صرف ایک زرین ہے۔ وہ نیچے ہوتا ہے، اسے اوپر آنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''گڈ!'' میں نے کہا اور اس کے سر پر مزید ایک وار رسید کیا، وہ پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔

''بھاگ بھری!'' میں نے دروازے سے جھانک کر آواز دی۔

وہ جلدی سے اندر آئی اور ریاض کو دیکھ کر رک گئی۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''بے ہوش ہے...... تمہیں اپنی کوئی چیز لینی ہے تو لے لو۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔''

''میرا یہاں کچھ نہیں ہے۔'' اس نے انکار کیا۔ ''بس جلدی سے چلیں، کہیں فتح خان نہ آ جائے۔''

میں اور بھاگ بھری نیچے آئے، زرین کے بارے میں مجھے یقین تھا، وہ لاؤنج میں آتش دان کے سامنے ہوگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ وہ آتش دان کے پاس بیٹھا اپنی زبان کا ایک گیت گنگنا رہا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی اس لئے مجھے اسے بے ہوش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ گدی پر ایک ہی گھونسے نے اسے بے سدھ کر دیا تھا۔ اسے چیک کیا، دو تین گھنٹے سے پہلے اس کے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ باہر نکل کر میں نے گیٹ بند کیا اور ہم خراماں خراماں چلتے ہوئے بنٹی کے بنگلے تک آئے، میں نے بیل بجائی۔ ''یہ کس کا گھر ہے صاحب!'' بھاگ بھری نے آہستہ سے پوچھا۔

''میرا۔'' جواب ہمارے عقب سے آیا تھا۔ بھاگ بھری خوف سے اچھل پڑی تھی۔

''یہ...... یہ کون ہے؟''

بنٹی ایک گوشے سے نکل کر سامنے آئی تھی۔ ''تم اندر نہیں گئیں؟'' میں نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں رک گئی تھی، ممکن ہے تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے۔"

"خدا کا شکر ہے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔"

"یہ کون ہے؟" بنٹی نے بھاگ بھری کو غور سے دیکھا اور خاص طور سے اس کے پیٹ کو۔ "شی از پریگنینٹ؟"

"ہاں، یہ میرے ایک ساتھی کی بیٹی ہے بہت عرصے سے فتح خان کی قید میں تھی۔"

اس نے ترحم آمیز نظروں سے بھاگ بھری کو دیکھا۔ "بے چاری......"

"ڈونٹ ٹاک اباؤٹ ہر!" میں نے اسے ٹوک دیا۔ "شی از ہرٹ!"

"او کے، اندر چلو۔" اس نے کہا، اسی لمحے تاج الدین نے اندر سے گیٹ کھولا۔

گھر کے اندر آتش دان کے سامنے جا کر ہماری جان میں جان آئی تھی۔ بھاگ بھری سہمی ہوئی تھی اور میرے پاس رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بنٹی نے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور تاج الدین سے بولی۔

"اسے گیسٹ روم میں لے جاؤ۔"

"یہ میرے پاس رہے گی۔" میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "اس کے معاملے میں نہ پڑو، کچھ کھانے کو لاؤ۔"

بنٹی نے تاج الدین سے کھانا لگانے کو کہا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ ہوا کی شدت میں اضافے کے بعد سردی کی شدت بھی بڑھ گئی تھی۔ "صاحب، میں بابا سے کب ملوں گی؟" بھاگ بھری نے آہستہ سے پوچھا۔

"بس جیسے ہی موقع ملا، ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ تمہارے بابا اسلام آباد میں میرے آدمیوں کے ساتھ ہیں۔"

"میں...... میں ان کا سامنا کیسے کروں گی؟" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"بھاگ بھری، میں تمہیں بے گناہ اور معصوم سمجھتا ہوں۔ میری سگی بہن ہوتی تو اس کے لئے بھی میرے یہی جذبات ہوتے، وہ تو تمہارا باپ ہے وہ تمہیں کیوں بے گناہ نہیں سمجھے گا؟"

"میری ماں......" یک دم وہ سسک کر میرے بازو سے لگ گئی اور پھر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ اتنے عرصے سے اسے کوئی ایسا نہیں ملا تھا جس کے سامنے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی، میں نے اسے آہستہ سے اپنے بازو سے لگا لیا، اسے تھپکتا رہا، تسلی دیتا رہا۔ بنٹی خفگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی، پھر ایک جھٹکے سے نشست گاہ سے چلی گئی۔ میں نے پروا نہیں کی۔ بھاگ بھری کو چپ کرانے کی کوشش کرتے لگا۔

"بھاگ بھری...... چپ کر جاؤ۔ اس طرح رونے سے تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"میں مر جانا چاہتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "تمہارے مر جانے سے ان لوگوں کی صحت پر کیا اثر پڑے گا۔ تمہیں زندہ رہنا ہے اور ان کا حشر ہوتے دیکھنا ہے۔"

"کون ان سے میرا بدلہ لے گا؟"

"میں نے کہا ناں میری کوئی بہن ہوتی تب بھی میں اس سے یہی کہتا۔ جب میں تمہیں بہن کہہ رہا ہوں تو

کیا تمہارے مجرموں کو ایسے ہی معاف کر دوں گا؟ ایک نہ ایک دن وہ میرے آگے مجبور ہوں گے، تب میں تم سارا حساب لوں گا۔ ابھی میں تم کو ان کی گرفت سے نکال لایا ہوں۔"

وہ سنبھل گئی اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ "گاڑی میں تمہارے ساتھی تھے صاحب.....؟"

"صاحب نہیں، بھائی بولو۔" میں نے واقعتاً سچے دل سے یہ جملہ کہا۔ پھر اس کے سوال کا جواب دیا۔ "ہاں، وہ میرے ساتھی تھے۔ کاش! وہ تمہیں صورت سے پہچانتے تو اپنے ساتھ لے جاتے۔ انہوں نے تمہیں کہاں چھوڑا تھا، وہ کس طرف گئے تھے؟"

"یہ تو نہیں پتا...... پر وہ جو مرد تھا، اس نے ایک اور گاڑی لے لی تھی۔ مجھے نہیں پتا کہاں سے...... پر دونوں لڑکیوں کو لے گیا تھا۔ میں نے فتح خان کے آدمیوں کو گاڑی کے بارے میں نہیں بتایا تھا بس اتنا کہا کہ گاڑی اور مجھے چھوڑ کر پیدل یہاں سے چلے گئے تھے۔"

"یہ تم نے اچھا بیان دیا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "اب وہ سڑک کے بجائے میرے ساتھیوں کو پہاڑوں میں تلاش کریں گے۔"

میرا ندیم سے رابطہ کرنا مفید ثابت ہوا تھا۔ فتح خان اپنے گرگوں کو لے نہ جاتا تو میں اتنی آسانی سے بھاگ بھری کو نکال نہ لاتا۔ تاج الدین کھانے کے لیے بہت کچھ لے آیا مجھے بھوک نہیں تھی مگر بھاگ بھری کو کھلانے کے لیے اس کے ساتھ کھاتا رہا۔ اسے بھی اصرار کر کے کھلاتا رہا۔ کھانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "بھاگ بھری! تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں اسے اپنے کمرے میں لایا۔ "یہاں سو جاؤ، بے فکر ہو کر...... ان شاء اللہ چند دن میں تم اپنے بابا کے پاس ہو گی۔"

میں واپس نشست گاہ میں آیا تو بنٹی منہ سجائے بیٹھی تھی۔ "بہت چہیتی ہے تمہاری!" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اپنے کمرے تک چھوڑ آئے اسے؟"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "ان تینوں کو اچھی طرح بند کیا ہے ناں......؟"

"یہ تاج کا مسئلہ ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تاج ان لوگوں کو اندر آنے سے تو روک نہیں سکا۔"

"تب اسے پتا نہیں تھا۔" اس نے ملازم کا دفاع کیا۔ "اب وہ ان کی صحیح طرح نگرانی کرے گا۔"

"مرضی ہے تمہاری!" میں نے جواب دیا۔ "پینے کے لئے کچھ منگواؤ۔"

"میں لاتی ہوں۔" وہ بولی اور نشست گاہ سے چلی گئی، میں نے محسوس کیا کہ بے حد تلخی اور کاہل ہونے کے باوجود وہ میرے لئے فوراً حرکت میں آ جاتی تھی اور یہ خطرے کی گھنٹی تھی، جسے میں ہرگز اپنے گلے میں نہیں باندھ سکتا تھا۔ جب تک ضرورت تھی، میں یہاں پناہ لیتا اور حالات بہتر ہوتے ہی بھاگ بھری کے ہمراہ یہاں سے نکل جاتا۔ مجھے ایک خیال اور آیا، میں ان لوگوں کی گاڑی لے جا سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد بنٹی کافی لے آئی۔ اس نے رپورٹ دی۔ "میں کرمین اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر آئی ہوں۔ وہ بے خبر پڑے سو رہے ہیں۔ تاج الدین نے احتیاطاً ان کو خواب آور دوا دے دی ہے۔"

میں نے کافی پی۔ اس کے بعد میں نے صوفے سے کشن اٹھایا اور آتش دان کے سامنے دبیز قالین پر دراز

ہوگیا۔ بنٹی نے پوچھا۔ "تمہیں بلینکٹ لا دوں۔"

"نیکی پوچھ کر نہیں کرتے۔" میں نے جواب دیا تو وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ بھاگ بھری کے سامنے سے ہٹنے کے بعد اس کی خوش اخلاقی لوٹ آئی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے ہی میں سوچ چکا تھا۔ میں اتنی دیر سونا چاہتا تھا کہ جب تک ان دو آفت کی پرکالاؤں کے روشن خیال ڈیڈی کا دستہ خاص نہ آجاتا اور صبح سے پہلے ان کی آمد مشکل لگ رہی تھی، بشرطیکہ وہ کوئی نیلی کاپٹر نہ استعمال کریں۔ بنٹی نے کسی وقت آ کر مجھ پر کمبل ڈال دیا تھا۔ پھر اجنبی آوازوں سے ہی میری آنکھ کھلی تھی۔

"اوئے اٹھاؤ اسے۔" کسی نے خالص استادانہ انداز میں کہا۔

"کسی نے میرا شانہ ہلایا اور پھر تاج الدین کی آواز آئی۔" جناب! اٹھ جائیں۔"

میں نے انگڑائی لے کر کمبل پرے کیا۔ نشست گاہ میں ایک لمبا تڑنگا اور موٹی توند والا شخص خوفناک سا حلیہ بنائے کھڑا تھا۔ بال اس کے سکھوں کی طرح دراز تھے تو داڑھی مونچھیں بھی کسی سکھ کی طرح ان بچ سی تھیں۔ توند کے حجم کو قابو میں رکھنے کے لئے اس نے شاٹ گن کے کارتوسوں والی بیلٹ کس کر باندھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک نسبتاً معیاری نمونہ تھا۔ وہ فی الحال بچہ بدمعاش تھا۔ "کون ہو تم؟" میں نے توند والے سے پوچھا۔

"بندے کو خادم شاہ کہتے ہیں۔" اس نے تعارف کرایا اور تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔ "جناب کی تعریف؟"

"میں نے تاج الدین کی طرف دیکھا۔ "یہ کون ہے بھئی...... اور اندر کیسے آیا؟"

"ان کو سرکار نے بھیجا ہے۔" تاج الدین نے کہا۔

"اچھا...... بنٹی اور ٹینا کے باپ نے۔" میں نے سر ہلایا۔ "تو مجھے کیوں اٹھایا جن کے لئے آیا ہے، ان کو حوالے کرو۔"

خادم کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ "باؤ...... تمیز سے بات کر۔"

"میں تم سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے برہمی سے کہا، مجھے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"آپ آئیں میرے ساتھ جناب!" تاج الدین نے اسے اشارہ کیا۔ "ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

تاج الدین ان لوگوں کو لے گیا۔ خادم شاہ اور اس کا معیاری نمونہ مجھے گھورتے ہوئے چلے گئے۔ ابھی میں کمبل اوڑھ کر لیٹا تھا کہ تاج الدین پھر نازل ہوگیا۔ "جناب! بنٹی بی بی آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔"

بادل نخواستہ میں نے اس کے ساتھ بنٹی کے کمرے کا رخ کیا۔ میں نے راستے میں پوچھا۔ "یہ لوگ ان تینوں کو لے جائیں گے؟"

"جی سرکار کا یہی حکم ہے۔" وہ بولا۔

بنٹی اپنے کمرے میں خاصے نامعقول قسم کے حلئے میں تھی۔ یعنی چھوٹی سی نائٹی کے اوپر اس نے شفاف قسم کا گاؤن پہن رکھا تھا، میں نے اسے دیکھتے ہی زیر لب لاحول پڑھی۔ "آج تم لوگوں نے مجھے سکون سے سونے نہیں دینا ہے۔"

"اس لئے تو اپنے کمرے میں بلوالیا۔" وہ ہنسی۔ "تمہارے کمرے میں مسز فتح خان ہیں اور باقی کمرے

ٹھنڈے پڑے ہیں۔ آؤ لیٹ جاؤ۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر بستر کی طرف اشارہ کیا۔
میں نے اس کی پیش کش نظر انداز کر کے کہا۔ "یہ تمہارے والد بزرگوار نے کن نمونوں کو بھیجا ہے؟"
"نمونے......؟ اس کام کے لئے ایسے ہی افراد موزوں ہوتے ہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں فتح خان جیسے عیار شخص کے ساتھی موجود ہیں، اب تک ان کو میری کارروائی کا پتا چل چکا ہوگا اور وہ اب ارد گرد نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ خادم شاہ جیسے افراد تو ایک میل دوری سے بدمعاشی کا اشتہار بنے نظر آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر فتح خان کے گرگے لازماً چونک جائیں گے۔"
"فکر مت کرو، یہ اتنے بھی احمق نہیں ہیں۔" اپنی پیش کش بلاواسطہ مسترد کئے جانے پر اس کا منہ بن گیا تھا۔

میں نے کھڑکی کے باہر جھانکا۔ "بی بی، تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے یہ اس سے بھی زیادہ احمق ہیں ذرا آ کر ملاحظہ کرو۔" میں نے اسے دعوت دی۔ پورچ سے ذرا دور ایک ڈبل کیبن ٹویوٹا کے عقبی کھلے حصے میں دو عدد خادم شاہ اسٹائل کے بدمعاش اپنی لمبی نال والی رائفلیں تھامے یوں مستعد کھڑے تھے جیسے ایک سیکنڈ کے نوٹس پر دشمن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ بنٹی نے جان بوجھ کر تقریباً میرے شانے پر لد کر باہر دیکھا۔ افسوس کہ میری سخت جیکٹ نے اس کی خود کو مجھ سے پیوست کرنے کی کوشش ناکام بنا دی۔ وہ فکر مند ہو گئی۔
"یہ تو انہوں نے بہت بڑی حماقت ہے، بھلا اس طرح آنے کی کیا ضرورت تھی؟"
"ابھی تو کچھ نہیں ہوا ہے، لیکن میرا خیال ہے کرمین کسی نہ کسی کو بتا کر آیا ہوگا۔ تصویریں لینے کے مشن میں اسے اپنے کسی نہ کسی بزرگ کی آشیر واد حاصل ہوگی۔ دوسری پارٹی کے گرگے بھی چل پڑے ہوں گے یا پہنچنے والے ہوں گے، ممکن ہے یہی لوگ ان کو پیچھے لگا لائے ہوں۔"
اس بار بنٹی کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ اس نے گاؤن اتار کر پھینک دیا اور نہ ہونے کے برابر نائٹی پر ایک دبیز گرم لبادہ پہن لیا۔ اس نے اپنی الماری سے میرا دیا ہوا پستول بھی نکال کر اپنے گریبان میں رکھ لیا تھا۔ میں نے کہا۔
"بہتر ہے یہ مجھے دے دو، بہت وزنی ہے۔"
"تم فکر مت کرو اس سے بھی زیادہ وزنی چیزیں یہاں رکھ چکی ہوں۔" اس نے جائے پستول کو تھپکا۔
"لاحول ولاقوۃ۔" میں نے جز بز ہو کے کہا۔
"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور باہر کی طرف لپکی۔ کرمین اور اس کے ساتھیوں کو جس کمرے میں بند کیا گیا تھا، کہنے کو تو وہ اسٹور روم تھا لیکن خاصا وسیع و عریض کمرا تھا اور اندر خادم شاہ نے جاتے ہی تینوں طرز مان سے تفتیش شروع کر دی تھی کیونکہ جب ہم دروازے کے پاس پہنچے تو اندر سے کسی نے ذبح کئے جانے والے بکرے کی سی آواز نکالی تھی۔ "میں مر گیا...... ہائے ربا...... ہائے ماں۔"
میں نے دروازہ دھکیلا۔ میں اور بنٹی پوری بے فکری سے اندر داخل ہوئے تھے اور پھر دم بخود رہ گئے۔ وہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ خادم شاہ ایک نہایت نامناسب پوز میں فرش پر یوں پڑا تھا جیسے دار فانی سے کوچ کر چکا ہو اور اس کا معیاری نمونہ عبرت ناک حالات سے گزر رہا تھا۔ اس کا دایاں بازو کہنی سے غلط سمت میں مڑا ہوا تھا اور سامنے کے دانت غالباً کرمین کی کسی ضرب کی نذر ہو چکے تھے۔ بادی النظر میں وہاں نظر آنے والے سین کا

اے دار کرمین ہی تھا کیونکہ اس کے ساتھی بے سدھ پڑے تھے۔ کرمین خادم شاہ کے ساتھی کے عقب میں اس طرح کھڑا تھا کہ اس کا بازو مضروب کی گردن میں حمائل تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے جیکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ وہ بھی بجلی کے کوندے کی طرح لپکا تھا اور اس نے خادم شاہ کے ساتھی کو ایک طرف دھکیل کر اس کا پستول نکال لیا تھا، ہم نے بیک وقت پستول ایک دوسرے کی طرف تان لئے۔ ''کرم دین، پستول پھینک دو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہی مشورہ میرا ہے۔'' اس نے پلک جھپکائے بغیر جواب دیا۔

''بیکار ہے، ہم دونوں مارے جائیں گے۔''

''ممکن ہے صرف تم مارے جاؤ اس کی طرح۔'' اس نے مرے ہوئے خادم شاہ کی طرف اشارہ کیا لیکن میں نے اس سے نظر ہٹانے کی حماقت نہیں کی تھی۔

''ممکن ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''تم چاہتے کیا ہو؟''

''مجھے اور میرے ساتھیوں کو جانے دیا جائے۔''

''مشکل ہے اگر یہاں سے میں تمہیں جانے بھی دوں تو باہر تین عدد مسلح افراد اور موجود ہیں، وہ تمہیں نہیں جانے دیں گے۔''

کرمین بے حد مکاری سے مسکرایا۔ ''اگر میں بنٹی کو لے جاؤں تو کون میرا راستہ روکے گا؟''

''مشکل ہے۔'' بنٹی میرے پاس سے ہٹ کر نیم دائرے میں کرمین کے عقب میں جانے لگی۔ کرمین مشکل میں پڑ گیا تھا۔ وہ مجھ پر سے نظر اور پستول ہٹا نہیں سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ فٹ بھر دور بھی نہیں جاتا اور میں سے شوٹ کر دیتا۔ اس کی طرف توجہ نہ دیتا تو بنٹی عقب سے آ جاتی۔ کرمین کے چہرے پر شدید کش مکش کے اثرات تھے۔

''کرم دین! میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور یہ بھی تمہیں مارنے کے لئے نہیں لے جا رہے ہیں، میں سنا ہوں تمہارا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے۔''

''بکواس مت کرو...... روکو اسے، ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔'' اس نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

''بنٹی رک جاؤ۔'' میں نے اضطراری لہجے میں کہا لیکن بنٹی اتنی دیر میں پستول نکال چکی تھی۔ اس نے ہاتھ ر کیا۔ کرمین نے اپنے پستول کے ٹریگر پر دباؤ ڈالا، مگر بنٹی چست ثابت ہوئی تھی، کرمین نے گولی چلانے میں یہ سیکنڈ کے دسویں حصے کی تاخیر کی تھی۔ ایک دھماکے سے میں نے کرمین کے سر کو بکھرتے دیکھا تھا۔ اس کی لی میرے سر میں لگنی چاہئے تھی لیکن لگی نہیں کیونکہ پستول سے صرف کلک کی آواز آئی تھی۔ کرمین خادم شاہ کی ، پر جا گرا تھا۔

''احمق...... یہ کیا، کیا؟'' میں نے بنٹی سے کہا، وہ بھی سکتے میں کھڑی تھی۔

کرمین بلاشبہ مر چکا تھا، گولی اس کی دائیں کنپٹی میں داخل ہوئی تھی اور ماتھے کو پھاڑتی ہوئی سامنے سے ئی تھی۔ بنٹی نے مجھے مروانے کا پورا بندوبست کر دیا تھا لیکن یہ قدرت کی مہربانی تھی جو میں زندہ تھا۔ میں نے کے ہاتھ سے پستول لیا تو وہ چونکی پھر تیزی سے باہر لپکی۔ میں نے خادم شاہ کا معائنہ کیا، وہ گردن ٹوٹ

جانے سے جاں بحق ہوا تھا۔ البتہ اس کا معیاری نمونہ جو اصل سے خاصا کم تر تھا فی الحال زندہ تھا۔ البتہ بازو کہنی سے ٹوٹ جانے سے نیم جاں ہو رہا تھا لیکن جب شوٹنگ کے دوران اس کے بلاوجہ جاں بحق ہونے کا امکان ہوا تو وہ بے ہوش بن کر لیٹ گیا کہ بے ہوش ہونا مرنے سے بہتر ہی تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ ہلایا تو اس نے پھر ذبح کئے جانے والے بکرے کی سی آواز نکالی۔ ''شکر ہے ایک تو زندہ ہے۔''

وہ اٹھ بیٹھا۔ ''کیا ہوا استاد کو؟''

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' میں نے ہمہ صفت قسم کا جواب دیا۔

''اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ وہ اٹھ کر خادم شاہ کی طرف جھپٹا۔ اسے جھنجھوڑنے اور بیوہ ہو جانے والی بیویوں کی طرف واویلا کرنے لگا۔ میں نے اسے شانے سے پکڑ کر اٹھایا۔ ''صبر کرو...... تمہارا استاد اتنی ہی عمر لے کر آیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ یہاں ہوا کیا تھا؟''

''پتا نہیں جی!'' اس نے بھوں بھوں کر کے روتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب ہے...... میں نے اسے استاد کے حکم پر ہلایا اور اس نے مجھے دیوار کی طرف اچھال دیا۔ میرا سر دیوار سے لگا تھا۔'' اس نے ملاحظے کے لئے اپنا سر میرے سامنے کیا۔ ''جب مجھے ذرا ہوش آیا تو استاد ایسے ہی پڑا تھا، میں نے لپک کر اس کے سر پر پستول کا دستہ مارنے کی کوشش کی تو......'' اس نے اپنے بازو کی طرف دیکھا۔

''تم اس کے سر پر دستہ مارنے کے بجائے گولی مارتے تو اس سے بچ جاتے، باہر تمہارے دو ساتھی ہیں ناں......؟''

اس نے سر ہلایا۔

''ان کو مطلع کرو۔'' اس نے اپنا بازو دوسرے ہاتھ سے تھاما اور کرمین کی طرف دیکھا۔

''اسے کس نے مارا ہے؟''

''تمہاری مالکن نے...... بنٹی نام ہے اس کا۔'' میں نے اس کا بازو دیکھا اور ابھی اس کے بارے میں کچھ کرنے کا سوچ رہا تھا کہ باہر سے برسٹ چلنے کی آواز آئی۔ آواز دھیمی تھی اور واضح طور پر کوٹھی کے باہر سے آئی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے، دشمن آ پہنچا ہے۔''

اس کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ ''کک...... کون دشمن!''

''اس کے والی وارث!'' میں نے کرمین کی طرف اشارہ کیا۔ اس اثنا میں باہر بے تحاشا فائرنگ ہونے لگی۔ میں نے استاد مرحوم کی شاٹ گن اور گولیوں والی بیلٹ اتاری۔ ''تم یہیں رکو اور کوئی اندر آنے کی کوشش کرے تو اسے شوٹ کر دینا۔''

''میرا سیدھا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں...... الٹے ہاتھ سے تم نشانہ نہیں لے سکتے مگر گولیاں تو چلا سکتے ہو!''

میں باہر آیا۔ فائرنگ کوٹھی کے سامنے والے حصے میں ہو رہی تھی۔ میں نے پہلے اپنے کمرے میں دیکھا۔ بھاگ بھری سہمی بیٹھی تھی۔ ''صاحب، یہ کیا ہو رہا ہے؟'

''تم فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تمہیں کوئی......''

میرا جملہ ہونے والے شدید دھماکے کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا۔ دھماکا کوٹھی کے سامنے والے حصے میں ہوا تھا کسی نے دستی بم پھینکا تھا، میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ کیا فتح خان اینڈ کمپنی نے دھاوا بول دیا تھا! میں نے جلدی سے بھاگ بھری کا ہاتھ پکڑا۔ ''جلدی کرو، چلو یہاں سے۔''

اس نے اپنے جوتے پہنے۔ سویٹر وہ پہنے ہوئے تھی۔ نکلتے نکلتے اس نے اپنی شال اٹھالی۔ گیلری میں دھواں بھرا ہوا تھا اور اس دھوئیں سے ایک شخص نمودار ہوا۔ میں نے اسے پہچان کر گولی چلانے میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو اس نے ہمیں چھلنی کر دیا ہوتا۔ وہ استاد مرحوم کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ دھماکے کے بعد وہ اچھل کر پھر سے دھوئیں میں روپوش ہو گیا تھا۔ میں دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ یہ راستہ کوٹھی کے عقبی حصے میں جاتا تھا۔ یہ دشمن فتح خان تھا یا کوئی اور، اس وقت ہمارے لئے برابر کا خطرناک تھا اس کے ہاتھ آنے کا مطلب یقینی وفات تھی، ہمارا اس کوٹھی سے جلد از جلد نکل جانا ضروری تھا۔ ہم عقبی طرف سے نکلے۔ بھاگ بھری سہمی ہوئی تھی لیکن ہمت سے میرا ساتھ دے رہی تھی، میں نے دونوں طرف دیکھا مگر مجھے عقبی دیوار ذرا چھوٹی لگی میں نے بھاگ بھری سے کہا۔ ''اس پر چڑھ کر دوسری طرف اتر سکتی ہو۔''

اس نے پریشانی سے دیوار کو دیکھا۔ ''کوشش کروں گی بھائی!''

میں پہلے دیوار پر چڑھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا۔ اس عمل سے اسے خاصی تکلیف ہوئی لیکن مجبوری تھی۔ دوسری طرف دیوار سے زمین زیادہ نیچی تھی۔ اسے میں نے بڑی مشکل سے سنبھال کر اتارا تھا اور جس وقت اس کے پاؤں زمین پر لگے، مجھے کوٹھی کی جانب سے حرکت کا احساس ہوا۔ ایک مسلح شخص اندر سے برآمد ہوا تھا، مجھے دیکھتے ہی اس نے رائفل سیدھی کی اور میں سرک کر دیوار سے نیچے گر گیا۔ اگر میں بچ بچ گرا ہوتا تو اس ترچھی ڈھلان پر نہ جانے کہاں جا کر رکتا لیکن میرا دایاں ہاتھ منڈیر پر جما ہوا تھا۔ آنے والے نے لگاتار چار پانچ گولیاں چلائی تھیں۔ میں نے بھی رائفل دیوار کے اوپر کر کے دو فائر کئے تھے اور پھر اچک کر دیکھا۔ آنے والا بڑی بدحواسی کے عالم میں واپس عمارت میں گھس رہا تھا۔

''چلو۔'' میں نے بھاگ بھری کا ہاتھ پکڑا اور اسے سہارا دے کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نیچے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی، ایک جگہ خلا تھا، چار فٹ چوڑا، بھاگ بھری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ادھر نہیں جا سکتی بھائی۔''

''میرا کندھا دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔'' میں نے کہا، اس نے تعمیل کی۔ میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور ایک جست میں یہ خلا پار کر گیا۔ ہم دونوں ہی گرتے گرتے بچے تھے۔ خدا نے کرم کیا ورنہ اس کے بعد ڈھلان پر رکنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ خوش قسمتی سے اس جگہ سے برف صاف تھی ورنہ قدم جما کر کھڑے ہونا ہی محال ہو جاتا۔ ہم چلتے ہوئے دوسری کوٹھی تک آئے اس کی دیوار زیادہ اونچی تھی۔ میں کوشش کر کے چڑھ بھی جاتا تب بھی بھاگ بھری کے لئے ناممکن تھا۔ جس جگہ دونوں بنگلوں کی دیواریں مل رہی تھیں، اس جگہ ایک چھوٹا سا تکونی خلا بن رہا تھا۔ اس میں ایک آدمی آرام سے چھپ سکتا تھا۔ میں نے بھاگ بھری کو اس خلا میں بٹھا دیا۔ ''تم یہاں بیٹھو، میں نکلنے کا کوئی راستہ دیکھتا ہوں۔''

''شہباز بھائی!'' اس نے کہا۔ ''اگر میری وجہ سے تم مشکل میں ہو تو بے شک مجھے چھوڑ جاؤ۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ کوئی بھائی اپنی بہن کو درندوں میں چھوڑ کر جا سکتا ہے؟ تم چپ کر کے بیٹھو جب تک میں آواز نہ دوں، یہاں سے مت نکلنا اور نہ کوئی آواز نکالنا۔''

میں نے پہلے بنٹی کے بنگلے میں جھانکا۔ اس طرف سے منظر واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے کچھ درخت تھے اور کوٹھی کا ایک حصہ بھی سامنے نظر آ رہا تھا۔ بہر حال یہ بات یقینی تھی کہ دشمن پیچھے ضرور آئے گا۔ ڈھلان پر جانا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا، اوپر سے کوئی بھی آرام سے گولی مار دیتا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور اچھل کر برابر والے بنگلے کی دیوار پر چڑھ گیا، میں دل ہی دل میں بنٹی کا شکر گزار تھا، جس نے اپنے پاپا کے دستانے دیئے تھے۔ ان کی وجہ سے میرا بایاں ہاتھ پوری طرح کارگر تھا۔ ورنہ کھلی فضا میں یہ جلد ٹھٹھر کر ناکارہ ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف زمین نیچے تھی، لیکن فوراً مجھے کام کی چیز نظر آ گئی۔ یہ بانس اور لکڑی کی بنی سیڑھی تھی جو اس بنگلے کے عقبی حصے میں پڑی تھی، میں نے فوراً چھلانگ لگائی، سیڑھی اٹھا کر دیوار سے لگائی، اوپر چڑھا اور سیڑھی دوسری طرف اتار کر بھاگ بھری کو آواز دی۔ ''بھاگ بھری جلدی آؤ۔''

اب تک بنٹی کے بنگلے کی جانب سے کوئی نمودار نہیں ہوا تھا۔ فائرنگ بھی رک گئی تھی اس کا مطلب تھا کہ مزاحمت کرنے والے افراد مارے جا چکے تھے یا بیکار کر دیئے گئے تھے۔ بھاگ بھری خلا سے نکل کر سیڑھی تک آئی۔ درحقیقت اس کے لئے یہ سیڑھی چڑھنا بھی آسان نہیں تھا اسی لمحے میں نے بنٹی کے بنگلے کی دیوار سے ایک سر نمودار ہوتے دیکھا، شاٹ گن استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا، میں نے پستول نکال کر اس طرف دو فائر کیئے۔ سر غائب ہو گیا تھا، میں نے نیچے جھک کر بھاگ بھری کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''جلدی آؤ، دشمن آ گیا ہے۔''

بھاگ بھری اوپر چڑھنے لگی، جیسے ہی وہ میرے قریب آئی، میں نے اس کا بازو پکڑ لیا، اس طرح اسے آسانی ہوئی تھی، وہ اوپر آئی اور بنگلے کی طرف سے فائر ہوا بھاگ بھری کو جھٹکا لگا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی، میں نے اسے کھینچ کر دیوار کے دوسری طرف اتار دیا۔ فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی اور گولیاں میرے آس پاس دیوار پر لگ رہی تھیں، میں بھی نیچے کود گیا۔ بھاگ بھری زمین پر ڈھیر تھی اور اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔

''بھاگ بھری.....تم ٹھیک ہو ناں.....؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا اسی لمحے میری نظر خون پر پڑی جو اس کی پشت سے بہہ کر آ رہا تھا۔

''گولی.....لگی ہے۔'' اس نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ میں نے احتیاط سے اسے پلٹا، گولی دائیں جانب بغل میں ذرا نیچے لگی تھی اور اندر تھی۔ اس طرف پھیپھڑا ہوتا ہے اور وہ متاثر ہوا ہوگا۔ بہر حال زخم جان لیوا نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی، بھاگ بھری کی جیسی حالت تھی، اس میں معمولی سا زخم بھی مسئلہ بن جاتا ہے۔

''بھاگ بھری.....زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ میں ابھی تمہیں اسپتال لئے چلتا ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''نہیں..... بیکار ہے..... میں مر جاؤں گی۔''

''حوصلہ رکھو۔ تم زندہ رہو گی اپنے بابا کے لئے..... ہمارے لئے۔''

مجھے دیوار کی دوسری طرف سے کچھ افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ دشمن پاس آ رہا تھا۔ عقبی طرف سے عمارت کے اوپر جانے کے لئے پختہ سیڑھیاں تھیں۔ میں نے پہلے آنے والوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور

سیڑھیوں سے چھت کی طرف بھاگا۔ یہ فاصلہ میں نے تیزی سے طے کیا۔ اوپر منڈیر سے جھانکتے ہی مجھے دو افراد بٹی والے بنگلے کی ڈھلان کے ساتھ آگے بڑھتے نظر آئے میں نے بلاتکلف پستول کی باقی گولیاں ان پر خرچ کر دیں۔ دونوں گرے اور ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے تھے۔ پتا نہیں، زندہ تھے یا مارے جا چکے تھے۔ بہرحال ہمارے پیچھے آنے کے لائق نہیں رہے تھے۔ نیچے آنے کے بجائے میں نے اوپر سے بٹی کے بنگلے کا معائنہ کیا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، سکوت تھا، کوئی حرکت نہیں تھی۔ میں نے گھوم کر اس بنگلے کا بھی معائنہ کیا۔ اس کے آگے والے حصے میں ایک سنگل کیبن پک اَپ کھڑی تھی۔ اس کی خستہ حالی بتا رہی تھی کہ اسے سامان ڈھونے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

مجھے خیال آیا، اس پک اَپ کی مدد سے میں یہاں سے نکل سکتا تھا اور بھاگ بھری کو کسی اسپتال تک لے جا سکتا تھا۔ میں نیچے آیا۔ بھاگ بھری دیوار سے ٹکی آہستگی سے سانس لے رہی تھی۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ اسے چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسے اٹھا بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے سے اسے سنبھال رکھا تھا۔ ہم سامنے والے حصے میں آئے۔ اس بنگلے کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے، کھڑکیاں دروازے سارے بند نظر آ رہے تھے۔ پک اَپ کا دروازہ کھلا تھا لیکن اگنیشن میں چابی نہیں تھی، میں نے بھاگ بھری کو فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔ پک اَپ کی موجودگی کا مطلب تھا کہ کوئی نہ کوئی اِدھر موجود تھا۔ میں نے کوٹھی کے دروازوں پر طبع آزمائی کی لیکن وہ اندر سے بند تھے۔ دستک دینے یا شور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو دشمن کو آ بیل مجھے مار کہنے کے مترادف ہوتا۔ میں گھوم کر کوٹھی کے دائیں طرف آیا، اس طرف کونے میں ایک چھوٹا سا کوارٹر نظر آ رہا تھا جو کوٹھی کی عمارت سے بالکل الگ تھا۔ میں نے دبے قدموں جا کر کوارٹر کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کھلا تھا، میں اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ایک طرف انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے اور چارپائی پر بچھے بستر پر ایک شخص بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اتنی مار دھاڑ اور فائرنگ کے باوجود اس کے خراٹے لینے کی وجہ اس کے ساتھ پڑی تھی، چھیل چھبیلی، جگ مگاتی اور نازک سی دیسی ٹھرے کی بوتل۔

میں نے وقت ضائع کئے بغیر اس کی تلاشی لی۔ اس کے لباس سے پک اَپ کی چابی کے ساتھ ایک بٹوا بھی نکلا تھا جس میں خاصی بھاری رقم تھی، میں نے رقم نکال کر بٹوا اس کے اوپر ڈال دیا اور دروازہ بھیڑ کر باہر نکل آیا۔ بھاگ بھری کی حالت پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ میں آتے ہوئے ایک چادر بھی لیتا آیا، اس کی پٹیاں پھاڑیاں اور باقی چادر کی گدی بنا کر اس کے زخم پر رکھ کر اوپر سے پٹیاں باندھ دیں۔ اس کے بعد پک اَپ اسٹارٹ کرنے کا دشوار گزار مرحلہ آیا۔ بمشکل وہ اسٹارٹ ہوئی تھی، سردی سے اس کا انجن بالکل مردہ پڑا تھا۔ بہرحال ایک بار اس میں جان آئی تو یہ مرحلہ بھی سر ہوا۔ مجھے دشمنوں کی پسپائی پر حیرت تھی، ہمیں اس کوٹھی میں آئے خاصی دیر ہو چکی تھی لیکن ان کی طرف سے دو افراد مارے جانے کے بعد سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ گیٹ کے پاس آ کر میں نے گیٹ کھولا اور حفظ ماتقدم کے طور پر باہر بھی جھانک لیا، کہیں کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو مگر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور پک اَپ پوری رفتار سے دوڑا دی۔ بظاہر خستہ حال ہونے کے باوجود انجن، ٹائر اور سسپنشن بہترین حالت میں تھے۔ نیچے آنے تک میں مسلسل عقبی آئینے میں دیکھتا

رہا مگر کوئی تعاقب میں نہیں آیا تھا۔لگتا تھا اس جنگ میں سبھی مارے گئے تھے۔ مجھے بنٹی اور بینا کا افسوس تھا۔ وہ کردار کی کیسی ہی سہی لیکن انہوں نے میری مدد کی تھی، امکان یہی تھا کہ وہ بھی ماری جا چکی ہوں گی۔ دستی بم جیسا مہلک ہتھیار لے کر آنے والے قتل وغارت گری کے ارادے سے آئے تھے۔

☆======☆======☆

اب مجھے فتح خان کے آدمیوں کی فکر تھی۔ وہ اس پوری ہائی وے پر ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور ان سے ٹکراؤ کی صورت میرے لئے مقابلہ کرنا دشوار ہو جاتا، میرے ساتھ زخمی بھاگ بھری تھی جسے جلد از جلد اسپتال لے جانا ضروری تھا۔ وہ کبھی کبھی درد سے کراہ اٹھتی تھی۔ مجھے اس نازک سی لڑکی کے حوصلے پر رشک آیا یا شاید اسے تکلیف برداشت کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ ورنہ میں نے استاد مرحوم کے معیاری نمونے کو اپنا بازو تڑوانے کے بعد واویلا کرتے دیکھا تھا۔ گولی کا زخم اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

''پانی...... بھائی!'' بھاگ بھری نے کراہ کر کہا۔

پک اَپ کیبن میں پانی نام کی کوئی شے نہیں تھی مگر ذرا آگے ایک پیٹرول پمپ تھا۔ اس کے ساتھ دو تین دکانیں بھی تھیں۔ میں نے ایندھن دیکھا، ٹنکی نصف تھی لیکن میں نے اسے بھروانے کا فیصلہ کیا۔ پک اَپ رکتے ہی ایک پیٹرول بوائے بھاگا ہوا آیا۔ میں نے نیچے اترتے ہوئے اسے چابی تھمائی۔ ''ٹنکی فل کر دو۔''

ایک دکان کھلی تھی، یہ جنرل اسٹور تھا، میں نے اس سے انرجائل کا ڈبا اور منرل واٹر کی چند بوتلیں لیں جب تک ادائیگی کر کے آیا، پک اَپ کی ٹنکی فل ہو چکی تھی اور لڑکے نے اسکرین بھی صاف کر دی تھی، پیٹرول کی قیمت کے علاوہ میں نے اسے معقول ٹپ بھی دی۔ پک اَپ میں بیٹھ کر میں نے ایک بوتل میں آدھا ڈبا انرجائل ڈال کر بوتل کو ہلایا اور بھاگ بھری کو دیا۔ ''اسے تھوڑا تھوڑا کر کے پیتی رہو، اس سے توانائی ملے گی۔''

بھاگ بھری نے بے تابی سے بوتل منہ سے لگا لی تھی۔ پک اَپ میں ہیٹر بھی تھا، اس وجہ سے کیبن کا درجہ حرارت باہر کی نسبت خاصا بہتر تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس علاقے میں کوئی ایسا اسپتال کہاں تھا جس میں بھاگ بھری کو طبی امداد مل سکے۔ مری میں ایسے کئی اسپتال تھے لیکن وہاں تک جانے میں خاصا وقت لگتا اب تک مجھے راستے میں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ موسم کے پیش نظر ٹریفک بالکل ہی بند تھا۔ ممکن ہے فتح خان کے آدمیوں نے اپنی توجہ نچلے علاقوں کی طرف مرکوز کر لی ہو، اس وجہ سے اب تک میرا کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔ مجھے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ بھاگ بھری اگرچہ خود کو سنبھال رہی تھی لیکن اس کی حالت گزرتے وقت کے ساتھ ابتر ہو رہی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے پانی پی رہی تھی۔ ایک بار اس نے پہلو بدلا تو میری نظر نشست پر گئی تھی۔ وہاں خون لگا تھا۔ یعنی پٹی بھی خون سے تر ہو چکی تھی۔ ''بھاگ بھری حوصلہ کرو......بس کچھ دیر کی بات ہے، تم اسپتال میں ہو گی۔''

''ادھر اسپتال کہاں ہے۔'' اس نے کراہ کر کہا۔ ''ایک بار فتح خان نے مجھے بتایا تھا، کوئی زخمی ہو جائے تو اسے علاج کے لئے مری لے جانا پڑتا ہے۔ سردیوں میں سب بند ہو جاتا ہے۔''

مجھے بھی یہی لگ رہا تھا اگر بھاگ بھری کو بچانا تھا تو اسے نیچے مری تک لے جانا لازمی تھا، میں نے پک

اَپ کی رفتار بڑھا دی۔ سڑک صاف تھی اور برف بھی ہٹائی جا چکی تھی۔ اس لئے مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ ایک جگہ سڑک کے بائیں جانب پتھروں سے بنی دیوار تھی۔ جن جگہوں پر سڑک کے اوپر مٹی نرم پڑ جاتی تھی تو پتھروں کی دیوار بنا دی جاتی تھی اور ان دیواروں پر لوگ اپنے اشتہار لکھ جاتے تھے۔ میں نے ایسے ہی دیوار کی طرف دیکھا تو مجھے کسی ڈاکٹر گلریز کا نام نظر آیا، میں نے پک اَپ روکی اور بیک کر کے دیوار کے پاس آیا۔ اس پر ڈاکٹر گلریز کے کلینک کا اشتہار تھا۔ کلینک اوپر کی طرف تھا۔ خوش خبری یہ تھی کہ سارے سال اور چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ میں نے پک اَپ موڑی اور دیوار سے ذرا پہلے اوپر جانے والی سڑک پر پک اَپ چڑھا دی۔ مجھے ڈاکٹر گلریز کے کلینک کی تلاش تھی۔ کوئی نصف کلومیٹر کے بعد سیدھے ہاتھ پر عین سڑک کے کنارے ایک بڑا سا بنگلا نظر آیا جس پر ڈاکٹر گلریز کے نام کی تختی لگی تھی۔ میں نے نیچے اتر کر کال بیل بجائی۔ دو منٹ بعد ایک بوڑھے نوکر جیسے شخص نے دروازہ کھولا۔ ''ہاں، کہو۔''

''میرے ساتھ ایک زخمی مریضہ ہے ڈاکٹر گلریز کو دکھانا ہے۔''

اس نے جھانک کر پک اَپ میں دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔ ''گاڑی اندر لے آؤ۔ پر ایک طرف روکنا راستہ بند مت کرنا۔''

میں سر ہلاتے ہوئے پک اَپ میں جا بیٹھا۔ بھاگ بھری سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''صاحب، یہ کدھر آئے ہیں؟''

''ڈاکٹر ہے، تمہارا علاج کرے گا۔'' میں نے جواب دیا اور پک اَپ اندر لے آیا۔

اندر سے ایک دبلا پتلا اور لمبا شخص برآمد ہوا۔ اس کی عمر کم سے کم ستر برس تھی لیکن کمر بالکل سیدھی تھی اور آنکھوں میں عقابی چمک تھی۔

''کرم دین۔ کیا بات ہے؟'' اس نے ملازم نما شخص سے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب، یہ آدمی مریضہ لایا ہے۔''

''میرا نام شہباز خان ہے۔'' میں نے اس کے قریب جا کر ہاتھ آگے کیا۔

''او کے...... دین ناؤ؟'' اس نے ہاتھ اپنی اونی پتلون کی جیبوں سے نکالنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

میں نے خفیف ہو کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔ ''میرے ساتھ ایک خاتون ہے، اسے پشت میں گولی لگی ہے۔''

''اوہ!'' وہ یک دم فکرمند نظر آنے لگا تھا۔ ''کرم دین وہیل چیئر لاؤ، ہری اَپ!''

اس وقت وہ ایک پیشہ ور ڈاکٹر نظر آیا تھا جسے صرف اپنے مریض سے دلچسپی تھی، وہ حکم دے کر اندر چلا گیا۔ کرم دین (گزشتہ چوبیس گھنٹے میں یہ دوسرا کرم دین تھا) بھاگ کر وہیل چیئر لایا۔ میں نے احتیاط سے بھاگ بھری کو اتار کر اس پر بٹھایا، پک اَپ کی نشست خون سے تر تھی۔ جس رفتار سے اس کا خون بہہ رہا تھا، اس کا مری تک پہنچنا محال لگ رہا تھا۔ یہ قدرت کی طرف سے مدد تھی جو اس ویرانے میں بیٹھے بٹھائے ہمیں ڈاکٹر مل گیا تھا۔ دو منٹ کے اندر بھاگ بھری ایک معقول قسم کے آپریشن روم میں تھی اور ڈاکٹر گلریز اپنے سرجری کے اوزار تیار کر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر میں بھاگ بھری کی حالت کا اندازہ لگایا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے تھے۔ اس نے کرم دین سے کہا۔

''بیگم صاحبہ کو بلا کر لاؤ۔'' اور مجھ سے بولا۔ ''مسٹر شہباز! آپ باہر تشریف رکھیں۔''

''ڈاکٹر، یہ ٹھیک ہو جائے گی؟''

''ان شاء اللہ، اب آپ باہر جائیں۔'' اس نے عملاً مجھے آپریشن روم سے بے دخل کر دیا کچھ دیر بعد کرم دین ڈاکٹر گلریز سے مشابہ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ آیا۔ عورت آپریشن روم میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ میں ویٹنگ روم کی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اندر سے یہ بنگلا خوشگوار حد تک گرم تھا یعنی سینٹرلی ہیٹڈ تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر گلریز باہر آیا۔ ''آپ مریضہ کے کیا لگتے ہیں؟''

''بھائی سمجھ لیں۔''

''او کے!'' اس نے بحث سے گریز کیا۔ ''کنڈیشن یہ ہے کہ بے بی ایکسپائر ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ خون کی کمی پوری کرنے کے لئے اسے پلازما دے رہے ہیں، لڑکی بچ جائے گی پر بچہ مشکل ہے۔''

''ڈاکٹر صاحب! آپ کسی بھی قیمت پر اس لڑکی کو بچائیں۔'' میں نے فوری طور پر جواب دیا۔

''او کے...... مجھے یہی پوچھنا تھا۔ میری بیوی گائنالوجسٹ ہے، اس کی کوشش ہے کہ بچہ بھی بچ جائے۔''

میں نے یہ کہنے سے گریز کیا کہ ایسے بچے کا دنیا میں نہ آنا ہی بہتر تھا جو ایک جبر کا نتیجہ تھا۔ فتح خان نے بھاگ بھری سے جو نکاح کیا تھا، اس کا مقصد بھی بچے کو جائز قرار دینا نہیں بلکہ بھاگ بھری پر اپنا قبضہ مستحکم رکھنا تھا۔ ''جناب! آپ چائے، کافی کیا لیں گے؟'' کرم دین نے ڈاکٹر کے جانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔

''اگر مل جائے تو کافی......!''

''ساتھ میں کھانے کے لئے کچھ لاؤں جناب!'' اس نے میری طرف غور سے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''اگر مل جائے تو بہت شکریہ...... ورنہ مسئلہ نہیں ہے۔''

صبح سے ناشتے کے بغیر بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ کرم دین نے پوچھا تو مجھے احساس ہوا میرا پیٹ بالکل خالی تھا۔ پندرہ منٹ میں کرم دین کافی کا مگ اور مکھن لگے سلائس لے آیا تھا، میں نے شکر گزاری کے ساتھ کافی کی مدد سے ان کو حلق سے اتارا تھا۔ کرم دین وہیں رہا تھا۔ وہ غالباً ڈاکٹر گلریز کا ذاتی ملازم تھا۔ میں نے اس سے ڈاکٹر گلریز کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر گزشتہ بارہ سال سے اس علاقے میں مقیم تھا۔ ویسے وہ اسلام آباد میں پریکٹس کرتا رہا تھا اور اس نے بہت دولت کمائی تھی۔ ایک طرح سے وہ اب ریٹائرمنٹ کا وقت گزار رہا تھا۔ بیوی ڈاکٹر تھی، وہ بھی یہاں آ گئی، انہوں نے اس جگہ بنگلا بنوایا اور اس کے ساتھ ہی یہ چھوٹا سا کلینک بھی بنوا لیا تھا۔ مقامی لوگوں کے ساتھ باہر سے آنے والے افراد کا علاج بھی کرتے تھے۔ انہوں نے ایمرجنسی کے لئے دوائیں اور سامان رکھا ہوا تھا۔ ''میرے لئے تو ڈاکٹر صاحب فرشتہ ثابت ہوئے ہیں۔'' کرم دین نے کہا۔ ''میں بلندی سے گر گیا تھا، سر پر چوٹ آئی تھی، اندر سے خون رسنے لگا تھا۔ اگر ڈاکٹر صاحب میرا بروقت آپریشن نہ کرتے تو میں شہر جاتے جاتے مر جاتا۔''

''تب سے تم ڈاکٹر کے پاس ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بہت ہمدرد اور اچھے انسان ہیں، غریب مریضوں کا علاج مفت کرتے ہیں، دوائیاں بھی اپنے پاس سے دیتے ہیں۔''

ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن خدمت خلق کا یہ جذبہ وہ جوانی میں اپناتے، جب وہ پریکٹس کے نام پر لوگوں کی کھال اتار رہے ہوں گے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یہ میری سوچ تھی اور میں نے اسے خود تک محدود رکھا۔ اللہ انسان کو کسی وقت بھی نیک عمل کی توفیق دے سکتا ہے، یہ اس کی مرضی پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گلریز تقریباً ایک گھنٹے بعد اندر سے برآمد ہوا۔ اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''سوری ینگ مین! بے بی نہیں بچ سکا، بٹ گرل از او کے ناؤ۔''

''شکر ہے، مجھے بھاگ بھری کی فکر تھی۔''

وہ چونکا۔ ''اس کا نام بھاگ بھری ہے؟''

''جی ڈاکٹر! اور یہ ایک بہت مظلوم لڑکی ہے۔ جس بے بی کے آپ ضائع ہونے کا افسوس کر رہے ہیں، وہ جائز نہیں تھا۔ جبر کا نتیجہ تھا۔'' میں نے ڈاکٹر کی انکوائری شروع ہونے سے پہلے اسے سچ بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

ڈاکٹر نے سر ہلایا۔ ''جائز یا ناجائز، یہ ہم نہیں جانتے...... ہمارا کام کوشش کرنا ہے بہر صورت انسان کی جان بچانے کی۔ یہی ہمارا فرض ہے۔ باقی اوپر والا جانے۔''

''تھینک یو ویری مچ ڈاکٹر! بھاگ بھری کہاں ہے؟''

میری وائف اسے تیار کر رہی ہے، اسے ابھی کمرے میں شفٹ کرنا ہے، تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ یو سی، ہم دونوں میاں بیوی بوڑھے اور کمزور ہیں۔''

کلینک بنگلے سے متصل کل چار کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک ڈاکٹر کا کمرا تھا جہاں وہ مریض دیکھتا تھا، دوسرا آپریشن روم تھا، ان کے درمیان گیلری نما ویٹنگ روم تھا اور اس کے دوسری طرف دو کمرے مریضوں کے لئے مخصوص تھے۔ جب بیگم گلریز نے بھاگ بھری کو مریضوں والا مخصوص لباس پہنا دیا تو میں نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر اسے کمرے میں منتقل کر دیا۔ اسے پلازما اور طاقت کی ادویات ڈرپ کے ذریعے دی جا رہی تھیں۔

ڈاکٹر گلریز نے بتایا۔ ''خوش قسمتی سے گولی پسلیوں میں پھنس گئی تھی اور پھیپھڑا بچ گیا ورنہ اسے کسی بڑے اسپتال لے جانا پڑتا۔ اب یہ محفوظ ہے شاید چار پانچ دن میں مکمل کور کر لے۔''

''چار پانچ دن......'' میں پریشان ہو گیا تھا۔ ''ہم اتنے دن نہیں رک سکتے۔''

''تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''اسلام آباد!'' میں نے جواب دیا۔

''اتنی دور تک سفر اس حالت میں...... قطعی ناممکن ہے۔ کم سے کم بھی دو دن رکنا ہوگا۔ اڑتالیس گھنٹے بعد ہی اسے جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔ اس کا خون بہت بہہ گیا ہے۔ بچہ بھی اسی وجہ سے ضائع ہوا ہے۔ ایسی حالت میں سفر کرنے سے یہ مر بھی سکتی ہے۔''

''ڈاکٹر میں آپ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے درخواست کی۔

''تم کرم دین کے سامنے بات کر سکتے ہو، اس سے میں کچھ نہیں چھپاتا۔'' وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

اس جھکی سے مغز ماری کرنے کے بجائے میں نے مطلب کی بات کی۔ ''ڈاکٹر، بات یہ ہے، دشمن ہمارے پیچھے لگا ہے۔ اسے گولی بھی اسی نے ماری ہے اور وہ ہمیں اس جگہ بھی تلاش کر سکتا ہے۔''

ڈاکٹر گلریز کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے تھے۔ ''تم جا سکتے ہو...... لیکن اس لڑکی کے لئے فی

الحال سفر کرنا سفر آخرت کے برابر ہوگا۔"

"اسے چھوڑ کر؟" اس بار میں نے تشویش سے کہا۔

"ہاں، اسے کوئی خطرہ نہیں ہے، میں ایک ذمے دار اور باعزت ڈاکٹر ہوں۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے لیکن میری غیر موجودگی میں کوئی دشمن آ گیا تو آپ اسے کیسے بچائیں گے؟"

"میرا چوکیدار اپنے گھر گیا ہے، ابھی آجائے گا، اس کے ہوتے کسی کی مجال نہیں ہے جو اس گھر میں قدم رکھ سکے۔"

"میرے دشمن ایک آدھ چوکیدار کے بس کی بات نہیں ہیں، وہ خود کار ہتھیاروں اور دستی بموں کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ میری اور بھاگ بھری کی قسمت اچھی تھی جو بچ کر نکل آئے۔"

"میں اور محافظ بلوا لوں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ فکر نہ کریں جناب! اس علاقے کا بچہ بچہ اسلحہ چلانا جانتا ہے۔" کرم دین بھی بولا۔ "ڈاکٹر صاحب پر سب جان دیتے ہیں۔"

ڈاکٹر گریز فخر سے مسکرایا تھا۔ "میں تو کہتا ہوں تم بھی رک جاؤ۔ اگر تم کو کسی سے خطرہ ہے تو کھلے میں جانے سے گریز کرو، میرا گھر بہترین پناہ گاہ ہے۔"

"نہیں...... اس گاڑی کی وجہ سے آپ بھی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اس لئے میں شام ہونے سے پہلے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی...... لڑکی بالکل محفوظ رہے گی۔"

"میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، اسے کب تک ہوش آئے گا؟"

"تقریباً چار گھنٹے میں...... ایک گھنٹا گزر چکا ہے مگر زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہے گی۔ اسے پھر پین کلر، انجکشن دینا ہوگا ورنہ تکلیف برداشت سے باہر ہو جائے گی۔"

میں نے سر ہلایا۔ "میں صرف چند منٹ لوں گا۔"

"تب تمہیں انتظار کرنا پڑے گا بلکہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے، آؤ دیکھتے ہیں آج کیا بنایا ہے، ہماری بیگم نے؟"

"وہ کوکنگ کرتی ہیں؟"

"میاں کھاتے رہ جاؤ گے۔" ڈاکٹر گریز نے فخر سے کہا تھا۔ "ویسے تو باورچی بھی ہے لیکن دوپہر کا کھانا بیگم ہی بناتی ہیں۔"

کوٹھی اندر سے خاصی وسیع و عریض ثابت ہوئی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور کرم دین کی رہنمائی میں ڈائننگ ہال میں آیا۔ کھانا لگایا جا چکا تھا۔ آبنوس کی طویل میز کے گرد دو درجن کرسیوں کی گنجائش تھی لیکن فی الحال وہاں صرف تین کرسیاں رکھی تھیں۔ کھانے میں چکن کڑاہی تھی۔ نرم چپاتیاں اور چائنیز رائس تھے۔ کھانے سے پہلے سوپ سرو کیا گیا۔ بلاشبہ ڈاکٹر گریز کی بیگم کے ہاتھ میں ذائقہ تھا، میں نے تعریف کی تو وہ کھل اٹھی۔

"تم اور لو ناں...... یہ تو کبھی تعریف نہیں کرتے۔" اس نے شکوہ کناں نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"بھئی اور کیا تعریف کروں...... میں تو خود چلتی پھرتی تعریف ہوں۔ تہتر برس کی عمر میں اتنافٹ، چست اور صحت مند ہوں۔" وہ چاولوں سے انصاف کرتے ہوئے بولا۔

کھانے کے دوران دونوں میاں بیوی کی نوک جھوک جاری تھی۔ دونوں صحیح معنوں میں مہذب اور وضع دار تھے۔ انہوں نے مجھ سے میرے اور بھاگ بھری کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نہ ہی احسان جتایا تھا۔ کھانے کے بعد سبز قہوہ، الائچی والا سرو کیا گیا۔ نشست گاہ میں ڈاکٹر گریز اپنی جوانی کے قصے سنا تا رہا اور بیگم گریز اس کی کھچائی کرتی رہی۔ ایسا لگ رہا تھا، دونوں میں لڑائی ہو رہی ہو لیکن اس کے پیچھے چھپی محبت صرف محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ ایک مثبت سوچ کے ساتھ ایک دوسرے کے سہارے عمر کا آخری دور بتا رہے تھے۔ اور اس میں بھی دوسروں کے کام آرہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر گریز سے فیس کے بارے میں پوچھا۔ "فیس کیسی...... میں نے ڈاکٹری کو بطور پیشہ بارہ برس پہلے چھوڑ دیا تھا۔ پینتیس برس تک بے حساب کمایا۔ خدا معاف کرے، کبھی امیر غریب کی پروانہیں کی۔ جی نائن میں میرا کلینک تھا۔ صبح سے شام تک چلتا تھا۔ سونے کی کان تھا۔ کمانے کی دھن میں کبھی پرواہی نہیں کی کہ اتنا پیسا کیا کرنا ہے۔ اب میں کسی سے ایک پیسا نہیں لیتا ہوں لیکن اتنا سکون پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ سمجھ لو، میں دوسرے طریقے سے کمارہاہوں۔"

"اوکے، تب میں آپ کا شکرگزار ہوں۔" میں نے گھڑی دیکھی۔ "کیا بھاگ بھری ہوش میں آ گئی ہو گی؟"

"میرا خیال ہے......آ ؤ دیکھیں۔"

بھاگ بھری جس کمرے میں تھی، وہ صاف ستھرا اور مختصر سا تھا، اس میں صرف ایک بستر اور ایک دراز تھی۔ وہ ساکت لیٹی تھی لیکن جب میں نے اسے آہستہ سے آواز دی تو اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"شہباز...... بھائی!"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "تُو اب بالکل ٹھیک ہے۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا البتہ اسے تھپکتا رہا تھا۔ "بھاگ بھری...... میں اسلام آباد جا رہا ہوں...... تم ابھی سفر کے قابل نہیں ہو۔"

"نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔ "میں تمہارے بغیر نہیں رہوں گی۔"

"بھاگ بھری، یہ اچھے لوگ ہیں، میں اطمینان کر چکا ہوں۔ یہ تمہاری پوری طرح دیکھ بھال کریں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "ممکن ہے، دو دن بعد میں تمہارے بابا کو لے کر آؤں۔"

"مجھے بھی لے کر چلو۔" اس نے رونا شروع کر دیا اور اسے سمجھانے بجھانے میں خاصا وقت لگا کہ وہ فی الحال سفر نہیں کر سکتی، جیسے ہی وہ پُرسکون ہوئی، ڈاکٹر گریز نے اسے مارفین کا انجکشن دے دیا تھا۔

"ڈونٹ وری...... اب یہ تقریباً آٹھ گھنٹے سکون سے سوئے گی۔" ڈاکٹر گریز نے مجھ سے کہا۔ "اس بارے میں تم بے فکر رہو۔ میں اور ذکیہ (ڈاکٹر صاحب کی بیگم) مل کر اسے سنبھال لیں گے۔"

☆=====☆=====☆

میں باہر آیا تو آسمان پر ہلکے سرمئی رنگ کے بادل جمع ہو رہے تھے۔ برف باری کے آثار تھے۔ ڈاکٹر نے

اس بار مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''اوکے ینگ مین! مجھے اپنے کانٹیکٹ نمبر دے دو۔''

''میرا تو کوئی نمبر نہیں ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لیکن میرا وکیل ہے ندیم بھٹی...... اس کا نمبر ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو آپ اس سے رابطہ کر لیجئے گا۔'' میں نے اسے ندیم کے نمبرز دیئے اور رخصت ہو گیا۔ کرم دین نے احتیاطاً پک اَپ کو کوٹھی کے عقبی حصے میں کھڑا کر دیا تھا۔ نیچے آتے ہی میں نے ایکسلریٹر دبایا تھا۔ حالات و واقعات اتنی تیزی سے بدل رہے تھے کہ ابھی میں ایک واقعے کا عادی بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ حالات بدل جاتے تھے۔ نت نئے کردار آ رہے تھے اور میں ان کو سمجھ بھی نہیں پاتا تھا کہ وہ رخصت ہو جاتے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا میں کسی سینما اسکرین کے سامنے بیٹھا ہوں اور پردے پر تیز رفتار واقعات والی فلم چل رہی ہو۔ پہاڑی علاقوں میں شام اور وہ بھی سرما کی شام بہت تیزی سے آتی ہے۔ چار بجے تھے اور اچانک ہی اندھیرے کا احساس ہوا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹس آن کیں اور رفتار سست کر دی، سڑک پر بعض مقامات پر بدستور برف موجود تھی اور ایسی جگہوں پر پک اَپ کو آگے بڑھانے کے لئے ریس دینا پڑتی تھی۔ ایک جگہ دس بارہ گاڑیوں کا قافلہ پھنسا ہوا تھا۔ ان میں زیادہ کمرشل گاڑیاں تھیں، ایک دو پرائیویٹ تھیں یہ لوگ کسی وجہ سے یا برف باری دیکھنے کے لئے اس طرف آئے ہوئے تھے۔ آگے سڑک پر اوپر سے خاصی برف گری ہوئی تھی، جسے ایک بلڈوزر صاف کر رہا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ سڑک کی ڈھلان پر مکانات تھے اور ان کی طرف برف نہیں لڑھکائی جا سکتی تھی، اسے سمیٹ کر آگے کی جانب پھینکا جا رہا تھا۔ کم سے کم دو گھنٹے تک سڑک صاف ہونے کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ تمام گاڑی والوں نے انجن بند کر دیئے تھے۔ میں بھی بند کر کے نیچے اتر آیا۔ آگے ایک شہ زور تھی۔ اس پر اچھی لکڑی کے تختے لدے تھے، میں نے اس کے ڈرائیور سے پوچھا۔

''یار، یہ راستہ کب تک صاف ہو گا؟''

''ایک سے دو گھنٹے میں۔'' اس نے جواب دیا، لہجے سے وہ پنجاب کا رہنے والا لگ رہا تھا۔ ''برف اوپر سے گر رہی ہے۔ جتنی صاف کرتے ہیں، اتنی ہی اور گر جاتی ہے۔ جب تک اوپر سے گرنا بند نہیں ہو گی، راستہ صاف نہیں ہو گا۔''

میں نے آگے جا کر جائزہ لیا۔ بلڈوزر ایک بار میں خاصی برف سمیٹ کر آگے لے جاتا تھا اور اتنی دیر میں پیچھے پھر خاصی برف جمع ہو جاتی تھی۔ اوپر ڈھلان برف سے بھری ہوئی تھی اور اس سے رہ رہ کر برف سرک رہی تھی۔ درخت اور پودے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں تھی۔ مقامی انتظامیہ کا بلڈوزر اور تین چار افراد کام میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے جا کر ان میں سے سپروائزر کا پوچھا۔ ایک پستہ قامت اور دبلا سا شخص سامنے آیا اور سرکاری انداز میں بولا۔ ''کہو، کیا بات ہے؟''

''میری ایک تجویز ہے، کم سے کم یہ گاڑیاں نکل جائیں گی۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے بے پروائی سے سگریٹ کا کش لیا۔

''وہ ایسے کہ بلڈوزر برف صاف کرتا آگے چلے اور باقی گاڑیاں اس کے پیچھے۔ جہاں جگہ ہو وہاں بلڈوزر ایک طرف ہو جائے اور گاڑیاں آگے نکل جائیں۔''

''اور اوپر سے سلائیڈنگ ہو گئی تو کون ذمے دار ہو گا؟''

''جس طرح برف گر رہی ہے سلائیڈنگ کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''اوہ...... صاحب! ادھر مجھے جواب دینا ہوگا جب تک سڑک صاف نہیں ہوگی، کوئی گاڑی آگے نہیں جا سکتی ہے۔'' وہ بولا۔ ''ابھی ایک گھنٹا لگے گا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بدقسمتی سے میری گاڑی سب سے پیچھے تھی، اس وجہ سے میں بلڈوزر کے پیچھے جا بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے انتظار کرنا تھا اور خطرہ تھا کہ اس دوران میں کوئی ادھر نہ آ نکلے۔ ڈھلان پر چھوٹی سی آبادی تھی۔ ایک جگہ مجھے کسی ہوٹل کے آثار نظر آئے۔ میں نے اس طرف جانے کا سوچا اور شہ زور کے ڈرائیور سے کہا۔ ''بھائی روانگی کے کوئی آثار نظر آئیں تو ہارن دے دینا میں نیچے تک جا رہا ہوں۔''

''بالکل برادر! تم فکر مت کرو۔'' اس نے یقین دلایا۔

ہوٹل جھگی نما تھا۔ ایک کچی چار دیواری پر ٹین کی چھت تھی۔ اندر مسلسل آگ جلنے سے چھت پر جمع ہونے والی برف پگل جاتی تھی۔ چھت صاف نہیں کرنی پڑتی تھی۔ میں پانی سے بچتے ہوئے چمڑے کا بھاری پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔ اس پردے نے اندر ماحول گرم رکھا تھا۔ ایک لمبی سی میز کے دونوں طرف کوئی درجن بھر افراد تھے اور ان میں سے نصف گاڑیوں سے اتر کر آئے تھے۔ ہوٹل کا مالک مستعدی سے چائے اور کھانے کی دیگچیوں کے درمیان گردش کر رہا تھا کیونکہ نصف افراد کھا رہے تھے اور باقی بار بار قہوہ، چائے طلب کر رہے تھے۔ میں نے بھی قہوہ مانگ لیا۔ ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا سرو کر رہا تھا۔ اس نے پٹخنے کے انداز میں قہوے کا گلاس میرے سامنے رکھا تھا۔ سردی کی وجہ سے ذائقے پر غور کرنے کی فرصت کسی کو نہیں تھی۔ میں نے جلدی جلدی چند گھونٹ لئے۔ ہوٹل کے گرم ماحول میں آ کر اندازہ ہوا کہ باہر کس غضب کی سردی تھی اور دوسرے گلاس کے دوران میں نے اندر کے ماحول کا جائزہ لیا۔ سب خود میں مگن تھے۔ دو افراد مستقل مقامی زبان میں محو گفتگو تھے۔ مزے کی بات ہے کہ بیک وقت بول رہے تھے اور سن بھی رہے تھے۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ ہوٹل کا مالک بار بار مجھے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار اس نے اپنے بیرے سے کان میں کچھ کہا، اس نے بے ساختہ میری طرف دیکھا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔ میرے اندر شک سر اٹھانے لگا۔ میں جن حالات سے دوچار تھا ایسے میں کسی پر آسانی سے اعتبار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مالک کا بار بار مجھے دیکھنا بلا سبب نہیں تھا اور جب لڑکا اچانک کام کرتے کرتے پردہ اٹھا کر باہر نکلا تو میرا شک یقین میں بدلنے لگا۔ دال میں کالا تھا۔ میں بھی یک دم ہی اٹھا اور لڑکے کے پیچھے نکلا۔ وہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ تاریکی میں اس کا ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔ میں ایک منٹ بھی دیر سے نکلتا تو وہ غائب ہو جاتا۔ میں نے اسے دبے قدموں جا لیا اور اس کا بازو پکڑا۔ ''رکو...... کدھر جا رہے ہو؟''

''چھوڑو مجھے۔'' لڑکے نے سرکشی سے بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن میری گرفت میں تڑپ کر رہ گیا تھا۔

''ہوٹل والے نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟'' میں نے اس کا بازو گھما کر عقب کی طرف لاتے ہوئے لاک لگایا۔

اس بار وہ تکلیف سے تڑپ گیا۔ ''چھوڑو مجھے، میں نہیں جانتا۔''

میں نے دباؤ ذرا سا بڑھایا اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا ورنہ اس کی چیخ پہاڑوں میں گونج کر رہ جاتی۔

''اب تم نے ذرا بھی زور لگایا تو بازو ٹوٹنے کے ذمے دار خود ہو گے۔'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اسے آرم لاک لگانے کے دوران کھینچ کر ایک مکان کی آڑ میں لے گیا تھا، اس نے سر ہلایا۔

''آواز مت نکالنا، میرے پاس پستول ہے، ممکن ہے وہ تمہاری آخری آواز ہو۔''

ہم مقامی زبان میں بات کر رہے تھے جو تین چار زبانوں کا مکسچر تھی۔ میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تو وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

''خان جی...... نے مجھے زرگل کے پاس...... بھیجا ہے۔''

''میرے بارے میں کیا کہا ہے اس نے؟''

''اس نے کہا...... کہ زرگل کو بتا دو...... اس کا مطلوبہ آدمی ہوٹل......''

اسی لمحے مجھے اوپر سے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی اور میں نے بروقت لڑکے کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کوئی آ رہا تھا ''آواز نہ نکلے۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''بلاوجہ مارے جاؤ گے، میں دس قتل کر چکا ہوں۔''

درحقیقت میرے ہاتھوں زیادہ ہی لوگ مارے جا چکے تھے لیکن سر دست دس افراد کے قتل کا اعتراف بھی اس لڑکے کو دہلانے کے لئے کافی تھا۔ وہ یک دم بالکل ساکت ہو گیا۔ آنے والا ہم سے آگے نکلا میں نے محسوس کیا، وہ ہوٹل کا مالک تھا اسے میرے باہر آنے سے تشویش لاحق ہوئی تھی، لڑکے نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اس کے ساکت ہونے سے مجھے غلط فہمی ہوئی کہ وہ خاموش رہے گا۔ اس نے اچانک تڑپ کر جھٹکا دیا اور میرا ہاتھ اس کے منہ سے ہٹ گیا۔ میرے لئے اس کی حرکت غیر متوقع تھی۔

''خان جی!'' اس نے پکارا۔ ہوٹل کا مالک اچانک پلٹا اور میں نے اس کے ہاتھ میں کسی چمک دار شے کی جھلک محسوس کی تھی۔ میں نے بروقت لڑکے کو ایک طرف دھکا دیا اور خود دوسری طرف گرا تھا۔ ایک شعلہ لپکا اور میں نے لڑکے کی چیخ سنی تھی۔ گرتے گرتے میں نے پستول نکالا اور ہوٹل کے مالک پر فائر کیا۔ یہ سارا خود کار عمل تھا، جب تک میرا جسم بائیں پہلو کے بل نرم برف سے ٹکرایا، میں پہلا فائر کر چکا تھا۔ مجھے نتیجہ دیکھنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ میں نے گرتے ہی لگاتار فائر کئے۔ اس کا جسم جھولا اور پھر نیچے گرتا چلا گیا۔ میں اٹھ کر لڑکے کی طرف دوڑا۔ وہ شانہ تھامے کراہ رہا تھا۔ گولی شانے میں لگی تھی یعنی خطرے کی بات نہیں تھی۔ میں پستول جیکٹ میں رکھتے ہوئے اوپر کی طرف بھاگا۔ لازمی بات تھی، تھوڑی دیر میں یہاں مجمع ہونے والا تھا اور میں پبلک کے ہاتھ آ جاتا تو میری خیر نہیں تھی۔

جب تک میں اوپر پہنچا، نیچے شور ہونے لگا۔ میں نے تاریکی میں پناہ لے رکھی تھی۔ ایک سنسان جگہ سے سڑک کراس کر کے میں اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ خوش قسمتی سے پک اپ کے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے خاموشی سے اندر گھس کر اسے اسٹارٹ کیا اور بیک کرنے لگا۔ جو گاڑیوں والے اوپر تھے، وہ اب نیچے ہونے والے ہنگامے کی طرف متوجہ تھے اس لئے کسی نے پک اپ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ میں بہت احتیاط سے اسے پیچھے لا رہا تھا کیونکہ تاریکی میں بالکل پتا نہیں چل رہا تھا۔ کوئی دو ڈھائی سو گز پیچھے آ کر مجھے ایک جگہ ملی اور

میں نے پک اَپ موڑی۔ میں نے ایک بار پھر خدا کا شکر ادا کیا کہ فرار کے لئے میرے پاس پک اَپ تھی۔ ورنہ مجھے پیدل ہی فرار ہونا پڑتا۔ سات بج رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے نصف رات سے زیادہ کا وقت ہو چکا ہو۔ میرا تھکن سے برا حال تھا اور فی الحال ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ مجھے کہیں آرام کرنے کے لئے کوئی جگہ ملے۔

قسمت کی خرابی جاری تھی، میں نے فتح خان کے گرگوں سے بچنے کے لئے جس ہوٹل میں پناہ گزین ہونے کا سوچا، اس کا مالک دشمن نکلا۔ اس نے مجھے جس طرح شوٹ کرنے کی کوشش کی تھی، اس سے صاف ظاہر تھا، وہ فتح خان کا آدمی ہے۔ زرگل بھی شاید اس کا ساتھی تھا اور ان کے آنے پر وہ دونوں مل کر مجھے قابو کرنے کی کوشش کرتے، جب اس نے دیکھا کہ میں ہوشیار ہو گیا ہوں تو اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی اور انجام کار میرے ہاتھ سے مارا گیا یا زخمی ہوا۔ بہ خدا اس میں میرے شعور کی ایک فی صد بھی کارستانی نہیں تھی۔ سب کچھ جیسے خود بخود ہوا تھا۔ کوئی تین چار کلومیٹر پیچھے جا کر مجھے اوپر جانے والا ایک راستہ نظر آیا۔ میں نے پک اَپ اس طرف موڑ دی تھی کہ ممکن ہے کہ یہ راستہ آگے جا کر دوبارہ ہائی وے پر نکلتا ہو لیکن کوئی دو سو گز اوپر گیا ہوں گا کہ سڑک ایک پتھریلی فصیل میں لگے فولاد کے بھاری بھرکم گیٹ کے سامنے جا کر ختم ہو گئی۔ پک اَپ کی آواز اور روشنی پر اندر سے فوری طور پر ردِعمل ہوا اور کسی نے ذیلی گیٹ کھول کر جھانکا۔

''کون ہے؟'' جھانکنے والے نے اونچی آواز میں کرخت لہجے میں پوچھا۔

میں نے پک اَپ بند کی۔ ''میں راستہ بھول کر اس طرف آ نکلا ہوں۔'' میں نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔

''کدھر جانا ہے؟''

''جا تو مری کی طرف رہا ہوں لیکن اس سڑک پر آ گیا۔''

''واپس جاؤ، جس جگہ سے مڑے تھے، اس سے سیدھا چلے جاؤ۔'' مجھے مشورہ دیا گیا۔ جو میں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ اصولاً تو مجھے سردی اور تاریکی کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس سے پناہ کی درخواست کرنی چاہئے تھی لیکن حالات جس طرح پل پل بدل رہے تھے اور مجھے ہر قدم پر ایک نئے دام، ایک نئے پھندے سے واسطہ پڑ رہا تھا تو کہیں اس قلعے میں بھی کوئی نئی آفت میرے پلے نہ پڑ جائے، یہ سوچ کر میں نے واپسی میں عافیت سمجھی۔ پک اَپ گھما کر میں واپس لایا اور اللہ کا نام لے کر سیدھا روانہ ہوا۔ مجھے دور سے گاڑیوں کی وہ قطار غائب نظر آئی، اتنی دیر میں برف صاف ہو گئی تھی یا سردی زیادہ ہونے سے برف جم گئی تھی اور سلائیڈنگ رک گئی تھی۔ میں اس جگہ سے گزرا تو نیچے تاریکی نظر آئی، محض آدھے گھنٹے میں سب نمٹ گیا تھا۔ ممکن ہے وہ شخص مرا نہ ہو۔ اس کے آگے بھی سڑک صاف تھی اور پھر کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی تھی۔ میں سیدھا نکلتا چلا گیا تھا۔ رات گیارہ بجے میں مری شہر میں تھا وہاں میں نے پک اَپ میں ایندھن بھروایا جو خاتمے کے قریب تھا۔ اس کے بعد کا سفر اور آسان تھا۔ ساڑھے بارہ بجے میں اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔ اب تک مجھے فتح خان کے گرگوں کی فکر تھی اور جب میں ان سے دور نکل آیا تو مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر کھانے لگی تھی۔ میں نے سب سے پہلے ایک رات بھر کھلے رہنے والے پی سی او سے ندیم کو کال کی۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اس کا نمبر زیرِ نگرانی ہو گا مگر رابطہ تو کرنا تھا

وہ سوتے سے اٹھا تھا اور میری آواز سن کر چلانے لگا۔

''ابے تو...... منحوس آدمی...... میرے دن کے سکون اور رات کی نیند کے دشمن...... تو زندہ ہے۔''

''نہیں، میں عالم بالا سے بول رہا ہوں، باقی افراد کا کیا حال ہے؟''

''مجھے کیا معلوم...... وہ تیرے ساتھ تھے۔''

''یعنی انہوں نے تجھ سے رابطہ نہیں کیا؟''

''نہیں۔'' ندیم نے انکار کیا۔ ''یہ بتا تو کہاں ہے؟''

''بتایا تو ہے عالم بالا سے بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا، اسی لمحے میری نظر ایک شخص پر پڑی، وہ موبائل پر بات کرتا پی سی او کے سامنے ایک سپر اسٹور سے باہر نکل رہا تھا۔ ''اچھا، میں تجھ سے موبائل پر رابطہ کرتا ہوں۔''

''نمبر یاد ہے ناں...... میرا؟''

''ہاں، وہ تیرے بچوں کا عدد تھوڑی ہے جو میں بھول جاؤں۔''

میں نے ایک نوٹ پی سی او والے کو دیا اور باہر لپکا۔ لڑکے نے پکارا۔ ''بقیہ تو لیتے جائیں۔''

''رکھو یار! پھر آؤں گا تو دے دینا۔''

میں باہر نکل کر تیز قدموں سے اس شخص تک پہنچا جو اپنی مارگلہ کار میں بیٹھنے والا تھا۔ ''ایکسکیوزمی، سر!'' میں نے شائستگی سے کہا۔ ''مجھے آپ کا موبائل درکار ہے۔''

پستول کی جھلک دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی تھی اور اس نے بات کرتے کرتے بلا چوں و چرا موبائل میرے حوالے کر دیا۔ اس نے آف ہی نہیں کیا تھا میں نے کال کاٹ کر موبائل کا معائنہ کیا۔ عام سا موبائل تھا۔

''کتنے کا لیا تھا؟''

''چار ہزار کا۔'' اس نے حسرت سے کہا۔ وہ ادھیڑ عمر اور شریف آدمی نظر آتا تھا۔ ''ابھی دو ہزار کا کار[illegible] ڈلوایا ہے۔''

میں نے رقم نکال کر اس میں سے چھ ہزار روپے الگ کئے۔ ''یہ رکھو اور موبائل کی رپورٹ مت کرانا۔ نمبر بھی بند مت کرنا۔ دو دن بعد اس پر رابطہ کرنا، میں بتاؤں گا کہ موبائل کہاں سے لینا ہے۔''

وہ دم بخود رہ گیا تھا اس نے غالباً ایسا موبائل چھیننے والا خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوگا جو نہ صرف موبائل اور بیلنس کی ادائیگی کرے بلکہ دو دن بعد موبائل واپس بھی کر دے۔

''تب تم موبائل لے کیوں رہے ہو؟''

''ضرورت ہے، اس وقت کوئی دکان نہیں کھلی ہے، ورنہ وہاں سے لے لیتا۔''

اس کا خوف کم ہو گیا تھا۔ ''میں جانتا ہوں ایک موبائل کمپنی ہے وہاں سے موبائل بھی مل جائے گا کنکشن بھی اور بیلنس بھی، تم صرف دو دن کے لئے مجھے چھ ہزار دے رہے ہو۔''

''چلو دلوا دو۔'' میں نے کہا اور پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ میں اندر آ گیا۔ اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔

''مجھے نادر شاہ درانی کہتے ہیں۔''

میں بے ساختہ ہنسا تھا۔ "شمشیر ابن شمشیر...... یہ نام تم پر بالکل سوٹ نہیں کر رہا۔"

"بس! ماں، باپ نے رکھ دیا۔" اس نے سرد آہ بھری۔ "بندہ جو سب سے بڑی چیز ہاتھ سے چلاتا ہے، وہ پین ہے۔ آج تک مرغی بھی نہیں کاٹی، پینٹر ہوں۔"

"بندہ بھی کچھ عرصے پہلے تک ایسے ہی شرفا میں شمار ہوتا تھا۔ نام آپ جو مناسب چاہیں دے لیں، اصل نام میں نہیں بتا سکتا۔ بلاوجہ آپ بھی مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی مسٹر تھنگ!" وہ ہنسا۔

"آپ ناچیز بھی کہہ سکتے ہیں۔"

راستے میں مجھے ایک جگہ میکڈونلڈ کا بورڈ نظر آیا اور مجھے یاد آیا، میں نے آخری کھانا کوئی دس گھنٹے پہلے کھایا تھا۔ "جناب، ذرا دیر کے لئے اس طرف کار موڑ لیں، بندہ بھوکا بھی ہے۔"

کچھ دیر بعد میں اور نادر شاہ درانی ایک میز پر بیٹھے تھے، میں برگر سے انصاف کر رہا تھا اور اس نے اپنے لئے کافی لی تھی، بل میرے منع کرنے سے پہلے اس نے ادا کر دیا تھا۔ وہاں موجود افراد نے میرے حلئے اور بڑھے ہوئے شیو کو مشکوک نظروں سے دیکھا تھا مگر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کھا پی کر ہم باہر آئے۔ ساری رات کھلی رہنے والی دکان ذرا فاصلے پر تھی، میں نے ایک استعمال شدہ سیٹ اور کنکشن لیا بیلنس ڈلوایا اس طرح مجھے ساڑھے پانچ ہزار میں سیٹ مل گیا۔

"اب کہاں جانا ہے آپ نے؟"

"جہاں تقدیر لے جائے، ویسے آپ مجھے اس جگہ اتار دیں جہاں سے لیا تھا تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "یار! اگر کوئی مسئلہ ہے تو میرے ساتھ چلو، رات گزار کر صبح چلے جانا۔"

میں نے سوچا، نادر شاہ درانی کچھ زیادہ ہی مہربان ہو رہا تھا۔ ممکن ہے وہ یہ سب خلوص سے کر رہا ہو لیکن مجھے محتاط ہی رہنا چاہئے تھا۔ ایک رات کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، میں پک اَپ میں بھی گزار سکتا تھا۔ میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" اس نے کہا۔ "آیئے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"

اس نے ڈھائی بجے کے قریب مجھے پی سی او کے قریب اتارا۔ میں اسے دکھانے کے لئے سپر اسٹور کے اندر چلا گیا۔ وہاں واش روم تھا، اس بہانے وہاں سے بھی ہو آیا۔ جب باہر آیا تو وہ جا چکا تھا۔ میں بھی تیزی سے پک اَپ میں وہاں سے نکل آیا۔ ایک رہائشی علاقے میں خالی پلاٹ میں پک اَپ روک کر میں نے ندیم کو کال کی۔ حسبِ معمول گالیوں سے آغاز کر کے وہ کام کی بات پر آیا۔ "تم سب نے میری زندگی حرام کر دی...... اس نے رابطہ کیا تھا، تیرا یار غار ہے...... دو منٹ بات کی تیرے بارے میں پوچھا اور رابطہ ختم کر دیا۔ وہ کنگلا بھی پی سی او سے بات کر رہا تھا۔ میں چلاتا رہ گیا، اس نے کال کاٹ دی۔ اسے بتاتے ہوئے......"

"یار، میری طرح وہ بھی سڑک پر ہوگا۔ کال کہاں سے آئی تھی، وقت کیا تھا؟"

"جی ٹی روڈ کے ایک پی سی او سے...... راولپنڈی میں ہے۔ کال آج صبح گیارہ بجے آئی تھی بلکہ کل صبح کہہ لے اب...... تو اگلا دن ہو گیا ہے۔"

"ندیم تیرا یہ نمبر محفوظ ہے ناں......؟"

"اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ان لوگوں کی پہنچ بہت زیادہ ہے۔ انتخابات قریب ہیں اور سرکاری حمایت کی وجہ سے مرشد علی کی پوزیشن مضبوط ہے۔ وہ من مانی کر رہا ہے۔" ندیم تلخی سے بولا۔ "مقدمات کے سلسلے میں اس نے جو وعدے کئے تھے ان سے بھی مکر گیا ہے۔"

"فی الحال مرشد علی میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ فتح خان ہے۔ وہ ایمن کی وجہ سے میرے پیچھے پڑا ہے۔"

"برٹ شا کی دختر نیک اختر!" ندیم نے تصدیق چاہی۔ "میں نے اسے ڈسکوری پر دیکھا ہے، ایک پروگرام کر رہی تھی۔ اس کی درخواست بھی میری نظر سے گزری ہے جو اس نے وزارتِ داخلہ کو دے رکھی ہے۔"

"فتح خان اس کے لئے پاگل ہے۔ برٹ شا زندہ ہے اور اسی کی قید میں ہے۔"

"وہ کس خوشی میں؟"

"یار تُو بھول گیا ہے، ہیروں کا معاملہ ہے۔"

"لیکن تُو کہہ رہا تھا، فتح خان ڈیوڈ شا کے لئے کام کر رہا ہے اور ڈیوڈ شا...... بھلا اپنے کزن کو کیوں زندہ دیکھنا چاہے گا؟"

"فتح خان نے یہ معاملہ اس سے چھپایا ہے۔ اسے ہیرے مل جائیں تو وہ ڈیوڈ شا پر لعنت بھیج کر وسط ایشیا کے کسی ملک چلا جائے گا اور باقی عمر وہاں عیش سے گزارے گا۔ ہیروں کی مالیت کروڑوں ڈالرز میں ہے۔"

"حکیم قادس کا پتا چلا؟"

"وہ بھی ڈیوڈ شا کی قید میں تھا ہمارے ساتھ تھا۔ پھر ڈیوڈ شا اسے اپنے ساتھ لے گیا۔"

"یہ بھی حیرت انگیز آدمی ہے۔"

"یار، یہ بات راجا عمر دراز تک پہنچانی ہے۔"

"پہنچ جائے گی، اس کا سیکرٹری بیگ یہاں ہے۔ راولپنڈی والے افراد اب اس کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ میری روز اس سے بات ہوتی ہے۔"

"اس کا نمبر دے...... میرے پاس موبائل بھی تھا، سب نیک نام کے ساتھ ضائع ہو گیا۔"

"میں نے خبر پڑھی تھی۔ بم دھماکے میں سات افراد کے مارے جانے کی خبر تھی۔"

"بم دھماکا بکواس ہے، ان کی آمرڈ کار کو ریموٹ کنٹرول بارودی سرنگ سے اڑایا گیا اسے اور کسی طرح سے تباہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"اب تیرا کیا ارادہ ہے؟" ندیم نے کہا۔ "میں تجھے بیگ کا نمبر ایس ایم ایس کر رہا ہوں۔"

"تب اللہ حافظ...... بھابی کو سلام کہنا...... اور ان تینوں میں سے کوئی رابطہ کرے تو میرا یہ نمبر دے دینا۔"

میں نے کال ختم کی۔ میں پک اپ کے تاریک کیبن میں نیم دراز تھا کہ کسی کو نظر نہ آؤں۔ ویسے بھی یہاں اور اس کے آس پاس تاریکی تھی۔ سردی شدید تھی لیکن جس قسم کی سردی میں دیکھ کر آ رہا تھا، اس کے مقابلے میں یہ مجھے نارمل لگ رہی تھی۔ میں دونوں نشستوں پر دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ندیم کی طرف سے ایس ایم ایس ملا، اس میں بیگ سے بات کرنے کے لئے دو نمبرز تھے، ایک موبائل تھا میں نے اسے ڈائل کیا۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز

آئی۔ "فرمائیے!"

"میں بات کر رہا ہوں..... آپ کا سابقہ مہمان۔"

"اوہ، آپ....." اس نے پہچان لیا مگر لہجہ سپاٹ ہی رہا تھا۔ کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا تھا، وہ کوئی روبوٹ ہے۔ "فرمائیے!"

"راجا صاحب تک اطلاع پہنچا دیں۔ حکیم قادس ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے اور وہ اب راجا صاحب کے پاس موجود کسی پتھر کی فکر میں ہے۔"

"راجا صاحب کو معلوم ہے۔ مزید کچھ.....؟"

"مجھے ایک ٹھکانا اور رقم کی ضرورت ہے۔"

"ایک ایس ایم ایس کر رہا ہوں، کسی پی سی او سے اس پر بات کیجئے گا لیکن صبح سات بجے۔"

میں نے موبائل بند کر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ موبائل پر الارم لگا دیا تھا۔ صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے، یعنی میں ساڑھے تین گھنٹے کے لئے سو سکتا تھا۔ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے یہ تو اچھی خاصی نرم نشست تھی، بے شک میرے سائز سے ذرا چھوٹی تھی مگر الارم سے پہلے مجھے کسی اور آواز نے بیدار کیا۔ یہ شیشہ تھپتھپانے کی آواز تھی۔ سات بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا، میں نے جیسے تیسے سکڑے اکڑے جسم کو سیدھا کیا۔ کوئی کھڑکی کا شیشہ بجا رہا تھا۔ میں نے شیشہ ذرا نیچے کیا۔

"کیا ہے.....؟ کون ہے؟"

"کون ہے کے بچے! تمہارا باپ ہے، نیچے اترو۔" بولنے کا لہجہ بتا رہا تھا، اس کا تعلق کسی محکمے سے ہے۔

"بس، اسی کی کسر رہ گئی تھی۔" میں نے گہری سانس لے کر سوچا اور شیشہ مزید نیچے کیا۔ "میرا باپ اپنے گاؤں میں آرام سے بیٹھا ہے، اسے راتوں کو آوارہ پھرنے کی عادت نہیں ہے۔"

"تیری تو.....!" آگے ظاہر ہے سب کچھ ہی ناقابلِ بیان تھا۔ میں نے یک دم دروازہ کھولا جو اس کے منہ پر لگا۔ اس کی بک بک بند ہو گئی۔ وہ پیچھے جا گرا تھا۔ صبح کی ہلکی سی روشنی میں، میں نے دیکھ لیا تھا، اس کے پاس اسلحہ نہیں تھا البتہ اس کے پاس سیٹی ہوتی اور وہ بجا دیتا تو مصیبت پڑ جاتی۔ میں نے بروقت اتر کر اس کے ہاتھ پر لات رسید کی وہ سیٹی نکال کر منہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس نے چلا کر گالی دی تو میں نے اگلی ٹھوکر اس کے بوتھے پر رسید کی، وہ معمولی سا سپاہی تھا، مجھ سے شرافت سے بات کرتا تو میں اسے دے دلا کر رخصت کرتا لیکن اس نے پولیس والوں کی مخصوص ذہنیت کا مظاہرہ کیا تھا، وہ منہ دبا کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ میں نے اس کے دائیں گھٹنے اور پسلیوں پر بھی چند تسلی بخش قسم کی ضربات لگائیں تو وہ بالکل انسان کا بچہ بن کر منت سماجت پر اتر آیا تھا۔ "خدا کے لیے..... اوہ شاہ جی..... بس کر یار۔"

"خدا نہ کرے جو میں تمہارا یار ہوں۔" میں نے اسے آخری ٹھوکر رسید کی۔ "اگر میرا کہیں بھی ذکر آیا تو اس بار تمہارے گھر آ کر ماروں گا۔"

وہ زمین پر پڑا ہائے..... ہائے کر رہا تھا اور میں اطمینان سے پک اَپ میں بیٹھ کر رخصت ہو گیا۔ میری بلا سے وہ رپورٹ بھی کرتا تو پک اَپ اور میرے بارے میں کیا بتاتا۔ شہباز ملک کی طرف کسی کا دھیان نہ

جاتا۔ مجھے پی سی او مارکیٹ میں ملا تھا اور خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک چائے کا کھوکھا بھی تھا۔ پی سی او والے نے رات کے چارجز دگنے کر دیئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے ایک کپ چائے لی اور پھر بیگ کا دیا ہوا نمبر ملوایا۔ کال خود اس نے ریسیو کی۔ ''کہاں ہیں آپ؟''

میں نے اسے محل وقوع سے آگاہ کیا۔ یہ سیکٹر جی الیون کا ایک علاقہ تھا۔ میں نے نزدیک ہی موجود ایک معروف گیسٹ ہاؤس کا حوالہ دیا۔ اس کے مالک سے میری اچھی جان پہچان تھی لیکن میں فی الحال کسی جانے پہچانے شخص کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔

''میں آدمی بھیج رہا ہوں۔ نیلے رنگ کی مزدا کار میں آئے گا، نمبر ہے پی ای سکس نائن ٹو ایٹ۔ اس کا نام شبیر احمد ہو گا۔''

''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دے کر فون بند کر دیا۔ پی سی او کے مالک نے مجھ سے بیس روپے طلب کر کے مجھے حیران کر دیا۔ ''کس بات کے بیس روپے...... میں نے مشکل سے دو منٹ بات کی ہے، تمہارا ایک یونٹ بھی نہیں بنا۔''

''رات کو کال ریٹ دگنا ہوتا ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''اوّل تو سورج نکلنے کے بعد رات نہیں ہوتی، دوسرے دو گنا ہوں تو بھی بیس روپے نہیں بنتے۔''

''میں نے ریٹ بتا دیئے ہیں، دو اور جاؤ...... دماغ کیوں کھاتے ہو؟''

اتنے میں ایک کانسٹیبل ٹہلتا ہوا اس طرف آنے لگا۔ میں نے کہا۔ ''چلو اس سے تصفیہ کرا لیتے ہیں۔''

''چلو، تم دس دے دو۔'' اس نے یک دم ریٹ نصف کر دیا۔

''یہ کی ناں...... تم نے بندوں والی بات۔'' میں ہنسا اور چائے والے سے پوچھا۔ ''تمہارے کتنے بنے یار!''

''پانچ روپے جی۔''

''اتنی زبردست، گرما گرم چائے کے صرف پانچ روپے، ایک کپ اور نکالو یار!''

اس نے خوش ہو کر اپنی بڑی سی کیتلی سے ایک کپ اور نکال کر مجھے دیا۔ میں نے چائے پی اور سو کا ایک نوٹ نکال کر اسے دیا۔ ''دس روپے اسے دے کر باقی تمہارے۔'' میں نے پی سی او کے مالک کی طرف اشارہ کیا تو اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ چائے والا خوش ہو گیا۔

☆======☆======☆

میں گیسٹ ہاؤس کی طرف چل پڑا۔ پک اَپ میں نے ذرا فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ میں نے اسے الوداع کہا۔ اس نے اب تک میرا اچھا ساتھ دیا۔ میں مشکل سے پانچ منٹ گیسٹ ہاؤس کے پاس رہا تھا۔ ایک نیلی کار آ کر وہاں رکی۔ میں نے نمبر دیکھا۔ اس کا نمبر وہی تھا جو مجھے سیکرٹری بیگ نے بتایا تھا۔ اس سے ایک بارلیش شخص اترا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، میں نے ہاتھ ہلایا۔ وہ میرے نزدیک آیا۔

''جناب کا نام؟'' اس نے ہاتھ آگے کیا۔

''شہباز احمد۔'' میں نے مصافحہ کیا۔

''شبیر احمد جناب۔'' اس نے مطمئن ہونے کے انداز میں کہا۔ ''چلیں جناب!''

ہم کار میں بیٹھے۔ وہ صرف دس منٹ میں آ گیا تھا، اس کا مطلب تھا کہیں نزدیک سے آیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی سب سامنے آ جاتا۔ چھ سات منٹ بعد اس نے کار اسی سیکٹر کے ایک وسیع وعریض بنگلے میں گھما دی تھی۔ اس کا گیٹ پہلے سے کھلا تھا۔ کار پورچ میں رکی اور میں نے وہاں بیگ کو موجود پایا۔ اس نے گرم جوش مسکراہٹ اور بے تاثر آواز سے میرا استقبال کیا۔ ''کیسے ہیں جناب، شہباز صاحب!''

''اللہ کا شکر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ مجھے اندر لایا۔ نشست گاہ تک آتے آتے اس کے چہرے کے تاثرات تشویش انگیز ہو گئے۔ اس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کو کہا اور خود کچھ دیر کے لئے چپ ہو کر سوچنے لگا۔

''شہباز صاحب، حالات خراب ہو رہے ہیں۔''

''میرے لئے تو خاصے عرصے سے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''اب سمجھ لیں...... پہلے سے زیادہ خراب ہیں۔ مرشد علی اور ڈیوڈ شا کا گٹھ جوڑ حالات کو مشکل بنا رہا ہے۔ راجا صاحب بھی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔''

''راجا صاحب، جب چاہیں میری سرپرستی سے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں، راجا صاحب آپ کی وجہ سے مشکل میں نہیں ہیں۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''آپ لوگوں کی وجہ سے راجا صاحب کو مدد ملی ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟ اور ہاں، وسیم کے بارے میں کچھ پتا چلا؟ وہ اور اس کی بہن کہاں ہیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وسیم...... شکیل اور سونیا کا ابھی تک کچھ پتا نہیں ہے۔ درحقیقت مجھے بھی ان کی فکر ہے، ان کا مقامی یونٹ کام کر رہا ہے اور فی الحال میرے پاس ہے۔''

مجھے مایوسی ہوئی۔ میرے سارے ساتھی اور پیارے لاپتا تھے۔ آزاد تھے یا دشمن کی قید میں، میں بالکل نہیں جانتا تھا۔

بیگ نے ایک سرد آہ بھری۔ ''ان لوگوں کے یہاں نہ ہونے سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ بہرحال آپ فی الحال آرام کریں گے۔ ناشتا کچھ دیر میں تیار ہو جائے گا۔''

''میں سب سے پہلے غسل کرنا چاہوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہاں بیگ صاحب، رحمت خان کہاں ہے؟''

''بڑی والی کوٹھی میں ہے۔''

''اس کی بیٹی کو میں نے فتح خان کے قبضے سے نکال لیا ہے۔'' میں نے بیگ کو بتایا۔ ''یہاں پر ڈاکٹر گلریز ہے۔ لڑکی اس کے کلینک میں زیرِ علاج ہے، اسے گولی لگی تھی۔''

''یہ اچھی خبر ہے، بے چارہ رحمت خان دن رات بیٹی کو یاد کر کے روتا ہے۔''

''لڑکی کو لانا آسان نہیں ہوگا۔ فتح خان کے گرگے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ خود فتح خان میری تلاش میں

اسلام آباد دوڑا آیا ہے۔ یہ جگہ محفوظ ہے تو لڑکی کو بھی یہیں لانا ہوگا۔"

"نہیں لڑکی اور اس کا باپ راجا صاحب کے محل جائیں گے، اب وہ وہاں رہیں گے۔" بیگ نے مجھے آگاہ کیا۔ "راجا صاحب پہلے ہی رحمت خان کو اپنی ملازمت میں لے چکے ہیں۔"

"تب بہتر ہوگا کہ بھاگ بھری کو یہاں بلوانے کے بجائے رحمت خان جائے اور اسے لے کر راجا صاحب کے پاس جائے۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "لیکن راجا صاحب محل میں نہیں ہیں بلکہ وہ لاہور میں ہیں۔"

"لاہور!" میں نے غور کیا۔ "وہ کیوں؟"

"یہ تو وہی جانیں۔" بیگ نے حسبِ معمول راجا عمر دراز کے بارے میں سوال کا جواب گول کر دیا تھا۔ وہ اپنے باس کا پکا راز دار تھا۔ "ممکن ہے، آپ کو بھی جانا پڑے۔"

"بیگ صاحب، جب تک مجھے میرے ساتھیوں کے بارے میں نہ پتا چل جائے میں کہیں نہیں جا سکتا۔"

"فی الحال تو آپ ناشتا کریں اور آرام کریں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "مجھے جانا ہے اگر مجھ سے رابطہ کرنا ہو تو اس بنگلے میں موجود فون سے اس موبائل نمبر پر کیجئے گا۔" اس نے کہا اور مجھے ایک نمبر دیا۔

میں نے پہلے غسل کیا۔ شیو کی، میرے بال بڑھے ہوئے تھے لیکن فی الحال بے ترتیب نہیں لگ رہے تھے۔ مجھے ایک عدد ٹراؤزر اور ہائی نیک جرسی مل گئی تھی۔ اس کے بعد میں نے ڈٹ کر ناشتا کیا۔ سونے سے پہلے ندیم سے سفیر اور مونا کے بارے میں استفسار کیا لیکن ابھی ان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں مایوس ہو کر سو گیا تھا۔ جی ہاں نیند تمام کیفیتوں میں آ جاتی ہے۔ میں پانچ گھنٹے بعد کوئی دو بجے جاگا تھا۔ بنگلے میں باہر وہ شخص تھا جو مجھے یہاں لایا تھا۔ اندر کے کاموں اور کچن کے لئے ایک اور ملازم تھا، اس نے میری فرمائش پر کھانا لگایا۔ کھانا کھا کر میں نے ایک بار پھر ندیم سے رابطہ کیا۔ اس بار بھی کوئی امید نظر نہیں آئی، پھر میں نے فکسڈ لائن سے بیگ کو فون کیا۔ "میری راجا صاحب سے بات ہوئی ہے، وہ آپ کے صحیح سلامت آنے سے بے حد خوش ہیں، وہ چاہتے ہیں، آپ بھی لاہور آ جائیں۔ یہاں خطرات زیادہ ہیں۔"

"بیگ صاحب! میں کہہ چکا ہوں، جب تک میرے ساتھی......"

"راجا صاحب کے آدمی ان کی تلاش میں ہیں اور مجھے راجا صاحب کی باتوں سے لگ رہا ہے، وہ ان کے قریب ہیں اور ممکن ہے لاہور کے آس پاس ہوں۔ دیکھئے اس علاقے میں مرشد علی بے حد طاقتور ہے۔ اس کا اثر رسوخ ہے اس کے مرید ہیں، میرا نہیں خیال کہ آپ کے ساتھی اس طرف آنے یا یہاں رکنے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں، یہ ممکن ہے۔ بہر حال میرے ایک ساتھی نے میرے وکیل ندیم بھٹی سے رابطہ کیا تھا۔ یہ کل صبح کی بات ہے۔ رابطہ اس نے راولپنڈی سے کیا تھا۔"

بیگ کی آواز میں تشویش کے آثار نظر آئے۔ "یہ اچھی خبر نہیں ہے یا تو وہ اس جگہ سے جا چکے ہیں یا

پھر......"

"میرے ذہن میں بھی یہی خدشات ہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اس وجہ سے میرا رکنا اور بھی ضروری ہے اگر میرے ساتھی دشمن کی قید میں جا چکے ہیں تو ان کو چھڑانا ہوگا۔"

"راولپنڈی والا یونٹ پوری طرح سرگرم ہے۔ ہم مرشد علی کے خاص ٹھکانوں کے بارے میں جان چکے ہیں۔ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے، مجھے ہر بارہ گھنٹے بعد رپورٹ ملتی ہے لیکن ابھی تک ایسی کوئی رپورٹ نہیں آئی ہے جس سے پتا چلے کہ مرشد علی کے آدمیوں نے کسی کو پکڑا ہے۔"

"ممکن ہے پکڑے جانے کی صورت میں ان کو کسی ایسے ٹھکانے پر لے جایا جائے جس کا علم آپ کو بھی نہ ہو۔ مگر مجھے امید ہے وہ مرشد علی کی گرفت سے باہر ہوں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" اس نے خلوص سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں، آپ راجا صاحب کے پاس چلے جائیں، ممکن ہے ان کے پاس آپ کے لئے کوئی خاص خبر ہو، وہ بہت ساری باتیں مجھے بھی نہیں بتاتے ہیں، بس انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو جلد از جلد لاہور کے لئے روانہ کردوں۔"

"اگر میں نے لاہور جانے کا فیصلہ کیا تو میں خود جاؤں گا۔ اس صورت میں، میں آسانی سے پہنچ جاؤں گا، لاؤلشکر کے ساتھ روانگی بعض اوقات مروا دیتی ہے۔"

بیگ سے بات کر کے میں نے اپنے اسلحے کا معائنہ کیا۔ میرے پاس ایک پستول تھا لیکن یہ چھینا ہوا تھا اور مجھے پسند نہیں تھا۔ دوسرا پستول سائلنسر والا تھا اور اس کا صرف ایک میگزین تھا۔ میں نے شبیر احمد کو بلایا۔

"مجھے اسمتھ اینڈ ولسن کا اعشاریہ اڑتیس کا پستول چاہئے اور یجنل ہو تو کیا بات ہے ورنہ چینی بھی چلے گا۔"

"اسمتھ اینڈ ولسن تو نہیں ہے۔ لانے میں کچھ وقت لگے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"اور بریٹا؟"

"وہ میرے پاس ہے۔" اس نے کہا اور پندرہ منٹ میں مجھے سلور کلر کا بریٹا لا دیا۔ "اصلی ہے، کبھی مسئلہ نہیں کرتا۔ اس کے دو اسپیشل میگزین ہیں، سولہ گولیوں والے۔"

"وہ بھی لا دو اور یہ دونوں رکھو۔ اگر اعشاریہ اڑتیس مل جائے تو مجھے وہ بھی چاہئے۔"

"تین گھنٹے میں آجائے گا۔" اس نے یقین دلایا۔ "بڑے اسلحے میں کچھ چاہئے؟"

"نہیں...... یہ کافی ہے۔" میں نے بریٹا چیک کیا اس نے مجھے دو عدد اضافی کلپ بھی لا دیئے تھے۔ سائز میں بڑا ہونے کے باوجود یہ کارکردگی کی وجہ سے تمام ہینڈ گنوں پر بھاری تھا خاص طور سے فورس والوں کا یہ پسندیدہ ہتھیار تھا جیسے ایک زمانے میں تھری ناٹ تھری کی رائفل فورس کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی۔ چار بجے ملازم نے مجھے فون کی اطلاع دی، دوسری طرف راجا عمر دراز تھا۔

"شہباز! مجھے خوشی ہے، تم ان کا پھندا توڑ کر نکل آئے۔ جال بے حد مضبوط تھا۔ اب تم جتنی جلدی ہو لاہور چلے آؤ۔"

"راجا صاحب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میرے ساتھی......؟"

"شہباز! مجھے ان کی اتنی ہی فکر ہے، جتنی تمہیں ہو سکتی ہے لیکن فی الحال تمہارا میرے پاس آنا بے حد

ضروری ہے۔"

میں تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی جو راجا عمر دراز اتنا اصرار کر رہا تھا۔ "سوچو مت شہباز! فون پر لمبی بات مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے راجا صاحب!" میں نے گہری سانس لی۔ "لیکن میں اپنے طور پر آؤں گا۔ وہاں میں آپ سے رابطہ کیسے کروں؟"

"یہ تمہیں بیگ بتائے گا۔" راجا عمر دراز خوش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، امید ہے میں جلد آپ کے پاس آجاؤں گا۔"

"لیکن شہباز خیال رہے تمہیں اپنی بے حد حفاظت کرنی ہے، یہ ہر چیز پر مقدم ہے۔"

"جی، میں سمجھتا ہوں۔"

"بیگ کچھ دیر میں تم سے رابطہ کرے گا، تم اس سے اپنی ضرورت کی ہر شے لے سکتے ہو۔"

میرا خیال تھا کہ بیگ فون پر رابطہ کرے گا لیکن ایک گھنٹے بعد وہ خود چلا آیا تھا۔ میں کافی پی رہا تھا اور لاہور جانے کے معقول اور محفوظ طریقے پر غور کر رہا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ دشمن راستے کی نگرانی کر رہا ہوگا میری اور میرے ساتھیوں کی خاطر سو دو سو آدمی نگرانی پر لگا دینا مرشد علی کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، دوسرے مجھے حلیہ بدل کر جانا تھا۔ سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا اور اس کے ساتھ ہی بیگ بھی چلا آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"بیگ صاحب! میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔ کسی آرمی جیپ اور آرمی آفیسر کی وردی کا بندوبست ہو سکتا ہے، وردی میجر یا کیپٹن کی ہو۔"

"کوشش کر سکتے ہیں، جناب! اصل جیپ تو نہیں ملے گی۔"

"جعلی سے بھی کام چل جائے گا۔ موٹر وے کے محفوظ راستے میں دو تین گھنٹے میں لاہور پہنچ جاؤں گا۔"

"بہترین خیال ہے جناب!" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "میں ابھی جاتا ہوں۔ یہ میں آپ کے لئے کچھ رقم اور موبائل لایا ہوں، اس میں راجا صاحب کا نمبر فیڈ ہے۔ آپ ان سے رابطہ کر سکیں گے۔"

"اور اگر کسی وجہ سے مجھ سے موبائل گم ہو گیا یا خراب ہو گیا یا کسی بھی وجہ سے میں راجا صاحب سے رابطہ نہ کر سکا تو......"

"میں بتا رہا ہوں جناب! اس صورت میں آپ مال روڈ پر کیفے فاران کے مالک اسحاق احمد سے رابطہ کریں گے، بہت مشہور جگہ ہے آپ آرام سے پہنچ جائیں گے۔"

"گڈ، وردی اور جیپ کا بندوبست کب تک ہو جائے گا؟"

"میرا خیال ہے صبح تک۔ اس کے لئے مجھے ابھی سے کوشش کرنا ہوگی۔"

"بس تو آپ کوشش کریں۔" میں نے اس سے کہا، اس نے مجھے تقریباً پچاس ہزار روپے اور ایک چھوٹا سا جدید ساخت کا سیل فون دیا۔ میں نے اپنا فون چارج پر لگا دیا تھا۔ بیگ نے مجھے تاکید سے کہا تھا، نکلنے سے پہلے دونوں موبائل مکمل طور پر چارج کر لوں ورنہ راستے میں مسئلہ ہو سکتا تھا۔

میں نے اس کے جانے کے بعد ندیم سے رابطہ کیا۔ وہ میری آواز سنتے ہی بولا۔ "یار، وہ سب گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہیں اور فی الحال میں بھی غائب ہو رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"سسرال جا رہا ہوں یار! سالی کی شادی ہے۔ ایک ہفتے بعد واپسی ہوگی۔"

ندیم کی سسرال کراچی میں تھی۔ "میں بھی جا رہا ہوں۔" میں نے اسے مختصراً اپنے لاہور جانے کا بتایا۔

"بس یار، خوش رہ، میرے تمام نمبرز آن رہیں گے۔ جیسے ہی مجھے ان کی طرف سے کوئی اطلاع ملی میں تجھے فون کروں گا مگر اتنی دیر میں تو غائب نہ ہو جانا۔"

"یہ تو تقدیر پر ہے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "تُو بھی سسرال جا کر عیش کر۔"

شبیر احمد نے مجھے ایک عدد اسمتھ اینڈ ولسن پستول لا دیا۔ اس کے بھی چار عدد اضافی کلپ تھے اور ایک کام کی شے بریٹا پر لگنے والا سائلنسر تھا۔ "یہ لائے ہو ناں کام کی شے، ان سب کی قیمت کیا ہے؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"سر، یہ سب راجا صاحب کا ہے، ہم سب ان کے خادم ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"پھر بھی یہ تمہارا انعام ہے۔" میں نے اسے پانچ ہزار دیئے۔

"شکریہ سر!" اس نے متانت سے رقم وصول کر لی۔

رات کا کھانا کھا کر میں گزشتہ دس بارہ دن کے اخبارات دیکھتا رہا۔ سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے مرشد علی کا خاصا ذکر تھا البتہ میرے حوالے سے کوئی خبر نہیں تھی سوائے شمالی علاقے میں ہونے والے بم دھماکے کے جس میں نیک نام اور اس کے ساتھیوں کی جان گئی تھی۔ اخبارات دیکھنے کے بعد میں نے شبیر احمد سے رات بھر کھلے رہنے والے کسی سیلون کا پوچھا، اس نے بتایا۔ "اس علاقے میں تو نہیں ہے آپ کو راجا بازار کی طرف جانا پڑے گا یا آب پارہ کی طرف۔"

میں نے آب پارہ کو ترجیح دی۔ شبیر احمد مجھے اسی نیلی مزدا میں لے گیا۔ وہاں ایک شاندار قسم کا سیلون تھا، میں نے بال کر یو کٹ کروائے۔ مونچھیں درست کرائیں اور شیمپو کروایا۔ بارہ بجے واپس آ کر میں سو گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ صبح تک بیگ جیپ اور وردی دونوں کا بندوبست کر لے گا۔ میں نے صبح آٹھ بجے کا الارم لگایا تھا، اسے سن کر آنکھ کھلی۔ میں نے ناشتا تیار کرنے کا کہا۔ واش روم سے فارغ ہو کر باہر آیا۔ شبیر احمد بھی آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بیگ کا پیغام دیا کہ میں بیدار ہوتے ہی اس سے رابطہ کر لوں۔ میں نے ناشتے سے پہلے اس سے بات کرنا مناسب سمجھا۔ "جی، بیگ صاحب!"

میری آواز سن کر اس نے کہا۔ "وردی کوٹھی میں آ چکی ہے اور جیپ عقبی طرف ایک پارک کے ساتھ کھڑی ہے۔ چابی شبیر سے مل جائے گی۔"

"شکریہ بیگ صاحب!" میں نے فون بند کر دیا پھر مجھے خیال آیا اور میں نے پھر نمبر ملایا۔ "بیگ صاحب میں رحمت خان کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔"

"وہ کل شام ہی دو افراد کے ہمراہ چلا گیا تھا، اب تک وہ راجا صاحب کے محل پہنچ چکے ہوں گے، میں

کنفرم کر کے بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں ناشتے کی میز پر آ گیا۔ ڈٹ کر ناشتا کرنے کے بعد میں نے وردی طلب کی اور کمرے میں آ گیا۔ یہ بالکل میرے سائز کی تھی، اس کے ساتھ ایک آرمی جیکٹ بھی تھی۔ اس کی اندرونی جیبوں میں دونوں پستول آ گئے اور اضافی میگزین میں نے بیلٹ میں لگا لئے مکمل تیاری کے بعد بڑے سیاہ شیشوں کی عینک نے مجھے ستر فی صد تبدیل کر دیا تھا اور غور سے دیکھے بغیر مجھے شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی وجہ سے میں نے آرمی گیٹ اَپ کا سوچا تھا کہ جرائم پیشہ افراد مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتے، عقبی طرف پارک کی سمت جانے کے لئے میں نے عقبی دروازہ استعمال کیا تھا۔ سورج غائب تھا اور بادل برسنے کے لئے تیار نظر آئے تھے۔ سردی بھی غضب کی تھی اس وجہ سے گلیاں سنسان نظر آ رہی تھیں۔ جیپ پارک کے پاس کھڑی تھی یہ مخصوص گہرے سبز رنگ کی دو دروازوں والی مختصر سی جیپ تھی۔ میں نے دائیں بائیں کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر چابی سے انجن اسٹارٹ کیا، جیپ گھما کر مین روڈ کی طرف لایا۔



اس لمحے مجھے ایک داخلی گلی سے ایک سفید کار نکل کر اپنے پیچھے آتی نظر آئی۔ میں نے رفتار تیز کی۔ کار کی رفتار بھی تیز ہوئی تھی۔ میں نے بلاوجہ جیپ کو دو تین گلیوں میں چکر دیئے کار بدستور میرے پیچھے لگی رہی تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ میرا تعاقب شروع ہو گیا تھا اور تعاقب کرنے والے دوست نہیں ہوتے ہیں۔ میں نے جیپ کا رخ موٹروے کی طرف کر دیا۔ انٹر چینج سے داخل ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کار بھی پیچھے تھی۔ میں نے سوچا اور انٹرنس کے پاس موجود موٹروے پولیس کے دفتر کے پاس جیپ روکی۔

"کسی افسر کو بلاؤ۔" میں نے آرمی آفیسر کے مخصوص حاکمانہ لہجے میں کہا اس کی مجھے خوب مشق تھی۔ میرے والد بھائی آرمی آفیسر تھے۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی نے گھبرا کر مجھے سلیوٹ کیا اور یس سر کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس کے ساتھ ایک نوجوان اے ایس آئی آیا۔

"یس سر! حکم؟" اس نے سلیوٹ کر کے کہا۔

"میجر شاہد آفاق!" میں نے کھردرے انداز میں کہا۔ "میرے عقب میں ایک سفید کار آ رہی ہے۔ مجھے شبہ ہے اس میں مسلح ڈاکو ہیں اور شاید کسی واردات کی نیت سے گھوم رہے ہیں۔ ان کو چیک کرو۔" میں نے عقب میں کھڑی سفید کار کی طرف اشارہ کیا اسی لمحے میں نے دیکھا۔ سفید کار حرکت میں آئی اور مڑ کر جانے لگی۔ اے ایس آئی اپنی بائیک کی طرف لپکا۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور مسکراتا ہوا انٹرنس پوائنٹ کی طرف جانے لگا۔ موٹروے پر آتے ہی جیپ میں نے چوتھے گیئر میں ڈالی اور ایکسلریٹر دبا دیا۔ مجھے ذرا بھی خوش فہمی نہیں تھی کہ دشمن سے میری جان چھوٹ گئی تھی۔ موٹروے کے جتنے بھی ایگزٹس تھے وہاں پر اس کے آدمی میرے منتظر ہوتے بلکہ عین ممکن تھا مجھے موٹروے پر گھیر لیا جاتا۔ بہر حال لاہور تو مجھے جانا تھا۔ میں نے بیک سے رابطہ کیا۔

"دشمن میری راہ پر لگ گیا ہے۔ بنگلے سے میرا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس وقت میں موٹروے پر ہوں۔ اگر میں جیپ کسی جگہ چھوڑ دوں تو اس سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گا؟"

"نہیں، آپ جیپ بے فکری سے چھوڑ دیں۔ باقی ہم دیکھ لیں گے۔"

میں نے رابطہ منقطع کر کے جیپ کی رفتار بڑھا لی۔ ایک سو بیس کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار پر جیپ اڑی جا رہی تھی۔ درمیان میں ایک جگہ رک کر میں نے ٹنکی بھروائی اور پیٹرول پمپ سے متصل شاپ سے کافی لی تھی۔

بارہ بجے میں لاہور کے پاس تھا۔ اسلام آباد کے مقابلے میں یہاں موسم نسبتاً معقول تھا۔

ایگزٹ سے ذرا پہلے میں نے جیپ کو سروس وے پر ڈال کر روک دیا اور جیپ سے اتر کر ریلنگ کراس کر کے موٹروے سے اتر گیا۔ اس طرف کھیت تھے۔ اس سے پہلے کہ موٹروے پولیس جیپ کو دیکھ لیتی، میں اس سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ سردی کی وجہ سے کھیتوں کی مٹی سخت ہو رہی تھی، جا بجا گندم کے درمیانے قامت کے پودے لہلہا رہے تھے۔ ان کا خوبصورت سبز رنگ آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا۔ میں نے موبائل سگنل دیکھے لیکن دونوں موبائلز پر سگنل نہیں تھے اس زمانے میں موبائل فون سروس زیادہ تر شہروں اور بڑے قصبوں تک محدود تھی۔ کھیتوں سے ظاہر تھا یہ لاہور کا کوئی دیہی علاقہ تھا۔ ابھی تک کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ دو جگہ کتوں نے بلاوجہ میرے منہ آنے کی کوشش کی لیکن میں ان کی بک بک پر دھیان دیئے بغیر چلتا رہا۔

خدا خدا کر کے ایک کچی سڑک کے آثار نظر آئے اور اس پر سبز چارا لے جانے والا ایک ریڑھا دکھائی دیا جسے ایک جھومتا ہوا بیل کھینچ رہا تھا۔ اس ریڑھے کا پائلٹ ایک بارہ چودہ سال کا لڑکا تھا، جس نے خاصی سردی میں بھی محض کرتہ اور دھوتی پہن رکھی تھی۔ جب میں بلکہ وہ میرے پاس پہنچا تو میں نے اسے بیل سے سخت ناراض پایا۔ وجہ ظاہر ہے بیل کی سست رفتاری تھی حالانکہ اس مخلوق کے ٹاپ گیئر اور نیوٹرل گیئر میں زیادہ فرق نہیں ہوتا ہے۔ بیل ٹاپ گیئر میں چل رہا تھا اور اسے اس بات کی قطعی پروا نہیں تھی کہ یہ سنگل پسلی کا پائلٹ اس کے خاندان کی زنانہ شاخوں سے بار بار الجھ رہا ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ریڑھا روکنے کا اشارہ کیا اور لڑکے کے اشارے سے پہلے بیل خود رک گیا۔ "کہو جی؟" لڑکے نے مجھ سے یا میری وردی سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔ "مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے لیکن یہ حرام زادہ...... اس کی تو...... صبح سے ایک رفتار چل رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔" میں اچک کر ریڑھے پر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ "جہاں جا رہے ہو، مجھے بھی لے چلو۔ ویسے مجھے لاہور جانا ہے۔"

"ادھر جامی شاہ کے ڈیرے پر جا رہا ہوں...... اس کی بھینسوں کا چارا لے کر۔" لڑکے نے بیل کی دم مروڑ کر ایکسلریٹر دیا اور اس نے بادل نخواستہ چلنا شروع کیا۔ پھر اس نے کسی قدر تجسس سے مجھے دیکھا۔ "آپ ادھر کیا کر رہے ہو جی؟"

"پیچھے شکار کھیلنے آیا تھا، گاڑی خراب ہو گئی۔"

"گڈی ایسے ہی چھوڑ دی؟"

"نہیں، میرا اردلی ہے...... وہ لے کر آئے گا۔" میں نے تازہ گھاس کے گٹھے پر دراز ہونے کی کوشش کی۔ وہ بہت نرم تھا، مجھے سیدھا ہونا پڑا۔ لڑکا بیل کو پھر دوسرے لفظوں میں مخاطب کر رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے اپنا نام ریاض عرف راجو بتایا تھا۔ جامی شاہ علاقے کا نامی گرامی شخص تھا۔ راجو نے کھل کر تو نہیں بتایا لیکن اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ جامی شاہ کوئی بدمعاش قسم کی شے تھا، میں نے پوچھا۔

"ادھر سے لاہور جانے کے لئے کوئی گاڑی کہاں سے ملے گی؟"

"جامی شاہ کے ڈیرے سے دو فرلانگ آگے سڑک ہے ادھر سے لاریاں گزرتی ہیں۔ لاہور جانے کے لئے ادھر سے گڈی ملے گی۔"

''مجھے جامی شاہ کے ڈیرے سے پہلے اتار دینا'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''ویسے ڈیرے تک جانے میں کتنی دیر لگے گی؟''

اس سوال پر راجو نے ایک بار پھر بیل کو بے نقط سنائیں اور مجھے آگاہ کیا۔ ''تین چار بجے تک پہنچائے گے۔ یہ حرامی...... اوئے تیز چل...... تیری تو......'' اس نے اپنی ہانکنے والی چھڑی سے بیل کے ساتھ نہایت نازیبا حرکت کی۔ بیل نے احتجاجی آواز نکالی لیکن رفتار بڑھانے سے گریز کیا۔ میں نے گھڑی دیکھی، ایک بج رہا تھا اور ابھی دو گھنٹے کا سفر کم سے کم باقی تھا اس بار میں رنگ لگنے کی پروا کئے بغیر گھاس پر دراز ہو گیا۔ نیچے سرد گھاس تھی اور اوپر گرم دھوپ، ریڑھے کے ہچکولے جھولوں کا کام دے رہے تھے مجھے ذرا سی دیر میں اونگھ آ گئی پھر بیل گاڑی کا پہیہ کسی گڑھے سے گزرا اور میں چونک گیا۔ دو بج رہے تھے۔ ایک گھنٹے کا پتا بھی نہیں چلا تھا، بیل اسی رفتار سے اس سیدھی کچی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف اب درخت اور جھاڑیاں تھیں۔

''یار آیا نہیں جامی شاہ کا ڈیرا؟'' میں نے جماہی لی۔

''بس جی کچھ دور ہے۔'' راجو نے پنجابی رواج کے مطابق جواب دیا جس میں فاصلے کو ہمیشہ ذرا دور ہی بتایا جاتا ہے۔

مجھے معلوم تھا یہ ذرا دور ایک گھنٹے سے پہلے نہیں ہو گی اس لئے میں پھر دراز ہو گیا۔ جھولوں نے پھر مجھے سلا دیا۔ اس بار کسی نے درشت انداز میں مجھے جگایا۔ ''اوئے، اٹھ جا۔''

''خدا خیر کرے!'' میں نے اٹھتے ہوئے زیرِ لب کہا۔

دو دیسی بدمعاشوں کے نمونے بارہ بور کی رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ راجو ایک طرف کھڑا تھا اور مجھے کھڑا ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ ''کیا بات ہے، کیوں روکا ہے؟''

''اوئے سیدھا ہو جا...... کدھر جا رہا ہے؟''

''جدھر یہ بیل لے جائے...... مجھے تو لاہور جانا ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''جامی شاہ سے تیرا کیا تعلق ہے؟''

''جامی شاہ...... یہ کون ہے؟''

میرے انجان بننے پر سوال کرنے والا مشتعل ہو گیا تھا۔ ''جس کے پاس تُو جا رہا ہے۔''

''میں نے اس لڑکے سے صرف سڑک تک جانے کے لئے لفٹ لی تھی، میرا مطلب ہے ریڑھے پر بیٹھ گیا۔ اس سے پوچھ لو...... کیوں راجو صاحب، ٹھیک کہا ناں میں نے؟''

''جی جناب! یہ تو راستے میں ملے تھے۔''

''بکواس نہ کر، آج کل جامی شاہ اونچی ہواؤں میں اُڑ رہا ہے۔ وردی والوں سے دوستی کر رکھی ہے۔ پر ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لے چل اسے۔'' سوال کرنے والے نے اپنے ساتھی کو حکم دیا اور ظاہر ہے، اشارہ میری طرف تھا۔

''ایک منٹ...... میرا جامی شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں آرمی میں میجر ہوں۔ شکار کھیلنے آیا تھا۔ گاڑی خراب ہو گئی، اب میں واپس لاہور جا رہا ہوں۔''

''اوہ سر جی...... اگر تمہارا بیان درست ہوا تو ہم چھوڑ دیں گے۔'' سوال کرنے والے نے کہا، لہجے سے وہ پڑھا لکھا لگ رہا تھا۔

''دیکھو معاملہ ختم کرو، میں بھی سب بھول جاؤں گا ورنہ بات دور تک جائے گی۔''

''بکواس نہ کر۔'' سوال کرنے والے کا ساتھی میری طرف بڑھا۔ وہ جیسے ہی میرے اور اپنے ساتھی کے درمیان میں آیا، میں نے اس کی رائفل کی نال اوپر کرتے ہوئے اس کے پیٹ میں لات ماری۔ رائفل چلی اور اس کے دھماکے کی آواز میں اس کی دھاڑ دب گئی۔ وہ اپنے ساتھی پر جا گرا جب تک وہ سنبھلتے میں نے پستول نکال لیا۔ ''خبردار...... اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔''

دونوں ساکت ہو گئے، میں نے لات مار کر دوسرے کی رائفل بھی دور پھینک دی۔ ''اب دونوں ہاتھ سروں پر رکھ کر سیدھے ہو جاؤ۔'' انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ لڑکے نے میرے کہنے پر ان کی تلاشی لی۔ سوال کرنے والے کے پاس سے ایک عدد دیسی ساختہ پستول اور بکواس کرنے والے سے خنجر برآمد ہوا تھا۔ میں لے یہ دونوں چیزیں بھی جھاڑیوں میں پھینک دیں۔

''ہاں تو اب بتاؤ، یہ جامی شاہ کا کیا چکر ہے؟''

''تم سچ مچ جامی شاہ کو نہیں جانتے؟''

''اور کیا کہہ رہا ہوں۔'' میں نے گرج کر کہا۔ ''جامی شاہ کون ہے؟''

''ہمارا دشمن ہے۔''

''اور مجھ سے اس کا کیا تعلق ہے؟''

''وہ جی، آپ اس کے ساتھ جا رہے تھے، یہ جامی شاہ کے ڈیرے پر چارا پہنچاتا ہے۔''

''تم نے اس بیل سے جامی شاہ کا تعلق کیوں دریافت نہیں کیا؟''

سوال کرنے والا کھسیانی ہنسی ہنسا۔ ''وہ جی...... آپ مخول کر رہے ہیں۔''

''مخول تو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، اپنی پگڑیاں اتارو۔''

ان کو معلوم تھا کہ پگڑیوں کا کیا کرنا ہے، بادل نخواستہ انہوں نے پگڑیاں اتاریں اور راجو نے ان کی مدد سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ ذرا دور ان کی جیپ کھڑی تھی۔ شاید یہ پہلے سے راجو کی تاک میں تھے۔ میں نے ان دونوں کو جیپ میں لوڈ کیا اور راجو کو ایک سو کا نوٹ دیا۔ ''تم جاؤ اور ہاں، ان کے بارے میں کسی کو مت بتانا۔''

راجو کے جانے کے بعد میں نے ان دونوں سے انٹرویو کیا۔ سوال کرنے والے کا نام سلمان تھا اور بکواس کرنے والے کا فضل۔ ان کا تعلق جامی شاہ کے پیشہ ور حریف نورے شاہ سے تھا۔ وہ جامی شاہ کے حلیفوں اور ملنے جلنے والوں کی نگرانی پر مامور تھے۔ بدقسمتی سے اس بار انہوں نے غلط آدمی کا انتخاب کر لیا تھا۔ ''نورے شاہ کہاں پایا جاتا ہے؟''

''سڑک کے دوسری جانب نورے شاہ کا علاقہ ہے۔'' سلمان نے بتایا۔

''سچ سچ بتانا، دھندا کیا ہے تم لوگوں کا؟''

اس سوال کا جواب انہوں نے شرافت سے نہیں دیا تھا۔ بہر حال انہوں نے بادل نخواستہ اعتراف کیا کہ وہ رسا گیری سے لے کر منشیات فروشی تک بے شمار دھندوں میں ملوث تھے جو تعزیرات پاکستان کے تحت جرائم میں شمار ہوتے تھے۔ "اگر میں تمہیں اس حالت میں جامی شاہ کے ڈیرے کے پاس چھوڑ جاؤں تو......؟"

"نہیں۔" فضل نے لرز کر کہا۔ "رب کے واسطے......وہ ہمارا دشمن ہے۔"

"تم بھی اس کے دوست نہیں ہو۔" میں نے طنز کیا۔ "بہر حال اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہیں چھوڑنے کے امکان پر غور کر سکتا ہوں۔"

انہوں نے مجھے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ "مجھے لاہور جانا ہے۔"

"ہم چھوڑ آئیں گے۔" سلمان نے تابعدارانہ انداز میں کہا۔

"تو چلو۔" میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھولے۔ "ڈرائیونگ تم کرو گے اور کسی دھوکے کے نتیجے میں اپنی وفات کے ذمے دار بھی تم خود ہو گے۔"

فضل بدستور عقبی حصے میں بندھا پڑا تھا۔ سلمان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ میں نے روانہ ہونے سے پہلے اسے پھر خبردار کیا کہ کسی غلط حرکت کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ بہتر ہے مجھے لاہور چھوڑ کر وہ واپس آ جائیں۔ سکون اور عافیت کے ساتھ۔ "تم لوگ اس وقت جامی شاہ کے علاقے میں ہو۔ اگر اس کے آدمیوں نے روک لیا تو......؟"

میرا سوال سن کر اس کے چہرے پر بارہ بج گئے۔ فضل نے پیچھے سے کراہ کر کہا۔ "ہم تو مارے جائیں گے ہمارا تو اسلحہ بھی تم نے لے لیا ہے۔"

"میرے پاس پستول ہے لیکن مجھے جامی شاہ سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر مجھے روکا گیا تو میں تمہیں ان کے سپرد کر کے اپنی راہ لوں گا۔"

"زیادہ خوش گمانی مت کرو۔" سلمان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اگر پکڑے گئے تو بچو گے تم بھی نہیں۔"

"اچھا۔" میں ہنسا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے تم دونوں نے بھی تو مجھے پکڑ لیا تھا پھر کیا ہوا؟"

سلمان بغلیں جھانکنے لگا۔ "یہ جامی شاہ کا علاقہ ہے۔" عقب سے فضل نے مجھے خبردار کیا۔

"اور یہ خیال تمہیں ابھی آ رہا ہے؟" میں پھر ہنسا۔

جیپ کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ بعض جگہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ جیپ راستے سے اتر جاتی تھی۔ آگے جا کر راستہ ایک نسبتاً کشادہ کچی سڑک سے ملتا تھا۔ سلمان نے جیپ کی رفتار تیز کی کہ ٹرالے کے آنے سے پہلے کچی سڑک پر جا پہنچے کیونکہ ٹرالا اتنا چوڑا تھا کہ جیپ اسے اوورٹیک نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اس کی کوشش ناکام رہی اور چند سیکنڈ کی تاخیر سے ٹرالا آگے نکل گیا تھا۔ سلمان نے اس کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا جن کا اظہار کچھ دیر پہلے راجو اپنے بیل کے بارے میں کر رہا تھا۔ سلمان نے ہارن دیا اور چلا کر بولا۔ "اوئے تیز چلا، اپنی اس بے بےنوں۔"

اوّل تو ٹریکٹر والے نے شور میں سنا ہی نہیں تھا اور اگر سن بھی لیتا تو اس سے زیادہ رفتار سے ٹرالا چلانا ممکن ہی نہیں تھا۔ کچی سڑک پر اتنی گنجائش نہیں تھی کہ جیپ آگے نکل جاتی۔ میں نے محسوس کیا کہ کچھ دیر بعد ٹرالا

سُست پڑنے لگا تھا۔ میں جیپ سے اترنے ہی والا تھا کہ ٹرالے کی دیواروں سے تین مسلح افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں خودکار رائفلیں تھیں، ان کا انداز دیکھتے ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا اور میں اٹھتے اٹھتے سیٹ اور ڈیش بورڈ کی درمیانی جگہ میں دبک گیا اور بال بال بچا۔ وہ یوں کہ ایک گولی سر کے بالوں سے رگڑ کھاتی ہوئی گزری۔ اگر سونگھنے کا ہوش ہوتا تو یقیناً بال جلنے کی بو بھی آتی، میں بلاتکلف ایکسلریٹر اور بریک والے حصے میں سر گھسا رہا تھا۔ سلمان نے بھاگنے کی کوشش کی پھر آرام سے اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے بمشکل گردن گھما کر اسے دیکھا، سینے میں کوئی نصف درجن سوراخوں کے ساتھ وہ مر چکا تھا۔ فضل کا نہ جانے کیا حال تھا، گولیاں مینہ کی طرح برس رہی تھیں اگر میں اس مضبوط جیپ کے فولادی بونٹ اور انجن کی آڑ میں نہ ہوتا تو اب تک میرا کام بھی تمام ہو چکا ہوتا۔

آفتیں اتنی تیزی سے آ رہی تھیں کہ ان کے بارے میں سوچنے کا وقت ہی نہیں مل رہا تھا اور فی الحال تو جان کے لالے پڑے تھے، اس سے پہلے کے فائرنگ کرنے والے آرام سے نیچے آ کر مجھے بھی آنجہانی کر دیتے، میں نے اپنا بریٹا نکالا اور ذرا آگے سرک کر دروازے والی طرف سے ہاتھ باہر کر کے اندازے سے ٹرالے کی طرف لگاتار کئی فائر کئے، اس کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ فائرنگ میں کمی آئی تھی۔ جیپ کے اوپر ونڈ شیلڈ نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ اس بار میں نے ہاتھ اوپر کر کے فائرنگ کی۔ گولیاں ٹرالے کی فولادی دیوار سے ٹکرائیں۔ ٹن ٹن کرتی آواز آئی تھی۔ میں نے پستول بھی نکال لیا تھا۔

''ہتھیار پھینک دے۔'' کسی نے چلا کر کہا۔ ''ورنہ کتے کی موت مارا جائے گا۔''

''وہ تو ویسے بھی مارا جاؤں گا۔'' میں نے جواباً چلا کر کہا۔ ''میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے، میں ان لوگوں سے لفٹ لے کر سڑک تک جا رہا تھا۔''

''ایسی بات ہے تو ہم پر فائر کیوں کئے؟''

''جان بچانے کے لئے، کیا تم لوگ خیر سگالی کے اظہار کے طور پر گولیاں برسا رہے تھے۔''

''اچھا، اب تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن اپنے ہتھیار پھینک دو۔''

مجھے خیال نہیں رہا کہ مجھے اس طرح باتوں میں لگایا جا رہا ہے۔ میں بریٹا کا میگزین بدل رہا تھا کہ سرد لوہا میرے سر سے آ لگا۔ ''بس، اب ہلنا مت!'' کسی نے لوہے سے بھی زیادہ سرد لہجے میں کہا تھا۔

''اور میں بس نہ کروں تو......؟'' میں نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو میں تمہارا سر اُڑا دوں گا۔''

''اُڑا دو۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور جیپ سے نکل کر بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔ وہ بھی رائفل پھینک کر مجھ سے چمٹ گیا تھا۔

''شہباز صاحب!'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔

''وسیم! میرے دوست، تُو کہاں رہ گیا تھا؟ سونیا اور شکیل کہاں ہیں؟''

''ٹھیک ہیں...... اِدھر ہی ہیں۔''

''تمہارے زخم ٹھیک ہو گئے؟'' میں نے اس کا جسم ٹٹولا۔

"ہاں بظاہر بھر گئے ہیں۔" وسیم بولا۔ وہ وسیم ہی تھا، مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں بار بار اسے چھو کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے مسلح ساتھی ہمارے چاروں طرف جمع تھے۔ اچانک وسیم نے چونک کر انہیں دیکھا اور حکم دینے کے انداز میں بولا۔ "سب صاف کر دو اور نکلو یہاں سے۔"

وسیم کے ساتھ کُل چار افراد تھے۔ فضل اور سلمان دونوں مارے جا چکے تھے۔ وہ جامی شاہ کے دشمن تھے اور بظاہر وسیم کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔ جب وسیم کے ساتھی سلمان اور فضل کی لاشیں لے جا کر جھاڑیوں میں پھینک رہے تھے میں اور وسیم ایک طرف آ گئے۔ ابتدائی ردِعمل پر قابو پانے کے بعد میں نے اس سے اس چکر کے بارے میں پوچھا۔

"یہ ذرا لمبا چکر ہے شہباز صاحب...... سکون سے بیٹھ کر بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے ان دونوں بلکہ ان کے ساتھ مجھے بھی مارنے کی کوشش کی وجہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، یہ جامی شاہ کے دشمن ہیں۔" اس نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ یہ ہمارے علاقے میں نظر آ رہے ہیں۔ پہلے بھی یہ کئی بار جامی شاہ کے علاقے میں گھس کر کارروائیاں کر چکے ہیں، اس بار فیصلہ ہوا کہ ان کو بچ کر نہ جانے دیا جائے۔"

"یہ بے چارہ گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پستے پستے رہ گیا۔" میں نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

وسیم مسکرایا۔ اتنے عرصے میں وہ خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور رنگ بھی سانولا گیا تھا۔ وسیم کے ساتھیوں نے پھرتی سے جیپ بھی دھکیل کر ایک طرف کر دی اور ہم ٹرالے میں آ بیٹھے۔ ڈرائیور بدستور ٹریکٹر میں تھا۔ وہ لوگ سلمان اور فضل کا اسلحہ بھی لے آئے تھے۔ سفر کے دوران وسیم نے مجھ سے اِدھر اُدھر کی چند باتیں ضرور کی تھیں لیکن اس نے نہ تو میرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا اور نہ اپنے بارے میں کچھ بتایا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ان لوگوں کے سامنے بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے اپنا موبائل نکالا۔ "اس علاقے میں موبائل سگنل نہیں ہیں۔" وسیم نے بتایا۔ "جامی شاہ کے ڈیرے سے ذرا آگے جا کر سگنل ملتے ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں، تمہیں زیادہ تعجب نہیں ہوا ہے مجھے دیکھ کر۔"

وسیم مسکرایا۔ "مجھے اطلاعات مل رہی تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا کہ آپ لاہور آنے والے ہیں لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ملاقات اس طرح ہو گی۔" وہ بولا۔

ٹرالا کوئی پندرہ منٹ بعد ایک کچی دیوار والے احاطے میں داخل ہوا۔ "یہ جامی شاہ کا ڈیرا ہے۔" وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ٹرالا رکتے ہی ہم اتر آئے تھے۔ آرمی آفیسر کی وردی نے ایک لمحے کے لئے احاطے میں سنسنی پھیلا دی تھی مگر جب وسیم اور دوسرے ساتھی نارمل نظر آئے تو باقی سب بھی سنبھل گئے تھے۔ وسیم مجھے لے کر اندر آیا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا۔ "وردی بدل لیں جناب!"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "کوئی اور لباس مل سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں جناب!"

وسیم مجھے اس جگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ احاطے کے اندر سرخ اینٹوں سے بنی پختہ عمارت تھی۔ اس کے عقب میں مجھے کچی کوٹھریوں کی ایک طویل قطار نظر آئی تھی، جس کے سامنے چند گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وسیم دس منٹ میں

میرے لئے ایک شلوار سوٹ لے آیا تھا۔ "میرا خیال ہے یہ آپ کو مکمل طور پر فٹ آئے گا۔ آپ چیک کرلیں۔"
وسیم کے جانے کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور واقعی شلوار سوٹ بالکل میرے ناپ کا تھا۔ پرانا لیکن صاف ستھرا سوٹ تھا۔ اس بار وہ کچھ تاخیر سے آیا تھا۔ کمرا عام سا تھا۔ ایک چارپائی، دو کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز تھی۔ لاہور میں سردی قابلِ برداشت تھی اور دن کے وقت تو خاصا خوش گوار موسم تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ راجا عمر دراز سے رابطے کی کیا صورت ہوگی اور کیا وسیم کو راجا عمر دراز کے بارے میں پتا تھا۔ فی الحال وہ جس طرح پیش آ رہا تھا، میں نے سوچا اس سے ذکر کرنا مناسب ہوگا یا نہیں۔
وسیم کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ جامی شاہ کے ساتھ تھا اور اس کے آدمیوں کے ہمراہ اس کے دشمنوں کے خلاف ایک خونریز کارروائی میں بھی حصہ لیا تھا لیکن وہ شاید ان پر اعتماد نہیں کر رہا تھا۔ اس وجہ سے اس نے جامی شاہ کے آدمیوں کے سامنے بات کرنے سے گریز کیا تھا اس بار وہ کسی قدر دیر سے آیا تھا۔ وہ کسی قدر پریشان لگ رہا تھا۔ "شہباز صاحب! شاید ہمیں کچھ دیر میں یہاں سے جانا پڑے۔"
"آج کے واقعے کی وجہ سے؟"
"یہ وجہ بھی ہے۔۔۔ کیونکہ پولیس لازمی طور پر ادھر کا رخ کرے گی اور آپ کو پولیس کے سامنے نہیں آنا چاہئے۔"
"یہ جگہ لاہور سے کتنی دور ہے؟"
"لاہور میں ہی ہے لیکن شہر سے کسی قدر فاصلے پر ہے۔"
"تمہیں علم ہے راجا عمر دراز لاہور میں ہے۔"
"نہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مجھے قطعی علم نہیں ہے۔"
"اس کا مطلب ہے تم اپنے راولپنڈی والے یونٹ سے کٹے ہوئے ہو۔"
اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "عادل کی غداری کے بعد میں فی الحال کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے پتا چلا تھا کہ راولپنڈی والے یونٹ میں عادل کے کچھ خیر خواہ ہیں۔"
"اوہ!" میں مضطرب ہو گیا تھا۔ "شاید اس وجہ سے میرا اسلام آباد سے تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے، راولپنڈی والا یونٹ اس وقت راجا عمر دراز کے سیکرٹری بیگ کے کنٹرول میں ہے اور میری لاہور روانگی کا انتظام بیگ نے کیا ہے۔"
وسیم بھی پریشان نظر آنے لگا۔ "یہ تو بہت برا ہوا ہے، اس کا مطلب ہے راجا صاحب کی لاہور میں موجودگی بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"
"وسیم فوری طور پر بیگ کو خبردار کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں کہیں فون ہے؟"
"ادھر تو نہیں ہے۔۔۔ کچھ دور ایک جگہ ہے، مگر اس سے بہتر ہے کہ موبائل سے کال کرلیں۔ بس ہمیں ایک کلومیٹر دور جانا ہوگا۔"
"وسیم میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔
وسیم ہچکچایا۔ "جناب، فی الحال میں نہیں جا سکتا۔"

"کوئی بات نہیں، تم مجھے لاہور پہنچانے کا بندوبست کرو۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے، آپ تیار ہیں۔"

وسیم مجھے لے کر باہر آیا۔ احاطے میں سے ایک چھوٹی دونشستوں والی جیپ نکالی۔ وسیم نے جانے سے پہلے ایک شخص کو بتایا کہ ہم باہر جا رہے ہیں۔ جیسے ہی جیپ احاطے سے نکلی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ "کیا بات ہے، مجھے تمہارا رویہ بدلا بدلا لگ رہا ہے۔"

وہ چونکا۔ "خدا نہ کرے جو میں آپ سے رویہ بدلوں!"

"نہیں، مجھ سے نہیں...... بلکہ اوور آل...... میں تم میں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیسی تبدیلی؟"

"مجھے لگ رہا ہے جیسے تم یہاں اپنی مرضی سے نہیں ہو۔"

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "شہباز صاحب، آپ کو کیسے پتا چلا؟"

وسیم، مجھے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے لیکن میں اس چکر سے نکل سکا تو آپ کو بتاؤں گا۔ فی الحال آپ کا یہاں سے جانا لازمی ہے۔ خوش قسمتی سے جامی شاہ یہاں نہیں ہے ورنہ آپ کا جانا بھی مشکل ہو جاتا۔"

"یعنی تم جامی شاہ کے سامنے مجبور ہو، کس وجہ سے؟"

اس لمحے موبائل کی بپ سنائی دی۔ اس کے سگنل آ گئے تھے۔ میں نے بیگ کا نمبر ملایا۔ اس نے فوری طور پر کال ریسیو کی تھی۔

"آپ کہاں ہیں جناب!" بیگ کی مضطرب آواز آئی۔

"میں لاہور سے ذرا فاصلے پر ہوں، بیگ صاحب!" میں نے کہا۔ "میرے ساتھ وسیم ہے، یہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"وسیم!" بیگ کی آواز میں حیرت تھی۔ میں نے موبائل وسیم کی طرف بڑھا دیا۔

"جی بیگ صاحب! میں وسیم بات کر رہا ہوں...... بیگ صاحب...... آپ فوری طور پر میرے راولپنڈی یونٹ کو خود سے دور کر دیں اور ان کو اپنے کسی پروگرام میں شامل نہ کریں...... جی ہاں، اس وجہ سے بات کر رہا ہوں۔ آپ بھی فوری طور پر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ راجا صاحب کو بھی خبردار کر دیں۔ جی، میں لاہور میں ہوں، اچھا خدا حافظ!"

"تم مجھے کہاں پہنچاؤ گے؟"

"جہاں آپ کہیں!" اس نے جواب دیا۔

"ایک جگہ ہے مال روڈ پر۔" میں نے کیفے کا پتا بتایا۔ "مجھے یہاں جانا ہے۔"

"میں نے دیکھا ہوا ہے جناب! ایک گھنٹا لگے گا۔" اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "وسیم تم بظاہر پوری طرح آزاد ہو، مجھے اس طرح لے کر وہاں سے نکل آئے، پھر تمہاری کیا مجبوری ہے۔"

وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔ ''جناب! آدمی کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ہی مجبور نہیں کیا جاتا۔ بعض اوقات آدمی
اندروں میں جکڑا ہوتا ہے جو نظر نہیں آتی ہیں۔''
میرے اندر کہیں گھنٹی سی بجنے لگی۔ ''تم نے سونیا اور شکیل کے بارے میں نہیں بتایا، وہ دونوں کہاں ہیں؟''
وسیم نے گہری سانس لی۔ ''یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔''
''جامی شاہ کے قبضے میں ہیں۔''
اس نے سر ہلایا۔ ''جب عادل کی غداری کا انکشاف ہوا تو میں برے حال میں تھا، میرے پاؤں میں دو
گولیاں لگی ہوئی تھیں۔ اگر شکیل نہ ہوتا تو عادل مجھ پر قابو پالیتا۔ شکیل نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ ہم اسے بے
ہوش کر کے نکل آئے تھے۔''
''بعد میں فتح خان نے سانپ کی طرح اسے ڈس لیا جو اسے دودھ پلاتا رہا تھا۔''
''مجھے بعد میں اطلاع ملی تھی۔ سونیا تو پاگل ہوگئی تھی۔ اس کے لئے دہرا صدمہ تھا۔ مشکل حالات میں
مجھے جامی شاہ کا خیال آیا تھا۔''
''تم اس کے پاس جا کر پھنس گئے؟''
''ہاں، وہ میرا واقف کار تھا لیکن میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا کمینہ نکلے گا۔ وہ مجھے جانتا ہے اس
لئے سونیا اور شکیل کو یرغمال بنالیا۔ وہ مجھ سے اپنے مخالفین کے خلاف کارروائیاں کروا رہا ہے۔''
''وسیم تم اس کے پاس واپس نہیں جاؤ۔''
''نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''وہ سونیا اور شکیل کو مار دے گا۔''
''ہم مل کر انہیں جامی شاہ کے چنگل سے نکالیں گے۔''
''پلیز شہباز صاحب! سونیا میرے لئے اس دنیا میں سب کچھ ہے اور میں اس کے لئے ایک فی صد
رسک بھی نہیں لے سکتا۔'' اس نے التجا آمیز انداز میں کہا۔ ''جامی شاہ نے وعدہ کیا ہے تین مہینے بعد وہ ہمیں
جانے دے گا۔''
''جامی شاہ جیسے لوگ کسی وعدے کا پاس نہیں کرتے ہیں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔
''میں جانتا ہوں لیکن اس کی سفا کی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔''
جیپ اب لاہور کے مضافات میں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم ملتان روڈ کے آس پاس کہیں تھے۔ میں وسیم
کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ شدت سے انکار کر رہا تھا۔ تھک ہار کر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن یہ
بتاؤ، میں تم سے رابطہ کیسے کروں گا؟''
''میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیں۔'' اس نے مجھے موبائل نمبر بتایا جو میں نے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔
''وسیم تم جامی شاہ پر بھروسا کر کے غلطی کر رہے ہو۔'' میں نے ایک بار پھر کہا۔ ''میرے ساتھ چلو، ہم مل
کر سونیا اور شکیل کو اس کے چنگل سے نکال لیں گے۔''
''میں اس پر بھروسا نہیں کر رہا۔ میں اس کے سامنے مجبور ہوں۔''
''وہ تم سے چاہتا کیا ہے؟''

''اس نے کھل کر تو نہیں بتایا لیکن اس کے انداز سے لگ رہا ہے، وہ مجھ سے سرحد پار کوئی کام لینا چاہتا ہے، تب تک وہ مجھے یہاں چھوٹے چھوٹے معاملات میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔''

''سرحد پار......؟ کون سی سرحد مشرقی یا مغربی؟'' میں نے غور کیا۔

''مشرقی سرحد، بھارت میں کام ہے مگر ابھی مجھے تفصیلات کا قطعی علم نہیں ہے۔''

''وسیم، تم فکر مت کرنا۔ میں اب تک بے خبر تھا لیکن اب میں پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ دبایا، وہ مسکرایا۔

''شہباز صاحب، ہم اتنے اہم لوگ نہیں۔''

''تم میری محبت اور خلوص کی توہین کر رہے ہو۔'' میں نے خفگی سے بات کاٹی۔ ''میں نے تمہیں، سونیا اور شکیل کو ہمیشہ سفیر اور مونا کی طرح سمجھا ہے۔''

''ارے ہاں، یہ دونوں کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں لیکن فی الحال دشمن کے قبضے میں نہیں ہیں۔'' میں نے اسے ذرا مختصر الفاظ میں گزشتہ چند مہینے کی رُوداد سنائی جو مجھ پر اور دوسروں پر گزری تھی۔ اس دوران میں جیپ مال روڈ میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس شاپنگ سینٹر کے سامنے سے گزری تھی جس سے میں نے اپنے گزشتہ دورۂ لاہور میں موبائل خریدا تھا اور مرتے مرتے بچا تھا۔

''کیفے آنے والا ہے، شہباز صاحب!''

''مجھے اس سے ذرا دور اتارنا۔'' میں نے کہا۔

''میرے ذہن میں بھی یہی آیا تھا۔'' اس نے جیپ سڑک کے کنارے کھڑی گاڑیوں کے درمیان نظر آنے والی خالی جگہ پر گھما دی۔ ''وہ کیفے اس جگہ سے کوئی ایک بلاک آگے ہے لیکن میرا خیال ہے، آپ کا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں بیگ سے رابطہ کروں۔'' میں نے کہا اور بیگ کا نمبر ملایا مگر بیل جاتی رہی، وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا، میں نے موبائل بند کر دیا۔ ''شاید وہ موبائل سے دور ہے۔''

''راجا صاحب کا کوئی نمبر ہے؟''

میں نے موبائل میں فیڈ نمبروں کا جائزہ لیا، ان میں ایک نمبر کے ساتھ عمر دراز کا نام تھا۔ میں نے وہ نمبر اوکے کر دیا۔ بیل ہونے لگی۔ دوسری بیل پر راجا عمر دراز نے فون ریسیو کیا۔ ''عمر دراز!''

''میں شہباز بات کر رہا ہوں۔''

''شہباز کہاں ہو تم؟'' راجا عمر دراز نے اضطرابی لہجے میں پوچھا۔

'میں لاہور میں ہوں، بیگ صاحب نے مجھے مال روڈ کے ایک کیفے کے بارے میں بتایا تھا مگر میں وہاں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔''

''بیگ کا مجھے فون آیا تھا اس نے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تم نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔''

"اب مجھے بتائیں میں آپ تک کیسے آؤں؟"

"ایک منٹ!" راجا عمر دراز نے مجھے ہولڈ کرایا، وہ دو منٹ بعد آیا۔ "ہاں تم ایک پتا نوٹ کر لو......اور کسی بھی ٹیکسی والے کے ساتھ اس پر آ جاؤ۔" اس نے مجھے لبرٹی مارکیٹ کے علاقے میں ایک فلیٹ کا پتا نوٹ کرایا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

"اب ہمیں لبرٹی مارکیٹ کی طرف جانا ہے۔"

اس نے جیپ نکالی۔ "یہ بہتر رہا ہے کہ آپ نے راجا صاحب سے بات کر لی۔"

اس نے جیپ کو آگے بڑھایا۔ "ہمارے دشمن تیز جا رہے ہیں۔"

"دشمن ہمیشہ سے تیز ہیں۔" اس نے کہا۔ "خاص طور سے جب سے ڈیوڈ شا ان میں شامل ہوا ہے۔"

"تم نے درست کہا، اس کے آنے سے پہلے ہمارا پلا بھاری تھا لیکن اب اس نے کامیابی سے ہمیں منتشر کر دیا ہے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "دیکھو لو، ہمارے ساتھی کہاں ہیں، ہمیں کچھ پتا نہیں ہے۔"

وسیم نے سر ہلایا اور کچھ کہنے جا رہا تھا کہ اس کے موبائل نے بیل دی۔ اس نے موبائل نکال کر دیکھا۔ "جامی شاہ!" وہ زیر لب بولا اور کال ریسیو کی۔ "ہاں، شاہ صاحب! میرا دوست تھا......اسے لاہور چھوڑ کر واپس آ رہا ہوں......بس اتفاق سے جان پہچان والا بندہ مل گیا......سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......وہ پولیس سے خود چھپ رہا ہے۔"

اس نے موبائل بند کر کے میری طرف دیکھا۔ "میرا اندازہ درست نکلا۔ اگر ڈیرے پر جامی شاہ ہوتا تو آپ اس آسانی سے وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ اس وقت اس نے مجھے فوراً واپس آنے کو کہا ہے۔"

"تم مجھے مطلوبہ عمارت کے سامنے اتار کر چلے جانا۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ پندرہ منٹ بعد جیپ لبرٹی کے علاقے میں ایک پرانی ساخت کی عمارت کے سامنے روکی۔

"شاید یہی ہے۔" اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" میں اترتے ہوئے بولا۔ "اگر نہ ہوئی تو میں تلاش کر لوں گا۔"

وسیم نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔"

"تم خود کو اکیلے مت سمجھنا۔ ان شاء اللہ ہم جلد ہی تمہیں، سونیا اور شکیل کو جامی شاہ کے چنگل سے نکال لیں گے۔"

"آپ کے آنے سے مجھے حوصلہ ملا ہے۔" وہ بولا اور ایک بار پھر ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

☆======☆======☆

"میں نے عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ پانچ منزلہ عمارت تھی جس کے نیچے برتنوں کی دکانیں تھیں۔ میں نے ایک دکاندار سے پتا کنفرم کیا، اس نے تصدیق کی۔ "جی یہی ہے، آپ تیسرے فلور پر چلے جاؤ۔ یہ فلیٹ اولیس کا ہے۔"

"اویس کون ہے؟"

اس نے کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھا۔ "آپ نہیں جانتے تو پتا کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"مجھے اسے ایک چیز دینی ہے...... میرے پاس صرف پتا ہے۔ میں اسے ذاتی طور پر نہیں جانتا ہوں۔"

"اچھا...... اچھا، پُراسرار سا بندہ ہے۔ کبھی دو، دو ہفتے کے لئے غائب ہو جاتا ہے اور کبھی پورا پورا مہینہ فلیٹ سے نہیں نکلتا، ویسے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی، نہ محلے کے لوگوں کو اس سے کوئی تکلیف ہے۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ عمارت کی سیڑھیاں عقبی سمت میں تھیں۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر تیسری منزل پر آیا۔ ہر منزل پر چار فلیٹ تھے۔ میں نے مطلوبہ فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد کسی نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

"مجھے راجا عمر دراز نے بھیجا ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اپنا نام بتاؤ۔" دوسری طرف سے خشک لہجے میں کہا گیا۔

"شہباز احمد ملک۔" میں نے جواب دیا، دروازہ کھل گیا۔

"اندر آئیں جناب!" اس نے اضطرابی لہجے میں کہا اور میرے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ وہ تقریباً پینتالیس برس کا درمیانی جسامت کا، چہرے سے شریف اور سادہ سا نظر آنے والا شخص تھا لیکن یہ اس کا پردہ تھا، ورنہ راجا عمر دراز مجھے اس کے پاس نہ بھیجتا، میں نے غور سے اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے، تم پریشان لگ رہے ہو؟"

"پچھلے ایک گھنٹے سے فلیٹ کی نگرانی ہو رہی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا!" میں نے گہری سانس لی۔

"میرے دشمن مجھ سے بھی پہلے پہنچ گئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ بحفاظت نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"راستہ تو ہے لیکن نظر میں آنے کا بھی امکان ہے۔" وہ بولا۔ "ہمیں سورج ڈوبنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"راستہ کس طرف ہے؟"

"ہم چھت کے راستے پر برابر والی عمارت میں کود سکتے ہیں، اس کے بعد دو عمارتیں عبور کر کے بڑی سڑک تک پہنچ جائیں گے۔" اس نے بتایا، میں نے گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے اور ابھی سورج غروب ہونے میں دو گھنٹے سے زیادہ وقت تھا۔ فلیٹ میں دو ہی کمرے تھے۔ میں جس کمرے میں تھا اسے نشست گاہ کہا جا سکتا تھا اس میں ایک صوفہ سیٹ اور ایک تخت پڑا تھا۔ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ "تشریف رکھیں جناب!"

میں بیٹھ گیا۔ "نگرانی کرنے والے کتنے ہیں؟"

"تین سے چار تو ہیں۔"

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا نگرانی کا؟"

وہ پہلی بار مسکرایا۔ ''بارہ سال خفیہ پولیس میں ملازمت کی ہے۔''

صبح ناشتے کے بعد مجھے صرف دھکے نصیب ہوئے تھے۔ کھانے میں ایک بار گولیاں کھاتے کھاتے رہ گیا تھا۔ اس وقت پیٹ میں چوہا ریس جاری تھی، میں نے بے تکلفی سے اس سے کہا۔ ''یار، کھانے میں کچھ ہے تو لے آؤ۔''

''رات چرغہ لایا تھا، تنوری نان کے ساتھ آدھا چرغہ پڑا ہے۔''

''چلے گا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''بس گرم ہو۔''

''میں ابھی لایا جناب!'' اس نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ میرے بارے میں جان کر اس کا لہجہ تابعدارانہ ہو گیا تھا۔ غالباً راجا عمر دراز نے اسے میرے بارے میں خاص ہدایات کی تھیں۔ مجھے راجا عمر دراز سے خیال آیا، وہ لاہور میں کیا کر رہا تھا؟ پھر مجھے مونا اور سفیر کا خیال آیا، ایمن ان کے ہمراہ تھی، میں نے ندیم بھٹی کو کال کی۔

''میں بات کر رہا ہوں، ان کا کچھ پتا چلا؟'' میں نے پوچھا۔ اپنا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

''نہیں، البتہ ایک بار کسی موبائل نمبر سے ایک کال آئی تھی مگر میں نہیں جان سکا کہ کال کرنے والا کون ہے، پس منظر میں ٹرین چلنے کا شور تھا۔''

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ''یار، مجھے نمبر ایس ایم ایس کر دے اور تُو کہاں ہے؟''

''کراچی میں، سسرال کے مزے لوٹ رہا ہوں۔''

''مزے کر یار!'' میں نے سرد آہ بھر کر کال کاٹ دی۔ چند سیکنڈ بعد ندیم نے نمبر بھیج دیا تھا۔ میں نے نمبر موبائل میں محفوظ کر کے اس پر کال کی لیکن ریکارڈڈ آواز نے بتایا کہ مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا ہے۔ میرا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اتنے میں اویس کھانا لے آیا۔ میں نے بے دلی سے اسے زہر مار کیا۔ کھانے کے ختم ہونے سے پہلے وہ کافی بنا لایا تھا۔

''معاف کیجئے گا، میں چائے پیتا نہیں ہوں اس لئے رکھتا بھی نہیں ہوں۔''

''مجھے بھی کافی پسند ہے، چائے بس پی لیتا ہوں۔''

''تب میرے ہاتھ کی کافی آپ کو ضرور پسند آئے گی۔''

میں نے سپ لیا، کافی واقعی اچھی تھی، میں نے تعریف کی تو وہ کھل اٹھا تھا۔ میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

''یہاں سے نکل کر ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''آپ کو راجا صاحب کے پاس پہنچانا ہے۔'' اس نے مبہم سے انداز میں جواب دیا۔

میں جھنجلا گیا تھا، راجا عمر دراز مجھے اس شخص کے پاس بھیجنے کے بجائے اپنا پتا بھی بتا سکتا تھا، اس طرح سسپنس پھیلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اب میں پھنس گیا تھا۔ بقول اویس کے باہر دشمن تھے اور ہمیں بالا ہی بالا ان کی نظروں میں آئے بغیر فرار ہونا تھا۔ چار بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ وسیم نے مجھے جامی شاہ کے ڈیرے پر شلوار قمیص دی تھی۔ قمیص کے نیچے میں نے ہائی نیک جرسی پہن رکھی تھی۔ دن میں تو اس کے سہارے کام چل جاتا لیکن شام جوں جوں گہری ہو رہی تھی، سردی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اویس نے اس بات کو محسوس کر لیا، اس لئے

کہا۔

"جناب! میرے پاس ایک جیکٹ ہے، آپ کے ناپ کی ہوگی، آپ کہیں تو لا دوں؟"

"ضرور!" میں نے جواب دیا۔ "سردی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔"

"اس سال سردی غیر متوقع ہے۔ حالانکہ ان دنوں میں اتنی سردی نہیں ہوتی ہے۔"

اویس نے مجھے ایک سیاہ پیراشوٹ کی جیکٹ لا کر دی جس کے اندر فوم دیا گیا تھا اور یہ خاصی گرم تھی۔ میرا سارا اسلحہ اس کی اندرونی جیبوں میں سما گیا اور بیرونی جیبوں میں، میں نے موبائل رکھ لئے تھے۔ یہ زپ سے بند ہونے والی جیبیں تھیں اس لئے اندیشہ نہیں تھا کہ موبائل گر جائیں۔ پانچ بجے سے ذرا اوپر سورج غروب ہو گیا اور اویس نے تیاری شروع کر دی، اس نے المونیم کی ایک کوئی بارہ فٹ لمبی فولڈ ہو جانے والی سیڑھی نکالی۔ میں نے تشویش سے پوچھا۔ "ہم اس کی مدد سے جائیں گے؟"

"جی جناب!" وہ بولا۔

"اور اس پر سے پاؤں پھسل گیا تو......؟"

"تقریباً پچاس فٹ کی گہرائی میں جا گریں گے۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

باہر نکل کر اس نے فلیٹ لاک کیا اور ہم سیڑھیوں سے اوپر آئے۔ اس عمارت سے نزدیک ترین عمارت کی چھت کوئی دس فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میں نے نیچے جھانکا۔ مختصر سی گلی نظر آ رہی تھی، جس میں لوگوں کا رش تھا لیکن کوئی اوپر کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اویس نے سیڑھی دونوں چھتوں پر رکھی۔ یہ ہلکی سی سیڑھی تھی جسے رکھنا اٹھانا مشکل نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "جناب، آپ سیڑھی پکڑیں میں دوسری طرف جاتا ہوں۔"

چھت پر بلکہ آس پاس کی چھتوں پر بھی کوئی نہیں تھا اس لئے کسی نے اویس کا کرتب نہیں دیکھا، وہ آرام سے سیڑھی پر کھڑا ہوا اور اس کے المونیم کے قدمچوں پر پاؤں رکھتا دوسری طرف چلا گیا۔ لگتا تھا اسے اس کام کی خاصی مشق تھی۔ دوسری طرف جا کر اس نے سیڑھی پکڑ لی اور دبی آواز میں بولا۔ "آ جائیں۔"

میں نے بادل ناخواستہ سیڑھی پر قدم رکھا اور پہلے ہی مرحلے میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ "مجھ سے نہیں ہوگا۔"

"کوشش کریں جناب!" اس نے حوصلہ افزائی کی۔

"اور کوئی راستہ یا طریقہ نہیں ہے۔"

"ایسا ہوتا تو میں آپ کو اس طریقے یا راستے سے نہ لے جاتا۔"

"او کے، میں کوشش کرتا ہوں۔" میں سیڑھی پر کھڑا ہو گیا اور پہلے قدمچے پر قدم رکھا پھر دوسرے پھر تیسرے اور دیکھتے ہی دیکھتے میں دوسری چھت پر تھا۔ "میرا خیال ہے اب سیدھے راستے یعنی عمارت کی سیڑھیوں سے اترا جائے۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کا فائدہ نہیں ہے جناب! اس عمارت کا داخلی راستہ بھی اس بازار سے نکلتا ہے۔ ہمیں آخری عمارت تک جانا پڑے گا۔"

"یعنی دوبارہ اس پل صراط سے اور گزرنا پڑے گا۔" میں نے سرد آہ بھری۔

باتوں کے دوران اویس نے سیڑھی لے جا کر اس عمارت اور اس سے اگلی عمارت کی منڈیروں پر رکھ دی۔اس بار اس نے میری جانب دیکھا کہ پہلے آپ۔ مجھے تجربہ ہو گیا تھا اس لئے میں بلا جھجک چڑھا اور سیڑھی عبور کرکے دھم سے ایک ناشائستہ محفل میں کود پڑا۔ ناشائستہ یوں کہ ایک نوجوان جوڑا چھت کی تنہائی کا غلط فائدہ اٹھا رہا تھا۔ہم تینوں ہی بھونچکے رہ گئے تھے پھر سب سے پہلے لڑکی بھاگی،اس کے بعد لڑکا اس دخل در معقولات پر مجھے گھورتا چلا گیا۔اویس نے اتنی آہستگی سے سیڑھی رکھی تھی جوڑے کو پتا نہیں چلا اس نے عقب سے پکارا۔

''جناب سیڑھی پکڑیں تاکہ میں آؤں۔''

چھت پر آ کر اس نے سیڑھی تیسری اور چوتھی عمارت کی منڈیروں پر رکھی۔اس پر آنے کے بعد اس نے سیڑھی ایک طرف رکھی اور میرے ساتھ سیڑھیوں کی طرف آیا۔ میں نے اسے روکا۔''سوال یہ ہے کہ نیچے جا کر ہم کیا کریں گے؟ پیدل مارچ یا کوئی گاڑی ہے؟''

''ٹیکسی کریں گے جناب!'' اس نے بتایا۔''اس طرف دن رات ٹیکسی ملتی ہے۔''

سیڑھیوں سے اتر کر ہم مین روڈ پر آئے۔عمارت کے سامنے دو ٹیکسیاں تھیں،ایک مزنگ روڈ جانے کے موڈ میں تھا اور دوسرا ریلوے اسٹیشن کے قرب و جوار میں جانا چاہتا تھا جہاں سے اسے دوسری سواری مل جائے۔ ماڈل ٹاؤن جانے کے لئے دونوں میں سے کوئی تیار نہیں تھا۔جس وقت اویس ٹیکسی والے سے مذاکرات کر رہا تھا میری نظر کوئی سوفٹ کے فاصلے پر لوگوں کو دھکیلتے اور لپکتے افراد پر پڑی۔وہ ہماری طرف آرہے تھے۔میرے اندر خطرہ سرسرایا اور میں نے وقت ضائع کئے بغیر پہلے اویس کو ٹیکسی میں دھکیلا اور اس کے پیچھے خود بھی گھس گیا۔

''اوئے......اوئے اتر......تیری تو......'' مزنگ جانے پر مصر ڈرائیور نے اشتعال سے کہا اور پھر میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔''یہ کیا......سرکار......جناب عالی!''

''اگر تم نے دس سیکنڈ کے اندر ٹیکسی اسٹارٹ کر کے نہیں بھگائی تو مارے جاؤ گے،ٹیکسی میں خود لے جاؤں گا۔''

میرے لہجے اور پستول کے دیدار نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے،اس نے لرزتے ہاتھوں سے ٹیکسی اسٹارٹ کی اور ٹریفک کے ہجوم میں لے جانے کی کوشش کی مگر شام کے اس وقت ٹریفک کا دباؤ زیادہ تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا بھاگنے والے دونوں افراد اب ساٹھ ستر فٹ کے فاصلے پر تھے۔

''دشمن پیچھے آرہا ہے۔'' میں نے اویس سے زیادہ ٹیکسی ڈرائیور کو آگاہ کیا۔''اور وہ ہم تک آگئے تو مارا ماری ہوگی اور نہ جانے اس میں کون مارا جائے؟''

میرے الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ٹیکسی والے نے اپنی اور ہماری جان پر کھیل کر ایک ٹرک کے سامنے سے ٹیکسی کو ٹریفک کے دریا میں ڈال دیا۔ٹرک والے نے بھیانک پریشر ہارن بجایا جس پر ایک گدھا گاڑی کا گدھا بدک گیا تھا۔ بہرحال یہ افراتفری لمحاتی تھی اور کیونکہ کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا اس لئے سب معمول پر آ گیا۔میں نے مڑ کر دیکھا مگر سب منظر ٹرک کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ میں نے اویس کو بتایا۔

''دو افراد لوگوں کو دھکیلتے ہوئے ہماری طرف آرہے تھے۔''

''اب اس کا کیا کرنا ہے؟'' اویس نے آنکھ سے ٹیکسی والے کی طرف اشارہ کیا۔

''اسے کہیں چھوڑ دیں گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔
ٹیکسی والا نہ جانے کیا سمجھا اس نے رونا گڑگڑانا شروع کر دیا۔ ''اوہ جناب! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''
''کتنے بچے ہیں؟'' میں نے نیم سنجیدہ انداز میں پوچھا۔
''جی گیارہ!'' اس نے مسمسی سی صورت بنا کر کہا۔
میں اچھل پڑا تھا۔ ''گیارہ بچے...... وہ کیسے...... ابھی تو تم تیس سے زیادہ کے نہیں ہو۔''
''جی گھر والی کچھ زیادہ ہی زرخیز ہے۔'' اس نے شرما کر کہا۔ ''ایک بار تین بچے ایک ساتھ ہوئے اور باقی چار بار جڑواں ہوئے۔''
''تم تو فیملی پلاننگ کے محکمے کا بھٹا بٹھا دو گے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''گیارہ بچے ہیں...... ان کا پیٹ پالنے کے لئے ٹیکسی چلاتے ہو؟''
''جی جناب! اب تو آپ مجھے نہیں ماریں گے۔''
''اوہ نہیں یار...... اتنے سارے لشکر کی بددعاؤں کا مقابلہ یہ ناتواں نہیں کر سکتا لیکن تم بھی بلاوجہ فوت ہونے کی کوشش مت کرنا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔
''آپ نے کہاں جانا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''وہاں جہاں دوسرا ڈرائیور لے جانا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔
''ریلوے اسٹیشن!'' وہ بولا۔
''ہاں۔'' میں عقب میں دیکھ رہا تھا صرف پیدل افراد ہی نہیں ہوں گے ان کے پاس لازماً ایک دو گاڑیاں بھی ہوں گی لیکن بے پناہ ہجوم میں یہ اندازہ کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والی گاڑیوں میں کون تھا؟ دشمن یا عام افراد۔ میں نے سیدھے ہوتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔
''کوئی ایسا راستہ پکڑو جو ذرا سنسان ہو۔''
''کیوں جی؟'' اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ ''کیا ارادہ ہے، آپ کا؟''
''ڈرو نہیں...... میں اندازہ لگانا چاہ رہا ہوں...... کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی مگر اس کی حالت اور خراب ہوگئی۔ ''تعاقب...... یعنی دشمن...... گولیاں چلیں تو میں غریب مارا جاؤں گا۔''
''یہ ایک آفاقی حقیقت ہے، زیادہ تر غریب ہی مارے جاتے ہیں۔'' میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''بہرحال ہم تمہیں مرنے سے بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔''
''اگر تم خود مرنے کی کوشش نہ کرو۔'' اویس نے پہلی بار کچھ کہا۔
ڈرائیور نے ٹیکسی ایک راستے پر ڈال دی۔ یہ سڑک اتنی معروف نہیں تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ دیر بعد سڑک پر ایک پیلی مزدا مڑی تھی۔ یہ پک اپ ٹرک تھا جس کا سسپنشن خاصا اونچا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس میں متعاقب دشمن ہیں، میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''ٹیکسی کسی گلی میں موڑو اور گھوم پھر کر دوبارہ اسی سڑک پر آ جانا۔''
''وہ کیوں جی؟'' اس نے سوال کیا۔ جب میں نے پستول اس کی پشت سے لگایا تو وہ جلدی سے سیدھا

ہو گیا۔ اس نے ٹیکسی ایک گلی میں گھما دی۔ وہ شاید اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے ٹیکسی کو گلی میں گھمانے لگا۔ میں نے دیکھا، پک اَپ بھی ٹیکسی کے پیچھے آئی تھی۔ اب شبہ باقی نہیں رہا تھا، پک اَپ ہمارے تعاقب میں تھا۔ میں نے ٹیکسی والے سے کہا۔ ''اب واپس سڑک پر چلو۔''

اس کی ٹیکسی ایک لمبی سی گلی میں گھوم گئی جو باہر سڑک پر نکلتی تھی۔ جیسے ہی ٹیکسی گلی کے آخری سرے پر تب وہ بڑا سا گڑھا نظر آیا جسے نہ جانے کس مقصد کے تحت کھودا گیا تھا اور اس کے ایک طرف معمولی سی جگہ تھی۔ ٹیکسی والے نے روک کر گڑھے کی طرف دیکھا اور ہمیں آگاہ کی۔

''آگے گڑھا ہے صاحب...... ٹیکسی نہیں گزر سکتی ہے۔''

میں نے جھانک کر دیکھا۔ مجھے لگا کہ ٹیکسی اس جگہ سے گزر سکتی تھی۔ ممکن ہے اسے دوسری طرف دیوار سے رگڑ کھانا پڑتی لیکن وہ گزر سکتی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''ٹیکسی دیوار سے لگ کر گزر سکتی ہے۔''

''نہیں صاحب! گڑھے میں گر جائے گی۔''

اس بار میں نے پھر پستول کی زبان میں بات کی۔ ''آگے چلو...... ورنہ۔'' میں نے غرا کر کہا تو اس بادل نخواستہ ٹیکسی آگے بڑھائی۔ پھر اس نے پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ کیا اور ٹیکسی کا نہ تو پہیہ نیچے اترا اور اس نے دیوار سے رگڑ کھائی تھی، میں نے مڑ کر دیکھا۔ پک اَپ تیزی سے آ رہی تھی پھر اس کے ڈرائیور کو گلا نظر آ گیا تھا۔ جیسے ہی ٹیکسی سڑک کی طرف گھومی، میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''اب پوری رفتار سے چلو اور میں کہوں، وہاں رک جانا...... سمجھ گئے؟''

''جی جناب!'' اس نے کہا۔

میں نے اویس سے کہا۔ ''خوش قسمتی سے ہماری جان چھوٹ گئی ہے۔''

''ہمیں راستے میں اتر جانا چاہئے۔''

''راستے میں نہیں۔'' میں نے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور کو حکم دیا۔ ''اس سڑک پر موڑ لو۔''

''اس طرف کچھ نہیں ہے۔''

''اس طرف چلو۔'' میں نے حکم زور دے کر دیا۔ اس میں زور پستول کی نال کا تھا جو ڈرائیور کی گردن لگائی تھی۔ اس نے فوری تعمیل کی۔ تقریباً ایک فرلانگ جانے کے بعد میں نے اسے ٹیکسی روکنے کو کہا۔ اس ٹیکسی روک دی۔ میں اور اویس ٹیکسی سے اتر گئے۔ میں نے ڈرائیور کی خدمت میں ایک پانچ سو کا نوٹ کیا۔

''اگر چہ یہ معاوضہ کم ہے لیکن باقی کا شکر یہ اور اب سیدھے چلے جانا، براہ کرم مڑ کر مت دیکھنا۔''

''ورنہ پتھر کے بن جاؤ گے۔'' اویس نے بھی خوشگوار موڈ میں کہا۔ مگر ڈرائیور نے ٹیکسی اس طرح جیسے اس نے احتیاطاً سامنے بھی نہ دیکھا ہو۔ ٹیکسی کچے میں اتر گئی تھی اور ایک درخت سے ٹکراتے ٹکراتے بچی ڈرائیور بمشکل اسے صراط مستقیم پر لایا تھا۔ اویس نے مجھ سے پوچھا۔ ''اب کرنا کیا ہے جناب؟''

''واپس بڑی سڑک کی طرف مارچ کرنا ہے اور وہاں سے کوئی گاڑی لینی ہوگی۔''

اس لمحے اویس کے موبائل نے بیل دی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''جی سر! ایک مسئلہ ہو گیا تھا۔

ٹھہر یت ہے۔ راستے میں ہیں۔ علاقہ...... لبرٹی سے جو سڑک ریلوے اسٹیشن کی طرف جاتی ہے، اس کے پاس ہیں۔ میں سمجھ گیا جناب! دو منٹ میں وہاں ہوں۔" اس نے فون بند کر کے میری طرف دیکھا۔ "ہمیں واپس جا کر ایک سیلولر کمپنی کے بورڈ کے نیچے انتظار کرنا ہے، دس منٹ میں ہمیں کوئی نہ کوئی لینے آئے گا۔"

"تم کس سے بات کر رہے تھے؟"

"عبداللہ صاحب سے...... راجا صاحب کے خاص آدمی ہیں۔ یہاں ساری دیکھ بھال وہی کرتے ہیں۔" ہم مارچ کرتے ہوئے مین روڈ تک آئے۔ سیلولر کمپنی کا بورڈ ذرا آگے تھا۔ احتیاطاً ہم درختوں کی آڑ میں رہے۔ عین ممکن تھا پیچھا کرنے والے ابھی تک اس علاقے میں منڈلا رہے ہوں۔ بورڈ کے آس پاس خاصی گھنی جھاڑیاں تھیں، میں نے اویس سے کہا۔ "یہ بات تو طے ہے تمہارا فلیٹ لوگوں کی نظر میں آ گیا ہے، اب تم واپس جاؤ گے۔"

"نہیں، جب تک یہ معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا، میں کہیں اور رہوں گا۔"

"تم نے فرار کے لئے بڑا خطرناک طریقہ چنا تھا ذرا پاؤں پھسلتا اور پانچ منزل سے نیچے۔"

اس نے دانت نکالے۔ "میں خود دو مرتبہ اس طرح فرار ہو چکا ہوں۔ جان بچ گئی بس المونیم کی سیڑھی واپس نہیں ملتی، ہر بار نئی لینی پڑتی ہے۔"

ایک سیاہ کیڈلک کار لڑکھڑاتی ہوئی بورڈ کے سامنے رکی تھی، اس کا پہیہ پنکچر ہو گیا تھا، ایک شخص نے اتر کر ڈکی سے پہیہ اور جیک نکالا۔ پھرتی سے جیک لگا کر کار کو اوپر کیا۔ نٹ کھول کر پنکچر شدہ پہیہ الگ کر کے اسٹپنی لگائی اور پنکچر پہیہ اور جیک واپس ڈکی میں رکھ کر آواز دی۔ "راجا صاحب کے جوان آ جائیں، راستہ صاف ہے۔" وہ کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا، میں دنگ رہ گیا تھا۔ وہ ہمیں لینے آیا تھا۔ اویس نے میرا ہاتھ دبایا اور تیزی سے بڑھ کر کار کے عقبی حصے میں گھس گیا۔ "آ جائیں جناب، اپنا آدمی ہے۔"

"تم جانتے تھے۔" میں اس کے برابر میں آ گیا۔

"جی جناب۔ یہی تو عبداللہ صاحب ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی سر!" عبداللہ نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ تقریباً تیس برس کا مگر صورت سے کم عمر نظر آنے والا شخص تھا۔ اس نے کریو کٹ بال بنا رکھے تھے اور پتلون، قمیص اور نائلون کی جیکٹ میں اس کا مضبوط جسم واضح طور پر نمایاں تھا۔ اس نے ہمارے بیٹھتے ہی کار دوڑا دی تھی۔ چند منٹ بعد ہم اس جگہ سے خاصی دور آ چکے تھے۔

☆======☆======☆

سابقہ تجربات کی روشنی میں مجھے ابھی تک خدشہ تھا کہ کہیں سے اچانک دشمن نمودار ہوگا اور ایک بار پھر بلی چوہے کا کھیل شروع ہو جائے گا جس میں چوہے کا کردار اکثر و بیشتر اس ناچیز کے حصے میں آتا ہے۔ مگر اس بار خیریت رہی اور ہم ماڈل ٹاؤن کے ایک وسیع و عریض بنگلے میں خیر و عافیت سے پہنچ گئے۔

"آیئے جناب!" عبداللہ نے اترتے ہوئے مجھ سے کہا۔

میں اس کے ساتھ اندر آیا اور اویس باہر ہی رہ گیا تھا۔ دو راہ داریوں سے گزر کر ہم ایک وسیع سے کمرے

میں آئے یہاں ایک آرام کرسی پر راجا عمر دراز...... تقریباً دراز تھا۔ عبداللہ نے کمرے میں جانے سے پہلے تین بار دستک دی تھی۔ مجھے دیکھ کر راجا عمر دراز کرسی سے اٹھا تھا، اس نے سلام کا جواب دے کر گرم جوشی سے مجھے سینے سے لگایا اور پھر میرے شانے پر دونوں ہاتھ رکھے۔ ”کتنے عرصے بعد تم کو دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ کیسے ہو تم؟“

”آپ کے سامنے ہوں۔“ میں مسکرایا۔ ”آپ حسبِ معمول نظر آ رہے ہیں۔“

”پہاڑوں کے باشندوں پر وقت سُست ہو جاتا ہے۔ آؤ بیٹھو۔“ اس نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ”کیا پیو گے؟“

”کافی!“ میں نے بے تکلفی سے کہا۔ ”میں حکیم قادس کے سلسلے میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اسے ڈیوڈ شا کے چنگل سے نہیں چھڑا سکا۔“

”یہ ایسی خاص بات نہیں ہے۔“ راجا عمر دراز نے لاپروائی سے کہا۔ ”میں جانتا ہوں ڈیوڈ شا اس سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہے، لیکن وہ اس سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔“

”اس صورت میں وہ اسے مار دے گا۔“

”تم فکر مت کرو۔ حکیم بہت ذہین آدمی ہے۔ وہ اپنی جان بچا لے گا، اب تم بتاؤ تم پر کیا گزری؟“

اگلے ایک گھنٹے تک میں اسے وہ واقعات و حالات سناتا رہا جو مجھے اس کے محل سے نکلنے کے بعد پیش آئے تھے۔ میں نے اسے وسیم سے حیرت انگیز ملاقات کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ مونا، سفیر اور ایمن غائب تھے۔ راجا عمر دراز صرف برٹ شا کے زندہ ہونے کا سن کر چونکا تھا۔ ”تمہیں یقین ہے وہ برٹ شا ہی تھا؟“

”سو فی صد جناب! میں پورے دو دن اس کے ساتھ رہا۔ فتح خان نے اسے اب تک صرف اس وجہ سے زندہ رکھا ہے کہ اس سے ہیرے حاصل کر سکے۔“

”فتح خان!“ راجا عمر دراز کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔ ”اس نے زیادہ ہی ہاتھ پاؤں پھیلا لئے ہیں۔“

”آپ کی سوچ سے بھی زیادہ۔ ہم اس سے بچ کر جس طرح اسلام آباد پہنچے یوں سمجھ لیں کہ آگ کا دریا پار کیا ہے، وہ خود میری تلاش میں اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ اب پتا نہیں کہاں ہے۔“

”مجھے وسیم کے لئے افسوس ہے۔“ راجا عمر دراز نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”لیکن میں اس کے لئے کچھ کر نہیں سکتا، ہاں مونا اور سفیر کو میرے آدمی تلاش کریں گے۔“

”راجا صاحب! میں اختلاف کی معافی چاہتا ہوں لیکن وسیم، شکیل اور سونیا کو میں اپنا ساتھی شمار کرتا ہوں۔ ان کو دشمن کی قید سے نکالنا میں اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا کہ مونا، سفیر اور ایمن کی تلاش کو۔“

”یہ لڑکی ایمن...... کیا یہ بھی تمہارے ساتھیوں میں شامل ہو چکی ہے۔“

”نہیں...... میں اسے ڈیوڈ شا اور فتح خان سے بچانا چاہتا تھا۔ میں اسے ان معاملات سے الگ رکھنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا پھر ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ”وسیم اور دوسروں کے بارے میں اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟“

”اب تم نے ان کو اپنا ساتھی قرار دے دیا ہے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔

"دراصل لاہور میں میرے پاس مخصوص افرادی قوت کی کمی ہے۔"

"اس صورت میں وسیم اور شکیل کا آزاد کرانا اور بھی ضروری ہے، ان دونوں کی صلاحیتوں سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وسیم کی بہن سونیا بھی اپنے بھائی اور شوہر کے شانہ بہ شانہ کام کرتی رہی ہے۔"

"لیکن یہ تشویشناک بات ہے، وسیم کے گروہ میں ابھی تک غدار موجود ہیں۔"

"وسیم خود اپنی آرگنائزیشن سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ اس کے مشورے پر میں نے بیگ صاحب کو بھی اسلام آباد کے یونٹ سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا ہے۔"

"تم نے اچھا کیا، میں عبداللہ سے کہتا ہوں۔ تم اور عبداللہ مل کر کوئی پروگرام بناؤ۔ اگر وسیم اور اس کے ساتھیوں کو چھڑانا ہے تو یہ کام چند دن کے اندر کرنا ضروری ہے۔"

میں نے ذرا محتاط انداز میں پوچھا۔ "راجا صاحب! آپ نے مجھے خاص بات کرنے کے لئے طلب کیا تھا۔"

"خاص بات تو ہے...... لیکن بہتر ہوگا تم ابھی اپنے ساتھیوں کی بازیابی پر ساری توجہ دو۔ مجھے کچھ اور کام نمٹانے ہیں۔" راجا نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"پھر بھی راجا صاحب!" میں نے اصرار کیا۔ "کچھ تو اشارہ دیں۔"

"ملک سے باہر جانا ہے، کہاں اور کیوں یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔"

راجا کے کہتے ہی میرا خیال اس پُراسراری وادی کی طرف گیا (جس کے بارے میں جاننے کا اشتیاق مجھے ہی نہیں بلکہ قارئین کو بھی ہوگا) کیا اس اسرار سے پردہ اٹھنے کا وقت آ گیا تھا؟ میں سوچ میں گم ہو گیا تھا کہ راجا عمر دراز کی آواز نے متوجہ کیا وہ کہہ رہا تھا۔ "اب تم آرام کرو۔"

راجا عمر دراز نے مجھے ایک ملازم کے ذریعے بنگلے کے مہمان خانے میں اپنے لئے مخصوص کمرے میں پہنچا دیا۔ میں نے اس سے کہا۔ "مجھے دوسرے لباس کی ضرورت ہے۔"

"میرے ساتھ آیئے جناب!" ملازم ادب سے بولا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لایا جو وارڈ روب تھا۔ یہاں چاروں طرف الماریاں تھیں، ان میں ہر سائز اور ہر موسم کے بے شمار ملبوسات تھے، زنانہ اور مردانہ کپڑوں کی الگ الماریاں تھیں، میں نے ایک جینز کی پتلون اور گرم جرسی لی۔ ساتھ میں نارمل ڈریس شرٹ تھی۔ ملازم نے میرا ناپ دیکھا۔ "آپ کہیں تو چند گھنٹے کے اندر نئی سوٹ آپ کو مل جائیں گے۔ کلر اور ڈیزائن آپ بتا دیجئے گا۔"

"اسی رنگ کی جینز اور شرٹس منگوا دو۔ ہاں جرسی ہائی نیک لینا...... کسی گہرے رنگ میں۔"

کمرے میں آ کر میں نے نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ اس دوران میں چائے اور سینڈوچز آ گئے تھے۔ کھانا میں نے ذرا تاخیر سے لانے کو کہہ دیا تھا۔ میں نے رات آٹھ بجے وسیم کو کال کی۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔

"جی فرمایئے!" اس نے محتاط انداز میں کہا۔ "شاید اس کے آس پاس کوئی تھا۔"

"وسیم میں بات کر رہا ہوں۔ میں ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچ گیا ہوں۔"

''چلئے، آپ نے اچھا کیا......او کے! پھر ملیں گے۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔

وسیم کسی کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دوسرے موبائل سے وہ نمبر ملایا جو ندیم نے مجھے دیا تھا، اس پر بیل جانے لگی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ نمبر ممکنہ طور پر میرے ساتھیوں کا تھا۔ آخر پانچویں بیل پر کسی نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو!'' کسی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''میں آواز نہیں شناخت کر سکا تھا۔'' کون بات کر رہا ہے۔''

''شوبی!'' سفیر چلایا تھا۔ ''شکر ہے تیری آواز سننے کو ملی۔''

''سفیر!'' میں جواباً چلایا۔ ''تُو کہاں ہے میرے یار! مونا اور ایمن کہاں ہیں...... میں لاہور میں ہوں۔''

''شوبی!'' اس بار مونا کی آواز آئی تھی۔ ''یہ سچ مچ تم ہو؟''

''ہاں بابا، ابھی تین دن تو ہوئے ہیں، تم سے بچھڑے۔'' میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

یک لخت مونا نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ ''مونا، خیر تو ہے، کیوں رو رہی ہے پاگل!''

موبائل سفیر نے لے لیا۔ ''یہ صبح سے رو رہی ہے۔ آج صبح کے اخبار میں مری کے پاس ایک حادثے میں کوئی نامعلوم شخص ہلاک ہو گیا تھا۔''

''اور تم لوگوں نے فرض کر لیا کہ وہ میں ہوں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''نہیں یار! اگر تُو تصویر دیکھتا تو ایک لمحے کے لئے خود دہل کر رہ جاتا۔ زخموں کے ساتھ وہ تجھ سے بہت زیادہ مل رہی تھی، میں خود اب تک تجھے روتا رہا ہوں۔''

''ایمن...... کہاں ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے یار! وہ بھی رو رہی تھی، لے اس سے بات کر۔''

''شوبی!'' ایمن کی بھیگی بھیگی آواز آئی۔ ''تم ٹھیک ہو ناں؟''

''سو فی صد اور ابھی تک کسی حادثے میں ہلاک نہیں ہوا۔''

''خدا کے لئے!'' اس کی آواز لرز گئی تھی۔ ''مذاق میں بھی ایسا مت کہنا۔ صبح سے ہمارا جو حال ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔''

''او کے...... یہ بتاؤ کہ تم لوگ کہاں ہو؟''

''یہ تو سفیر بتائے گا۔'' اس نے موبائل سفیر کو دے دیا۔ اس نے کہا۔ ''ہم جی ٹی روڈ کے ساتھ جہلم سے ذرا آگے ایک گاؤں میں ہیں۔''

''جب تم لوگ اتنے قریب ہو تو لاہور کیوں نہیں آ گئے؟''

''کیونکہ ہمیں علم نہیں تھا کہ جناب لاہور میں ہیں۔ میں تو فیصل آباد جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ جہاں میرا ایک بچپن کا دوست کسی ٹیکسٹائل مل کی منیجری میں جتا ہے۔''

''پھر بھی اس جگہ کیوں رکے ہو؟''

''یار، جو گاڑی چھین کر بھاگے تھے اس کی ہمت یہاں آ کر جواب دے گئی، اب اللہ وسایا کے مہمان ہیں۔ صبح اس نے ایسا ناشتا کرایا جس میں کم سے کم ایک سیر دیسی گھی شامل تھا۔ اس لئے دوپہر کا کھانا گول کرنا

پڑا۔اس وقت سرسوں کے ساگ اور مکئی کی روٹی کے ساتھ نمکین مکھن ہمارا منتظر ہے۔"

"تم لوگوں نے کھانا نہیں کھایا؟"

"ہمت کر رہے ہیں یار!" سفیر نے بے چارگی سے کہا۔

"تم لوگ وہاں سے نکل آؤ" میں نے کہا۔"رات کا وقت موزوں رہے گا۔"

"یار، گاڑی خراب ہے ابھی تک۔"

"اس پر لعنت بھیج اور کوئی پرائیویٹ کار یا ٹیکسی کر کے وہاں سے نکل آ۔"

"پرائیویٹ کار یا ٹیکسی!" سفیر نے دہرایا۔"اوہ بھائی، اس چک نمبر نو دو گیارہ سے صرف ریڑھا یا تانگا مل سکتا ہے۔"

"مذاق مت کر۔" میں نے خفگی سے کہا۔

"نہیں یار! واقعی چک نمبر نو دو گیارہ ہے۔" اس نے یقین دلایا۔

"سفیر فوراً نکلنے کی کر۔ مجھے وسیم ملا تھا، اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔"اپنے میزبان سے بات کر کے بتا کہ تیرا دادا عالم نزع میں تجھے پکار رہا ہے۔"

"دادا جان تو میری پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔"

"کوئی بات نہیں، اگر تُو نے ان کو ایک بار اور مار دیا تو وہ برا نہیں منائیں گے۔"

"اچھا، میں کوشش کرتا ہوں۔" سفیر نے کہا۔"ہوسکتا ہے اس بہانے سرسوں کے ساگ سے جان بچ جائے۔"

"میں ایک گھنٹے بعد کال کروں گا۔ اگر تُو اس سے پہلے نکلنے لگے تو اس نمبر پر مجھے کال کر لینا...... بیلنس ہے تیرے پاس؟"

"بیلنس تو ہے مگر موبائل کا چارج آخری دموں پر ہے۔"

"اسے چارج......" میرا مشورہ ادھورا رہ گیا تھا، اس سے پہلے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ شاید موبائل کی بیٹری عارضی طور پر وفات پا گئی تھی۔ میں نے اپنے موبائل کا چارج دیکھا اور اسے آخری دموں پر پا کر چارجنگ سے لگا دیا۔ یہ جدید اور چھوٹا سیٹ تھا پھر استعمال بھی زیادہ ہوا تھا اس لئے اس کی بیٹری جلد جواب دے گئی تھی جو موبائل میں نے اسلام آباد سے لیا تھا اس کا چارج ابھی اچھا خاصا باقی تھا۔ احتیاطاً میں نے اسے بھی چارجنگ پر لگا دیا۔ مجھے معلوم تھا راجا عمر دراز سورج غروب ہوتے ہی رات کا کھانا کھا لیتا تھا اس لئے میں نے کچن فون کر کے اپنے لئے کھانا منگوایا۔ کھانے کے ساتھ ہی عبداللہ بھی آ گیا تھا۔

"معاف کیجئے گا جناب! مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کھانا کھانے والے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، بلکہ تم بھی آ جاؤ۔"

"بسم اللہ جناب...... میں کھا چکا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تب بھی آ جاؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے کھانے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔"آؤ بیٹھو۔"

''جی راجا صاحب نے مجھے بتایا تھا، میں ایک ضروری کام سے باہر گیا ہوا تھا۔'' اس نے نزدیکی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا۔

''میرا ایک ساتھی وسیم احمد ہے، وہ جامی شاہ نامی بدمعاش کے قبضے میں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ دو اور بھی ہیں، ان میں وسیم کی بہن بھی شامل ہے۔''

''جامی شاہ!'' عبداللہ کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ ''جناب! یہ تو بڑا خطرناک آدمی ہے، کئی طاقتور سیاست دانوں اور اعلیٰ سرکاری حکام کی ناک کا بال ہے۔ اس کا ذاتی گروہ بھی مضبوط ہے۔''

''وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ مجھے بہرصورت اپنے ساتھیوں کو اس کے قبضے سے نکالنا ہے، اصل میں جامی شاہ نے وسیم کی بہن اور دوست کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے اور وسیم سے مخصوص نوعیت کے کام لے رہا ہے اسی وجہ سے وسیم نقل و حرکت کے سلسلے میں ایک حد تک آزاد ہے۔''

''وسیم صاحب کی بہن اور دوست کو کہاں رکھا گیا ہے؟''

''اس کا علم تو غالباً وسیم کو بھی نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کا وسیم صاحب سے رابطہ ہے؟''

''ہاں، میرے پاس اس کا موبائل نمبر ہے۔ ابھی میں نے کچھ دیر پہلے اسے کال کی تھی لیکن اس کے پاس کوئی موجود تھا اس وجہ سے وہ بات نہیں کر سکا۔''

''پھر کال کریں...... اور ان سے کہیں کہ وہ اپنی بہن اور دوست کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کہاں ہیں، ایک بار ان کے بارے میں علم ہو جائے تو کوئی پلان بنانا آسان ہو جائے گا۔''

میں نے عجلت میں کھانا ختم کیا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی اور اسی محتاط انداز میں بولا۔ ''جی فرمایئے، کرنل شہباز!''

''تم سے بات کرنی تھی۔''

''جی کہیے۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''فون پر نہیں بالمشافہ...... کیا کل مل سکتے ہو؟''

''فوری طور پر نہیں بتا سکتا...... کسی وقت کال کر کے بتا دوں گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''کال می لیٹر...... او کے۔''

''او کے۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

''اس کے پاس اب بھی کوئی ہے۔'' میں نے عبداللہ کو بتایا۔ ''ایک مسئلہ اور ہے، میرے تین ساتھی جہلم سے ذرا پیچھے جی ٹی روڈ پر کسی چک نمبر نو دو گیارہ میں موجود ہیں، ان کو صبح سے پہلے لاہور لانا ہے۔''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، میں ابھی بندے روانہ کرتا ہوں۔ وہ چار گھنٹے کے اندر یہاں ہوں گے۔''

''میرے دوست کے موبائل کا چارج ختم ہو گیا ہے لیکن وہاں وہ کسی اللہ وسایا کے گھر میں موجود ہے۔ ممکن ہے تمہارے آدمیوں کو تلاش کرنا پڑے۔''

''کر لیں گے جناب!'' اس نے مستعدی سے کہا۔

''روانہ کرنے سے پہلے ان سے مجھے ملوا دینا۔'' میں نے اسے ہدایت کی اور وہ کمرے سے نکل گیا۔
میں سغیر کو کال کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ دس منٹ بعد عبداللہ آیا۔ ''وہ لوگ جانے کے لئے تیار ہیں جناب!''
'' کیسے لوگ ہیں؟ میرا مطلب ہے خطرے سے نمٹ سکتے ہیں ناں......؟''
''دونوں سابق ایس ایس جی کمانڈوز ہیں اور پوری طرح مسلح ہیں۔'' عبداللہ نے راستے میں بتایا۔ پورچ میں ایک عدد پجارو کے پاس دو افراد موجود تھے۔ دونوں پینتالیس کے آس پاس، مضبوط جسامت کے اور مخصوص چال ڈھال والے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹینشن ہو گئے۔ انہوں نے تعارف کرایا۔ ''سر، میرا نام فرمان علی ہے۔'' ایک نے کہا۔
''میرا نام نام صفدر محمود ہے۔''
''میرا نام شہباز ملک ہے۔'' میں نے کہا اور انہیں تفصیل سے سغیر اور مونا کے بارے میں بتایا۔ دوسری ضروری معلومات کے بعد میں نے ان کو سغیر کا موبائل نمبر بھی دیا۔ ''تمہارے پاس موبائل ہے۔''
''بالکل ہے سر!'' فرمان علی نے مستعدی سے کہا، ان دونوں نے سغیر کا نمبر نوٹ کر لیا۔ ''ہم راستے میں اس نمبر کو ٹرائی کرتے رہیں گے۔''
''اوکے...... اب تم دونوں روانہ ہو جاؤ۔'' عبداللہ نے ان دونوں سے کہا۔ ''اگر وہاں پہنچ کر کوئی غیر متوقع صورت حال سامنے آئے تو مجھے کال کرنا۔''
دونوں جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ عبداللہ نے میری طرف دیکھا۔ ''جناب! آپ چاہیں تو آرام کریں، میں صورت حال کو مانیٹر کر رہا ہوں۔''
''نہیں، جب تک مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پتا نہیں چلے گا، مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' میں نے کہا۔
باہر شدت کی سردی تھی اس لئے ہم اندر آ گئے۔ میں نے راجا عمر دراز کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''وہ سو چکے ہیں جناب! اب صبح چھ بجے سے پہلے زلزلہ بھی آ جائے تو بھی میں ان کو جگانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''
''تم کب سے راجا صاحب کے ساتھ ہو؟''
''تقریباً پانچ برس سے۔ جب سے انہوں نے اسلام آباد اور لاہور میں جائیداد خریدی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''تب سے میں ان کے معاملات کا منتظم اور مفادات کا نگران ہوں۔''
ہم ایک چھوٹی نشست گاہ میں آئے۔ عبداللہ نے انٹر کام پر کافی طلب کی۔ کافی کی فرمائش میں نے کی تھی۔ کافی چند منٹ بعد ہی آ گئی تھی۔ میرے موبائل چارج ہو چکے تھے۔ میں نے سغیر کو کال کرنے کی کوشش جاری رکھی تھی۔ اچانک دوسرے موبائل پر وسیم کی کال آنے لگی، میں نے جلدی سے کال ریسیو کی۔
''شہباز صاحب، میرے پاس وقت نہیں ہے، جامی شاہ کو مجھ پر شک ہو گیا۔ اس نے مجھ پر پابندی لگا دی ہے۔ میں باہر نہیں جا سکتا۔''

''کس بات پر شک ہوا ہے؟''

''آپ پر...... وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ آپ میرے ایک واقف کار کرنل ہیں۔ وہ مجھ سے آپ کا پتا مانگ رہا ہے۔''

''تم انکار کر دو کہ تم نہیں جانتے۔''

''میں نے یہی کیا ہے۔''

''سنو وسیم! میں راجا صاحب کے پاس پہنچ گیا ہوں اور ہم تمہیں چھڑانے کا پلان بنا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ شکیل اور سونیا کہاں ہیں؟''

''مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن جی ٹی روڈ پر لاہور کی حدود سے نکلتے ہی وہ کسی جگہ ہیں، مجھے آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا گیا تھا۔''

''یہ بھی کافی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وسیم ہم تمہیں چھڑانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہ بتاؤ، تمہیں فون پر بات کرنے کی آزادی رہے گی۔''

''ممکن ہے رہے یا ممکن ہے نہ رہے۔''

''تمہاری نگرانی تو نہیں ہو رہی ہے؟''

''میں اس وقت کھلے علاقے میں ہوں لیکن اس جگہ سے باہر نہیں جا سکتا۔''

''جامی شاہ کے ڈیرے کے بارے میں بتاؤ۔ خاص طور سے حفاظتی انتظامات کے بارے میں۔''

''شہباز صاحب، اس جگہ کی سخت حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ یہاں پر جامی شاہ منشیات اور اسلحے کا ذخیرہ رکھتا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''کم سے کم درجن بھر مسلح افراد ہمہ وقت یہاں پر رہتے ہیں۔''

''اگر تم وہاں سے نکلنا چاہو تو......؟''

''ذرا مشکل ہوگا لیکن میں نکل جاؤں گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''او کے، پہلے مرحلے میں ہم سونیا اور شکیل کو تلاش کریں گے۔''

''خدا حافظ!'' وسیم نے عجلت میں کہہ کر فون بند کر دیا شاید کوئی آ رہا تھا۔

میں نے عبداللہ کو وسیم سے ہونے والی گفتگو سنائی، وہ متفکر نظر آنے لگا۔ ''جی ٹی روڈ پر لاہور سے نکلنے کے بعد بھی آبادی ہی آبادی ہے۔''

''فی الحال وسیم سے اتنا ہی پتا چلا ہے۔''

ہم کافی پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ عبداللہ نے بتایا کہ وہ پولیس میں اپنے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ جامی شاہ کا جی ٹی روڈ پر کوئی ٹھکانا ہے تو کہاں ہے۔ پولیس کو عام طور سے خبر ہوتی ہے مگر وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے۔''

''کم مکا کے ذریعے۔'' میں نے سر ہلایا۔

''میرا ایک واقف کار خفیہ پولیس میں ہے۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے موبائل نکالا اور باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پھر سفیر کو کال کرنے کی کوشش شروع کی مگر حسبِ دستور جواب ندارد

تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا جارہا تھا۔ عبداللہ نصف گھنٹے بعد آیا۔ اس نے کہا۔ ''میری عامر شاہ سے بات ہوگئی ہے یہ ڈی ایس پی کے رینک کا آدمی ہے۔ فی الحال اس کے علم میں ایسا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اس نے مجھے کل رات تک بتانے کو کہا ہے۔''

''اس سے تمہارے تعلقات کیسے ہیں؟''

''میرا دوست ہے، ہم مظفر آباد کے ایک کالج میں ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔ یہ پولیس میں اے ایس آئی بھرتی ہوا تھا اور آج ڈی ایس پی ہے۔ بعض کیسوں کی کامیاب انویسٹی گیشن کے بعد اس کی تیزی سے ترقی ہوئی تھی، میرا قابلِ بھروسا دوست ہے۔''

''یعنی اگر بعد میں جامی شاہ کے اس اڈے پر قتل و غارت گری ہوتی ہے تو اس کی جانب سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟''

''نہیں، میں کہوں گا تو یہ کچھ نہیں کرے گا۔'' عبداللہ نے یقین سے کہا تھا۔

فرمان اور صفدر کو روانہ ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ میں نے عبداللہ سے ان کو کال کرنے کو کہا، اس نے ایک نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر بولا۔ ''کہاں ہو تم دونوں؟ اوکے...... جلدی، وہاں پہنچتے ہی مجھے یا شہباز صاحب کو کال کرنا۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے موبائل بند کیا۔ ''وہ ابھی دس پندرہ منٹ کی مسافت پر ہیں۔''

مجھ پر سستی طاری ہو رہی تھی۔ میں صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ عمارت کے اندر کا درجہ حرارت نارمل تھا۔ یعنی یہ عمارت سینٹرلی ائیر کنڈیشنڈ تھی۔ عبداللہ نے مجھے مشورہ دیا۔ ''آپ سو جائیں جناب!''

''نہیں یار! مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' میں نے صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ ''بس سستی آ رہی ہے۔''

مگر مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ کب نیند نے مجھے دبوچ لیا تھا۔ میں شاید آدھا گھنٹا سویا ہوں گا کہ بیل نے مجھے جگا دیا۔ موبائل پر فرمان کی کال تھی۔ ''سر، میں فرمان بات کر رہا ہوں۔ ہم یہاں تک آ گئے ہیں لیکن آپ کے بندے یہاں نہیں ہیں۔''

''نہیں ہیں......'' میرا دل ڈوب گیا تھا۔ ''کیا مطلب؟''

''ان کے میزبان اللہ وسایا نے بتایا کہ وہ ایک پرائیویٹ کار ہائر کر کے لاہور کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ اس جگہ بجلی نہیں ہے اس لئے شاید موبائل چارج نہیں ہوا۔''

''کتنی دیر ہوئی ہے ان کو نکلے؟'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں ایک بج رہا تھا۔

فرمان نے اللہ وسایا سے بات کی۔ ''سر، کوئی دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔''

''یعنی وہ لاہور پہنچنے والے ہوں گے۔'' میں نے سوچا۔ ''اس سے معلوم کرو پرائیویٹ کار کس کی تھی، کسی جاننے والے کی یا کسی اجنبی کی؟''

فرمان علی نے پھر پوچھا اور مجھے بتایا۔ ''کار گاؤں کے ایک بندے کی ہے۔''

''گڈ، جس بندے کے پاس کار ہے، اس کے پاس لازماً موبائل فون ہوگا۔ اللہ وسایا، اس کے گھر والوں

ے معلوم کر کے اس سے رابطہ کرو۔"
"ہم ابھی یہ کام کرتے ہیں سر!"
"جیسے ہی سفیر سے رابطہ ہو، مجھ سے بات کرانا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔
غلطی میری تھی، وہ ایک پُرسکون جگہ آرام سے بیٹھے تھے، مجھے ان کو وہاں سے اتنی عجلت میں نکلنے کا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ سفیر نے میرے مشورے پر فوری عمل کیا تھا۔ وہ کچھ دیر میں لاہور شہر پہنچ جاتا اور یہاں مجھ سے رابطہ کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے فرمان سے کہہ دیا تھا کہ وہ کار والے کا سیل نمبر تلاش کر کے اس سے رابطہ کرے۔ عبداللہ کمرے میں نہیں تھا شاید وہ باہر چلا گیا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آیا اور سفیر کا نمبر ٹرائی کرنے لگا۔ اکثر گاڑیوں میں موبائل چارجنگ کا سسٹم ہوتا ہے اس سے موبائل دوران سفر ہی چارج کیا جا سکتا ہے مگر سفیر کے موبائل سے بدستور کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ آدمی کے پیارے اس سے بچھڑ جائیں اور پھر ان سے ملنے کے آثار نظر آ رہے ہوں۔ آدمی کو ان کا انتظار ہو اور اندر سے دھڑکا بھی لگا ہو تو ایسے وقت میں آدمی کی جو کیفیت ہوتی ہے وہی کیفیت میری تھی۔ فرمان کے فون نے میری نیند اڑا دی تھی۔ میں بے تابی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔
پندرہ منٹ بعد دوبارہ فرمان کا فون آیا۔
"سر، مجھے افسوس ہے۔" اس شخص کا موبائل نمبر نہیں مل سکا، اس کے پاس موبائل نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "اب ہمارے لئے کیا حکم ہے سر؟"
"تم لوگ واپس آ جاؤ۔ ویسے بھی میرے اندازے کے مطابق وہ لاہور پہنچنے والے ہوں گے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "لیکن تم لوگ الرٹ رہنا، ممکن ہے ان لوگوں کو کہیں سے لیتے ہوئے آنا ہو۔"
"جی سر! ہم روانہ ہو رہے ہیں۔"
فرمان سے بات کر کے میں نے پھر سفیر کا نمبر ٹرائی کیا۔ جواب غائب تھا۔ پھر میں نے وسیم کا نمبر ٹرائی کیا، اس پر بیل جا رہی تھی۔ اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ میں نے جھنجلا کر موبائل بستر پر پھینک دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس بے چینی کے عالم میں وقت کیسے گزاروں؟ عبداللہ بھی نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ میں اب تک پیش آنے والے حالات پر غور کرنے لگا۔ پہلے مرشد اور اس کا بھائی نادر میرے اور میرے ساتھیوں کے درپے ہوئے اگرچہ فتح خان سے ٹکراؤ برسوں پرانی بات تھی لیکن میں نے کبھی اسے دشمن نہیں سمجھا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ میرے خلاف دل میں کینہ دبائے بیٹھا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ میرے دشمنوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ پھر سب سے شاطر شخص ڈیوڈ شا آیا اور اب جامی شاہ تھا۔ دشمنوں کی تعداد اور اس تناسب سے میرے مسائل بڑھتے جا رہے تھے جبکہ میرے دوست کم تو نہیں ہوئے تھے لیکن کمزور ضرور ہوئے تھے خاص طور سے وسیم کی آرگنائزیشن بکھرنے سے میرے دوست کمزور ہوئے تھے لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے از خود جدوجہد کرنا اور حالات کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا تھا اور اب میں کسی کے سہارے کا انتظار نہیں کرتا تھا۔ اپنے زور بازو پر بھروسا کرنے لگا تھا۔
مرشد علی فی الحال پس منظر میں چلا گیا تھا شاید اس لئے کہ الیکشن کا وقت قریب تھا اور ان دنوں وہ کسی غیر قانونی سرگرمی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے فتح خان کو میرے پیچھے لگا رکھا تھا اور اگر اس نے نہیں بھی لگایا تھا تب بھی فتح خان اس کا کام ہی کر رہا تھا۔ ڈیوڈ شا بھی منظر سے غائب تھا، ویسے بھی وہ عام آدمی کی طرح دشمن کے

پیچھے لگنے والا شخص نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا کام کرتے ہیں اور دشمن ان کی راہ میں آئے تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کی گردن مروڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ موبائل کی میسج ٹون سنائی دی، میں نے پیغام دیکھا۔ وسیم نے لکھا تھا۔ ''شہباز صاحب، مجھے اچانک کہیں لے جایا جا رہا ہے۔ کہاں؟ اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔ بعد میں رابطہ کروں گا۔''

وسیم کا معاملہ گڑبڑ نظر آ رہا تھا۔ شکیل اور سونیا کا کچھ پتا نہیں تھا اور وسیم بھی کہیں جا رہا تھا۔ جہاں سے اسے مجھ سے رابطہ کرنے کا موقع معلوم نہیں ملتا بھی یا نہیں۔ میں نے بے بسی سی محسوس کی تھی، میں خود پر پڑنے والی افتاد سے نمٹ سکتا تھا لیکن اپنے دوستوں کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ سفیر، مونا اور ایمن کو اب تک لازمی طور پر لاہور آ جانا چاہئے تھا اور مجھ سے رابطہ کرنا چاہئے تھا مگر تاخیر بتا رہی تھی کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''میرے ساتھی فرمان اور صفدر کو نہیں ملے۔ وہ وہاں سے گیارہ بجے چل پڑے تھے لیکن ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔''

''جی، میں فرمان سے رابطے میں ہوں۔ رات کا وقت ہے، جی ٹی روڈ پر معمولی سارش ہوتا ہے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''میں نے فرمان سے کہا ہے، وہ راستے میں چیک کرتا آئے، خاص طور سے کسی ایکسیڈنٹ کو۔''

''خدا نہ کرے!'' میں نے دل میں کہا۔ ''کوئی پولیس کا معاملہ نہ ہو۔''

''میں پولیس میں دیکھتا ہوں لیکن اس میں وقت لگے گا۔ رات کے وقت مطلوبہ افراد مشکل سے ہی ملتے ہیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''جتنا بھی وقت لگے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم کوشش کرو۔''

گزشتہ دن میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں جتنا پُرامید تھا، اب اتنا ہی مایوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے ہماری راہ میں اتنی رکاوٹیں کیوں حائل ہو رہی تھیں۔ جب میں ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو مناسب سمجھا کہ لیٹ جاؤں اور کچھ دیر سو جاؤں تاکہ اگلے روز تازہ دم ہو کر حالات کا مقابلہ کر سکوں۔ کوشش کے بعد مجھے نیند آ گئی تھی۔ صبح آٹھ بجے میری آنکھ کھلی تو رات کی بے آرامی ہلکے سے دردسر کی صورت میں موجود تھی۔ میں نے سب سے پہلے موبائل دیکھے۔ نہ تو کوئی مس کال تھی اور نہ ہی کوئی میسج۔ میں نے سفیر کا نمبر ملایا۔ ہنوز خاموشی تھی البتہ وسیم کے موبائل پر بیل جانے لگی۔ پھر کسی نے کال ریسیو کی اور کرخت لہجے میں بولا۔ ''کون ہے......؟ کس سے بات کرنی ہے؟''

میں نے کال کاٹ دی۔ موبائل اب وسیم کے پاس نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا اس کی قید سخت کر دی گئی تھی یا اسے کہیں اور بھیج دیا گیا تھا۔ میں نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا۔ اس سے سر کی گرانی میں خاصا فرق پڑا تھا۔ میں نے کافی کے ساتھ سینڈوچز منگوائے۔ ناشتے سے پہلے عبداللہ کی کال آ گئی۔ ''سر...... میں ساری رات کوشش کرتا رہا مگر مجھے افسوس ہے ابھی تک ان لوگوں کا سراغ نہیں ملا۔''

''مجھے یقین ہے تم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہو گی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''چکر یہ ہے کہ چکر ہماری تاک میں رہتے ہیں پھر قدرت مہربانی کرتی ہے اور ہم اس چکر سے نکل آتے ہیں۔''

''ان شاء اللہ، وہ صحیح سلامت یہاں آئیں گے۔'' اس نے خلوص سے کہا۔

''ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے راجا عمر دراز کے بارے میں پوچھا، وہ ابھی تک اپنے بیڈ روم سے نہیں نکلا تھا۔ سفیر اور مونا پارٹی، اللہ وسایا کے گھر سے نکل گئے تھے۔ انہوں نے ایک پرائیویٹ کار میں لاہور کی طرف سفر شروع کیا مگر لاہور نہیں پہنچے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کہاں تھے، ان پر کیا گزری تھی اور میں کیسے جان پاتا کہ ان پر کیا گزری تھی؟ مجھے خیال آیا اور میں نے فرمان سے رابطہ کیا۔'' تم لوگ اللہ وسایا کے گاؤں میں کوئی رابطہ چھوڑ کر آئے ہو؟''

''جی سر! میں نے اللہ وسایا سے گاڑی والے کے لڑکے کا موبائل نمبر لیا تھا۔''

''اس سے معلوم کرو، پرائیویٹ کار والا واپس گاؤں پہنچا یا نہیں؟''

''سر، میں پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں، کار والا ابھی تک وہاں نہیں پہنچا۔ میں نے دس منٹ پہلے اس سے بات کی ہے۔''

میں نے اب کے عبداللہ سے رابطہ کیا۔'' جناب! مجھے بھی اطلاع مل گئی ہے۔'' اس نے کہا۔

''پولیس رپورٹ کا کیا بنا؟''

''وہ بھی آ گئی ہے۔ لاہور کی حدود میں پولیس کے پاس ایسا کوئی ایکسیڈنٹ یا جرم کا کیس نہیں آیا جس میں سفیر نامی کوئی شخص شامل ہو۔ ہائی وے ٹریفک پولیس کے مطابق گزشتہ رات ہائی وے پر کوئی حادثہ بھی نہیں ہوا ہے۔''

''تب یہ کہاں گئے؟''

''سر، فکر نہ کریں۔'' عبداللہ نے مجھے تسلی دی۔'' میں نے پرائیویٹ کار کے نمبر کے حوالے سے انکوائری مانگ لی ہے۔ ممکن ہے کار کسی وجہ سے ٹریفک یا عام پولیس نے پکڑ لی ہو۔''

''مشکل ہے، معاملہ اگر پولیس کے پاس ہوتا تو اب تک سفیر مجھ سے رابطہ کر چکا ہوتا۔''

''کیا ان کے پاس کوئی قابلِ دست اندازی پولیس شے، میرا مطلب ہے اسلحہ وغیرہ تھا؟''

میرے اندر اس سوال نے خدشات سرسرا دیئے تھے۔'' میرا خیال ہے ان کے پاس اسلحہ ہوگا جب وہ مجھ سے جدا ہوئے تھے تو ان کے پاس خاصا اسلحہ تھا۔''

''اوہ...... اب مجھے پولیس میں اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھنا ہوگا۔''

''عبداللہ، یہ کام فوری طور پر کرو۔ تم جانتے ہو ناں ہماری پولیس کو...... سفیر کے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔''

''میں ابھی چیک کرتا ہوں جناب! ممکن ہے پکڑے جانے کی صورت میں انہوں نے اپنا نام نہیں بتایا ہو، اب میں ایک مرد اور دو عورتوں کے حوالے سے انکوائری کروں گا۔''

''جامی شاہ کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟''

''ڈی ایس پی عامر نے ایک صحافی کا حوالہ دیا ہے اسے لاہور کے مافیا کے گروپس پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے۔ عامر نے اس کا نمبر دیا ہے۔ میں گیارہ بجے کے بعد اس سے بات کروں گا۔ بقول عامر کے وہ سو کر گیارہ

بجے اٹھتا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

''کیا نام ہے اس کا؟''

''ناصر......راجا ناصر۔ بظاہر ایک اخبار سے منسلک ہے لیکن آزادانہ کام کرتا ہے۔''

''ناصر!'' میں چونکا۔ ''اسے میں جانتا ہوں۔'' میں نے عبداللہ کو مختصراً اس کے بارے میں بتایا۔

''یہ تو اچھا ہوا تو کیوں نہ آپ بات کرلیں۔''

''بات تو کرلوں گا لیکن مجھے نہیں پتا اس پر کس حد تک اعتبار کرنا ہے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''بہتر ہوگا آپ اپنے بی ہاف پر رابطہ کریں، میرا یا راجا صاحب کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ مناسب رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ نے مجھے ناصر کا موبائل نمبر بتایا۔

اس وقت دس بج رہے تھے۔ میں موبائل لے کر باہر نکل آیا۔ لان میں ہلکی سی حرارت سے محروم دھوپ تھی، لاہور کا موسم اچانک سرد ہوگیا تھا۔ سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں نئے خدشات نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ حالات کا دھارا ہمیں بہائے لے جارہا تھا اور ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ہاتھ مار رہا تھا۔ میں ابھی ٹہل رہا تھا کہ ایک سلور گرے کار بنگلے میں داخل ہوئی اور پورچ میں رکی، اس میں سے راجا عمر دراز کا سیکرٹری بیگ نکلا، میں اس کی طرف بڑھا۔ ''کیا حال ہیں بیگ صاحب!''

''اچھے ہیں، آپ سنائیں شہباز صاحب!'' اس نے حسبِ معمول سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ ''آپ کے ساتھیوں کا پتا چلا؟''

''نہیں، وہ نہ جانے کہاں اور کس مسئلے سے دوچار ہیں۔''

''مل جائیں گے، آپ بےفکر رہیں...... مجھے راجا صاحب نے طلب کیا ہے۔''

''راجا صاحب کہیں باہر جانے کے بارے میں کہہ رہے تھے۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

''اچھا...... مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے راجا صاحب نے اسی لئے طلب کیا ہو۔'' اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

گیارہ بجے کے قریب میں نے ناصر کا نمبر ملایا۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔ ''راجا ناصر، میں شہباز ملک بات کررہا ہوں۔''

''شہباز عرف شوبی!'' وہ بےتکلفی سے چہکا۔ ''کیسے ہو تم؟''

''تم نے پہچان لیا مجھے؟'' مجھے حیرت ہوئی تھی۔

''اپنا پیشہ ہی یہ ہے۔ بندے پہچاننا اور پھر ان کو یاد رکھنا۔ کہو کیسے یاد کیا اس ناچیز کو؟''

''ایک کام ہے تم سے۔ کہیں مل سکتے ہو؟''

وہ ذہین آدمی تھا، تاڑ گیا۔ ''یعنی تم جس جگہ ہو وہاں مجھ سے ملنا نہیں چاہتے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

''اچھا، ایسا کرو شاہدرہ میں اللہ والا ہوٹل آجاؤ، میں یہیں ناشتا کرتا ہوں۔''

''ماڈل ٹاؤن کے پاس کوئی جگہ نہیں ہو سکتی؟''

''نہیں، کام تم کو ہے، اس لئے تمہی آؤ گے۔''

''یار، میرے دشمن میرے قتل کے اسباب لئے پھر رہے ہیں یعنی بندوقیں، توپیں وغیرہ......'' میں نے فریاد کی۔ ''تم کیوں مجھے اخبار کی سرخی بنانا چاہتے ہو؟''

''اوکے اپھر جہاں تم ہو اس جگہ کا پتا بتاؤ۔ میں آجاتا ہوں۔'' اس نے مطالبہ کیا۔ میں نے سوچا اور اسے راجا عمر دراز کی کوٹھی کا پتا بتا دیا۔ نہ جانے کیوں میرا دل اس شخص پر اعتماد کرنے کو چاہ رہا تھا۔

''اوکے، میں ایک گھنٹے میں آؤں گا۔'' اس نے پتا نوٹ کر کے کہا۔

''اگر اس وقت میں ناشتا بھی شامل ہے تو بہتر ہے اسے گول کر دو اور ناشتہ یہاں آ کر کر لو۔''

''اوکے، میں پھر نصف گھنٹے میں آ رہا ہوں۔''

میں نے مہمان خانے میں آ کر کچن سے رابطہ کر کے نصف گھنٹے بعد ایک آدمی کا ناشتا بھجوانے کو کہا پھر عبداللہ کو کال کر کے اسے ناصر کے بارے میں بتایا۔ ''گیٹ پر بتا دینا۔ اسے اندر آنے دیا جائیں''

''جی بہت بہتر!'' عبداللہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ غالباً اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں نے ناصر کو راجا کی کوٹھی کا پتا دیا تھا۔ بہر حال میں کسی کا پابند نہیں تھا۔ نصف گھنٹے بعد ملازم نے ناصر کی آمد کی اطلاع دی۔ اسے مہمان خانے کی نشست گاہ میں بٹھایا تھا۔ میں وہاں پہنچا، وہ عام سے حلیے میں بے نیازانہ انداز میں صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''شہباز صاحب، خاصے بدل گئے ہیں۔''

''اور تم ویسے ہی ہو۔''

''ہمارا کیا ہے۔ قلندر کا ایک ہی حلیہ رہتا ہے۔'' اس نے نیم وا آنکھوں کے ساتھ کہا۔ شانے تک طویل بالوں اور دو تین دن کی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ کوئی سُست آدمی لگ رہا تھا جسے سوچنے میں بھی وقت لگتا ہو لیکن درحقیقت وہ انتہائی زیرک اور چالاک شخص تھا، جس نے یہ حلیہ بنا رکھا تھا، مقصد دوسروں کو دھوکے میں رکھنا تھا، میں نے پھر کچن کو ناشتے کے لئے کہا۔

''جگہ تو زبردست ہے۔'' ناصر نے چاروں طرف دیکھا۔ ''کس کا بنگلا ہے؟''

میں مسکرایا۔ ''میں نہ بھی بتاؤں تو تم جان لو گے، صحافی ہو ناں......''

''اوکے، تم نہیں بتانا چاہتے اس لئے میں کھوج بھی نہیں کروں گا، اب بتاؤ معاملہ کیا ہے؟''

''تم وسیم اور شکیل کو جانتے ہو؟''

''پہلے نہیں جانتا تھا۔'' اس نے سگریٹ کی راکھ بے تکلفی سے صوفے کے پیچھے جھاڑی۔ ''لیکن کچھ عرصے سے جاننے لگا ہوں، خاص طور سے جب وسیم کے ساتھیوں کا شیرازہ بکھرا تھا۔ موصوف کہاں ہیں؟''

''وسیم ان دنوں جامی شاہ کے قبضے میں ہے، نہ صرف وسیم بلکہ اس کا دوست شکیل اور بہن سونیا بھی جامی شاہ کے قبضے میں ہیں۔ اس نے ان کو یرغمال بنا رکھا ہے۔''

''جامی شاہ!'' اس نے چونک کر کہا۔ ''اسے تم لاہور کا گاڈ فادر کہہ سکتے ہو۔ اگر وسیم اس کے قبضے میں ہے

تو یہ بے حد تشویشناک بات ہے۔"

"وسیم کا کہنا ہے جامی شاہ اس سے سرحد کے پار کوئی کام لینا چاہتا ہے اس لئے اس نے شکیل اور سونیا کو یرغمال بنا رکھا ہے۔"

میں نے اسے بتایا کہ کس طرح جامی شاہ کے اڈے کے پاس وسیم سے میری ملاقات ہوئی تھی اور اس کی بہن اور شکیل کو لاہور کی حدود سے باہر کسی جگہ رکھا گیا ہے۔

"لاہور کے فوراً بعد؟" اس نے پُر خیال انداز میں پوچھا۔

"ہاں، کیا کوئی جگہ تمہارے ذہن میں ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "چند جرائم پیشہ افراد نے ایک جگہ زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہاں جوئے اور شراب کے اڈے چلا رہے ہیں، ان میں ایک اڈا جامی شاہ کا بھی ہے۔ ممکن ہے سونیا اور شکیل کو وہاں رکھا گیا ہو۔"

"اوہ...... میں نے اسی لئے تمہیں بلایا تھا...... میرا اندازہ درست نکلا۔" میں نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ "تم ان کے سارے اڈوں سے واقف ہو۔"

"وہ ہنسا۔" "اسی وجہ سے زمین کے اوپر ہوں ورنہ کب کا زیر زمین جا چکا ہوتا۔"

"تم اس جگہ کی نشاندہی کر سکتے ہو۔"

"بیکار ہے۔ اگر تم زور زبردستی سے اپنے ساتھیوں کو واپس حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے کم سے کم ایک بٹالین فوج درکار ہوگی۔ وہ اڈا نہیں قلعہ ہے، پولیس بھی اس طرف کا رخ کرنے سے گھبراتی ہے اور بھتا لے کر خود کو خوش نصیب سمجھتی ہے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ ممکن ہے جسے تم ایک بٹالین فوج کا کام سمجھ رہے ہو، وہ میں اکیلے ہی کر لوں۔"

"غالباً چند معرکے سر کر کے تم نے خود کو سپر مین یا اسی قسم کا کوئی کامک کردار سمجھنا شروع کر دیا ہے۔"

"نہیں، مجھے خدا کی ذات پر بھروسا ہے اور میں اپنے بل بوتے پر کام کرنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ مہربانی کر کے تم اس جگہ کی نشاندہی کرو۔"

"جیسی تمہاری مرضی!" اس نے کہا اس اثنا میں ملازم ناشتا لے آیا۔ ناصر ناشتا کرنے میں لگ گیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد اس نے ہاتھ روکا اور کافی بنائی۔ ایک کپ مجھے تھماتے ہوئے سوال کیا۔ "سوال یہ ہے کہ تم وہاں تک خود جاؤ گے؟"

"نہیں، جاسوس طیارے سے جاسوسی کرواؤں گا۔" میں نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔ "اوہ بابا، ظاہر ہے خود جاؤں گا۔"

"ناصر سوچ میں پڑ گیا تھا اس نے کہا۔" "اگر خرچہ کر سکتے ہو تو ایک محفوظ طریقہ بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا ایک دوست فلائنگ کلب میں انسٹرکٹر ہے۔ جب کوئی کلاس نہیں ہوتی تو شوقین حضرات کو آسمان کی سیر بھی کراتا ہے۔ تم فضا سے دوربین کی مدد سے اس جگہ کا بہتر طور پر معائنہ کر سکتے ہو، میں ایسا ٹیلی لینس ڈیجیٹل کیمرا بھی مہیا کر سکتا ہوں جو اس جگہ کی بہترین تصاویر اتار سکتا ہے۔"

''یعنی فضا سے جاسوسی!'' میں نے غور کیا۔

''وہ بھی بابا پائلٹ طیارے سے۔'' ناصر نے کہا۔''اس میں آپ کے لئے خطرہ نہیں ہے۔ ورنہ اس بس کے پاس جاتے ہی دسیوں نظریں آپ کی نگرانی کرنے لگتی ہیں۔ اگر آپ پر شک ہوا تو آپ خود کو غائب سمجھیں۔''

''سوال یہ ہے فضا سے کیا دیکھیں گے؟''

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتا، مگر دوسری صورت میں تم اس اڈے کے پاس ہی جا سکتے ہو، اندر جانے کا مطلب شیر کی کچھار میں جانا ہوگا۔''

''اوکے۔ میں ذرا اپنے ساتھی سے مشورہ کرلوں۔''

میں ناصر کو نشست گاہ میں چھوڑ کر باہر آیا۔ عبداللہ مجھے پورچ میں ملا۔ میں نے اسے ناصر کی تجویز سے آگاہ کیا۔

''اس سے بات کرنا مفید ثابت ہوا۔'' میں نے کہا۔''لیکن اس کی تجویز......''

''میں اس کی حمایت کروں گا جناب! ہمیں اوپر سے نگرانی کرنے سے اس جگہ کی لوکیشن اور اندر کے نقشے کا علم ہوگا۔ بعد میں ہم اگر اندر جاتے ہیں تو اس سے ہمیں بہت مدد ملے گی۔''

''یعنی تم اس پر راضی ہو؟''

''میرا راضی ہونا کیا جناب! فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔'' اس نے تابعدارانہ انداز میں کہا۔''میں تو صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔''

میں ناصر کے پاس لوٹ آیا۔''میرا ساتھی اس تجویز سے متفق ہے، کیا ہم آج ہی یہ کام کر سکتے ہیں؟''

''دن کی روشنی ضروری ہے۔ میں ابھی ثاقب سے بات کرتا ہوں۔ اس نے موبائل نکالا اور کال کرنے لگا۔ چند منٹ بعد اس نے فون رکھا۔''وہ دو بجے تک فارغ ملے گا۔''

میں نے عبداللہ کو کال کی۔''مجھے دو بجے تک ائیر فیلڈ پر پہنچنا ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے جناب! لیکن بہتر ہوگا آپ حلیہ بدل لیں۔

''یہاں کوئی ایسا بندوبست ہے؟''

''میں نے ایک شخص کو بلایا ہے، وہ کچھ دیر میں آجائے گا۔''

میں نے گھڑی دیکھی۔''ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔ اسے کتنا وقت لگے گا؟''

''یہ تو وہی شخص بتائے گا۔'' عبداللہ بولا۔''کیا میں آپ کے ساتھ چلوں؟''

''نہیں، تم پولیس والے معاملے پر پوری توجہ رکھو، ویسے کچھ پتا چلا؟''

''نہیں، میں نے جہاں جہاں بھی معلوم کیا ہے، وہاں گزشتہ رات میں ایک مرد اور دو خواتین کسی بھی طریقے سے تھانے میں نہیں لائے گئے۔''

میں نے فون بند کیا تو ناصر نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔''کس سلسلے میں تھانے میں پتا کیا جا رہا ہے؟''

میں نے اسے سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں بتایا، اس کی سوئی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک نمودار ہوئی۔ ''برٹ شا کی دختر نیک اختر!''

''تم جانتے ہو؟'' میں چونکا۔

''صحافی ہوں ناں...... معاملہ ہو نہ ہو...... ہر معاملے میں گھسنا ضروری ہوتا ہے اس لئے جانتا سب ہوں۔''

''یہ اچھی بات ہے۔ وہ کل رات جہلم کے قریب ایک گاؤں سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے تھے لیکن نہ تو وہ لاہور پہنچے اور نہ وہ ڈرائیور واپس گاؤں پہنچا جو اُن کو لاہور چھوڑنے آیا تھا۔''

''میں ابھی معلوم کر لیتا ہوں۔'' ناصر نے کہا اور دوبارہ موبائل کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اس اثنا میں ملازم ایک لڑکی کے ساتھ اندر آیا۔ اس نے ایک بکس اٹھا رکھا تھا۔

''سر، مجھے عبداللہ صاحب نے بھیجا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''مجھے آپ کا میک اَپ کرنا ہے۔''

میرا خیال تھا عبداللہ نے کسی مرد کو بھیجا ہوگا مگر وہ میک اَپ کی ماہر لڑکی نکلی بہرحال مجھے کام چاہئے تھا۔

''آدھے گھنٹے میں میرا حلیہ اس قدر بدلنا ہے کہ میرے قریبی جاننے والے بھی فوری طور پر نہ پہچان سکیں۔''

اس نے غور سے میرا جائزہ لیا۔ ''سر، آپ کو بالوں کا رنگ چینج کرنا ہوگا۔ لائٹ براؤن کلر سے آپ کا نصف حلیہ بدل جائے گا۔''

''اور باقی؟''

''اس کے لئے میرا کمال دیکھیں۔'' اس نے بیگ کھولا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے بیگ سے ایک اسپرے والی بوتل نکالی۔ میرے چہرے پر کپڑا رکھ کر اس نے بالوں پر اسپرے شروع کر دیا۔ پانچ منٹ کے اندر اس نے اسپرے مکمل کیا اور روئی سے جلد کے وہ حصے صاف کرنے لگی، جہاں اسپرے لگا تھا۔ دس منٹ بعد اس نے مجھے آئینہ دکھایا۔ میرے سیاہ بال حیرت انگیز طور پر ہلکے براؤن ہو گئے تھے۔ ''یہ رنگ ایک دو بار شیمپو سے سر دھونے سے اتر جائے گا۔'' اس نے کہا اور میرا سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر پہلے میری ہلکی بھنوؤں پر ایک لوشن لگایا اور اس پر بال چپکائے۔ ایک منٹ کے اندر اس نے یہ کام مکمل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے میرے چہرے پر فیس پاؤڈر کی تہہ جمانی شروع کی۔ مہارت سے یہ کام کر کے اس نے ربڑ کی بنی ایک جھلی نما شے ایک اسپرے لوشن کی مدد سے میری ناک اور اس کے پاس رخسار پر جمائی۔ اس نے بیس منٹ میں سارا کام مکمل کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے مجھے آئینہ دکھایا تو میں چند لمحے کے لئے خود کو نہ پہچان سکا تھا۔ ہلکے بھورے بال، گھنی براؤن بھنویں، پھیلی ہوئی ناک اور سنہری مائل سرخ رنگ کی وجہ سے میں بالکل مختلف لگ رہا تھا۔

''تم نے کمال کر دیا مس!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''مسز صنوبر شیخ، سر!'' اس نے تعارف کرایا۔ ''تھینک یو سر!''

''میں کیا پیش کروں اگرچہ تم نے کام انمول کیا ہے۔''

''نو سر! میری فیس عبداللہ صاحب نے پہلے ہی دے دی ہے۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''پھر بھی میری خوشی سے یہ رکھ لو۔'' میں نے اسے دو ہزار دیئے۔ یہ مالِ غنیمت مجھے پک اَپ والے کی

جیب سے ملا تھا جسے میں بے دردی سے اڑا رہا تھا۔

"تھینک یو سر! اگر آپ کو پھر میری خدمات کی ضرورت ہو تو مجھے کال کر لیجئے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ سارا آسانی سے اتر جانے والا میک اپ ہے کسی بھی چکنی جلد کے لئے مخصوص صابن کے استعمال سے بہ آسانی اتر جائے گا۔ اس کے بعد اولیو آئل سے ہلکا سا مساج آپ کے چہرے کو اصل حالت میں لے آئے گا۔"

مسز صنوبر شیخ کے جانے کے بعد میں نے ناصر کی طرف دیکھا۔ "کوئی خاص اطلاع!"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، ان تینوں کے بارے میں مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ کسی تھانے میں ان کی اطلاع نہیں ہے۔ اگر وہ پولیس کی تحویل میں ہیں تو اس نے ان کی گرفتاری ظاہر نہیں کی ہے۔"

سفیر، مونا اور ایمن اگر پولیس کے پاس نہیں تھے تو پھر امکان تھا وہ دشمن کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ اب دشمن کون تھا؟ فتح خان یا مرشد علی۔ ان دونوں میں مرشد علی زیادہ خطرناک تھا۔ مگر امکان یہی تھا کہ وہ دشمن فتح خان تھا۔ وہ ایمن کے لئے پاگل ہو رہا تھا کیونکہ ایمن کے قبضے میں آنے کی صورت میں اسے وہ ہیرے مل جاتے جن کے لئے وہ گیارہ سال سے سرگرداں تھا۔ بہرحال دشمن فتح خان بھی تھا اور اگر اس کا مرشد علی سے اشتراک جاری تھا تو وہ سفیر اور مونا کو اس کے حوالے کر سکتا تھا۔ "تم کو یقین ہے، اس غیر قانونی بستی میں وہ اڈا جامی شاہ کا ہے؟" میں نے ناصر سے پوچھا۔

"سو فی صد اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہو کہ جامی شاہ ہفتے میں کم سے کم ایک چکر وہاں کا ضرور لگاتا ہے۔ لاہور اور اس کی نواحی بستیوں میں پی جانے والی آدھی کچی شراب اسی اڈے پر تیار ہوتی ہے۔ سال میں کروڑوں کا بزنس ہوتا ہے۔"

"تو پھر چلو...... میں ابھی آیا۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے بریٹا اور اسمتھ اینڈ ولسن دونوں اپنی جیکٹ میں رکھے۔ عبداللہ کو کال کر کے گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کرنے کو کہا۔ پندرہ منٹ بعد میں اور ناصر ڈرائیور کے ساتھ ائر فیلڈ کی طرف جا رہے تھے اور یہ ڈرائیور صفدر تھا۔ وہ واپس آ گیا تھا جبکہ فرمان علی بدستور اللہ وسایا کے گاؤں میں تھا۔ وہ صبح سویرے وہاں چلا گیا تھا۔ عبداللہ نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ پرائیویٹ کار والے ڈرائیور کی تلاش کے لئے وہاں رہے اور جیسے ہی ڈرائیور یا اس کی گاڑی کا سراغ ملے اسے فوری اطلاع دے۔

"تم خوش قسمت آدمی ہو۔" ناصر نے تازہ سگریٹ سلگائی۔ وہ بلا نوش تھا سگریٹ کے معاملے میں۔

"تبھی دربدر مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

"یہ تو نقطۂ نظر کی بات ہے۔" اس نے گہرا کش لیا۔ "تم ایک رومانٹک زندگی بسر کر رہے ہو۔ کسی فلمی ہیرو کی طرح۔ تمہارے دشمن بھی زبردست ہیں اور دوست بھی۔"

"تم اپنا شمار کس میں کرتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے نیم وا آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "میں نے کبھی کسی شخص پر اتنی تیزی سے اعتماد نہیں کیا۔"

"اور میں سرے سے کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔"

''ایسا صرف بے وقوف لوگ کہتے ہیں۔''

اس نے شیشہ نیچے کر کے ٹوٹا باہر اچھال دیا۔ ''درست کہا تم نے۔ مجھ میں بے وقوف بننے کی زبردست صلاحیت ہے۔ ورنہ اس طرح جوتیاں چٹخانے کے بجائے کسی عالی شان کوٹھی میں بیٹھا ہوتا ادھر یہ حال ہے ایک بائیک ہے دو ہفتے سے خراب کھڑی ہے، مکینک نے مزید ادھار کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے بے شک میں اس کے خلاف اخبار میں اداریہ چھپوا دوں۔ وہ میری بائیک کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔''

''دوست! ضمیر کی آواز پر کان دھرنے والے دنیا میں عام طور سے اسی طرح خوار ہوتے ہیں۔'' میں نے خلوص سے اسے تسلی دی۔ ''تم اکیلے نہیں ہو دوست!''

چند منٹ بعد کار ائرفیلڈ کی پارکنگ میں رکی تھی۔ صفدر کو کار میں چھوڑ کر ہم ائرفیلڈ کی عمارت کی طرف آئے، وہاں ایک تقریباً گنجا نوجوان اپنے شانے پر مخصوص بیگ لٹکائے کھڑا تھا جس میں کیمرے اور ان کے لوازمات رکھے جاتے ہیں۔ اس نے ناصر سے ہاتھ ملایا۔ ''ایسی بھی کیا ایمرجنسی تھی؟''

''بیٹے! آج تمہیں ایک ایسی جگہ کی تصاویر اتارنے کا اعزاز حاصل ہوگا، جہاں کوئی پریس فوٹو گرافر نہیں پھٹک سکا۔'' ناصر نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''یہ میرے دوست ملک صاحب ہیں اور ملک صاحب! یہ شیری ہے، ہمارا بہترین پریس فوٹو گرافر۔''

شیری نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد ہم عمارت میں آئے۔ اس کے دوسری طرف ہینگر اور کھلے حصوں میں کئی طیارے کھڑے تھے۔ گیٹ کے نگراں نے رفیق رضا کا حوالہ سن کر ہمیں جانے دیا۔ رفیق ایک بائی پلین کے پہیوں کی ہوا چیک کر رہا تھا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا سانولا اور گھنی مونچھوں والا شخص تھا۔ جس نے سن گلاسز لگا رکھے تھے۔ تعارف کے بعد ناصر نے مجھ سے کہا۔ ''ملک صاحب اسے پانچ ہزار دے دیں۔''

میں نے اسے رقم دی اور اس نے طیارے کا دروازہ کھولا۔ ''کتنے افراد جائیں گے؟''

''ہم تینوں ہیں۔'' ناصر نے جواب دیا۔

اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ میں اور ناصر عقبی نشست پر آئے جبکہ شیری نے پائلٹ کے برابر والی نشست سنبھالی تھی۔ رفیق نے کنٹرول ٹاور سے بات کی اور بائی پلین کو موڑ کر رن وے پر لے آیا۔ یہ سنگل پٹی رن وے تھا۔ طیارے نے دوڑ لگائی اور زقند بھر کر ہوا میں بلند ہوا تھا۔ شروع میں تو دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا لیکن جلد ہی ہم نارمل ہو گئے۔ رفیق نے ناصر سے پوچھا۔ ''کس طرف جانا ہے؟''

''جی ٹی روڈ کی طرف۔ لاہور کی حدود جہاں شروع ہوتی ہیں۔'' ناصر نے چلا کر بتایا۔ کیبن پریشر نہ ہونے کی وجہ سے انجن کا شور کانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ بہر حال تین ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر صورت حال بہتر ہوئی تھی۔ شیری سہما ہوا تھا۔ ناصر نے اس سے کہا۔ ''اپنا کیمرا نکالو، سب سے اچھا ٹیلی لینس لگانا، تصویریں بالکل صاف آنی چاہئیں۔''

''تم بے فکر رہو۔'' شیری نے اپنا بیگ کھول کر جدید ترین ڈیجیٹل کیمرا نکالا، جس کی اسکرین الگ ہو جاتی تھی اور اس پر طاقتور ٹیلی لینس فٹ کرنے لگا۔ یہ لینس کیمرے سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔ ہم ٹھیک دو بجے روانہ

ہوئے تھے اور دس منٹ بعد ہم کوئی تیس میل دور جی ٹی روڈ کے اس حصے پر تھے جہاں سے ہائی وے لاہور میں داخل ہوتی تھی۔ ناصر نے نیچے دیکھا اور رفیق سے کہا۔ "یہ جو اس بھٹے کے قریب آبادی نظر آ رہی ہے، اس کے اوپر لے چلو۔"

اینٹوں کا بڑا سا بھٹا تھا جس کا مینار نمایاں تھا۔ رفیق طیارہ گھما کر اس کے ساتھ والی بستی کے اوپر لے آیا۔

"اس کے اوپر اینٹی کلاک وائز چکر لگاتے رہو۔ بلندی ذرا کم کر لو۔"

"پندرہ سوفٹ سے نیچے نہیں آ سکتا۔" رفیق نے آگاہ کیا۔

"کیا خیال ہے اتنی دوری کافی ہے؟" ناصر نے شیری سے پوچھا۔

"بالکل کافی ہے۔ یہ لینس تو ایک میل دور کھڑے آدمی کی تصویر بھی لے سکتا ہے۔"

"ملک صاحب! وہ مکان دیکھ رہے ہیں؟" ناصر نے طیارہ نیچے آنے پر ایک خاصے بڑے رقبے پر پھیلے قلعہ نما مکان کی طرف اشارہ کیا۔ "جس کے اوپر سیاہ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے؟"

میں نے بغور دیکھا۔ مکان کے چاروں طرف موٹی فصیل نما دیوار تھی۔ اوپر سے پتا نہیں چل رہا تھا مگر اس کی اونچائی بھی تقریباً خاصی تھیں دیواروں کے اندر کوٹھریوں کے دو سلسلے تھے۔ ایک مین گیٹ کے ساتھ، دوسرا صحن کے پار عقبی دیوار کے ساتھ۔ صحن میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور ایک طرف چھپر کے ساتھ اٹھتا دھواں بتا رہا تھا کہ اس کے نیچے تنور روشن ہے۔ چارپائیوں پر کئی افراد تھے۔ میں نے رفیق سے پوچھا۔

"کیا ان لوگوں کو طیارہ نظر آ رہا ہوگا؟"

"لازمی بات ہے جناب!" اس نے گویا میری عقل کا ماتم کیا۔ "جب یہ ہمیں نظر آ رہے ہیں تو طیارہ بھی ان کو نظر آ رہا ہوگا۔"

"طیارے کی آواز بھی ان تک جا رہی ہوگی؟"

"اگر نیچے مکمل خاموشی ہے تو کان لگا کر سننے پر اس کی گڑگڑاہٹ سنائی دے سکتی ہے۔"

"کوئی خاص طور سے منہ اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھتا اور اگر کسی کو طیارہ نظر بھی آ گیا تو وہ اسے خاص اہمیت نہیں دے گا۔" ناصر نے نیچے جھانکتے ہوئے کہا۔ رفیق نے طیارے کو اینٹی کلاک وائز ایک دائرے میں اڑانا شروع کر دیا تھا اور شیری نے تصویریں لینا شروع کر دیں۔ اس نے کیمرا کھڑکی پر سیٹ کر لیا تھا اور اسکرین میں دیکھ کر تصویریں لے رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"کوشش کرنا، چہرے واضح آئیں۔"

"فکر نہ کریں جناب! نیچے کوئی کتے کا پلا ہے تو وہ بھی میرے کیمرے سے نہیں بچ سکے گا۔"

رفیق طیارے کو چکر دے رہا تھا اور میں اردگرد کا علاقہ دیکھ کر ذہن نشین کر رہا تھا۔ مکان بستی کے آخری حصے میں تھا اور چند مکانوں کے بعد کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ کوئی فرلانگ بھر بعد ایک اور سڑک تھی جو لاہور کی طرف ہی جا رہی تھی۔ بستی جی ٹی روڈ سے کچھ فاصلے پر تھی۔ پونے تین بجے رفیق نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس نے طیارہ واپس ائرفیلڈ کی طرف موڑ دیا، تین بجے ہم اتر چکے تھے۔ میں اور شیری عمارت تک آ گئے۔ ناصر رفیق کے پاس رک گیا تھا۔ وہ اسے پکا کر رہا تھا کہ ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کرے اور لاگ بک میں

صرف لاہور کی فضائی سیر کا ذکر کرے۔

''یہ تصویریں ہمیں کیسے ملیں گی؟''

''کس صورت میں چاہئیں، پرنٹ کروانے میں تو بہت وقت لگے گا؟''

''یو ایس بی میں دے دو۔''

''یو ایس بی!'' اس نے سر کھجایا۔''یہ تو میرے کام کی ہیں۔ ایسا کرتے ہیں ساری تصویریں سی ڈی میں ڈال کر دے دیتا ہوں...... لیکن میرے دفتر چلنا ہوگا۔''

ناصر آیا تو میں نے اسے تصویروں کے بارے میں کہا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا۔''تم چلے جاؤ، میں شام تک تصویریں لے کر آؤں گا۔''

میں صفدر کے ساتھ واپس راجا عمر دراز کے بنگلے پر پہنچا۔ عبداللہ میرا منتظر تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''پہلے کھانے کا بندوبست کرو، بھوک لگ رہی ہے۔''

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اسے سفر اور جاسوسی کی تفصیلات سنائیں۔''عقبی طرف سے داخل ہونے کی گنجائش نظر آئی ہے۔ کیا تم چند چیزوں کا بندوبست کر سکتے ہو؟''

''حکم کریں جناب! میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔''

''کچھ عرصے پہلے راجا صاحب نے کمانڈوز کی ایک ٹیم ہائر کی تھی جو ایک بلاسٹ میں ماری گئی، ان کے پاس انسان کو بے ہوش کر دینے والی ایک گیس سی فائیو تھی۔ میں نے عملی طور پر اس کی کارکردگی دیکھی ہے۔ کیا وہ یہاں مل سکتی ہے؟ اس کے ساتھ اس گیس کے لئے مخصوص گیس ماسک بھی استعمال ہوتے ہیں۔''

''میں کوشش کرتا ہوں جناب!''

''فوری طور پر معلوم کرو اور مل جائے تو کسی بھی قیمت پر اسے حاصل کرو۔''

عبداللہ کے جانے کے بعد میں نے ناصر سے رابطہ کیا۔''تصویریں لا رہے ہو؟''

''میں پندرہ منٹ میں آ رہا ہوں۔ وہاں کمپیوٹر ہے؟ تصویریں سی ڈی میں ہیں۔ ورنہ میں کسی کا لیپ ٹاپ بھی لے آتا ہوں؟''

''ایک منٹ!'' میں نے اسے ہولڈ کرا کے دوسرے فون پر عبداللہ سے رابطہ کیا۔''بنگلے میں کمپیوٹر ہے؟''

''بالکل ہے جناب، میں ابھی ہدایت کرتا ہوں، ملازم آپ کے کمرے میں سیٹ کر جائے گا۔''

میں نے ناصر سے کہا۔''تم سی ڈی لے کر آ جاؤ، کمپیوٹر ہے یہاں۔''

دس منٹ بعد بنگلے کا ایک ملازم کمپیوٹر مع ٹرالی کے لے آیا۔ یہ برانڈڈ سسٹم تھا۔ جس میں جدید ترین سی پی یو کے ساتھ انیس انچ کا ایل سی ڈی مانیٹر بھی تھا۔ ملازم نے سوئچ میں پلگ لگا کر اسے آن کر دیا۔

''ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔'' میں نے اسے کہا۔

ناصر اس کے چند منٹ بعد آ گیا تھا۔ اس کے پاس ایک پیک سی ڈی تھی۔''تمہارے چکروں میں دوپہر کے کھانے سے بھی گیا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''کھانا مل جائے گا مگر معاف کرنا، میں نے پیٹ کی اتنی فکر کرنے والا صحافی پہلی بار دیکھا ہے۔''

''کیونکہ بندہ تین ٹائم کھانے اور کوئی چالیس پچاس سگریٹ کی عیاشی کرتا ہے۔کافی مل جاتی ہے تو عیاشی ڈبل سمجھو۔''

میں نے کچن میں کافی اور کلب سینڈوچز لانے کو کہا۔ ناصر نے سی ڈی روم میں سی ڈی ڈالی۔ ''ابھی اندر آتے ہوئے میں نے ایک نمونہ دیکھا تھا، اس کا تعلق شاید شمالی علاقے سے ہے۔اس نے شاہی خاندانوں کی سی قبا پہن رکھی تھی۔''

''وہ بیگ ہے، اس بنگلے کے مالک کا معتمدِ خاص!''

''اگر وہ بیگ ہے تو یہ راجا عمر دراز کا بنگلا ہے کیونکہ میری معلومات کے مطابق راجا عمر دراز جس کا تعلق شمالی علاقے سے ہے اس کے سیکرٹری کے نام میں بیگ آتا ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''لگتا ہے تم نے یہاں آنے سے پہلے کچھ چکر چلایا ہے!''

وہ مسکرایا اور معصومیت سے بولا۔ ''نہیں یار! صحافی ہوں، معلومات خود دوڑی چلی آتی ہیں۔''

میں نے تصویریں اوپن کیں۔ پہلی تصویر نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ طاقتور ٹیلی لینس نے مکان کو بالکل واضح کر دیا تھا۔ پندرہ سوفٹ کی بلندی سے مجھے صرف ایک دھندلا سا خاکہ نظر آرہا تھا لیکن یہ تصویر جیسے چند فٹ کی بلندی سے لی گئی تھیں۔ شیری واقعی اپنے کام میں ماہر تھا۔اس نے محض نصف گھنٹے میں کوئی ڈیڑھ سو تصویریں اتار لی تھیں اور یہ سب ہائی پکسل تھیں جن کو اور بھی بڑا کر کے دیکھا جا سکتا تھا۔ مکان کے خدوخال واضح تھے۔ اس کے چاروں طرف کوئی دو سے ڈھائی فٹ موٹی اور دس گیارہ فٹ اونچی دیوار تھی۔ داخلی دروازے کے دونوں طرف قطار میں کمرے تھے، ان کے بعد صحن تھا اور مخالف دیوار کی طرف کمروں کی ایک قطار اور تھی۔ میں نے مختلف تصویروں سے اندازہ لگایا۔ دونوں جانب ملا کر کل تیرہ کمرے تھے اور یہ مکان کم سے کم سات آٹھ سو گز یا سوا کنال پر بنا ہوا تھا۔

صحن میں ایک طرف چھپر تھا جو کھانا پکانے اور کھانے کے لئے مخصوص تھا تو دوسری طرف ایک قطار میں تین چار لیٹرین اور غسل خانے تھے۔ کم سے کم ان کے سائز سے یہی ظاہر تھا۔ صحن میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں، ایک پرانے ملٹری ماڈل کی بڑی والی جیپ تھی اور ایک شہ زور پک اَپ تھی۔ صحن میں پانچ چھ چارپائیاں بچھی تھیں۔ ان پر چار پانچ افراد محوِ استراحت تھے۔ کچھ تصویروں میں مختلف لوگ اِدھر اُدھر آجا رہے تھے۔ اچانک ایک تصویر نے مجھے چونکایا۔ ایک کمرے سے ایک شخص باہر آرہا تھا۔ اس نے نیلے رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی اور سر کے بال لائٹ براؤن تھے۔ مجھے لگا وہ سفیر ہے۔ سفیر نے اسی رنگ کی جیکٹ پہنی تھی جب وہ وین لے کر گیا تھا۔ میں نے بے تابی سے دوسری تصویریں دیکھیں۔ ایک اور تصویر میں وہ مجھے ایک شخص کے ساتھ باتھ روم کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس میں بھی اس کی صورت واضح نہیں تھی۔ البتہ اس کی سیاہ پتلون نظر آرہی تھی اور سفیر کسی گہرے رنگ کی پتلون پہنے ہوئے تھا۔ تصویر سے لگ رہا تھا کہ اسے نگرانی میں باتھ روم لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے ناصر کو بتایا۔ ''یہ شخص مجھے سفیر لگ رہا ہے۔''

''سفیر!'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''وہ یہاں کہاں ہیں؟''

میں نے تصویر کو ممکنہ حد تک زوم کیا۔ اس کا چہرہ کسی حد تک نظر آیا تھا لیکن یہ جھلک اتنی کافی نہیں تھی کہ

میں اسے یقین سے سفیر کہہ سکتا اگرچہ اس میں سفیر کی جھلک تھی۔ میں کس طرح تصدیق کرتا! میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پھر میں نے موبائل پر فرمان سے رابطہ کیا۔ ''سر، ابھی تک کوئی پتا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے بتایا۔

''فرمان، یہ معلوم کرو کہ کار کا ماڈل کیا ہے، رنگ اور نمبر......؟''

''ساری تفصیلات میں نے پہلے ہی لے لی ہیں۔ سفید رنگ کی ٹویوٹا کرولا ہے۔ بچاسی ماڈل ہے نمبر لاہور کا ہے۔'' اس نے مجھے نمبر بتایا۔

میں نے فون بند کر کے تصویروں میں سے وہ تصویریں نکالیں جن میں علاقہ نمایاں تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور مجھے ایک بند گلی میں سفید رنگ کی کار نظر آئی۔ میں نے اسے زوم کر کے دیکھا۔ کار کے دائیں طرف بونٹ کے اوپر ڈینٹ کا نشان نمایاں تھا۔ میں نے اس کا نمبر دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ نظر نہیں آیا۔ میں نے پھر فرمان کو فون کیا۔ ''کار پر دائیں جانب بونٹ پر ڈینٹ کا نشان ہے؟''

''ایک منٹ میں پوچھ کر بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

ناصر غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''تم اس وقت کسی جاسوس کی طرح کام کر رہے ہو۔''

میں مسکرایا۔ البتہ کان دوسری طرف ہی لگا رکھے تھے۔ فرمان نے چند منٹ بعد قدرے جوش سے کہا۔

''جی ہاں، ان کا کہنا ہے کار پر ڈینٹ ہے۔ بچے نے ہتھوڑا مار دیا تھا۔''

''فرمان، تم فوراً واپس آؤ۔ لاہور کی حدود سے ذرا پہلے مشرق کی طرف جی ٹی روڈ کے ساتھ ایک بھٹا ہے، اس کے ساتھ ایک بستی ہے، تم وہاں کسی ہوٹل کے پاس رک جاؤ اور اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔''

''سر، میں ابھی روانہ ہوتا ہوں۔''

میں نے ناصر کی طرف دیکھا۔ ''یہ وہی کار ہے جس میں سفیر، مونا اور ایمن روانہ ہوئے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ جامی شاہ کے اس اڈے پر ہیں۔''

''اسے بولتے ہیں مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ تم شکیل اور سونیا نامی خاتون کی تلاش میں ہو اور تم کو اپنے ساتھی مل گئے۔'' ناصر نے مٹھی میں دبے سگریٹ کا کش لیا۔

''شکیل اور سونیا بھی میرے ہی ساتھی ہیں۔''

ناصر آلتی پالتی مار کر مہاتما بدھ کے اسٹائل میں بیٹھ گیا اور سر کھجا کر بولا۔ ''یار، میں نے تمہارے کیس کا بغور مطالعہ کیا ہے، میری سمجھ میں یہ سارا چکر نہیں آ رہا۔''

''آ جائے گا۔'' میں نے ٹالنے کی نیت سے کہا کیونکہ فی الحال میں اسے داستان غریب حمزہ سنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ''ابھی تمہیں میرے پاس آئے، آٹھ دن کیا، آٹھ گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں۔''

ملازم ٹرالی میں سینڈوچز اور کافی لے کر آیا۔ ناصر نے ان پر حملہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آٹھ گھنٹے کا نہیں، آٹھ منٹ والا آدمی ہوں...... اصولاً......'' اس نے نصف سینڈوچ ایک بار میں حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔ ''تم سب کو اس ملک سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''لیکن تم لوگ پوری ثابت قدمی اور ڈھٹائی سے یہاں موجود ہو اور دشمن سے مار کھا رہے ہو۔''

''نہیں، صرف مار تو نہیں کھارہے، حسبِ توفیق مارا بھی ہے۔''

''ہاں، جتنا کوئی بارہ سنگھا کسی ہاتھی کو مار سکتا ہے۔'' ناصر نے سر جھٹکا۔ ''سوال پھر وہی ہے کہ تم لوگ کیوں ڈٹے ہوئے ہو؟ جان بچا کر بھاگ کیوں نہیں جاتے؟ مرشد علی، فتح خان اور جامی شاہ سب اپنی اپنی جگہ مافیا ہیں اور آدمی مافیا سے لڑ نہیں سکتا۔''

''یہ بھی درست ہے۔'' میں نے اسے بھی تسلیم کیا۔

''تب تم امریکا یا یورپ میں کیوں نہیں ہو؟'' ناصر نے کمپیوٹر ٹرالی کی سطح پر مکا مارا۔

''اسے تم دماغ کا خلل کہہ سکتے ہو۔''

''اسے عشق کہتے ہیں اور میری معلومات کے مطابق تمہیں یہ عارضہ لاحق نہیں ہوا ہے۔''

''اس بار تمہاری معلومات غلط ہیں۔''

''یعنی ہوا ہے۔'' وہ میرے قریب کھسک آیا۔ ''کب...... کس سے اور کہاں؟''

''یہ سب بتانے والا نہیں ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''یعنی صیغۂ راز میں ہے۔'' ناصر نے بھی آہ بھری تو اس کے منہ سے دھواں نکلا۔ ''مسئلہ جوں کا توں ہے۔''

''اور رہے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''مجھ سے گزشتہ چھ مہینے میں جو بھی ملا ہے، اس نے یہی مشورہ دیا ہے مگر اسے تقدیر کے لکھے کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہم بدستور اس سرزمین بے دستور پر زندہ ہیں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔'' ناصر نے سگریٹ کافی کے خالی مگ میں ڈال دیا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''اپنے ساتھیوں کو بازیاب کرانے کے لئے جو بھی بن پڑا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یعنی کمانڈو ایکشن!'' اس نے غور کیا۔ ''قتل و غارت گری، ڈز، ڈز۔''

''ظاہر ہے، جامی شاہ جیسے لوگ شرافت سے کب کسی کی مانتے ہیں!''

''تب تو بندہ چلا کیونکہ زبان اور قلم کے سوا کوئی تیسری چیز چلانی نہیں آتی ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے بٹھالیا۔ ''مجھے تمہاری اخلاقی مدد کی ضرورت ہے۔''

''مجھے اپنے دفتر جانا ہے اور ایڈیٹر کو منہ دکھانا ہے۔ چار دن سے اسے ایک رپورٹ کا لارا دے رکھا ہے، آج رپورٹ نہ دی تو میری جان لے لے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''ویسے بھی تم جتنی دل جمعی سے سگریٹ نوشی کرتے ہو کینسر یا اچانک ہارٹ فیل سے تمہارے مرنے کے امکانات روشن ہیں۔''

''اچھا، میں اسے کوئی نیا لارا تو دے دوں۔'' اس نے جیب سے موبائل برآمد کیا اور اخبار کے مدیر کو کال کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی دوسری جانب سے گالیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔

''اوہ بھائی! میری بھی تو سنو...... ایک چکر میں پھنس گیا ہوں۔'' ناصر نے بمشکل اپنی بات کی۔

گالیوں کی دوسری بوچھاڑ میں چکر کی بھی ایسی کم تیسی کی گئی تھی۔ بہرحال ناصر نے اس آتش فشاں مدیر کو

کسی نہ کسی طرح ٹھنڈا کر دیا تھا۔ چکر کے بارے میں اس نے شدید غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے اسے صنفِ نازک میں شامل کیا اور کل بہ نفسِ نفیس اسے لے کر مدیر کی خدمت میں حاضر ہونے کی شرط پر امان پائی تھی۔

"بہت ہی ٹھرکی آدمی ہے۔" ناصر نے موبائل جیب میں رکھا۔

"اب کل اسے چکر کہاں سے پیش کریں گے؟"

"اس کے لئے کوئی دوسرا چکر دینا ہوگا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

میں نے عبداللہ سے رابطہ کر کے اسے صورتِ حال بتائی۔ "میرے ساتھی وہاں موجود ہیں۔ تم آ جاؤ تو ہم کوئی پلان تیار کرتے ہیں۔"

"میں نے سی فائیو کا انتظام کر لیا ہے، گیس ماسک بھی ہیں لیکن اس کا توڑ نہیں مل سکا ہے۔" اس نے بتایا۔

"کوئی بات نہیں، یہ بھی کافی ہے تم کب تک آ رہے ہو؟"

"ایک گھنٹے میں جناب!" اس نے بتایا۔

"میں نے موبائل بند کیا تھا کہ سیکرٹری بیگ، راجا عمر دراز کا بلاوا لے کر آ گیا۔ میں ناصر کو وہیں چھوڑ کر اس کے پاس پہنچا، وہ حسبِ معمول جھولنے والی کرسی میں مزے کر رہا تھا۔ "برخوردار! کن چکروں میں ہو؟"

میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ گزشتہ اٹھارہ گھنٹے میں مجھے کیا معلوم ہوا تھا اور میرے کیا عزائم تھے، وہ غور سے سنتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"مجھے یہ کام خاصا مشکل لگ رہا ہے کیا تم محدود افرادی قوت کے ساتھ کر لو گے؟"

"جناب، مجھے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرنا ہے چاہے اس کے لئے مجھے اکیلے ہی کیوں نہ جانا پڑے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ "میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ میرے تمام تر وسائل تمہارے لئے موجود ہیں۔"

"شکریہ راجا صاحب! خدا کے بعد اس زمین پر آپ میرا سہارا ہیں۔"

"فکر مت کرو۔" وہ مسکرایا۔ "میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔"

"راجا صاحب، ممکن ہوا تو میں آج رات ہی جامی شاہ کے اڈے میں گھسنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم جو بھی کرو، پوری ہوش مندی سے اور اپنا خیال رکھتے ہوئے کرنا۔" راجا عمر دراز نے گویا مجھے نصیحت کی۔ میں واپس آیا تو ناصر غائب تھا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا۔ بہرحال میں نے اسے وقت گزاری کے لئے روکا تھا ورنہ اس سے جو کام لینا تھا، وہ تو میں نے لے لیا تھا۔ عبداللہ آدھے گھنٹے بعد آیا تھا، میں تصویریں دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی اور کام کی بات علم میں آئے۔ عبداللہ بھی تصویروں کے معائنے میں شامل ہو گیا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے تعریفی انداز میں سر ہلایا۔ "جس نے بھی تصویریں لی ہیں، کمال کی لی ہیں، ان سے ہمارا آدھا کام ہو گیا ہے۔"

"پیشہ ور فوٹو گرافر بلایا تھا ناصر نے۔"

"اب میرا خیال اس کے بارے میں بدل گیا ہے۔" عبداللہ کسی قدر بے تکلفی سے بولا۔ "وہ واقعی کام کا بندہ ہے۔"

"یہ بتاؤ، اگر ہم اس جگہ حملہ کریں اور اپنے ساتھیوں کو صحیح سلامت نکال لانے کی کوشش کریں تو کس طرف سے داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہئے اور کتنے آدمی ہمارے ساتھ ہونے چاہئیں؟"

"آدمی تو مجھ سمیت صرف تین ہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ "دوسرے دو فرمان اور صفدر ہیں۔"

"یعنی ہم چار۔" میں نے غور کیا۔ "اور اندر داخل ہونے کے لئے کیا، کیا جائے؟"

عبداللہ غور سے مکان کی مکمل تصویر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے وہی کہا جو میرے ذہن میں تھا۔ "عقبی حصہ موزوں رہے گا لیکن ان کمروں کی چھت پر کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہو گا!"

"سی فائیو کا استعمال آتا ہے؟"

"نہیں جناب! میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں ہے۔"

"جب آئے گی تو میں طریقہ بتاؤں گا۔ گیس ماسک چیک کرنا ہوں گے ورنہ غیر مؤثر ہونے کی صورت میں گیس ہم پر بھی اثر کر جائے گی۔"

"میں نے صفدر کو بھیج دیا ہے، وہ نو بجے تک لے آئے گا۔" عبداللہ بولا۔

"دوسرے اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟"

"لائٹ آرمز میں سب مل جائے گا۔ گرینیڈ بھی ہیں اور اسموک گرینیڈ بھی۔"

"گڈ! دونوں لے لو۔ پھنس جانے کی صورت میں راستہ صاف کرنے کے کام آئیں گے۔" میں نے ہدایت کی۔ "باقی اسلحہ وہی لیا جائے جسے چلانا آتا ہو۔ مجھے ایک عدد ہلکی خودکار رائفل چاہئے۔"

"اے کے چوہتر ہے۔"

"سب کے پاس خاموش پستول ہونے چاہئیں۔ فائرنگ کی نوبت آئے تو سب سے پہلے ان کو استعمال کرنا۔"

"میں سمجھ گیا جناب! کیا آج رات ہی ایکشن کرنا ہے؟"

"جلد از جلد، جتنی دیر ہو گی، نتائج اتنے ہی غیر یقینی ہو جائیں گے۔ ممکن ہے میرے ساتھیوں کو کہیں اور منتقل کر دیا جائے۔ ہمارے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ ہم ان کی نگرانی کر سکیں۔"

میں نے عبداللہ کو وہ کار دکھائی جس میں سفیر، مونا اور ایمن سفر کر رہے تھے۔ "میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ جامی شاہ کے ہتھے کیسے چڑھے۔"

"ممکن ہے جیسے آپ کو اتفاق پیش آیا تھا اسی طرح یہ بھی اتفاق سے ان سے جا ٹکرائے؟"

"نگران کو پکڑا کیوں گیا؟" میں نے اضطراب سے کہا۔ "نہ میں اور میرے ساتھی جامی شاہ کو جانتے ہیں اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے۔"

"ایسا نہ کہیں جناب! ممکن ہے مرشد علی نے اس سے رابطہ کیا ہو اور آپ کے بارے میں معلومات فراہم کی ہوں۔ مرشد علی جیسے لوگ ہمیشہ بدمعاشوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔"

نو بجے رات کا کھانا کھا کر میں نے کچھ دیر آرام کیا۔ صفدر سی فائیو گیس کے دو سلنڈرز اور چھ عدد گیس ماسک لایا تھا۔ عبداللہ نے اس کا استعمال سیکھ کر ماسک چیک کر لئے تھے۔ تمام ماسک اچھی حالت میں تھے۔ بارہ بجے میں نے تیاری شروع کی۔ بہترین قسم کے جوتے اور ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرنے والے دستانے عبداللہ نے مہیا کئے تھے۔ ایک خاص قسم کی آرمی جیکٹ جس میں گرینیڈز اور میگزین لگانے کے لئے جیبیں تھیں۔ بیلٹ میں دو عدد پستول رکھنے والے ہولسٹر تھے۔ اس نے مجھے اے کے چوہتر لا کر دی جو کلاشنکوف کی سب سے چھوٹی اور مہلک ترین قسم تھی، اس کے چار عدد فاضل میگزین بھی تھے۔ ایک بجے ہم روانہ ہوئے۔ میں اور عبداللہ عقبی نشست پر تھے۔ صفدر ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ فرمان بستی کے باہر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ طاقتور پجارو جیپ تیز رفتاری سے سڑکیں ناپتی رہی، صفدر کو لاہور کا سارا ہی علاقہ ازبر تھا۔ جب اسے سڑک کے بارے میں بتایا جو غیر قانونی بستی کے عقب سے گزرتی تھی تو اس نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں، میں آپ کو اس طرف لئے چلتا ہوں۔"

"فرمان سے کہو، وہ بھی اس طرف آ جائے۔" میں نے عبداللہ سے کہا تو وہ اسے کال کرنے لگا تھا۔ فرمان کو اس سڑک پر بلا کر اس نے مجھ سے کہا۔

"شہباز صاحب، بہتر ہو گا کہ ہم چار بجے کے بعد اپنا کام شروع کریں۔"

"کوئی بات نہیں، میرا اندازہ ہے اس جگہ پہنچتے پہنچتے تین تو بج جائیں گے۔"

"یہ شرفا کی بستی نہیں ہے۔ یہاں سارے غیر قانونی دھندے رات کو ہوتے ہیں۔ یہ صبح کے قریب جا کر سوتے ہوں گے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔ ہم جلد بازی نہیں کریں گے۔" میں نے کہا حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اُڑ کر اس مکان میں پہنچ جاؤں اور اپنے پیاروں کو آزاد کرا لوں۔ اب بھی میں جو قدم اٹھانے جا رہا تھا، جنگی حکمتِ عملی کے نقطۂ نظر سے یہ تقریباً خودکشی تھی، صرف چار افراد ایک ایسے قلعہ نما مکان پر ہلا بولنے جا رہے تھے، جس میں کم از کم درجن بھر ہر طرح کے اسلحے سے لیس چھٹے ہوئے بدمعاش تھے، ہمیں محض حملہ کر کے ان کو بے بس نہیں کرنا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی بحفاظت ان کے چنگل سے نکالنا تھا، میں نے عبداللہ سے کہا۔

"عبداللہ تم اور تمہارے ساتھی اب بھی فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ یہ میری لڑائی ہے، مجھے اپنے ساتھی چھڑانے ہیں تم پر اس کی ذمے داری نہیں ہے۔ اگر تم چاہو تو میرا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہو۔"

"ہم انکار نہیں کر سکتے، ہماری خدمات راجا صاحب نے حاصل کی ہیں اور انہوں نے ہمیں آپ کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے۔"

"پھر بھی میں تمہیں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں۔"

"آپ کسی بھی مرحلے پر مجھے خود سے پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"سر! اتنے عرصے تک مفت کی روٹیاں توڑنے کے بعد مجھے ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع مل رہا ہے، میں اس سے کیسے محروم ہو سکتا ہوں؟" صفدر بولا۔

"اس میں خطرہ ہے۔"

"خطرہ کہاں نہیں ہے جناب اور ہم کسی سے کم نہیں ہیں۔" صفدر ہنسا۔ "آپ ہمیں دشمن سے کم نہیں پائیں گے۔"

تین بجے کے قریب ہم اس غیر قانونی بستی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ کھیتوں کے پار سڑک کے دونوں جانب گھنے درخت تھے۔ روشنی نہ ہونے کی وجہ سے ہماری گاڑیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ فرمان اپنی جیپ میں ہمارا منتظر تھا۔ صفدر نے گاڑی روک دی۔ فرمان ہمارے پاس آیا۔ عبداللہ نے اسے بریف کیا۔ وہ تربیت یافتہ آدمی تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ "میں سمجھ گیا سر! اس جگہ سے بستی کے عقبی حصے تک کچا راستہ جا رہا ہے۔ وہاں تک گاڑیاں جا سکتی ہیں۔"

"ہمیں گاڑیاں مکان سے قریب کھڑی کرنی چاہئیں۔" میں نے کہا۔

"ایک آدمی گاڑیوں کے پاس ہونا چاہئے۔" عبداللہ نے تجویز دی۔

"اس کا مطلب ہے ہم تین آدمی اندر جائیں گے۔"

"گاڑیوں کو غیر محفوظ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کوئی ان پر قابض ہو جائے اور ان کو ناکارہ کر دے اور ہم پھنس جائیں۔" اس نے اصرار کیا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک آدمی گاڑیوں کے پاس رہے گا۔" میں نے تسلیم کیا۔

"یہ کام صفدر بہتر طور پر کر سکے گا۔" عبداللہ نے فیصلہ سنایا جس پر صفدر نے احتجاج کرنا چاہا مگر چپ رہا۔

"فران، تم یہ سیڑھی اٹھاؤ گے۔" عبداللہ نے جیپ کے عقبی حصے میں رکھی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے اپنے ماسک گلے میں لٹکا لئے تھے، سلنڈرز میں نے اور عبداللہ نے اپنی کمروں سے باندھ لئے تھے۔ ان کی نوزل پر لگا ایک بٹن دبانے سے گیس نکلنے لگتی تھی، یہ ان سلنڈروں سے خاصے بڑے تھے جو میں نے نیک نام کے پاس دیکھا تھا اور بقول نیک نام، اس مختصر سے سلنڈر میں اتنی گیس تھی کہ ایک ہزار مربع میٹر کے علاقے میں کسی بھی جاندار کو بے حس و حرکت کر سکتی تھی۔ چار بجے کے قریب فرمان ریکی کے مشن پر روانہ ہوا۔ درجہ حرارت پانچ درجے سینٹی گریڈ تھا۔ عبداللہ کی گاڑی میں تھرمامیٹر لگا تھا۔ عبداللہ نے فرمان کے موبائل پر رابطہ کیا۔ وہ کھیتوں کے درمیان چلتا، جس میں دو ڈھائی فٹ تک گندم کی فصل لہلہا رہی تھی، بستی میں غائب ہو گیا۔ عبداللہ موبائل کان سے لگائے سرگوشیوں میں اس سے بات کر رہا تھا۔

"ابھی مکان میں روشنیاں جل رہی ہیں۔" عبداللہ نے مجھے بتایا۔

"وہ جس قسم کی جگہ ہے وہاں اندھیرا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" میں نے کہا۔ "اس سے کہو کہ آوازوں پر کان لگائے اور معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ اوپر چھت پر کوئی ہے یا نہیں؟"

عبداللہ نے اس سے بات کی۔ پانچ منٹ بعد فرمان نے بتایا کہ کسی قسم کی کوئی آہٹ نہیں ہے اور نہ ہی عقبی طرف چھت پر کوئی نظر آ رہا ہے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ "اسے وہاں رکنے کے لئے کہو...... ہم آ رہے ہیں۔"

عبداللہ! اب تم جاؤ، میں سب سے آخر میں آؤں گا۔"

عبداللہ نے اپنا موبائل میرے حوالے کیا اور سیڑھی لے کر چلا گیا۔ میں اور صفدر درختوں کی اوٹ سے اسے جاتا دیکھ رہے تھے، میں نے صفدر سے کہا۔ "تم گاڑیوں سے دور رہ کر ان کی نگرانی کرنا۔"

"جی سر!" اس نے کہا اور دو درختوں کی طرف اشارہ کیا جن کے تنے جڑے ہوئے تھے۔ "میں وہاں سے نگرانی کروں گا۔"

"درست، اب تم وہاں چلے جاؤ۔"

"اسی لمحے موبائل سے فرمان کی ہلکی سی آواز آئی۔ "شہباز صاحب، آپ آجایئے۔"

میں درختوں سے نکل کر بستی کی طرف بڑھا۔ ہلکی سی چاندنی تھی اور ماحول نظر آ رہا تھا۔ مجھے تیز قدموں سے بستی تک آنے میں دو منٹ لگے۔ میں نے موبائل پر آہستہ سے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟"

"دائیں طرف کی پہلی گلی میں مڑ جائیں۔ پھر بائیں طرف دوسری گلی!"

میں دوسری گلی میں مڑا تو عبداللہ اور فرمان کے ہیولے نظر آئے، عبداللہ نے سیڑھی کھولی، میں نے دیکھا دیوار کی اونچائی تقریباً چودہ فٹ تھی۔ عبداللہ نے سیڑھی مکمل طور پر کھول لی اور اسے احتیاط کے ساتھ آواز کئے بغیر ترچھا کر کے دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ اس نے فرمان سے کہا۔ "اوپر جاؤ اور کوئی نظر آئے تو آواز کئے بغیر اسے قابو کرنے کی کوشش کرو، ناؤ ہری اَپ!"

فرمان اوپر چڑھ گیا اور دیوار کے دوسری طرف جھانکا اور ہمیں اشارے سے بتایا کہ اوپر کوئی نہیں۔ ہم بھی آجائیں، میں اوپر گیا۔ اس دوران میں فرمان چھت پر اتر کر سیڑھیوں کے سامنے پوزیشن سنبھالے ہوئے تھا، اس نے اشارے سے مجھے بتایا کہ نیچے دو افراد ہیں۔ میں جھکا جھکا کنارے تک آیا۔ صحن میں دو چادر پوش ایک انگیٹھی پر ہاتھ تاپ رہے تھے۔ وہ پہرے دار تھے۔ وہ ایسی جگہ تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی سیڑھیاں اترتا تو فوراً اُن کی نظر میں آجاتا۔ عبداللہ میرے پاس آ گیا اور اس نے فرمان کو گلی کی نگرانی کے لئے بھیج دیا۔ صحن میں چاروں طرف طاقتور بلب روشن تھے اور ان کی روشنی چھت تک آ رہی تھی۔ اچانک عبداللہ نے میرا ہاتھ دبا کر ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف ایک تار چھت سے گزر کر نیچے صحن تک جا رہا تھا۔ یہ بجلی کا تار تھا اور ان لوگوں نے غیر قانونی طور پر کنڈا مارا ہوا تھا۔ مجھے رکنے کا اشارہ کر کے عبداللہ اس طرف گیا، اس نے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکالا اور تار کو دوہرا کر کے اس کے درمیان چاقو کا پھل پھنسا کر ایک ہی جھٹکے میں تار کاٹ دیا۔ فوراً ہی نیچے تاریکی چھا گئی تھی۔

"اوئے ......اے کی ہویا؟" ایک نے کہا۔

"لوڈشیڈنگ!" دوسرا مزاحیہ انداز میں بولا۔

"صرف ہمارے لئے...... باقیوں کو تیری بے بے بجلی دے رہی ہے۔" پہلے نے غالباً ارد گرد دیکھ کر کہا۔ دوسری جگہوں پر روشنی نظر آ رہی تھی۔

"تو جا کر اوپر دیکھ لے۔"

"بیڑا غرق آج ہی ہماری باری آئی تھی۔" دوسرا بے زاری سے بولا اور چھت کی طرف آنے لگا۔

عبداللہ نے سیڑھیوں کے پاس دیوار تلے پوزیشن سنبھال لی تھی، میں نہیں دیکھ سکا کہ وہ کیا کرنے والا

تھا۔ جیسے ہی اس شخص نے چھت پر قدم رکھا، عبداللہ نے اسے عقب سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لگایا۔ اس کے منہ سے بھنچی ہوئی آواز نکلی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ آواز اور گرنے کا دھماکا سن کر نیچے والا چلایا۔

''اوئے کیا بات ہے؟''

میں نے پھرتی سے گرنے والے کی موٹی گرم چادر لے کر اوڑھ لی اور آہستہ آہستہ کراہتا ہوا نیچے جانے لگا، میں نے جسم کو جھکا لیا تھا تاکہ قد اور جسامت نمایاں نہ ہو۔ دوسرا سیڑھیوں کے پاس آیا۔

''اوئے......منہ سے کچھ پھوٹ کیا ہوا ہے؟''

میں نے کراہتے ہوئے اس کے پاس جا کر اچانک سر سے اس کے منہ پر ٹکر ماری۔ وہ اچھل کر پیچھے گرا میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر رسید کیا اور وہ ساکت ہو گیا۔ اس دوران میں معمولی سی آوازیں ہوئی تھیں۔ میں نے اسے شانے پر ڈالا اور اوپر لے آیا۔ دوسرا فرش پر ساکت پڑا تھا۔ ہم نے پھرتی سے ان کی تلاشی لی۔ ان کے پاس ایک دیسی ریوالور تھا۔ دوسرا نہتا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ اتنی معمولی سی نگرانی، ہم کتنی آسانی سے اندر گھس گئے تھے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی۔

''اب یہ سوتے رہیں گے۔'' عبداللہ نے سرگوشی میں کہا۔

''تم نے اس کے ساتھ کیا، کیا؟''

''کرنٹ لگایا ہے۔'' وہ بولا۔ اس نے ایک چھوٹا سا آلہ دکھایا۔ ''یہ ہائی وولٹیج جھٹکا مارتا ہے۔ آدمی کئی گھنٹے کے لیے بیکار ہو جاتا ہے لیکن مرتا نہیں ہے۔''

''یہ تو اچھی چیز ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم پہلے بتاتے تو میں بھی ایک لے لیتا۔''

ہم نیچے آئے۔ تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے اندر سونے والوں کو غالباً احساس بھی نہیں تھا۔ میں نے اشارے سے عبداللہ کو دروازے کی طرف والے کمروں کی طرف جانے کو کہا اور خود سیڑھیوں کے نیچے والے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے گیس ماسک منہ پر چڑھایا اور پہلے کمرے کے کی ہول میں گیس سلنڈر کے پائپ کی نوزل لگائی۔ بٹن دباتے ہی ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ گیس اندر جانے لگی۔ پانچ سیکنڈ بعد میں نے بٹن پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ دوسرے کمرے کے دروازے میں کی ہول نہیں تھا البتہ جھری تھی۔ میں نے اس میں نوزل داخل کر دی۔ اسے نمٹا کر تیسرے کی طرف بڑھا تھا۔ دوسری طرف عبداللہ بھی یہی کام کر رہا تھا۔ چند منٹ کے اندر ہم تمام کمروں میں گیس چھوڑ چکے تھے۔ پھر میں نے اللہ کا نام لے کر پہلا کمرا کھولنے کی کوشش کی لیکن اندر سے کنڈی لگی تھی۔ میں نے اندازے سے کنڈی والی جگہ پر سائلنسر لگے بریٹا سے فائر کیا۔ کنڈی کھل گئی۔ میں نے طاقتور ٹارچ نکال کر دروازے کو پاؤں سے کھولا، اندر لحاف تلے دو افراد بے حس و حرکت پڑے تھے۔ دونوں میرے لئے اجنبی تھے، گیس نے ان کو مفلوج کر دیا تھا۔ دوسرا کمرا کھلا تھا اور اس میں کوئی نہیں تھا۔

تیسرا کمرا اندر سے لاک تھا۔ میں نے بریٹا سے فائر کر کے اس کا لاک توڑ دیا اور بریٹا عبداللہ کو تھما کر اسے باقی کمروں کے دروازے کھولنے کو کہا۔ میں تیسرے کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں ایک مسہری پر دبیز کمبل تلے دو افراد تھے، میں نے ان کا معائنہ کیا۔ مرد اور عورت دونوں اجنبی تھے اور خاصی ابتر حالت میں تھے۔ میں

لاحول پڑھتا واپس آیا۔ اس طرف کے باقی کمرے خالی تھے۔ پھر میں دروازے کے ساتھ والے کمروں کی طرف بڑھا۔ عبداللہ نے سب کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ہم دونوں باری باری تلاشی لینے لگے۔ مین گیٹ کے دائیں جانب چار کمرے تھے۔ ان میں سے دو آباد تھے اور دو پیٹیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان پیٹیوں میں نہ جانے کیا تھا۔ ''شہباز صاحب اِدھر آئیں۔'' اچانک عبداللہ کی دبی دبی پُر جوش آواز آئی۔

میں باہر آیا، وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ٹارچ سے اندر روشنی ڈالی۔ کمرے کے وسط میں ایک خلا تھا، جس سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ''اس کے ساتھ والا کمرا بھی خالی ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''گویا اس پورے مکان میں سوائے اس تہہ خانے والے کمرے کے کہیں بھی میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ نہ جانے اس تہہ خانے میں بھی کوئی تھا یا نہیں۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''تم یہیں رکو۔''

میں تہہ خانے کی طرف بڑھا، نیچے کشادہ سیڑھیاں تھیں۔ میں محتاط قدموں سے نیچے تک آیا۔ جس جگہ سیڑھیاں ختم ہو رہی تھیں، وہاں فولادی سلاخوں کا دروازہ تھا جس میں موٹا سا تالا پڑا تھا۔ واپس آ کر میں نے عبداللہ سے بریٹا لیا۔ موٹے تالے کو توڑنے کے لئے دو فائر کرنا پڑے تھے۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے ٹارچ اور پستول سامنے رکھا تھا۔ گیس ماسک میرے منہ پر تھا اور مجھے پتا نہیں تھا کہ تہہ خانے میں گیس کا اثر ہے یا نہیں؟ میں نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ یہ تہہ خانے کی ایک چھوٹی سی گیلری تھی جس میں دونوں جانب کوٹھریاں تھیں۔ میں نے دائیں طرف کی پہلی کوٹھری میں روشنی ڈالی۔ فرش پر میلے کمبلوں میں دو افراد پڑے تھے، میں نے ٹارچ سے آہستہ سے سلاخیں بجائیں مگر سونے والوں کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور بے حِس و حرکت تھے۔ اگلی کوٹھری میں بھی دو افراد تھے۔ ان میں سے ایک کا سر کمبل سے باہر تھا، میں نے اس پر روشنی ڈالی، بے ساختہ میرا دل اچھلا تھا، وہ مجھے شکیل لگا تھا۔ میں نے زاویہ بدل کر اس کے چہرے پر روشنی ڈالی۔ وہ شکیل ہی تھا، میں نے بمشکل اسے آواز دینے کی خواہش پر قابو پایا۔ تیسری کوٹھری میں ایک شخص تھا، باقی تہہ خانہ خالی تھا۔ یہ میرے ہی پانچ ساتھی تھے اور سب بے ہوش تھے یعنی گیس کا اثر یہاں تک آیا تھا۔ اچانک تہہ خانے میں بلب جل اٹھے۔ میں پھرتی سے باہر آیا لیکن تار فرمان نے جوڑا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''نیچے تہہ خانے میں پانچ افراد ہیں، ان میں سے ایک شکیل ہے۔ وہ سب قید ہیں، ان کو نکالنے کے لئے چابیاں درکار ہیں، ہمیں چابیاں تلاش کرنا ہوں گی۔''

''فائر کر کے لاک نہ توڑ دیئے جائیں؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کوٹھریاں مختصر ہیں اور گولی بھٹک کر اندر کسی کو لگ جانے کا خطرہ ہے۔''

ہم نے چابیوں کی تلاش شروع کی۔ عبداللہ نے پوچھا۔ ''ان پر بھی گیس کا اثر ہے؟''

''لگ تو یہی رہا ہے۔''

چابیاں ہمیں اوپر پڑے بے ہوش افراد کے پاس سے ملی تھیں، ان کی نگرانی فرمان کر رہا تھا۔ اس کے پاس ایک وائر کٹر بھی تھا جس سے اس نے بجلی کا کٹا ہوا تار جوڑ دیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی اگر اردگرد اس اڈے سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد تھا تو وہ تاریکی کی وجہ سے چوکنا ہو سکتا تھا۔ چابیاں لے کر میں واپس تہہ خانے میں آیا،

پہلے شکیل والی کوٹھری کھولی۔ شکیل کے ساتھ دوسرا فرد سفیر تھا اور دونوں بے ہوش تھے۔ یہ گیس آدمی کے اعصاب شل کر دیتی تھی۔ وہ سو رہے تھے اس لئے سوتے رہ گئے۔ میں نے ان دونوں کو جھنجوڑا لیکن وہ ساکت رہے۔ میں نے باقی دو کوٹھریاں کھولیں، ایک میں مونا اور ایمن تھیں جبکہ دوسری میں سونیا تھی۔ میں سب سے پہلے سونیا کو اٹھا لایا اور صحن میں بچھی چارپائی پر ڈال دیا، سردی کی شدت سے بچانے کے لئے اسے کمبل اوڑھا دیا تھا۔

''عبداللہ میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے اس سے کہا۔ دوسرے پھیرے میں مونا کو لایا۔ عبداللہ شکیل کو لا رہا تھا۔ وہ عقل مند تھا اس نے خود لڑکیوں کی طرف جانے سے گریز کیا تھا۔ تیسری بار میں ایمن کو لے آیا۔ ''ان کو گاڑیوں تک لے جانا مسئلہ ہوگا جناب!'' عبداللہ وزنی سفیر کو لاتے ہوئے ہانپ گیا تھا۔

''ہم ان میں سے کسی گاڑی میں ان کو ڈال کر لے جائیں گے۔'' میں نے شہ زور اور ملٹری جیپ کی طرف اشارہ کیا۔

''ایسا کرنا خطرناک ہوگا جناب! ممکن ہے کچھ پہرے دار باہر بھی ہوں۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اتنا خطرہ تو مول لینا پڑے گا ورنہ ان کو گاڑیوں تک لے جانے میں بہت وقت لگے گا اور ممکن ہے اس دوران میں کوئی آفت نازل ہو جائے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ شہ زور کیسی رہے گی، اس کے پچھلے حصے میں سب آجائیں گے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا مگر میں کچھ سوچ رہا تھا۔ مجھے ایک فی صد بھی توقع نہیں تھی کہ میں اتنی آسانی سے اپنے ساتھیوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ کیا یہ دشمن کا بچھایا ہوا کوئی جال ہے مگر اس طرح سے جال کون بچھاتا ہے۔ ہمیں تو آتے ہی پکڑ لینا چاہئے تھا، اس کے بجائے ہم نے دشمن کے درجن بھر افراد کو قابو کر لیا تھا۔ ''شہ زور ٹھیک ہے۔'' میں نے عبداللہ کی تائید کی۔

''ہمیں فوراً نکلنا چاہئے۔'' اس نے کہا اور صفدر کو کال کرنے لگا۔ ''صفدر، ہم آ رہے ہیں، دونوں گاڑیاں تیار رکھو۔''

''میں تیار ہوں جناب!'' صفدر نے جواب دیا۔

اسی دوران میں، میں بے ہوش لڑکیوں کو شہ زور کے عقبی کھلے حصے میں ڈال رہا تھا۔ فرمان نیچے آگیا۔ اس نے سفیر اور شکیل کو پک اَپ میں لٹایا۔ عبداللہ مین گیٹ کھولنے چلا گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ گاڑی میں چابی لگی تھی۔ میں نے ہیڈ لائٹس آف کیں اور انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ چوتھی کوشش پر سردی سے جام انجن جھرجھری لے کر بیدار ہو گیا۔ ''جلدی سے آؤ۔'' میں نے عبداللہ سے کہا، اس نے پٹ پورے کھول دیے تھے۔ میں نے گیئر بدلا اور شہ زور کو آگے بڑھایا۔ عبداللہ دوڑ کر عقبی حصے میں سوار ہو گیا۔ باہر نکلتے ہی میں نے شہ زور کو دائیں طرف گھمایا۔ میرے ذہن میں بستی کا نقشہ تھا۔ ہمیں دائیں طرف سے عقبی کھیتوں کی طرف جانے کا راستہ مل سکتا تھا۔ بستی کے سامنے والے حصے کی طرف سے گھوم کر جانے میں بہت وقت لگتا میں نے شہ زور کو گھما کر کھیتوں کے وسط میں کچے راستے پر ڈال دیا۔ اس راستے پر اتنی بڑی گاڑی کو چلانا آسان نہیں تھا۔ دونوں طرف نرم کھیت تھے اگر گاڑی ان میں اتر جاتی تو اسے واپس کچی سڑک پر لانا محال ہو جاتا۔

جیسے تیسے کر کے ہم سڑک تک پہنچے۔ صفدر نے دونوں گاڑیوں کو اسٹارٹ حالت میں رکھا تھا۔ میں نے شہ

دور روک کر سب سے پہلے مونا، ایمن اور سونیا کو دونوں گاڑیوں کے عقبی حصے میں منتقل کیا۔ ان کی سیٹ بیلٹس باندھیں کیونکہ لٹانے کی گنجائش نہیں تھی۔ مونا کے ساتھ سفیر کو بٹھایا اور شکیل کو میری والی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر ڈالا گیا تھا۔ منصور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، میں جیپ میں سب سے پیچھے آ گیا تھا۔ دوسری گاڑی میں عبداللہ اور فرمان تھے۔ اس میں مونا اور سفیر بھی تھے۔ میں ابھی تک حیران تھا، ہم کتنی آسانی سے ان سب کو لے کر نکل آئے۔ اس میں دشمن کی کوئی چال تھی یا محض اتفاق سے اس وقت ڈیرے پر حفاظتی انتظامات نہ ہونے کے برابر تھے پھر قدرت بھی مہربان تھی، کوئی رکاوٹ سامنے نہیں آئی اور جو آئی اس سے ہم نے بہ آسانی نمٹ لیا تھا۔ اس کے باوجود یہ معاملہ میرے حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس میں کوئی چکر ہے۔

میں نے عبداللہ سے موبائل پر رابطہ کیا۔ "اپنے تعاقب پر خاص نظر رکھنا۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب! میں پہلے ہی ہوشیار ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

میں عقبی حصے میں تھا اور دور تک صاف سڑک کو دیکھ سکتا تھا۔ میری والی گاڑی پیچھے تھی، آگے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی۔ صبح کے سوا پانچ بج رہے تھے اور سردی کی شدت کی وجہ سے ہُو کا عالم تھا۔ ہمیں مشن کی پریشانی میں سردی کا خیال نہیں رہا تھا لیکن اب گاڑی میں ہیٹر چلنے کے باوجود سردی مزاج پوچھ رہی تھی میں نے سونیا اور ایمن کی نبض چیک کیں۔ وہ ذرا سست مگر معمول کے مطابق تھیں۔ وہ بدستور بے ہوش تھیں۔ میری بے چینی ہر لمحے بڑھتی جا رہی تھی۔ اچانک میں نے فیصلہ کیا اور عبداللہ سے رابطہ کیا۔ "سنو، ہم راجا صاحب کے بنگلے کے بجائے کہیں اور نہیں جا سکتے؟"

"میں سمجھا نہیں جناب!"

"اس شہر میں کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ہو گی جہاں ہم جا سکیں۔ میں بنگلے کی طرف واپس نہیں جانا چاہتا۔"

"ایک اور جگہ ہے...... راوی کے کنارے۔" عبداللہ غالباً میری بات سمجھ گیا تھا۔

"حفاظتی نقطۂ نظر سے کیسی جگہ ہے؟"

"خاصی حد تک محفوظ ہے جب کہ وہاں ہم چار مسلح افراد بھی ہوں۔"

"او کے، اس طرف چلو اور کسی ڈاکٹر کو کال کرو۔"

"میں ابھی سے کوشش کرتا ہوں جناب!" اس نے کہا اور موبائل نکال لیا۔ لاہور کی حدود میں داخل ہونے کے بعد گاڑیوں کا رخ ماڈل ٹاؤن کے بجائے راوی کی طرف ہو گیا تھا۔ صبح کا ہلکا سا دھندلکا نمودار ہونے لگا تھا اور سڑکوں پر اکا دکا گاڑیاں نظر آنے لگی تھیں۔ سات بجے ہم دریائے راوی سے ذرا فاصلے پر ایک سرخ اینٹوں کی چار دیواری والے چھوٹے سے بنگلے کے سامنے رکے، اس کے چاروں طرف دیواروں پر پھولوں والی گھنی کانٹے دار بیلیں چڑھی تھیں اور سوائے گیٹ کے چار دیواری کا کوئی گوشہ خالی نہیں تھا اور یہ بڑی زبردست حفاظتی باڑھ تھی۔ ہارن کی آواز سن کر ایک شخص نے مین گیٹ کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔

"دروازہ کھولو۔" عبداللہ نے اسے گاڑی سے سر نکال کر حکم دیا۔ جس کی اس نے بڑی تیزی سے تعمیل کی تھی۔ دونوں گاڑیاں اندر آ گئیں۔ چوکیدار چابی سے عمارت کا دروازہ کھول رہا تھا۔ دریا کے پاس ہونے کی وجہ سے سردی کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ میں اندر آیا۔ چوکیدار نے بیڈ روم بھی کھول دیئے تھے، میں نے ایک بیڈ

روم میں سب سے پہلے تینوں خواتین کو منتقل کیا۔ سفیر اور شکیل کو فرمان اور صفدر نے دوسرے بیڈ روم میں منتقل کر دیا تھا۔ یہ بنگلا دو بیڈ رومز، ایک ڈرائنگ اور کچن کے ساتھ ڈائننگ پر مشتمل تھا، اس کے چار طرف لان تھا۔

''عبداللہ کوئی ڈاکٹر آرہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی آرہا ہے۔'' اس نے بتایا اور فرمان اور صفدر کو بیڈ رومز کے آتش دان جلانے کی ہدایت کی۔ خود عبداللہ نشست گاہ کا آتش دان جلا رہا تھا۔ ان پانچوں کی مستقل بے ہوشی سے مجھے تشویش ہو رہی تھی، کہیں گیس کی زیادہ مقدار تو ان کے پھیپھڑوں میں نہیں چلی گئی مگر ان کی نبض اور سانسوں میں ہمواری تھی۔ آتش دان جلا کر عبداللہ کچن میں چائے بنانے چلا گیا۔ میں نے کافی کی فرمائش کی تھی۔ چوکیدار گیٹ پر تھا اور عبداللہ نے اسے سختی سے چوکس رہنے کی ہدایت کی تھی۔ صفدر اور فرمان بھی باہر چلے گئے تھے۔ ''آپ کس وجہ سے فکرمند ہیں؟'' عبداللہ نے مجھے کافی کا مگ دیا تھا۔

''بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے، بس میری چھٹی حس خبردار کر رہی ہے۔''

''پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے۔ میں ذرا راجا صاحب کو مطلع کر دوں۔''

عبداللہ نے موبائل نکالا اور کال کرنے لگا۔ میں کافی کا مگ لے کر سفیر والے بیڈ روم میں آیا۔ میں نے سفیر کی آنکھیں کھول کر دیکھیں، اس کی پتلیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں یعنی وہ ہوش میں آنے والا تھا۔ شکیل کا بھی یہی حال تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ گیس اتنی زود اثر ہوگی۔ بظاہر وہ دونوں ٹھیک نظر آرہے تھے۔ یہی حال لڑکیوں کا بھی تھا، ان پر تشدد یا کسی قسم کی زبردستی کے نشانات نہیں تھے۔ میں باہر آیا تو عبداللہ بات کر چکا تھا۔ اس نے کہا۔ ''راجا صاحب نے آپ کی حفاظتی تدبیر کو سراہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے، میں کسی ایجنسی سے سکیورٹی گارڈز ہائر کر لوں۔''

''میرا خیال ہے فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ دفاعی لحاظ سے یہ جگہ خاصی محفوظ ہے۔''

''لیکن کوئی گھیرا ڈال لے تو ہم فرار نہیں ہو سکتے۔''

''تب کی تب دیکھی جائے گی، تم چوکیدار سے کہو کہ گیٹ اندر سے لاک کر دے اور خود چھت پر جا کر چاروں طرف نظر رکھے اگر کوئی مشکوک فرد یا گاڑی نظر آئے تو ہمیں فوری طور پر خبردار کرے۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ اسی لمحے صفدر اندر آیا۔ ''یہ شخص آیا ہے خود کو ڈاکٹر مظفر کہتا ہے۔''

''اسے احتیاط سے اندر لے آؤ۔ چیک کر لینا آس پاس کوئی نہ ہو۔''

''جی جناب!'' وہ چلا گیا۔

ڈاکٹر مظفر جوان العمر آدمی تھا لیکن اپنے حلیئے سے اس نے خود پر بڑھاپا طاری کر رکھا تھا۔ کھچڑی بال، بے حد موٹے فریم کی عینک اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اس نے عبداللہ سے ہاتھ ملایا۔ ''کیا حال ہیں آپ کے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''مریض اندر ہیں۔''

''اندر ہیں۔'' وہ چونکا۔ ''کتنے مریض ہیں۔''

''پانچ۔'' میں نے آگاہ کیا۔ ''تین عورتیں اور دو مرد۔''

''سب بیمار ہو گئے، بیک وقت۔'' وہ دنگ رہ گیا تھا۔ ''کیا وائرل انفیکشن ہے؟''

"نہیں، ایک قسم کی اعصاب ساکت کر دینے والی گیس کے زیر اثر ہیں۔"

"گیس؟" وہ مزید چونکا۔ "کس قسم کی گیس ہے؟"

"آپ دیکھ لیں ڈاکٹر صاحب!" عبداللہ نے سوال جواب کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

ہم پہلے لڑکیوں والے کمرے میں آئے۔ تینوں کو کمبل اوڑھا دیا تھا اور آتش دان کی وجہ سے کمرا معقول حد تک گرم ہو گیا۔ عبداللہ باہر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ایمن کا معائنہ کیا، اس کی آنکھیں دیکھیں۔ پھر باری باری سونیا اور مونا کا معائنہ کیا۔ "خطرے والی بات نہیں ہے، انجکشن دے رہا ہوں، دس پندرہ منٹ میں ہوش میں آ جائیں گی۔" اس نے کہا اور اپنے بیگ سے انجکشن نکال کر تینوں کو باری باری لگائے۔ پھر میں اسے سفیر اور شکیل کے پاس لے آیا، اس نے انہیں بھی وہی انجکشن لگایا۔ میں لڑکیوں والے کمرے میں واپس آیا۔ پندرہ منٹ بعد سب سے پہلے ایمن کسمسائی۔ چند لمحے سر ہلانے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"ایمن!" میں نے اس کے سامنے آ کر کہا۔ "مجھے دیکھو، میں شہباز ہوں۔"

"شہباز!" اس نے غنودہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، میں ہوں۔ تم مجھے پہچان رہی ہو ناں؟"

"ہاں۔" اس نے سر تھام لیا۔ "میں کہاں ہوں؟"

"تم محفوظ ہو۔" میں نے کہا پھر مجھے خیال آیا مجھے یاد آیا کہ نیک نام نے پانی کو اس گیس کا اثر ختم کرنے کے لیے بہتر قرار دیا تھا۔ "ایک منٹ...... میں تمہارے لئے پانی لاتا ہوں۔"

میں کچن سے جگ میں بھر کر اس کے لئے پانی لایا، دو گلاس پی کر اس کے حواس خاصی حد تک بحال ہو گئے تھے۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا ہوا تھا، اس نے اچانک اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔ "شوبی، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

"نہیں، تم سچ مچ میرے پاس ہو۔ میں تمہیں دشمن کی قید سے نکال لایا ہوں۔"

"اچھا، مجھے پتا کیوں نہیں چلا۔" اس نے کہا اور پھر پاس لیٹی مونا اور سونیا کو دیکھ کر چونکی۔ "ہمیں کیا ہوا تھا؟"

میں نے اسے بتایا کہ اس پر وہی گیس آزمائی گئی تھی جس کا تجربہ وہ میریٹ ہوٹل میں کر چکی تھی۔ اس بار گیس میں نے استعمال کی تھی اور اس کی وجہ سے ہم بنا کسی دشواری کے ان کو وہاں سے نکال لائے۔ اس دوران میں مونا اور سونیا بھی کسمسانے لگی تھیں۔ چند منٹ کے اندر ان کو ہوش آ گیا تھا اور پانی پینے سے ان کی طبیعتیں بحال ہو چکی تھیں، مونا مجھے دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔

"بس...... بس میری گڑیا! اب تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے۔" میں نے مذاق کیا۔

"سفی کہاں ہے؟" مونا نے آنسو صاف کئے۔

"برابر والے کمرے میں پڑا ہے۔" میں نے کہا۔ "ایک منٹ میں ابھی آیا۔"

سفیر اور شکیل بھی ہوش میں آ چکے تھے، ان کو پانی پلایا تو ان کی حالت بہتر نظر آنے لگی تھی۔ سفیر نے بھی ایمن والی بات کی۔ "شوبی! یار، میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

"جناب کی عادتیں جو خراب ہو گئی ہیں۔" میں نے طنز کیا۔ "دو دن دشمن کی قید سے دور رہیں تو بے چینی ہونے لگتی ہے۔"

"تیرا مطلب ہے، ہم نے جان بوجھ کر بنیل کو دعوت دی تھی۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ تم لوگ سیدھے سیدھے چک نمبر تو دو گیارہ سے نکلے اور لاہور آنے کے بجائے جامی شاہ کے پاس جا پہنچے۔"

"نہیں یار، وہ زبردستی ہمیں لے گئے تھے۔ راستے میں ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔ ڈرائیور پہیہ بدل رہا تھا کہ برابر میں ایک جیپ آ کر رکی اور اس سے بدمعاشوں نے نکل کر ہمیں گھیر لیا۔"

"کیوں...... کیا تمہارے ماتھے پر لکھا تھا کچھ۔"

"یہ تو میں بھی حیران ہوں، انہوں نے ہمیں بغیر کچھ بتائے اور کہے اسلحے کے زور پر اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اس مکان میں لے آئے پھر ہمیں تہہ خانے میں بند کر دیا۔"

"یہ کس وقت کی بات ہے؟"

"کل رات ایک بجے کی۔"

"کسی نے تجھ سے یا کسی اور سے پوچھ گچھ نہیں کی؟"

"یہی تو حیران کن بات ہے، میں سمجھ رہا تھا کہ ہم مرشد علی یا فتح خان کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں مگر ان میں سے کسی نے ہم سے بات ہی نہیں کی۔"

"یعنی تم لوگوں کو فری فنڈ میں پکڑ لائے اور پھر اتنی آسانی سے ہمیں نکال لانے دیا۔ نہیں بیٹے دال میں خاصا کچھ کالا ہے۔"

"مجھے تو اس وقت کالے اور سفید کا فرق بھی نہیں پتا۔" سغیر کراہا۔ "مجھ میں کم سے کم ایک کپ چائے ڈالو۔"

شکیل اب تک خاموش تھا، اس نے پہلی بار زبان کھولی۔ "شہباز صاحب، ہم کہاں ہیں؟"

"لاہور میں...... راجا عمر دراز کے ایک ٹھکانے پر۔"

"وسیم آپ کے ساتھ ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "افسوس، وہ بدستور جامی شاہ کے قبضے میں ہے۔"

"اوہ!" شکیل کو مایوسی ہوئی تھی۔ "ہم گزشتہ ایک مہینے سے ان لوگوں کی قید میں ہیں۔ انہوں نے ہم سے کوئی برا سلوک تو نہیں کیا لیکن ان لوگوں کی بعض باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہوں نے ہمیں یرغمال بنا رکھا ہے اور وسیم سے کوئی کام لینا چاہ رہے ہیں۔"

"میری وسیم سے ملاقات ہوئی تھی، اس نے بھی یہی کہا تھا۔" میں نے اسے بتایا کہ وسیم سے میری کس طرح ملاقات ہوئی تھی۔ سغیر موتا کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھا۔ بالآخر اس نے موتا کے بارے میں پوچھ لیا۔

"موتا کہاں ہے؟"

''برابر والے کمرے میں ہے۔'' میں نے کہا اور سفیر نے فوراً اس طرف کا رخ کیا تھا۔
شکیل مسکرایا۔''یہ موٹا بی بی کو پسند کرتے ہیں۔''
''تقریباً......'' میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔''یہ بتاؤ کہ اس قید کے دوران تمہاری جامی شاہ سے ملاقات ہوئی۔''
''ہاں دو بار......وہ صورت سے پنجابی فلموں کا ہیرو یا ولن نظر آتا ہے۔ دراصل مجھے آج تک پنجابی فلموں کے ہیرو یا ولن میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔''
''درحقیقت فرق ہے بھی نہیں۔'' میں نے اس کی تائید کی۔''کیا تم نے جامی شاہ یا اس کے کسی گرگے کی باتوں سے محسوس کیا کہ جامی شاہ کا مرشد علی یا فتح خان سے کوئی تعلق ہے؟''
شکیل نے غور کیا پھر نفی میں سر ہلایا۔''نہیں بلکہ ان لوگوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ نہ ہم سے کچھ کہتے تھے اور نہ ہی کچھ پوچھا۔ صبح شام تین وقت ہمیں کھانا مل جاتا تھا، ہر دوسرے دن نہانے دھونے اور لباس بدلنے کا موقع دیا جاتا تھا۔''
''یعنی جامی شاہ بے حد شریف دشمن ثابت ہوا۔''
''نہیں، جناب، وہ دشمن نہیں لگ رہا تھا۔ ہم سوائے رہائی کے جس شے کا چاہتے مطالبہ کر سکتے تھے۔ سونیا ایک عورت ہے اور چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے درمیان تھی لیکن کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔''
''اگر تم بہتر محسوس کر رہے ہو تو باہر آؤ ورنہ آرام کرو۔''
''میں ٹھیک ہوں۔'' شکیل بستر سے اتر آیا تھا۔''ویسے ہم کہاں ہیں؟''
''یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔'' میں نے باہر کا رخ کیا۔
دوسرے بیڈ روم میں خواتین نے سفیر کو گھیر لیا تھا اور اس کا سر کھا رہی تھیں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور سکون کا سانس لیا۔ شوبی یار! ان کو بتا کہ تُو ہمیں کیسے وہاں سے نکال کر لایا ہے؟''
''شکیل کہاں ہے شوبی بھائی!'' سونیا بے قرار لگ رہی تھی۔
''دوسرے کمرے میں۔'' میں نے بتایا۔ اس نے اپنے بھائی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔
''میں اس سے مل سکتی ہوں؟''
''کیوں نہیں، تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔''آؤ، میرے ساتھ آؤ۔''
میں سونیا کو شکیل والے کمرے میں لایا۔''تم ٹھیک ہو ناں!'' سونیا نے جس انداز میں پوچھا، میں اس کی بے قراری محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ شکیل محجوب نظر آنے لگا۔
''میں ٹھیک ہوں اور تم؟''
''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' سونیا بولی۔
''اگر تم جاننا چاہتے کہ میں نے کس طرح تمہیں چھڑایا ہے تو نشست گاہ میں آ جاؤ۔''
میں باہر آیا تو عبداللہ ملا۔''شہباز صاحب! ناشتہ تیار ہو رہا ہے۔''
''یہاں باورچی کہاں سے آ گیا؟'' میں چونکا۔

''چوکیدار بہترین کک بھی ہے۔'' عبداللہ مسکرایا۔ ''ابھی دیکھ لیجئے گا۔''
میں نے سب کو نشست گاہ میں بلا لیا اور ایک ہی بار ان سب کو اس مشن کے بارے میں بتایا جس کی کامیابی کے بارے میں خود مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ سونیا خاموشی سے سنتی رہی تھی لیکن جب وسیم کا نام آیا تو وہ چونکی تھی۔ ''بھائی کہاں ہیں؟''
''وہ بدستور جامی شاہ کے قبضے میں ہے۔''
''میں نے ایک مہینہ پہلے ان کو آخری بار دیکھا تھا۔'' سونیا دکھی نظر آنے لگی تھی۔
مونا نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو، جس طرح ہم ان لوگوں کے چنگل سے نکل آئے ہیں، ایک دن وسیم بھی آ جائے گا۔ ہم اسے چھڑائیں گے۔''
''پتا نہیں بھائی کس حال میں ہوگا۔'' سونیا اچانک رو دی تھی۔
مونا اسے خود سے لپٹا کر چپ کرانے لگی۔ پھر میں نے اشارہ کیا تو وہ اسے اندر کمرے میں لے گئی تھی۔ البتہ ایمن وہیں رہی تھی۔ میں سفیر سے پوچھنے کے لئے بے تاب تھا کہ مجھ سے بچھڑنے کے بعد ان پر کیا گزری تھی۔ سفیر نے میری بے چینی بھانپ لی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، چوکیدار نے آ کر اطلاع دی۔
''جناب، ناشتا تیار ہے، آپ سب ڈائننگ روم میں آ جائیں۔''
ہم سب وہاں جمع ہوئے۔ میز پر گرما گرم خستہ پراٹھوں کے ساتھ ہاف فرائی اور فل فرائی انڈے تھے۔ ان کے ساتھ مکھن اور ابلے ہوئے انڈے بھی تھے۔ عبداللہ غائب تھا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا۔
''وہ باہر ہیں۔ وہ بعد میں ناشتا کریں گے۔''
عبداللہ پوری طرح چوکنا تھا۔ ہمارے ساتھ وہ بھی گزشتہ رات سے جاگ رہا تھا لیکن اس کی چستی اور توانائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پیٹ بھر کر ناشتا کرنے کے بعد سب پر خمار طاری ہونے لگا تھا۔ مونا نے جمائی لی۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''
''حالانکہ تم پورے دس گھنٹے سونے کے بعد اٹھی ہو۔''
سفیر نے اسے یاد دلایا۔
''سو کہاں رہی تھی، گیس کے زیر اثر بے ہوش تھی۔'' مونا نے منہ بنایا۔ ''اب نیند آ رہی ہے۔''
''بہتر ہے، آپ خواتین سو جائیں۔'' میں نے کہا تو تینوں ہی پھرتی سے اٹھ کر چلی گئیں۔ نشست گاہ میں، میں، سفیر، شکیل اور عبداللہ باقی رہ گئے تھے۔ چوکیدار کم کک نے ہمیں مزید چائے دی تھی۔
''اب کیا پروگرام ہے شہباز صاحب!'' عبداللہ نے پوچھا۔ ''ابھی تک تو خطرے والی کوئی بات دکھائی نہیں دی ہے، دور دور تک کوئی مشکوک فرد نہیں ہے۔ صفدر گاڑی میں آس پاس چکر بھی لگا آیا ہے۔''
''فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔'' میں نے صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کیا برا ہے، مزے سے تو ہیں؟''
''یعنی ابھی جانے کا ارادہ نہیں ہے؟''
''نہیں، ابھی تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تب بہتر ہوگا، آپ سب آرام کریں۔ میں اور میرے آدمی پہرا دے رہے ہیں۔ شام کو یہ کام آپ سنبھال لیجئے گا، تب ہم کچھ آرام کریں گے۔''

''یہ بہتر رہے گا۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ سفیر اور شکیل کی آنکھوں میں بھی نیند بھر رہی تھی، سب سے پہلے شکیل اٹھا، اس نے جماہی لی۔

''او کے شہباز صاحب، میں تو سونے جا رہا ہوں۔''

سفیر اٹھنے لگا تو میں نے اسے آنکھ سے رکنے کا اشارہ کیا، شکیل کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''آؤ یار، ذرا لان کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔''

میں اور سفیر باہر آئے۔ چوکیدار اب گیٹ پر تھا۔ فرمان چھت پر تھا جب کہ صفدر سونے چلا گیا تھا۔ عبداللہ کا مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا۔ سفیر بھی نیند سے مرا جا رہا تھا اس نے بھاڑ کی طرح منہ کھولا۔

''جلدی سے بتا یار...... کیا بات ہے؟''

''سفیر تجھے یہ سب عجیب سا نہیں لگ رہا ہے؟''

''کیا...... عجیب سا نہیں لگ رہا ہے۔''

''یہی کہ تم لوگوں کو اچانک پکڑا۔ اس کا مطلب ہے تم سب زیر نگرانی تھے اور پھر ہم کتنی آسانی سے تمہیں چھڑا لائے!''

''ہاں یار، بات تو قابلِ غور ہے مگر اس وقت میرا دماغ کام نہیں کر رہا۔''

''ناقص چیزوں کا یہی نقصان ہوتا ہے، ضرورت پڑنے پر کام نہیں کرتیں۔''

سفیر نے خفگی سے میری طرف دیکھا۔ ''تیرا اعلیٰ وارفع دماغ کیا کہتا ہے؟''

''یہی کہ چکر سمجھ سے باہر ہے۔ آخر یہ سب اتنی آسانی سے کیوں کر ہوا؟''

''جناب کے دماغ میں شک کے کیڑے پرورش پا رہے ہیں۔''

''جیسے حالات ہمارے ہیں، ان کیڑوں کا پرورش پانا ہی بہتر ہے۔''

''یار، خطرہ تو کہیں نہیں ہے۔''

''بے شک سامنے نہیں ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ خطرہ ہے۔''

''تب بتا، اب کیا کریں؟''

''کچھ نہیں۔ بس ہوشیار رہیں، اس وجہ سے میں نے راجا عمر دراز کے بنگلے پر جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر دشمن ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے تو وہ اس جگہ سے بھی واقف ہو جائے گا۔''

سفیر چونکا۔ ''یہی بات ہے، وہ راجا عمر دراز تک پہنچنا چاہتے ہیں۔''

''یہ صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ راجا سے براہِ راست پرخاش صرف ڈیوڈ شاکو ہے، وہ اس سے تصویر حاصل کر چکا ہے مگر اب بھی راجا کے پیچھے ہے۔''

''اس رنگ بدلنے والے پتھر کی وجہ سے؟''

''شاید...... اور شاید اس معجزاتی پتھر کے لئے بھی جس کی راکھ حکیم قادس اپنی ادویات میں استعمال کرتا

ہے مگر اس سے اوپر بھی کوئی چکر ہے اور عین ممکن ہے خود راجا بھی کسی فکر میں ہے، اس نے مجھ سے کہا ہے شاید ہمیں بیرونِ ملک جانا پڑے۔"

"ہمیں کیوں؟" سفیر نے اعتراض کیا۔

"دیکھ یار! یہاں حالات صحیح نہیں ہیں، پہلے مرشد علی اور فتح خان ہی کم نہیں تھے، اب یہ جامی شاہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ہمیں شاید باہر جانا پڑے۔"

"مونا کو بھی۔"

"میرا خیال ہے اس کا صحیح مقام تیری حویلی ہے۔"

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ نہیں مانے گی۔"

"اور تُو فوراً اس کی مان جائے گا۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "مرد بن...... تُو ابھی سے اس کے سامنے ڈھیر ہوتا جا رہا ہے۔ اسے صاف کہہ دے، بی بی گھر بیٹھو ورنہ ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

"مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے۔" سفیر نے اعتراف کیا۔ "مونا کا مسئلہ تو، تُو نے حل کر دیا۔ یہ ایمن بی بی کا کیا ہوگا؟"

"اس کا کیا ہوگا؟" میں نے حیرت سے سفیر کی طرف دیکھا۔ "بی بی اپنے گھر کو سدھاریں گی۔"

"شکیل اور سونیا؟"

"بابا سارے ہمارے مسئلے نہیں ہیں۔" میں نے زچ آ کر کہا۔

"تُو نے بتایا تھا کہ سونیا کا شوہر کچھ عرصے پہلے فتح خان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے اتنی جلدی پٹری بدل لی۔ اب شکیل میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"یہ شاید غم بھلانے کی ایک کوشش ہے۔" میں نے مدافعتی انداز میں کہا۔ "دوسرے دونوں تقریباً ایک مہینے سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ایسے میں جذبات میں تبدیلی آنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔"

"خیر، یہ کوئی برائی بھی نہیں ہے۔" سفیر بولا۔ "کوئی مرنے والے کے ساتھ نہیں مرتا لیکن خاتون کے انداز سے پختہ کاری کے بجائے نوعمری ٹپکتی ہے۔ جیسے پہلا پہلا پیار ہو۔"

"چل چھوڑ اسے۔" میں نے موضوع بدلا۔ "یہ بتا...... جب تُو بھاگا تھا اور وین تبدیل کی تو اس عورت کو وین میں کیوں چھوڑا تھا؟"

"اس کا کیا کرنا تھا۔" سفیر نے حیرانی سے کہا۔ "خوش قسمتی سے ایک گاڑی مل گئی تھی، اس کے ڈرائیور کو پہلے گن اور پھر نوٹ دکھا کر راضی کیا اور اس نے ہماری جان ہتھیلی پر رکھ کر ایسی ڈرائیونگ کی کہ شام تک ہم راولپنڈی میں تھے، اور تُو......؟"

"مجھے رحمت خان کی بیٹی مل گئی تھی، بھاگ بھری۔" میں نے گہری سانس لی اور اسے بھاگ بھری کے بارے میں بتایا کہ وہ مجھے کس حال میں ملی تھی۔ فتح خان نے اس معصوم سی لڑکی پر کیا ستم ڈھائے تھے۔

"وہ بھاگ بھری تھی؟" سفیر دنگ رہ گیا تھا۔

"اب تو وہ رحمت خان کے ہمراہ راجا عمر دراز کے محل میں پہنچ چکی ہوگی۔ وہ فتح خان سے وہیں محفوظ رہ

سکتی ہے۔"

میں نے اسے وسیم کے راولپنڈی والے یونٹ کے بارے میں بتایا۔ "ان میں کچھ لوگ غدار ہیں جو میرے بارے میں دشمنوں کو مستقل آگاہ رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے مجھے سفر ادھورا چھوڑنا پڑا تھا اور اس وجہ سے وسیم سے میری ملاقات ممکن ہوئی تھی۔ درحقیقت میں تم لوگوں تک بھی اس وجہ سے پہنچا تھا۔"

سفیر غور کر رہا تھا۔ "آپ نے شک کے کچھ کیڑے میرے ذہن میں بھی ڈال دیئے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وسیم سے تیری ملاقات بھی ایک سازش ہو۔"

"میں نے اس پر غور کیا تھا لیکن یہ خیال جچا نہیں۔ کسی کو کیا پتا تھا کہ میں موٹروے پر کہاں اتر جاؤں گا؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"لاہور قریب آنے کی صورت میں تُو نے اس جگہ کے آس پاس ہی نکلنا تھا، اتنا تو بچہ بھی سمجھ جاتا کہ موٹروے کے ایگزٹ کے باہر دشمن تیرے منتظر ہوں گے اور غالباً تجھے تعاقب کر کے یہی باور کرایا گیا ہوگا اور تُو ان کے جھانسے میں آ گیا۔"

سفیر کی بات کسی حد تک قائل کرنے والی تھی۔ دشمن اتنی لمبی پلاننگ کا اہل تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے دشمنوں میں مرشد علی اس قسم کی پلاننگ کا اہل نہیں تھا اور فتح خان کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف ڈیوڈ شا ایسا شخص بچتا تھا جو اتنی شاطرانہ منصوبہ بندی کر سکتا تھا اور اس کا مقصد راجا عمر دراز یا اس کے خاص نوادارات تک پہنچنا تھا۔ "یار ندیم کو اطلاع کر دی ہے کہ ہم تیرے پاس ہیں؟" سفیر نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی تو نہیں کی ہے لیکن میں اسے میسج کر دوں گا۔"

"او کے، تب میں چلا...... مجھے شام سے پہلے مت اٹھانا۔" سفیر نے کہا اور اندر چلا گیا۔

میں نے بنگلے کا چکر لگایا۔ عبداللہ اور فرمان کے ساتھ تھا، یہ جگہ چاروں طرف نظر رکھنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔ عبداللہ نے مجھ سے کہا۔ "جناب، آپ آرام کریں، تھک گئے ہیں۔"

"ہاں، میں ذرا اطمینان کر رہا تھا۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب! شام تک دو افراد اور آ جائیں گے۔" عبداللہ نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ "پھر کوئی پرندہ یہاں پر بھی نہیں مار سکے گا۔"

میں نے نظریں جما کر اسے دیکھا۔ "عبداللہ تم ہمارے دشمنوں سے درست طور پر واقف نہیں ہو۔ وہ ہمیں مارنا چاہیں تو دور سے چند راکٹ مار کر اس بنگلے کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن وہ ہمیں مارنا نہیں چاہتے ہیں۔"

اس نے حیرت سے کہا۔ "مارنا نہیں چاہتے تو پھر کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی تو میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ایک خیال یہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے راجا صاحب تک پہنچنا چاہتے ہیں لیکن یہ خیال بھی اتنا اچھا نہیں ہے۔ راجا صاحب کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ہماری طرح چھپتے پھر رہے ہیں۔ ان کا پتا چلانا کوئی مشکل نہیں ہے۔"

"آپ نے درست کہا۔" عبداللہ بولا۔ "دراصل میں اتنی گہرائی میں جا کر سوچنے والا بندہ نہیں ہوں، میں تو سیدھا سیدھا دو جمع دو والا بندہ ہوں۔"

"میرا خیال ہے راجا صاحب کو اپنی سیکورٹی بڑھا دینی چاہئے۔"

"یہ مشورہ میں تو ان کو نہیں دے سکتا۔" اس نے دبی زبان میں کہا۔

"میری ان سے بات کراؤ۔" میں نے کہا تو عبداللہ نے اپنے موبائل سے نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر موبائل مجھے دے دیا، دوسری طرف سیکرٹری بیگ تھا۔

"مجھے راجا صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"اگر خاص راجا صاحب سے متعلق نہیں ہے تو آپ مجھ سے بھی بات کر سکتے ہیں۔" بیگ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "راجا صاحب ایک اہم کام میں مشغول ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں راجا صاحب کی سیکورٹی بڑھا دی جائے، میں محسوس کر رہا ہوں، دشمن ان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اتفاق سے یہاں آنے کے بعد میں نے پہلا کام یہی کیا ہے۔" بیگ نے جواب دیا۔ "بنگلے کے اندر اور باہر چھ افراد ہیں، ہر بارہ گھنٹے بعد ان کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے۔"

"یہ آپ نے اچھا کیا...... بس مجھے یہی کہنا تھا۔" میں نے فون بند کر کے عبداللہ کی طرف بڑھا دیا۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے، میں نیچے آیا۔ مردانہ بیڈروم میں سفیر اور شکیل برابر برابر پڑے خراٹے لینے کا مقابلہ کر رہے تھے، اس ماحول میں سونا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نشست گاہ میں آیا اور صوفے پر دراز ہو گیا۔ میں نے کپڑے نہیں بدلے تھے اور میرے جسم پر آرمی جیکٹ تھی، احتیاطاً میں نے اس سے بم الگ کر کے میز پر رکھ دیئے تھے۔ دونوں پستول اور ان کے میگزین بھی میز پر سجا دیئے۔ جوتے اتار کر میں تھکن آمیز سکون کے ساتھ صوفے پر دراز ہو گیا اور ذرا سی دیر میں سو چکا تھا۔ درمیان میں کسی نے مجھے کمبل اڑھا دیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو اندھیرا ہو رہا تھا اور لڑکیوں والے بیڈروم سے ہنسنے اور کھلکھلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور مردانہ بیڈروم میں خاموشی تھی۔ کہا جاتا ہے جتنی دشواری عورتوں کو چپ رہنے میں آتی ہے، تقریباً اتنی ہی دشواری ملاقات کے چند منٹ بعد مردوں کو بولنے میں آتی ہے، مزید یہ کہ تاش اور شطرنج جیسے کھیل مردوں نے ایک دوسرے کو خاموش رکھنے کے لئے ایجاد کئے ہیں۔ میں خاموش لیٹا ان کی چہکاریں سنتا رہا کیونکہ میں از خود بیدار ہوا تھا اور حالات سے لگ رہا تھا درمیان میں کوئی تبدیلی بھی نہیں آئی تھی اس لئے میں بدستور لیٹا رہا حتیٰ کہ سفیر نے آ کر نشست گاہ کی روشنیاں جلائیں۔

"اٹھ جا یار! سات بج رہے ہیں۔"

میں نے انگڑائی لی۔ "میری غیر موجودگی میں سب خیریت رہی......"

"ہاں، امن و سکون رہا۔"

"یہ لڑکیوں نے منہ میں زبان کی جگہ مشین گن لگوا لی ہے۔" میں نے اندر سے مستقل آتی آوازوں پر غور کیا۔

''ان کی زبان کسی مشین گن سے کم نہیں ہے۔'' سفیر نے تشویش سے پوچھا۔ ''یار، یہ مونا شادی کے بعد بھی اتنا ہی بولے گی؟''

''ابھی تو یہ ریہرسل کر رہی ہے جیسے بکرا عید سے پہلے چھریاں تیز کی جاتی ہیں۔''

''عبداللہ کہاں ہے؟''

''باہر گیا ہے، دو گھنٹے ہوئے۔'' سفیر نے بتایا تو میں چونک کر بیٹھ گیا۔

''اسے نہیں جانا چاہئے تھا۔''

''یار، آدمی کب تک محض ایک مفروضے پر بند ہو کر بیٹھ سکتا ہے، وہ ہمارا میزبان ہے اور اسے باہر بے شمار کام ہوتے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''میرا تو خیال ہے ہمیں بھی راجا عمر دراز کے بنگلے کا رخ کرنا چاہئے۔''

میں اٹھ کر باہر آیا، صفدر گیٹ پر تھا۔ ''عبداللہ کہاں ہے؟''

''وہ اور لوگوں کو لینے گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

میں نے عبداللہ کو کال کی لیکن ریکارڈڈ آواز نے بتایا کہ مطلوبہ نمبر سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

میں نے پھر صفدر سے پوچھا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ کتنی دیر میں آ جائے گا؟''

''جی جناب! ایک گھنٹے کا کہہ کر گئے تھے۔''

میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی، میں نے صفدر سے کہا۔ ''تم تینوں چوکس رہو۔ بنگلے کی تمام لائٹس روشن کر لو اور تیار ہو جاؤ، ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے۔''

میں اندر آیا، سفیر اور شکیل کو نشست گاہ میں بلایا۔ ''شاید خطرہ سر پر آن پہنچا ہے۔ عبداللہ غائب ہے، ایک گھنٹے میں واپس آنے کو کہہ کر گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا ہے، اس کے موبائل سے بھی جواب نہیں آ رہا ہے۔ ہمیں پوری طرح چوکس رہنا چاہئے۔''

''ہمارے پاس اسلحہ کہاں ہے؟'' شکیل بولا۔

''وہ بھی مل جائے گا۔ ہم میں سے دو افراد کو چھت پر ہونا چاہئے اور دو کو بنگلے کے احاطے میں۔ دو افراد دو گھنٹے بعد دوسروں کی جگہ لیں گے۔''

''یعنی ایک آدمی چار گھنٹے ڈیوٹی دے گا اور دو گھنٹے آرام کرے گا۔''

''بالکل...... نعیم خان کو بھی فارغ کرنا ہو گا۔'' میں نے چوکیدار اور باورچی کا ذکر کیا۔ ''کھانا بنانے کا کام لڑکیاں سنبھال لیں گی۔''

مگر مونا نے میری بات سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔ ''جی نہیں، جب باورچی ہے تو ہم کیوں کھانا بنائیں؟''

''بابا سمجھا کرو، سب مردوں کو پہرا دینا ہے۔''

ایمن میرے تاثرات سے بھانپ گئی تھی۔ ''شوبی کوئی مسئلہ ہے؟''

میں نے اسے عبداللہ کے بارے میں بتایا کہ وہ غائب ہے۔ اس نے مشورہ دیا۔ ''تم راجا صاحب سے اس کے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔''

یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں تھا، میں نے راجا کو کال کی۔ حسبِ معمول اس کے سیکرٹری نے کال ریسیو کی۔

''عبداللہ دو گھنٹے پہلے نکلا تھا، ایک گھنٹے میں آنے کا کہہ کر، اب تک واپس نہیں آیا ہے۔ اس کے موبائل سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔''

''اوہ...... ہمیں بھی اس کا نہیں پتا ہے اور نہ وہ یہاں آیا ہے۔''

''بیگ صاحب! وہ مزید محافظ لینے گیا تھا۔''

''شہباز صاحب، آپ فی الحال چوکس رہیں اور کسی کو بغیر شناخت بنگلے کے پاس نہ آنے دیں۔ میں راجا صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

میری گفتگو سے لڑکیوں کو بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ سونیا نے کہا۔ ''شوبی بھائی، آپ جانتے ہیں، مجھے اسلحہ چلانا آتا ہے۔''

''وہ تو مجھے بھی آتا ہے۔'' مونا جلدی سے بولی۔

''میں تربیت یافتہ ہوں۔'' سونیا مسکرائی۔ ''مجھے پتا ہے کن حالات میں کیا کرنا چاہئے!''

''میں اسلحے کی پوزیشن دیکھتا ہوں پھر تم تینوں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔''

میں فرمان کے پاس آیا۔ اس سے اسلحے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''ہمارے پاس سات خودکار رائفلیں، دو عدد ریپیٹرز، ایک سیون ایم ایم رائفل ہے۔ اس کے علاوہ نصف درجن مختلف بور کے پستول ہیں۔''

''مجھے دو عدد پستول دے دو۔''

فرمان نے مجھے گاڑی سے دو عدد پستول اور ان کے فاضل کلپ دے دیئے۔ گاڑی میں اچھا خاصا اسلحہ موجود تھا۔ میں نے سوچا اور فرمان کو حکم دیا۔ ''اس سارے اسلحے کو بنگلے کے اندر لے آؤ۔ اسلحہ یہاں سے وقت ہنگامی ضرورت کے حاصل کرنا دشوار ہو گا۔''

''جی جناب! میں ابھی اسے اندر لاتا ہوں۔''

اسلحے میں کچھ گرینیڈ بھی تھے۔ فرمان نے نعیم خان کے ساتھ مل کر اسلحہ اندر منتقل کیا۔ شکیل اور سفیر چھت سے نگرانی کر رہے تھے۔ میں نے مونا اور سونیا کو دونوں پستول اور ان کا ایک ایک فاضل کلپ بھی تھما دیا۔

''تمہیں پستول لوڈ کرنا آتا ہے؟'' میں نے مونا سے پوچھا۔

''وہ کھسیا گئی۔ ''نہیں، بس چلانا آتا ہے۔''

''میں اسے سکھا دیتی ہوں۔''

ایمن یہ سب غور سے دیکھ رہی تھی، اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں کیا کروں؟''

''ہو سکے تو کھانے کو کچھ بنا لو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور سب کے لئے کافی بنا لو۔''

''دوپہر میں کک نے کھانا بنایا تھا کہو تو وہ لے آؤں؟''

''بریانی تھی اور کوفتے کا سالن!'' مونا نے چٹخارے لے کر آگاہ کیا۔

''پھر تو فوراً لے آؤ۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' ایمن بولی۔ ہم کچن میں آئے، ایک چھوٹی سی میز یہاں بھی تھی۔
ایمن نے مجھے بریانی اور کوفتوں کا سالن گرم کر کے دیا اور خود کافی کا پانی چڑھا دیا۔ میں کھانے لگا۔
''شوبی، کیا ہم کہیں اور بھی جائیں گے؟''
''نہیں، فی الحال تو اسی جگہ رہنا ہے۔''
وہ ہچکچائی۔ ''تم شاید ملک سے باہر جانے کی بات کر رہے تھے، میں نے سنا تھا، تم کہاں جاؤ گے؟''
''سچی بات ہے، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا، یہ راجا عمر دراز کا پروگرام ہے۔ وہی جانتا ہے کہاں اور کب جانا ہے۔ یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ جا سکوں۔''
''کیوں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔
''حالات تمہارے سامنے ہیں۔ میرے دشمن کس شد و مد سے میرے پیچھے پڑے ہیں، وہ مجھے مارنے یا اپنے قبضے میں لینے کے لئے بے چین ہیں۔ کب کیا ہو جائے، یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔''
''ایسا مت کہو، سنو شوبی! تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارے لئے برطانیہ میں عارضی ویزے کا بندوبست تو کر سکتی ہوں۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔
''معاملہ صرف میرا نہیں، میرے ساتھیوں کا بھی ہے۔ جیسے جیسے دشمنوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، قدرت کی طرف سے مجھے دوست بھی عطا کئے جا رہے ہیں۔ یہ میری جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑ رہے ہیں۔ میں ان سب کو چھوڑ کر اکیلا ملک سے چلا جاؤں، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔''
''لیکن تم راجا کے ساتھ جانے کے لئے تو تیار ہو۔''
''ہاں، مگر اس کے ساتھ بھی میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ جب تک میرے ساتھی میرے ساتھ نہیں ہوتے۔''
میں نے کھانا کھا لیا تھا۔ کچن کے واش بیسن میں ہاتھ دھوئے۔ شکر ہے یہاں گیزر تھا ورنہ یخ بستہ پانی میں ہاتھ دھونے پڑتے۔ ایمن سب کو کافی دے کر آئی اور اپنی کافی لے کر میرے ساتھ بیٹھ گئی۔
''تمہیں یقین ہے ان سارے واقعات کے پسِ پشت ڈیوڈ شا ہے؟''
میں چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''
''کیونکہ میرا خود بھی یہی اندازہ ہے۔ تم نے مجھے مرشد علی کے بارے میں جو بتایا ہے، اس کے مطابق وہ ایسی پلاننگ کا اہل نظر نہیں آتا۔''
''سوال یہ ہے کہ ڈیوڈ شا یہ سب کیوں کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''وہ بہت شاطر آدمی ہے۔'' ایمن بولی۔ ''مجھے بچپن سے اس سے ڈر لگتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ہمارے گھر آتا تھا مجھے یاد ہے اس کی آنکھوں میں ایسی شیطانی چمک ہوتی تھی کہ میں اس کا سامنا کرنے سے ہر ممکن گریز کرتی تھی۔''
''اگر وہ یہ سب راجا عمر دراز تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہے تو کچھ زیادہ ہی کر رہا ہے۔ اس سے کم کوشش کر کے وہ راجا تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔''
''میں نے کہا ناں وہ بہت شاطر آدمی ہے، ایسی چالیں چلتا ہے جو دوسرے کی سمجھ میں بہت دیر سے آتی

ہیں۔اس نے اسی طرح میرے باپ کی آبائی جاگیر ہتھیالی تھی۔"

"برٹ شا" میں نے آہستہ سے کہا۔ مجھے اس کے اعصاب کی مضبوطی پر رشک آیا تھا شاید میں اس کی جگہ ہوتا تو بہت پہلے ہی فتح خان کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوتا۔

"میرے ڈیڈی زندہ ہوں گے۔" اُس نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"امید تو یہی ہے۔" میں نے مبہم انداز میں کہا۔اگر فتح خان نے اسے قید میں رکھا ہے تو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے تک اسے زندہ ہی رکھے گا۔"

"سنو، میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرسکتی ہوں، فتح خان کو گرفتار کر کے میرے ڈیڈی کو رہا کرایا جائیں"

"اس صورت میں تم برٹ شا کو مرواؤ گی۔اسے رہا کرانے کی ایک ہی صورت ہے۔فتح خان ہمارے ہاتھ لگ جائے اور ہم اس سے برٹ شا کو حاصل کرلیں۔سرکاری مداخلت کا اوّل تو کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، دوسرے اگر کسی طرح پولیس برٹ شا تک رسائی حاصل کر بھی لیتی ہے تو تم سوچ سکتی ہو، فتح خان کا کیا ردِعمل ہوسکتا تھا۔"

"خدانہ کرے۔" ایمن لرز اٹھی۔اس نے کچھ دیر بعد کہا۔"فتح خان کیسے قابو میں آئے گا؟"

"یہ بھی میں نہیں کہہ سکتا۔ساری صورتِ حال تمہارے سامنے ہے۔فی الحال تو ہماری پوزیشن دفاعی ہے۔"

"شوبی! یہ جرائم پیشہ ہیں۔ان کے ذرائع بہت وسیع ہیں اور یہ کوئی غیر قانونی قدم اٹھانے سے کبھی نہیں ہچکچاتے، تم ان کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہو۔"

"درست ہے، لیکن میں ان کے سامنے ہتھیار بھی تو نہیں ڈال سکتا۔" میں نے رسانیت سے کہا۔"میں تمہیں بتا چکا ہوں، یہ سارا چکر کیسے شروع ہوا اور اس میں میرا قصور نہیں تھا۔"

"میں جانتی ہوں لیکن شوبی، اس چکر سے تمہیں نکلنا ہے۔" اس نے کہنا چاہا۔

"اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ میں یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں لیکن میں تمہیں اپنی کنڈیشن بتا چکا ہوں، میں اکیلا ہوتا تو شاید یہی فیصلہ کرتا مگر میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں۔"

"تم نہیں مانو گے؟" اس نے مایوسی سے مجھے دیکھا۔

"ایمن تم مجھ سے کیوں منوانا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کسی اور طرح کیا تھا لیکن اس نے کسی اور طرح لیا، وہ یک دم جذباتی ہوگئی۔

"کیونکہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔میں تمہیں زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں دم بخود رہ گیا تھا، پھر میں نے ہکلا کر کہا۔"وہ......تم......ٹھیک ہے......ایمن!"

"تم مجھے پسند نہیں کرتے؟" اس نے آزردگی سے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں؟"ایسی بات نہیں ہے ایمن! تم بہت اچھی لڑکی ہو۔"

"صرف اچھی......!" وہ خوش ہوئی تھی۔

"نہیں، خوبصورت بھی ہو۔"

''شکریہ!'' وہ بہت ہی خوش ہوگئی۔

''مگر فی الحال میرے حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں تمہارے جذبات کی قدر کرسکوں۔''

''محبت کا بھلا حالات سے کیا تعلق؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''یہ تو کسی بھی وقت اور کسی سے بھی ہوسکتی ہے۔''

''ایسے تو ہمارے ہاں شادی یا وفات ہوتی ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

سونیا سب کے کپ ٹرے میں لئے وہاں چلی آئی۔ اس نے ایمن کے منع کرنے کے باوجود برتن دھونا شروع کر دیئے تھے۔ ایمن اس کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ میں نے باہر جانے کے لئے اٹھنا چاہا کہ میرے موبائل نے بیل دی۔ میں نے اسکرین پر دیکھا ایک اجنبی نمبر آرہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو، کون ہے؟''

''شہباز صاحب!'' کسی نے مدھم سی آواز میں کہا۔

''ہاں، کون بول رہا ہے؟''

''میں...... وسیم ہوں۔''

''وسیم...... کہاں ہو تم؟''

بھائی کا نام سن کر سونیا بے قرار ہوکر میرے پاس آئی۔ ''شہباز صاحب! میں بھارتی سرحد کے آس پاس کہیں ہوں۔ میں نے ان کے ایک آدمی پر قابو پا کر اس سے اسلحہ اور موبائل چھین لیا ہے۔ وہ میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ شاید میں گھر گیا ہوں۔'' وسیم جلدی جلدی بول رہا تھا۔

''وسیم! تم کن لوگوں کے قبضے سے بھاگے ہو، جامی شاہ کے آدمیوں سے؟''

''ہاں، وہ مجھے انڈیا لے جا رہے تھے۔''

''وسیم! میں نے سونیا اور شکیل کو چھڑا لیا ہے، اب وہ میرے پاس ہیں۔''

''شکر ہے خدا کا!'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''شہباز صاحب پلیز! سونیا سے میری بات کرائیں۔ اس وقت میرے اگلے پل کا کچھ پتا نہیں ہے۔ شاید میرا آخری وقت آگیا ہے۔''

''خدا نہ کرے۔ وسیم! تم حوصلہ رکھو...... لو سونیا سے بات کرو۔'' میں نے فون سونیا کو دے دیا۔

''بھائی!'' سونیا نے سسکی لی۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

لاؤڈ ر آن تھا، وسیم کی آواز مجھ تک آرہی تھی۔ ''سونیا، میں چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گیا ہوں۔ پتا نہیں بچتا ہوں یا نہیں۔''

''پلیز بھائی!'' وہ رو دی۔

''سونیا غور سے سنو...... اگر میں نہ رہوں تو تم سوائے شہباز صاحب کے کسی پر بھروسا نہیں کرو گی، یہ میرا حکم ہے۔ اب تم ان کی ذمے داری ہو، میری شہباز صاحب سے بات کراؤ۔''

''سونیا نے روتے ہوئے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ ''وسیم، تم بچ نکلنے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔

''شہباز صاحب! ایسا ہوسکتا تو میں پہلے ہی نکل جاتا۔ میں ایک چھوٹی سی جگہ پر چھپا ہوں جسے جامی شاہ کے بندوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں، میرے بعد سونیا آپ کی ذمے داری ہو

گی۔"

"سونیا اب بھی میری چھوٹی بہن ہے۔"

"نہیں شہباز صاحب! آپ وعدہ کریں۔" وسیم نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اوکے...... سونیا میری ذمے داری ہے۔" میں نے کہا۔

"اب میں سکون سے مرسکوں گا۔"

"وسیم!" میں نے کہنا چاہا لیکن ایک دھماکے اور پھر ایک دردناک چیخ نے مجھے سہا دیا تھا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "وسیم...... کیا ہوا؟" لیکن دوسری طرف صرف سناٹا تھا۔ سونیا نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا تھا۔ اسی لمحے ایک دھماکے کے ساتھ بنگلے کی روشنیاں گل ہوگئی تھیں۔ اس بار دھماکا یہاں ہوا تھا۔

میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ خطرہ سامنے آ گیا تھا۔

☆=======☆=======☆

موبائل بدستور میرے کان سے لگا تھا۔ دھماکے سے زمین لرز اٹھی تھی۔ میں پھر چلایا۔ "وسیم...... تم ٹھیک تو ہونا......؟"

جواب میں کسی نے گندی سی گالی دی تھی اور اگلے ہی لمحے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ دھماکے کے بعد سونیا خاموش ہوگئی تھی، میں نے بے ساختہ پستول نکال لیا، اسی لمحے ایمن نے ماچس کی تیلی جلائی، کچن میں محدود روشنی ہوگئی تھی۔ میں نے وہاں دیوار پر لگی ایمرجنسی لائٹ کا بٹن دبا کر اسے آن کر دیا۔

"تم لوگ اندر جاؤ۔" میں نے ایمن سے کہا۔

"شوبی بھائی...... وسیم بھائی!" سونیا نے دردناک لہجے میں کہا۔

"سونیا اندر جاؤ۔" میں نے اس بار سختی سے کہا۔ میں باہر آیا۔ نشست گاہ میں آتش دان کی آگ کی روشنی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا، میں باہر جانے والا تھا کہ سفیر بدحواسی میں آیا۔ "شوبی! کسی نے بنگلے کی عقبی دیوار پر بم مارا ہے۔"

شکیل اس کے پیچھے تھا۔ "ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

"ہم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا اور سفیر سے پوچھا۔ "دیوار کو نقصان تو نہیں ہوا ہے؟"

"پتا نہیں، اندھیرا ہو گیا تھا۔" سفیر نے جواب دیا۔

"تم دونوں اندر رہو۔" میں نے ان سے کہا اور خود باہر نکلا۔ "فرمان گیٹ کی طرف تھا اور اس نے عقل مندی کی جو اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا، میں نے چلا کر صفدر اور نعیم کو آواز دی۔ صفدر کا جواب آیا۔

"ہم عقب میں ہیں سر!"

ان کے پاس ٹارچیں تھیں۔ میں فرمان کو چوکس رہنے کی تاکید کرتے ہوئے عقبی حصے کی طرف آیا، صفدر اور نعیم وہاں تھے۔ "اس طرف کسی نے دیوار میں کریکر مارا ہے۔" صفدر بولا۔ "صرف دھماکا ہوا ہے دیوار کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔"

"بجلی بھی دھما کے نتیجے میں گئی ہے؟"

"نہیں، اس کی لائن دوسری طرف ہے۔ کسی نے تار کاٹ دی ہے۔"

"روشنی کے لئے اور کوئی انتظام نہیں ہے؟"

"جنریٹر ہے جناب!" اس بار نعیم نے جواب دیا۔

"اسے فوری طور پر آن کرو۔" میں نے کہا۔ "صفدر، تم اوپر اور بنگلے کے باہر کی تمام روشنیاں بجھا دو، صرف بیرونی دیواروں والی روشنیاں جلتی رہیں۔ صفدر تم چھت پر جاؤ گے۔ نعیم تم جنریٹر چلا کر عقبی حصے کی طرف آؤ۔"

انہوں نے میرے احکامات سمجھ کر پھرتی سے ان پر عمل کیا۔ نعیم نے جا کر جنریٹر چلایا، اس دوران میں بنگلے کی اوپری اور بیرونی روشنیاں بجھائی جا چکی تھیں البتہ بنگلے کے اندر کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ نعیم جنریٹر چلا کر آیا تو میں بنگلے کے اندر پہنچا۔ جلدی سے بیرونی کمروں کی روشنیاں بند کر دیں۔ شکیل اور سفیر اندر ہی تھے، میں نے شکیل سے کہا۔ "تم رائفل لے کر اوپر چلے جاؤ۔ سفیر، تم سامنے گیٹ پر فرمان کے ساتھ رہو۔"

دونوں چلے گئے۔ لڑکیاں بیڈروم میں تھیں، سونیا رو نہیں رہی تھی لیکن اس کا چہرہ ذرا سی دیر میں برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"انہوں نے بھائی کو مار دیا ہے۔"

"خدا سے بہتری کی امید رکھو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم ایک بہادر شخص کی بہن ہو اور بہادر لوگ کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔"

"نہیں، بھائی زندہ نہیں ہے۔"

"شوبی، باہر کیا ہو رہا ہے؟" مونا بولی، وہ پریشان تھی۔

"کسی نے دھما کا کرنے والا کریکر عقبی حصے میں پھینکا ہے لیکن اس سے بنگلے کو نقصان نہیں ہوا ہے۔"

"تو کیا ہم اب نقصان ہونے کے منتظر ہیں؟ شوبی، ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"آپ سے اسی قسم کی احمقانہ بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "مارنے والے شروع میں بم بھی مار سکتے تھے۔ دھما کا ہمیں یہاں سے نکالنے کے لئے کیا گیا ہے۔"

"مونا، ٹھیک کہہ رہی ہے شوبی بھائی!" سونیا نے بھی اس کی تائید کی۔ "ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے، اس سے پہلے کہ دشمن مکمل طور پر گھیر لے۔"

"دیکھتے ہیں۔" میں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "آپ سب مسلح رہیں اور روشنی کے لئے کوئی شے پاس رکھیں، جنریٹر کسی وقت بھی بند ہو سکتا ہے۔"

میں واپس نعیم کے پاس آیا۔ "کوئی دوربین ہے؟"

"جی سر......! لیکن رات کو کیسے دیکھیں گے؟"

"تم دوربین لے آؤ، دیکھنے کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل نکال لیں گے۔" میں نے اس سے کہا، اس نے مجھے اندر سے ایک عدد دوربین لا دی تھی۔ میں نے اوپر کا رخ کیا۔ شکیل اور صفدر کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ مجھے

دیکھ کر چپ ہو گئے۔ ''آس پاس کوئی نظر آیا ہے؟''

ان کا جواب نفی میں تھا۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگالی۔ بنگلے کی لوکیشن کچھ اس طرح تھی کہ اس کے عقب میں چند سو گز کے فاصلے پر دریائے راوی بہہ رہا تھا بلکہ کسی زمانے میں بہتا تھا۔ اب تو دریا کے نام پر پانی کے جوہڑ باقی رہ گئے تھے۔ دریا نے بہنا بند کیا تو یار لوگوں نے اس میں بھی قبضہ کر کے مکانات بنانے شروع کر دیئے، وسیع و عریض باڑے قائم کر لئے تھے اور یہ بھول گئے کہ کسی دن اس دریا کو جوش آیا تو سب بہالے جائے گا۔ بنگلے کے نزدیک ترین مکان بھی کوئی سو سوا سو گز کے فاصلے پر تھا اور خاص بات یہ تھی کہ اس کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ بجلی کی تاریں خاصے فاصلے سے بانس کے کھمبوں کے سہارے لٹکتی آ رہی تھیں اور دشمن نے کسی جگہ سے تار کاٹ دی تھی، اب باہر جائے بغیر اس کا اندازہ لگانا بے حد دشوار تھا۔

صفدر نے دبی زبان میں کہا۔ ''سر! بہتر ہوگا، راجا صاحب کو بھی بتا دیا جائے۔''

''میں نے سوچا اور بیگ کو کال کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی میں نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ بیگ تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ ''یہ دوسری بری خبر ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے عبداللہ کے بارے میں اطلاع آئی ہے، کسی نے اسے گولی مار کر زخمی کر دیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہے اور خطرے سے باہر ہے۔''

''اوہ......'' میں نے کہا۔ ''بیگ صاحب، مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے۔ آپ راجا صاحب کی حفاظت پر توجہ دیں اور فی الحال کسی کو اس طرف مت بھیجئے گا۔''

''پولیس......!'' بیگ نے کہنا چاہا۔

''پولیس کا نام بھی مت لیجئے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''فی الحال ہم یہاں محفوظ ہیں، مجھے یقین ہے کہ دشمن ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔''

میں نے رابطہ کاٹ کر ان لوگوں کو بتایا۔ ''عبداللہ زخمی ہے، کسی نے اس پر فائر کیا ہے۔ اسپتال میں داخل ہے مگر جان خطرے سے باہر ہے۔''

''شہباز صاحب! میں آپ سے متفق نہیں ہوں، ہمیں فوری طور پر اس جگہ سے نکل جانا چاہئے دیر کرنے کی صورت میں دشمن پوری طرح ہمیں گھیر لے گا۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ہم چاروں طرف سے پہلے ہی گھیرے جا چکے ہیں اور جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو وہ بہ آسانی ہمیں چھاپ لیں گے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

شکیل بے چین لگ رہا تھا۔ ''ممکن ہے، آپ کی بات درست ہو......لیکن میری چھٹی حس یہ کہہ رہی ہے، ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''صفدر، اس جگہ سے نکلنے کے کتنے راستے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک تو یہی راستہ ہے جو کچی سڑک تک چلا جاتا ہے اور آگے پکی سڑک سے مل جاتا ہے۔ دوسرا جنوب کی طرف جانے کی صورت میں کوئی ایک کلومیٹر آگے لاہور کی پرانی آبادی سے مل جاتا ہے، اس کچی آبادی میں زیادہ تر مزدور پیشہ اور چھوٹے کام کرنے والے لوگ رہتے ہیں۔''

''اس طرف گاڑی کی مدد سے جا سکتے ہیں؟''

''آبادی تک ضرور جاسکتے ہیں لیکن اس سے آگے چھوٹے راستوں پر گاڑیاں نہیں جاسکتیں۔''

میں باتوں کے دوران دوربین آنکھوں سے لگا کر دیکھتا رہا تھا۔ آج چاند کسی قدر بڑا تھا اور چاروں طرف اس کی ہلکی سی روشنی میں منظر خاصی حد تک واضح تھا، کم سے کم کوئی حرکت کرتا تو فوراً نظر آجاتا۔ مگر نظروں میں کوئی نہیں تھا۔ دشمن اتنا احمق نہیں تھا کہ ہماری نظروں کی حد میں آجاتا۔ وہ دور کہیں آرام سے بیٹھ کر دوربینوں کی مدد سے ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ یہاں سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا اور اس پر ان کی موجودگی لازمی تھی۔ میں نے دوربین صفدر کو دے دی۔ ''اس سے اردگرد کا جائزہ لیتے رہو اور غیر ضروری طور پر نمایاں مت ہونا...... دشمن بھی ہماری نگرانی کر رہا ہوگا۔''

اوپر غضب کی سردی تھی لیکن بھاری گرم کپڑوں میں اتنی زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ فرمان مین گیٹ پر موجود تھا۔ میں اندر آیا، ایمن نے پھر کافی بنائی تھی۔ سونیا سب کو دینے جا رہی تھی، میں نے اپنا کپ اٹھالیا۔ ''خدا تمہیں خوش رکھے۔''

''میں کھانا اچھا بناتی ہوں۔ مجھے شوق ہے اس کا۔''

''کڑی خوبیاں بتا رہی ہے۔'' مونا نے آہستہ سے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم میں کچھ مشرقیت ہے ورنہ کھانا بنانے کا رواج مغرب میں ختم ہوتا جا رہا ہے۔ میرا مطلب ہے خواتین کے کھانا بنانے کا رواج۔'' میں نے مونا کو گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ تو اب مشرق میں بھی نہیں رہا ہے۔'' مونا پھر بولی۔

''تمہیں دیکھ کر یہی لگتا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''بی بی، اب بھی وقت ہے کچھ بنانا سیکھ لو۔ کہتے ہیں مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔''

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' مونا نے منہ بنایا۔

''باہر کی کیا کنڈیشن ہے؟'' ایمن نے پوچھا۔

''بظاہر کوئی نہیں ہے لیکن دماغ ظاہر کرتا ہے کہ دشمن آس پاس ہے اور وہ ہمیں اس جگہ سے نکال کر کسی کھلی جگہ گھیرنا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس صورت میں ہمیں تاریکی میں یہاں سے نکلنے سے گریز کرنا چاہئے۔'' ایمن بولی۔

''سونیا بی بی، البتہ بے تاب ہیں۔'' مونا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ویسے شوبی، لگتا نہیں ہے کہ خاتون کو بیوہ ہوئے زیادہ دن گزرے ہیں۔''

''کسی پر اس قسم کا تبصرہ نہیں کرنا چاہئے۔'' میں نے اسے گھورا۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟'' ایمن نے سوال کیا۔

''فی الحال ہمیں باہر نکلنے کا سوچنا بھی نہیں چاہئے...... صبح کے وقت دیکھیں گے۔''

''میری ایک تجو ۔'' ایمن بولی۔ ''ہمیں صبح اس وقت نکلنا چاہئے جب روشنی ہو رہی ہو۔''

''میں نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ ''لگتا ہے تم عقل استعمال کرنا جانتی ہو۔ اتفاق سے میرے ذہن میں بھی یہی خیال آ رہا ہے۔''

''میں عقل کا استعمال جانتی ہوں۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''اس مقام تک ایسے ہی نہیں آ گئی۔''

''اور پھر بھی عورت رہی۔'' مونا نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

''براہِ کرم، کمنٹس مت دو۔'' ایمن نے اس سے کہا۔

''میں نے کیا، کیا ہے...... میں تو گا رہی ہوں۔'' مونا ڈھٹائی سے بولی۔

''میرے کو...... اردو...... آتا۔'' ایمن نے اٹک اٹک کر کہا۔ اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ مونا منہ بنا کر رہ گئی۔ سونیا واپس آ گئی تھی۔ اس نے خود کو تیزی سے سنبھال لیا تھا۔ وہ جس قسم کی زندگی گزارتی آئی تھی اس میں موت سے سامنا کبھی بھی ممکن تھا۔ وہ ذہنی طور پر بھی مضبوط تھی۔ میں نے کافی کا خالی مگ رکھا اور باہر آیا۔ سامنے والے حصے کی روشنیاں گل تھیں۔ میں مین گیٹ کی طرف آیا۔ فرمان رائفل شانے سے لٹکائے گیٹ کی کھڑکی کے باہر جھانک رہا تھا۔

''کوئی مشکوک فرد ہے؟''

''نہیں جناب، میں ایسے ہی معائنہ کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''فرمان، ذرا باہر نکل کر معائنہ کرو، آس پاس کوئی ہے؟'' میں نے کہا تو فرمان چھوٹا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس نے بنگلے کے دائیں بائیں جا کر دیکھا۔ پھر واپس آیا۔ ''کوئی نہیں ہے سر!''

سغیر بھی چلا آیا تھا، میں نے اس سے کہا۔ ''یار، میں سوچ رہا ہوں۔ گاڑی لے کر باہر کا ایک چکر لگا لوں۔''

سغیر نے گھور کر دیکھا۔ ''یہ آپ کو مجھے مار کا شوق کیوں چرا رہا ہے، ایک کا انجام سامنے نہیں ہے؟''

''یار، اس طرح ہم بند جگہ بیٹھے بیٹھے دشمن کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں؟'' میں نے کہا۔

''میں اس تجویز کے حق میں نہیں ہوں۔'' سغیر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''سر، میں چلا جاتا ہوں۔'' فرمان نے تجویز پیش کی۔

''نہیں یار، ہمارے لئے جتنی قیمتی جان اپنی ہے، اتنی ہی قیمتی جان دوسرے کی بھی ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''سر، کسی نہ کسی کو تو خطرہ مول لینا ہے۔'' فرمان نے اصرار کیا مگر میں نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ گیٹ کے ساتھ چوکیدار کے لئے چھوٹی سی کوٹھری تھی لیکن فرمان اس میں بیٹھنے کے بجائے مستقل گیٹ کے آس پاس ٹہل رہا تھا۔ میں اندر باہر کے چکر لگاتا رہا، گیارہ بجے میں اوپر آیا۔ اوپر ایک کمرا تھا جس میں چاروں طرف بڑی کھڑکیاں تھیں، غالباً اسے بنانے کا مقصد چاروں طرف کا نظارہ کرنا تھا۔ میں نے شکیل کو نیچے بھیج دیا تھا۔ صفدر نے باہر آسمان کی طرف دیکھا۔ ''سر، بادل جمع ہو رہے ہیں، ممکن ہے بارش ہو جائے۔''

''بارش!'' میں نے بھی باہر دیکھا۔ بارش کا امکان لگ رہا تھا اور یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ شاید اس طرح ہمیں فرار میں مدد مل سکے۔ باہر جھانکنے کے علاوہ ہم کھڑکیاں بند رکھتے تھے کیونکہ سردی غضب کی تھی، کھڑکی کھولتے ہی سرد ہوا فراٹے بھرتی اندر آتی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اس پہلے دھماکے کے بعد بنگلے کے آس پاس اور کوئی سرگرمی نہیں دکھائی دی تھی۔ میں نے کئی بار اس نمبر پر ٹرائی کیا جس سے وسیم نے کال کی تھی۔

آخر میں یہ موبائل کسی اور شخص کے ہاتھ میں آیا تھا جس نے گالی دے کر اسے ضائع کر دیا تھا یا بند کر دیا تھا بہر حال اس سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ موبائل کا چارج ختم ہو رہا تھا لیکن ان کے چارجر نہیں تھے۔ وہ راجا عمر دراز کے بنگلے میں تھا۔ فرمان، نعیم اور صفدر تینوں کے پاس موبائل تھے لیکن ان کا مسئلہ بھی چارجر کا تھا صرف نعیم کے موبائل کا چارجر تھا اور بدقسمتی سے اس کا موبائل بالکل مختلف کمپنی کا تھا اور اس کے چارجر سے ہمارے موبائل چارج نہیں ہو سکتے تھے۔ دو بجے تک میرے دونوں ہی موبائل چارج ختم ہونے سے بند ہو گئے۔ صفدر اور فرمان کے موبائل پہلے ہی بند ہو چکے تھے اور اب ہمارے پاس باہر سے رابطے کے لئے صرف نعیم کا موبائل رہ گیا تھا۔ میں نے اس سے موبائل لے کر اس میں اپنی سم لگالی۔

رات کے وقت بیگ کا فون آیا۔ ''آپ نے وہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا سوچا؟''

''ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''میرا مشورہ ہے، آپ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔''

''بارش کا امکان ہے۔ اگر بارش ہو گئی تو اس کی آڑ میں ہم بہ آسانی نکل جائیں گے۔''

''جب کوئی پلان ہو تو مجھے بتائیے گا۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔ ''بیگ صاحب! اگر آپ سے گاڑی کہیں بھجوانے کو کہا جائے تو آپ بھیج سکتے ہیں؟''

''ہاں، بالکل۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا کہ آپ نے گاڑی کہاں بھیجنی ہے اور گاڑی بڑی ہو تا کہ اس میں کم سے کم درجن بھر افراد آسانی سے آ جائیں۔''

''آپ فکر نہ کریں۔''

بیگ سے بات کر کے میں فرمان کے پاس آیا۔ ''یار، یہ جو کچی آبادی ہے، اس کے پار کوئی بڑی سڑک ہے؟''

''جی جناب، اور یہ کچی آبادی نہیں ہے، ریگولر آبادی ہے لیکن زیادہ تر غریب لوگ ہیں اس لئے کچی آبادی لگتی ہے۔ اس سے آگے ایک بڑی سڑک ہے جو شالا مار باغ کی طرف جاتی ہے۔''

''سڑک کا اس جگہ سے کتنا فاصلہ ہے؟''

''تقریباً دو کلو میٹر ہو گا جناب البتہ جہاں سے کچی آبادی شروع ہوتی ہے، وہاں سے کوئی ایک کلو میٹر ہے۔''

''گڈ۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''فرمان تم نے میری مدد کی ہے۔''

''یہ میرا فرض ہے جناب!''

میں اندر آیا۔ شکیل اور سفیر کو اندر بلایا، میں نے ان سے کہا۔ ''ہم صبح کے قریب گاڑیوں میں نکلیں گے اور جنوب کی طرف دریا کے ساتھ ایک کچی آبادی ہے، وہاں تک جائیں گے، فرمان کا کہنا ہے اس آبادی میں سے گاڑیاں نہیں گزر سکتی ہیں اس لئے وہاں سے ہم پیدل جائیں گے اور آبادی کراس کر کے ایک بڑی سڑک تک

جانا ہو گا وہاں بیگ صاحب کی بھیجی گاڑی ہماری منتظر ہو گی۔''

''صبح کس وقت؟'' شکیل نے پوچھا، وہ خوش نظر آنے لگا تھا۔''میں پہلے کہہ رہا تھا، ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔''عام طور سے سات بجے تک اجالا ہو جاتا ہے، ہم ذرا پہلے چھ یا ساڑھے چھ بجے تک نکلیں گے۔''

''تب تک ہمیں آرام کرنا چاہئے۔'' سفیر نے جماہی لی۔

''نہیں، ہمیں پوری طرح چوکس رہنا چاہئے۔ عین ممکن ہے ہمارے نکلنے سے پہلے دشمن دھاوا بول دے۔''

تین بجے بارش شروع ہو گئی تھی۔ لڑکیاں سو گئی تھیں۔ ان کو سونے دیا۔ نعیم اور فرمان اوپر کمرے میں چلے گئے تھے جبکہ صفدر اب مین گیٹ پر تھا۔ میں، سفیر اور شکیل روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ ہم نے تمام اضافی اسلحہ دونوں گاڑیوں میں منتقل کیا۔ ایک گاڑی میں چار افراد جاتے اور دوسری میں پانچ۔ میں جس گاڑی میں ہوتا، اس میں ایمن اور مونا ہوتی جبکہ سفیر اور شکیل جس گاڑی میں ہوتے اس میں سونیا ہوتی، میرے ساتھ فرمان ہوتا، وہ عقبی حصے میں کور دینے کے لئے ہوتا اور ڈرائیونگ میں کرتا، جبکہ دوسری گاڑی میں صفدر ڈرائیونگ کرتا اور نعیم عقب میں ہوتا۔ پانچ بجے ہم کچن میں آئے۔ نعیم نے ناشتے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے انڈروں اور پنیر سے سینڈوچز بنائے، کافی اور چائے تیار کی۔ رات بھر کی تھکن اور نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو اس ناشتے نے بہت سہارا دیا تھا۔ ساڑھے پانچ بجے ہم نے تیار ہونا شروع کر دیا۔ میرے پاس صرف آرمی جیکٹ تھی باقی سب بھاری گرم چیزوں سے لیس تھے۔ ناشتا کر کے میں باہر آیا تو ہلکی بارش جاری تھی۔ میں نے نعیم سے کہا۔''چھ بجے جنریٹر بند کر دینا تاکہ دشمن دیکھ نہ سکے۔''

''جنریٹر اس سے بھی پہلے بند ہو جائے گا۔'' نعیم بولا۔''اس میں ایندھن کم رہ گیا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے اس طرح صحیح تاثر بنے گا ورنہ اچانک جنریٹر بند ہونے سے دیکھنے والے شبہ بھی کر سکتے ہیں۔''

لڑکیاں جاگ چکی تھیں اور انہوں نے اتنی صبح سویرے ناشتا کرنے سے انکار کر دیا تھا صرف چائے اور کافی لی تھی۔ میں نے بیگ سے رابطہ کیا۔''ہمیں ایک بڑی وین چاہئے۔''

''اتفاق سے وین ہی ہے۔'' بیگ بولا۔''اسے کہاں بھیجوں؟''

''یہ آپ کو نعیم بتائے گا۔'' میں نے نعیم کا موبائل اسے تھما دیا۔ نعیم، بیگ کو بتانے لگا کہ اسے کہاں وین بھیجنی ہے۔ مجھے اچانک خیال آیا۔ میں نے نعیم سے کہا۔''تم یہیں رکو گے اور پیچھے سے ہمیں کور دو گے۔''

''جیسا حکم صاحب!''

''اگر کوئی گاڑی ہمارے پیچھے آئے تو تم اسے روکنے کی کوشش کرو گے۔''

نعیم کے پاس اس کی اپنی لائسنس والی کلاشنکوف تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے سارا اسلحہ لے لیا تھا تاکہ اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔ بعد میں جب پولیس آئے تو اسے کوئی غیر قانونی اسلحہ نہ ملے۔ چھ بجے ہم گاڑیوں میں آ

گئے۔ میری پجارو تھی۔ آگے والی جسے اب سفیر ڈرائیو کر رہا تھا، لینڈ روور تھی۔ یہ دونوں گاڑیاں کچے اور ناہموار راستوں پر چلنے کے معاملے میں مثالی سمجھی جاتی ہیں۔ سفیر نے گیٹ کھلتے ہی گاڑی نکالی اور بائیں طرف مڑ گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ یہاں زمین ریتیلی اور ہموار تھی۔ اس پر تیز رفتاری دکھانا آسان تھا مگر بارش کے بعد پھسلن کا خطرہ تھا۔ آسمان پر بادل ہونے کی وجہ سے تاریکی تھی اور ہلکی بارش کی وجہ سے حدِ نگاہ محدود تھی اور اس وجہ سے ہمیں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس روشن کرنا پڑی تھیں۔ میری نظر عقبی آئینے پر تھی لیکن فرمان نے پہلے خبردار کیا۔

''ہمارے پیچھے کم سے کم تین گاڑیاں آ رہی ہیں۔''

''ہوشیار رہو...... اسلحہ تیار رکھو۔'' میں نے کہا۔

اسی لمحے عقب میں گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ میں نے چلا کر لڑکیوں کو جھکنے کو کہا۔ ''فرمان، ان کو روکو۔'' فرمان نے جیپ کا عقبی شیشہ اتار دیا تھا۔ اس نے سیون ایم ایم رائفل باہر نکالی اور یکے بعد دیگرے کئی گولیاں چلائیں۔ جیپ کی محدود فضا میں اس خطرناک رائفل کے دھماکے کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہے تھے۔

''ایک تو گیا۔'' فرمان نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''اس کی روشنیاں......''

فرمان کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا، عقب سے آنے والا برسٹ اسے لگا اور وہ الٹ کر ایمن اور مونا کے درمیان میں گرا تھا۔ وہ چیخنے لگی تھیں پھر ایمن نے سسکی لی۔ ''میرے خدا...... یہ مر گیا ہے۔''

''تم لوگ سر نیچے رکھو۔'' میں نے جیپ کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔ فرمان کی موت کسی شاک کی طرح تھی۔ عقب سے ابھی تک فائرنگ ہو رہی تھی۔ مونا نے ہمت کی اور پستول نکال کر عقب میں جوابی فائر کئے۔ اگلی گاڑی سے بیک وقت دو رائفلیں گرج رہی تھیں۔ میں نے رفتار تیز کی اور ان سے آگے نکل گیا کیونکہ بعض اوقات میری گاڑی درمیان میں آ جانے سے میرے ساتھی فائرنگ روکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ عقبی آئینے میں نظر آتی روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ یعنی ان کے پاس بھی طاقتور گاڑیاں تھیں۔ کچھ آبادی بھی نزدیک تھی اور اس کی روشنیاں جھلکنے لگی تھیں۔

اچانک عقب میں سفیر کی گاڑی کی روشنیاں گھومیں اور میں نے اسے الٹ کر قلابازیاں کھاتے دیکھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ میں نے رفتار ہلکی کی اور پھر جیپ سے اتر کر لینڈ روور کی طرف لپکا۔ مونا میرے پیچھے تھی۔ لینڈ روور الٹی چھت کے بل پڑی تھی اور اس کی عقبی نشست سے شکیل باہر آ رہا تھا۔ میں نے گھوم کر سفیر کو دیکھا، وہ سیٹ میں پھنسا تھا اور حرکت کر رہا تھا۔ میں نے اسے باہر کھینچا۔ ''جلدی جیپ کی طرف جا۔'' میں نے کہا اور دوسری طرف موجود سونیا کو نکالنے لگا، وہ بے سدھ تھی۔ شکیل نے مدد کی اور میں نے اسے بھی نکال لیا۔

''شکیل اسے لے جاؤ۔'' میں نے کہا اور قریب آتی گاڑیوں کی طرف برسٹ مارا، وہ رک گئی تھیں۔

صفدر لینڈ روور کے عقبی حصے میں پھنسا تھا اور شدید زخمی لگ رہا تھا۔ ''صفدر...... باہر آؤ۔''

''میں نہیں آ سکتا...... میرا پاؤں پھنسا ہے۔'' اس نے کرب زدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ جائیں شہباز صاحب، دشمن پاس ہے۔''

میں نے جھک کر دیکھا، قلابازیاں کھانے سے لینڈ روور کے عقبی حصے میں دھات شق ہو گئی تھی اور اس میں صفدر کا پاؤں بری طرح پھنسا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ بے جان تھا۔ ''شہباز صاحب، آپ...... جائیں۔''

"میں تمہیں نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"پلیز......آپ وقت ضائع کر کے دوسروں کی جان بھی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔آپ جائیں میں ان کو روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

شکیل فرمان کی سیون ایم ایم سے فائرنگ کر رہا تھا،ان کا اسلحہ تو نہ جانے کہاں تھا۔میں نے محسوس کیا کہ صفدر ٹھیک کہہ رہا تھا،اس کا پاؤں اس بری طرح پھنسا تھا کہ اسے نکالنے کے لئے لوہے کی چادر کاٹنا پڑتی یا اس کی ٹانگ کاٹنا پڑتی۔اس نے مجھ سے دستی بم مانگا،وہ میں نے اس کے حوالے کر دیا۔اس کا ہاتھ دبایا اور اپنی جیپ کی طرف لپکا۔شکیل مجھے دیکھ کر چلایا۔"شہباز صاحب! جلدی کریں اور گاڑیاں آرہی ہیں۔"

میں بھاگ کر جیپ میں گھسا اور اسے دھچکے سے آگے بڑھا دیا۔سفیر میرے برابر والی نشست پر تھا۔بے ہوش سونیا کو ایمن اور مونا نے سنبھالا ہوا تھا۔فرمان کی لاش کو شکیل نے باہر کھینچ کر خود اس کی جگہ لے لی تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔"میں نے سفیر سے پوچھا۔

"ہاں،معمولی چوٹیں آئی ہیں،کوئی خاص چوٹ نہیں ہے۔"

"سونیا کی حالت کیسی ہے؟"میں نے ایمن سے دریافت کیا۔

"سر سے خون بہہ رہا ہے،لیکن نبض ٹھیک ہے۔"

"اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو،کچھ دیر بعد ہمیں پیدل سفر کرنا پڑے گا۔"

شکیل عقب سے ہونے والی فائرنگ کا جواب دے رہا تھا۔اس کا نشانہ بہتر تھا۔میں نے ایک اور گاڑی کی روشنیوں کو غائب ہوتے دیکھا اور اسی وقت جیپ کچی آبادی کی حدود میں داخل ہو گئی،اب ہم عقب سے ہونے والی فائرنگ سے محفوظ تھے۔میں بے دریغ گلیوں میں جیپ گھساتا رہا حتیٰ کہ ایک گلی آگے سے اتنی تنگ تھی کہ اس سے جیپ گزر ہی نہیں سکتی تھی۔میں نے جیپ روک لی۔

"نیچے اتر آؤ۔ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے دور نکل جانا ہے۔"میں نے اترتے ہوئے کہا۔

"یہ ابھی تک بے ہوش ہے۔"ایمن نے سونیا کے بارے میں بتایا۔

"اسے میں سنبھال لیتا ہوں۔"شکیل آگے آیا۔"آپ رائفل لے لیں۔"

میں نے اس سے رائفل لے کر سفیر کو دے دی۔ہمارے پاس یہی کل اسلحہ تھا۔یعنی رائفل،ایک خودکار رائفل اور دو عدد پستول،جو میرے پاس تھے یا مونا اور ایمن کے پاس پستول تھے۔سفیر نے رائفل چیک کی۔

"اس کا میگزین خالی ہے۔میگزین کہاں ہیں؟"

"اور کوئی میگزین نہیں ہے۔"میں نے گاڑی کے عقبی حصے میں جھانکا جہاں فرمان کا خون پھیلا تھا۔میرا دل بوجھل ہو گیا۔کیسے جاں نثار نکلے،اتنی سی رفاقت پر جان قربان کر گئے تھے۔شکیل نے سونیا کو اٹھا لیا۔میں نے سفیر کو پستول دے دیا اور ہم آگے بڑھنے لگے۔بارش میں کسی قدر تیزی آگئی تھی لیکن یہ ہلکی سی بارش بھی کم قیامت خیز نہیں تھی کیونکہ پانی برف کی طرف ٹھنڈا تھا،ہم سب ٹھٹھر رہے تھے،سفیر نے لرزتے ہوئے پوچھا۔

"اب کہاں جانا ہے؟"

"آبادی کے پار بڑی سڑک تک پہنچتا ہے۔"

"یہ خاص کچی آبادیوں کی طرز کی بستی تھی، چھوٹے بڑے مکان، ٹیڑھی میڑھی گلیاں جن میں سے اکثر آگے جا کر بند نکلتی تھیں۔ کئی جگہ ہمیں پلٹنا پڑا تھا۔ گلیاں ایسی تھیں کہ شیطان بھی چکرا جاتے۔ تعاقب کرنے والوں کا بھی یہی حال تھا اور ان پر نظر پڑتے ہی تیزی سے واپس آیا۔ "دشمن ہے۔" میں نے عقب میں آتے سغیر کو بھی واپس دھکیلا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اس طرف سے فائر کھول دیا گیا تھا، میں نے اپنی رائفل نکال کر گلی میں ایک برسٹ مارا۔ وہ تین تھے اور گلی کے وسط میں تھے۔ ایک کی چیخ سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔

میں نے جھانک کر دیکھا۔ ایک کو اٹھائے دو بھاگے جا رہے تھے۔ میں چاہتا تو ایک اور برسٹ مار کر ان تینوں کو ہی اگلے جہاں بھیج سکتا تھا مگر میں نے غیر ضروری قتل و غارت گری سے گریز کیا۔ "اس طرف چلو۔" میں نے ایک نسبتاً کشادہ گلی کی طرف اشارہ کیا اور ہم اس میں گھس گئے۔ گلیوں میں بھٹکتے ہوئے ہم سمتوں کا احساس بھی کھو چکے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہیں ہم واپس دریا کی سمت نہ جا نکلیں، آسمان پر گھرے سیاہ بادلوں کی وجہ سے سمتوں کا تعین ممکن نہیں تھا۔

"یار، ہم مارے جائیں گے۔" سغیر نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔ "ابھی بال بال بچے ہیں۔"

"دشمن نہ بھی مارے تو میں سردی سے مر جاؤں گی۔" مونا لرزتے ہوئے بولی۔

"بہتر ہے ہم کہیں پناہ لے لیں۔" شکیل بولا۔ "سونیا کی بے ہوشی ختم نہیں ہو رہی تھی۔"

☆======☆======☆

ہم ایک وسیع احاطے والے مکان کے سامنے کھڑے تھے۔ بلکہ یہ شاید پلاٹ تھا کیونکہ دیوار ہی دیوار تھی اندر کوئی عمارت نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک طرف لوہے کا گیٹ تھا۔ میں نے سفیر اور شکیل سے اتفاق کرتے ہوئے گیٹ بجایا ایک منٹ بعد جھری سے کوئی آتا نظر آیا۔

"اوئے کون ہے۔" کسی نے گنوار سے لہجے میں کہا۔

"مصیبت زدہ ہوں جی، میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔

"بھاگ جاؤ، ہم نے ٹھیکا نہیں لے رکھا دوسروں کی بیویوں کا۔" اس نے بے زاری سے کہا اور جانے لگا۔ میرا خون کھول اٹھا تھا، میں نے اس بار دروازہ توڑنے کے انداز میں بجایا۔ وہ بھنا کر واپس آیا اور دروازہ کھولتے ہوئے پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔ "کیا بات ہے......حرا......!" رائفل کی نال اپنی طرف نگران پا کر اس کا باقی جملہ مع گالی کے منہ میں رہ گیا تھا۔ بمشکل اس نے گھگیائے لہجے میں کہا۔ "کک......کیا چاہتے ہو؟"

میں نے اسے پیچھے دھکیلا اور اندر گھس گیا۔ یہ وسیع کچا احاطہ تھا، جس میں سامنے کی طرف سبزیاں لگی تھیں۔ وسط میں تین عدد کچے کمرے تھے جن پر شیٹوں کی چھت تھیں ایک کمرے کے آگے برآمدہ تھا جس میں باورچی خانہ بنا تھا اور وہاں ایک عورت بڑے سے کڑاہے میں دودھ ابال رہی تھی۔ کمروں کے عقب میں باڑا تھا کیونکہ مجھے ایک عدد بھینس اور ڈھیر سارے گوبر کی جھلک نظر آئی تھی۔

"او جی، میں غریب آدمی ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"ابھی پتا چل جائے گا۔" میں نے کہا۔ عقب میں باقی سب بھی اندر گھس آئے تھے۔ سفیر نے دروازہ بند کر دیا۔ ہم سب برآمدے کی طرف بڑھے۔ عورت نے خاصا موٹا کھیس اوڑھ رکھا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا اور گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔ "خبردار!" میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ "آواز نہ نکلے۔"

"یہ کون ہے جی!" عورت نے غالباً اپنے شوہر سے پوچھا۔ اس پر شوہر نے بھی اسے وہی مشورہ دیا جو میں نے دیا تھا لیکن نہایت غلط لقب کے ساتھ۔

"اندر چلو۔" میں نے مرد کو رائفل کے زور پر دھکیلا۔ ہم برآمدے کے ساتھ والے کمرے میں آئے، شکیل نے سونیا کو وہاں موجود بستر پر لٹا دیا۔ وہ کسمسا رہی تھی، شاید ہوش میں آنے والی تھی، کمرے میں انگیٹھی

جل رہی تھی۔ میں نے موتا اور ایمن سے کہا۔ "تم لوگ اسے دیکھو اور ممکن ہو تو خود کو خشک کرو، ہم دوسرے کمرے میں جا رہے ہیں۔"

"وہ جی، میرا......" عورت نے کہنا چاہا لیکن مرد نے اسے پھر جھڑک دیا۔

"تُو چپ کر۔" وہ بولا تو میں نے اسے گھورا۔

"اب تم نے بلاوجہ زبان کھولی تو ہمیشہ کے لئے چپ کرا دوں گا۔"

ہم دوسرے کمرے میں آئے، یہاں گرمائش کے لئے انگیٹھی نہیں تھی لیکن باہر کی یخ ترین بارش کے مقابلے میں بے حد سکون تھا۔ ہم نے اپنے سر اور لباس جھاڑے میں نے مرد کا جائزہ لیا۔ اس کی جسامت تقریباً ہمارے جیسی تھی۔ "ہمیں لباس دو اور گرمائش کا بندوبست کرو۔" میں نے اسے حکم دیا۔

اس نے خاموشی سے کمرے میں رکھے صندوق سے کپڑے نکالے اور ہمارے سامنے رکھ دیئے۔ بھیگے کپڑوں کی یخ اب بدن میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ پہلے میں نے اور سفیر نے کپڑے بدلے، اس دوران میں شکیل مرد کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ پھر شکیل نے کپڑے بدلے۔ خشک کپڑے پہن کر سکون ملا تھا۔ مرد نے ایک عدد انگیٹھی بھی جلائی۔ عام گھروں میں جہاں گیس نہیں ہوتی ہے اس قسم کی لوہے کی انگیٹھیاں عام ملتی ہیں۔ ان میں لکڑیوں کا کوئلہ بھر کر جلایا جاتا ہے۔ کوئلوں کو آگ لگی تو سب دھوئیں کی پروا کیئے بغیر انگیٹھی کے گرد جمع ہو گئے۔

"ہم ڈاکو نہیں ہیں۔" میں نے مرد کو بتایا۔

اسے سخت تعجب ہوا تھا۔ "اچھا جی آپ ڈاکو نہیں ہیں تو پھر کون ہیں؟"

"شریف آدمی!" سفیر نے متانت سے کہا۔

اس پر اس نے ناقابلِ یقین لہجے میں کہا۔ "شریف آدمی۔"

"کیوں کیا ہم شریف نظر نہیں آتے؟" سفیر نے غرا کر پوچھا۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں جی!" اس نے گڑبڑا کر کہا اور کنکھیوں سے ہمارے اسلحے کی طرف دیکھا۔

"آپ لوگوں کو سردی لگی ہے جی...... آپ کے لئے اصلی گھی ملا دودھ لاؤں؟ ایسے میں اچھا ہوتا ہے جی!" اس نے پیش کش کی۔

"کیوں نہیں۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن زہر وغیرہ مت ملانا...... تیز ترین زہر بھی آدمی کو مارنے میں چند منٹ لگاتا ہے، اتنی دیر میں ہم اپنی ساری گولیاں تمہیں مار چکے ہوں گے۔"

وہ ہمارے لئے تانبے کے جہازی سائز گلاسوں میں گرما گرم دودھ لے آیا۔ دودھ پر اصلی گھی تیر رہا تھا۔

"اپنی زنانی سے بول آیا ہوں، آپ کی زنانیوں کو بھی دودھ دے دے۔ ویسے وہ جو بیمار ہے، وہ آپ کی زنانی ہے؟" اس نے پُر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"اوہ نہیں...... وہ تو میری بہن ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "وہ تو میں نے دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تھا۔ دراصل ہم مصیبت کے مارے ہیں۔"

"دشمن ہمارے پیچھے ہیں۔" سفیر بولا۔

"گرم دودھ نے نہ صرف ہماری کھوئی ہوئی توانائیوں کو بحال کر دیا بلکہ ہمیں اس سردی سے بھی نجات دلا

دی تھی جو بارش سے ہمارے جسموں میں سرایت کر گئی تھی۔ مرد کا نام نذیر تھا اور اس کی بیوی کا نام کوثر تھا۔ ان کی شادی کو کئی سال ہو چکے تھے لیکن ان کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ نذیر سبزیوں کی فروخت کرتا تھا اور اس نے کچھ سبزیاں اپنے اس پلاٹ میں بھی لگا رکھی تھیں دو بھینسیں تھیں جن کا دودھ دوہنا، ان کو چارہ دینا اور دودھ فروخت کرنا، یہ سب کوثر کی ذمے داری تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں میاں، بیوی میں تعلقات اچھے نہیں تھے، نذیر کا رویہ بیوی کے ساتھ درشت تھا۔

''یہ جگہ تمہاری ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جی...... یہ میرے چاچا کا پلاٹ ہے، اس نے مجھے کرائے پر دیا ہوا ہے۔''

''بڑی سڑک یہاں سے کتنی دور ہے جو شالامار باغ کی طرف جاتی ہے۔'' میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''کوئی فرلانگ دور ہوگی جی!'' اس نے کہا۔ ''کیا آپ نے جانا ہے؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ بیگ نے وین بھیج دی ہوگی لیکن ہم اس تک نہیں پہنچ پائے تھے، میں نے نعیم کا موبائل نکالا۔ وہ آف تھا، اسے آن کرنے کی کوشش کی تو اس نے آن ہونے سے انکار کر دیا شاید اس کے اندر پانی چلا گیا تھا۔ میں نے اسے سفیر کے سپرد کیا جو ہمارے کپڑے سکھا رہا تھا۔ اس نے اسے کھول کر انگیٹھی کے پاس رکھ دیا۔ میں نے نذیر سے پوچھا۔

''تمہارے پاس موبائل ہے؟''

''نہیں جی!'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''شہباز صاحب، ہمیں اتنے سکون سے نہیں بیٹھنا چاہئے۔'' شکیل نے آہستہ سے کہا۔ ''دشمن ہمارے پیچھے ہے اور یہ جاننا اس کے لیے اتنا مشکل نہیں ہوگا کہ ہم کہاں ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہئے۔''

''اتنی جلدی بھی نہیں۔ وہ لوگ ابھی گلیوں میں ہوں گے لیکن ایک آدھ گھنٹے بعد وہ یہاں سے بھاگنے کی فکر کریں گے جب پولیس آئے گی۔''

''پولیس اطلاع پر بھی نہیں آتی ہے۔'' شکیل نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تو بغیر بتائے اسے کیا الہام ہوگا؟''

''میں نے نعیم سے کہہ دیا تھا، ہمارے جانے کے بعد کسی پڑوسی کے توسط سے پولیس کو انفارم کر دے اور پولیس پھر بھی نہ آئے تو بیگ کو اطلاع دے۔''

سفیر نے گھڑی دیکھی۔ ''ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ میرا خیال ہے پولیس آ چکی ہوگی یا آنے والی ہو گی۔''

''اور اگر پولیس سے پہلے انہوں نے ہمیں تلاش کر لیا؟''

''یار، ہم بالکل نہتے نہیں ہیں، ان کو دیکھ لیں گے۔'' میں نے ذرا چڑ کر کہا پھر مجھے افسوس ہوا تھا۔ شکیل وسیم کا دست راست تھا اور ہمارے لئے اس کی خدمات وسیم سے کم نہیں تھیں۔ ''سوری یار! شاید حالات نے مجھے ٹینس کر دیا ہے۔''

''کوئی بات نہیں شہباز صاحب! آپ باس ہیں اور ہمارے لئے قابلِ احترام ہستی ہیں۔'' شکیل مسکرایا۔

"لیکن اس میدان میں میرا تجربہ آپ سے زیادہ ہے اس لئے میں نے جو محسوس کیا، وہ آپ سے کہہ دیا۔"

"تمہارا تجربہ ہم سب سے زیادہ ہے لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ یہ اعصاب کا کھیل بھی ہے اور اس میں کمزوری دکھانے کا مطلب خود کو دشمن کے سامنے پیش کر دینا ہے۔"

"پتا نہیں شاید طویل قید نے میرے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے۔" اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"مجھ پر بھروسا کرو۔" میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ "اللہ نے چاہا تو ہم جلد اس آفت سے نکل جائیں گے۔"

"مجھے سونیا کی زیادہ فکر ہے۔"

"یہی تو ہم بھی کہہ رہے ہیں دوست!" سغیر معنی خیز انداز میں بولا۔ "تمہیں سونیا کا زیادہ ہی خیال ہے۔"

"ہاں، وہ دہرے صدمے سے گزری ہے۔ شوہر نے اس سے اور اس کے بھائی سے غداری کی اور پھر مارا گیا۔ اب وسیم کا بھی پتا نہیں ہے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ وسیم اس طرح مر جائے گا۔ وہ چوہوں کی طرح گھر کر مر جانے والوں میں سے نہیں ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔

"مجھے بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔" شکیل بولا۔

گزشتہ چوبیس گھنٹے میں ہمارے ساتھ بے شمار واقعات پیش آ چکے تھے۔ سکون تو خیر خاصے عرصے سے ہماری زندگیوں میں ناپید تھا مگر گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں واقعات کی رفتار کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی اور ابھی ان کا کوئی اختتام نظر نہیں آ رہا تھا۔ سغیر نے کوشش کر کے ہمارے کپڑے اتنے سکھا لئے تھے کہ ہم ان کو زیب تن کر سکتے تھے کیونکہ محض سادہ شلوار قمیص میں ہمیں سردی لگ رہی تھی۔ ہم نے اپنے نم کپڑے پہنے، یہ دیکھ کر میں ہنسا گیا کہ میری پتلون پر جلنے کا نشان آ گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے سغیر سے پوچھا۔

"ذرا سا جل گیا ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"اسے ذرا سا کہتے ہیں اور یہ میری جیکٹ میں سوراخ بھی ہے۔"

"کوئلہ چٹخا تو انگارا اچھل کر چپک گیا۔"

کپڑے نم اور ہلکے سے سرد تھے لیکن قابلِ برداشت تھے پھر نذیر نے ہمیں ایک ایک گلاس اور گرم دودھ دیا تھا۔ انگیٹھی میں اور کوئلے ڈال دیئے تھے۔ نذیر کا خوف خاصی حد تک کم ہو گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی کسی شے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اور اس کے کپڑے بھی واپس کر دیئے تھے۔ میں عورتوں والے کمرے کی طرف آیا۔ سونیا ہوش میں تھی اور چارپائی پر نیم دراز تھیں انہوں نے اس کے سر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ "اب کیسی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

انہوں نے کوثر کے کپڑے پہن رکھے تھے جو ذرا بھاری جسم رکھتی تھی اور یہ تینوں چھریرے جسم کی تھیں۔ ان پر کپڑے مضحکہ خیز انداز میں ڈھیلے تھے، میں ہنسا۔ "یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟"

ایمن جھینپے انداز میں ہنسی اور مونا ڈھٹائی سے بولی۔ ''میں نے دیکھا تھا، جناب کچھ دیر پہلے خود بھی اللہ رکھا بنے ہوئے تھے۔''

اس بار میں جھینپا۔ ''تم نے دیکھ لیا۔ بہر حال اپنے کپڑے خشک کرو جیسے ہی بارش رکے گی، ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''

کوثر پہلے ہی یہ کام کر رہی تھی۔ میں نے اسے ہزار کا ایک نوٹ دیا۔ ''بہن، تمہارے گھر خالی ہاتھ آئے ہیں، یہی دے سکتے ہیں۔''

''بہن کہہ کر دے رہے ہو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں...... کیونکہ بھائی بہنوں کے گھر خالی نہیں جاتے۔''

''لے لو نا......'' مونا بولی تو کوثر نے لے لیا۔

''دیر مت کرو۔'' میں ان کو کہہ کر باہر آیا۔ بارش کے آثار ذرا دھیمے پڑے تھے مگر پانی برس رہا تھا۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ نذیر کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے باہر بھیجوں مگر پھر میں نے ارادہ تبدیل کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس شخص پر اعتماد نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے لئے سب کے سامنے جو الفاظ ادا کئے تھے، انہوں نے اس کا سارا تاثر ہی خراب کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ باہر جا کر بیوی کی پروا کئے بغیر ہمارے بارے میں بک دیتا یا ہمیں تلاش کرنے والوں سے معاملہ کر لیتا۔ کمرے سے جانے سے پہلے میں نے شکیل کو اشارہ کر دیا تھا کہ اس پر خاص نظر رکھے۔ جب میں واپس آیا تو وہ شکیل اور سفیر کی خوشامد کر رہا تھا کہ اسے رفع حاجت کے لئے جانے دیا جائے۔

''میرا پیٹ ٹھیک نہیں ہے!''

''تبھی تم نے دوبارہ ہمارے ساتھ لبالب بھر کر دودھ کا گلاس پیا ہے۔'' سفیر نے طنز کیا۔

''میں کون سا دور جانے کو کہہ رہا ہوں؟ یہ اِدھر پیچھے تو ہے۔'' اس نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ ''جانے دیں جی، میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

''جانے دو اسے۔'' میں نے کہا۔ ''کہاں ہے تمہارا لیٹرین؟''

''ادھر جی!'' اس نے کوٹھری کا عقبی دروازہ کھول کر دکھایا۔ صحن کے پار دیوار کے ساتھ چھوٹا سا لیٹرین بنا ہوا تھا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی خبردار کیا۔

''بھاگنے کی کوشش مت کرنا، گولی سے زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتے۔''

''نہیں جی، میں نے کہاں جانا ہے؟'' وہ بولا اور صحن میں بھرے پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا لیٹرین کی طرف چلا گیا۔ میں رائفل بدست دروازے پر موجود تھا کیونکہ عقبی طرف کی دیوار خاصی نیچی تھی، مشکل سے چھ فٹ اونچی، آدمی جوان اور فٹ وہ تو اسے ایک ہی جست میں عبور کر سکتا تھا۔ وہ لیٹرین میں جانے سے پہلے مڑا تو میں نے اسے رائفل دکھائی تھی، وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

''مجھے یہ شخص ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''اتفاق سے میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''شہباز جب ہم یہاں سے جانے لگیں گے تو یہ گڑبڑ کر سکتا ہے۔'' شکیل بولا ''بہتر ہے، ہم انہیں بند کر جائیں تاکہ جب تک یہ آزاد ہو، ہم دور جا چکے ہوں۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے، اس کی بیوی اچھی عورت ہے لیکن خود یہ شخص مکار سا نظر آتا ہے۔''

ہم باتیں کر رہے تھے اور میری نظر لیٹرین کے دروازے پر مرکوز تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا، اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی ہے۔ اسے اب تک آ جانا چاہئے تھا۔ ''یہ کہاں بیٹھ گیا ہے؟''

''لیٹرین میں۔'' سفیر نے سادگی سے جواب دیا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ اس کا پیٹ خراب ہے۔''

دس منٹ اور گزر گئے تو میری فکر تشویش میں بدل گئی تھی، مجھے خیال آیا۔ ''وہ کہیں عقب سے سوراخ کر کے تو نہیں بھاگ گیا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں، اتنی دیر میں یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''تم دونوں رکو...... میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور جیکٹ کے کالر اوپر کر کے سر جھکائے تیز قدموں سے لیٹرین کی طرف بڑھا۔ یہ کمروں سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں نے دروازہ بجایا۔

''نذیر کیا بات ہے، باہر آؤ۔''

جب کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے ذرا پیچھے ہو کر دروازے پر ایک عدد زوردار لات رسید کی اور وہ دھماکے سے کھلا۔ یہ دیکھ کر میرے منہ سے گندی سی گالی نکلی کہ وہ جگہ سرے سے لیٹرین ہی نہیں تھی بلکہ باہر جانے کے لئے دروازہ تھا۔ یہ جگہ اس طرح بنی تھی کہ کسی چھوٹے سے کمرے کا تاثر بن رہا تھا حتیٰ کہ چھت پر سیمنٹ کی شیٹ کی چھت بھی تھی۔ میں واپس لپکا۔ ''وہ حرام زادہ بھاگ گیا ہے۔ جلدی نکلنے کی کرو، دیر مت کرو۔'' میں نے چلا کر کہا۔

مونا باہر آئی تھی۔ ''شوبی، کیا ہوا؟''

''نذیر دھوکا دے کر بھاگ گیا ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اس سے پہلے کہ وہ دشمنوں کو لے کر یہاں آ جائے۔ سونیا کو اٹھاؤ۔''

کوثر باہر آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ نذیر کیسے بھاگا جی؟''

''اس نے دھوکا دیا ہے، ابھی ہم جا رہے ہیں لیکن جلد واپس آئیں گے، اس کی دھوکے بازی کی سزا دینے کے لئے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''وہ اسی قابل ہے جی، ساری عمر مجھے دھوکا دیتا رہا ہے۔'' وہ آزردہ ہو کر بولی۔

مونا اور ایمن، سونیا کو سہارا دے کر باہر لائے، اس کی حالت خاصی حد تک بہتر ہو رہی تھی، اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''مجھے چھوڑ دو...... میں خود چل سکتی ہوں۔''

''تم لوگ رکو...... سفیر میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ سفیر میرے پیچھے آیا۔ میں نے گیٹ سے باہر جھانکا، گلی سنسان تھی۔ ''سفیر! کوئی نہیں ہے، ان کو بلا لو۔'' میں نے کہا اور گلی میں قدم رکھا۔ میں نے رائفل سامنے کی ہوئی تھی اور یہی چیز میری بچا گئی۔ گلی کے سرے سے نذیر دو مسلح افراد کے ساتھ نمودار ہوا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے

ایمن جھینپے انداز میں ہنسی اور موٹا ڈھٹائی سے بولی۔ ''میں نے دیکھا تھا، جناب کچھ دیر پہلے خود بھی اللہ رکھا بنے ہوئے تھے۔''

اس بار میں جھینپا۔ ''تم نے دیکھ لیا۔ بہرحال اپنے کپڑے خشک کرو جیسے ہی بارش رکے گی، ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''

کوثر پہلے ہی یہ کام کر رہی تھی۔ میں نے اسے ہزار کا ایک نوٹ دیا۔ ''بہن، تمہارے گھر خالی ہاتھ آئے ہیں، یہی دے سکتے ہیں۔''

''بہن کہہ کر دے رہے ہو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں...... کیونکہ بھائی بہنوں کے گھر خالی نہیں جاتے۔''

''لے لو نا......'' موٹا بولی تو کوثر نے لے لیا۔

''دیر مت کرو۔'' میں ان کو کہہ کر باہر آیا۔ بارش کے آثار ذرا دھیمے پڑے تھے مگر پانی برس رہا تھا۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ نذیر کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے باہر بھیجوں مگر پھر میں نے ارادہ تبدیل کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس شخص پر اعتماد نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے لئے سب کے سامنے جو الفاظ ادا کئے تھے، انہوں نے اس کا سارا تاثر ہی خراب کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ باہر جا کر بیوی کی پروا کئے بغیر ہمارے بارے میں بک دیتا یا ہمیں تلاش کرنے والوں سے معاملہ کر لیتا۔ کمرے سے جانے سے پہلے میں نے شکیل کو اشارہ کر دیا تھا کہ اس پر خاص نظر رکھے۔ جب میں واپس آیا تو وہ شکیل اور سفیر کی خوشامد کر رہا تھا کہ اسے رفع حاجت کے لئے جانے دیا جائے۔

''میرا پیٹ ٹھیک نہیں ہے!''

''تبھی تم نے دوبارہ ہمارے ساتھ لبالب بھر کر دودھ کا گلاس پیا ہے۔'' سفیر نے طنز کیا۔

''میں کون سا دور جانے کو کہہ رہا ہوں؟ یہ اِدھر پیچھے تو ہے۔'' اس نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ ''جانے دیں جی، میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

''جانے دو اسے۔'' میں نے کہا۔ ''کہاں ہے تمہارا لیٹرین؟''

''ادھر جی!'' اس نے کوٹھری کا عقبی دروازہ کھول کر دکھایا۔ صحن کے پار دیوار کے ساتھ چھوٹا سا لیٹرین بنا ہوا تھا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی خبردار کیا۔

''بھاگنے کی کوشش مت کرنا، گولی سے زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتے۔''

''نہیں جی، میں نے کہاں جانا ہے؟'' وہ بولا اور صحن میں بھرے پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا لیٹرین کی طرف چلا گیا۔ میں رائفل بدست دروازے پر موجود تھا کیونکہ عقبی طرف کی دیوار خاصی نیچی تھی، مشکل سے چھ فٹ اونچی، آدمی جوان اور فٹ وہ تو اسے ایک ہی جست میں عبور کر سکتا تھا۔ وہ لیٹرین میں جانے سے پہلے مڑا تو میں نے اسے رائفل دکھائی تھی، وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

''مجھے یہ شخص ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''اتفاق سے میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''شہباز جب ہم یہاں سے جانے لگیں گے تو یہ گڑبڑ کرسکتا ہے۔'' شکیل بولا۔ ''بہتر ہے، ہم انہیں بند کر جائیں تاکہ جب تک یہ آزاد ہو، ہم دور جاچکے ہوں۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے، اس کی بیوی اچھی عورت ہے لیکن خود یہ شخص مکار سا نظر آتا ہے۔''

ہم باتیں کررہے تھے اور میری نظر لیٹرین کے دروازے پر مرکوز تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا، اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہوگئی ہے۔ اسے اب تک آجانا چاہئے تھا۔ ''یہ کہاں بیٹھ گیا ہے؟''

''لیٹرین میں۔'' سفیر نے سادگی سے جواب دیا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ اس کا پیٹ خراب ہے۔''

دس منٹ اور گزر گئے تو میری فکر تشویش میں بدل گئی تھی، مجھے خیال آیا۔ ''وہ کہیں عقب سے سوراخ کر کے تو نہیں بھاگ گیا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں، اتنی دیر میں یہ کام آسانی سے ہوسکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''تم دونوں رکو...... میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور جیکٹ کے کالر اوپر کر کے سر جھکائے تیز قدموں سے لیٹرین کی طرف بڑھا۔ یہ کمروں سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں نے دروازہ بجایا۔

''نذیر کیا بات ہے، باہر آؤ۔''

جب کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے ذرا پیچھے ہو کر دروازے پر ایک عدد زوردار لات رسید کی اور وہ دھماکے سے کھلا۔ یہ دیکھ کر میرے منہ سے گندی سی گالی نکلی کہ وہ جگہ سرے سے لیٹرین ہی نہیں تھی بلکہ باہر جانے کے لئے دروازہ تھا۔ یہ جگہ اس طرح بنی تھی کہ کسی چھوٹے سے کمرے کا تاثر بن رہا تھا حتیٰ کہ چھت پر سیمنٹ کی شیٹ کی چھت بھی تھی۔ میں واپس لپکا۔ ''وہ حرام زادہ بھاگ گیا ہے۔ جلدی نکلنے کی کرو، دیر مت کرو۔'' میں نے چلا کر کہا۔

مونا باہر آئی تھی۔ ''شوبی، کیا ہوا؟''

''نذیر دھوکا دے کر بھاگ گیا ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اس سے پہلے کہ وہ دشمنوں کو لے کر یہاں آجائے۔ سونیا کو اٹھاؤ۔''

کوثر باہر آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہورہا تھا۔ نذیر کیسے بھاگا جی؟''

''اس نے دھوکا دیا ہے، ابھی ہم جارہے ہیں لیکن جلد واپس آئیں گے، اس کی دھوکے بازی کی سزا دینے کے لئے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''وہ اسی قابل ہے جی، ساری عمر مجھے دھوکا دیتا رہا ہے۔'' وہ آزردہ ہو کر بولی۔

مونا اور ایمن، سونیا کو سہارا دے کر باہر لائے، اس کی حالت خاصی حد تک بہتر ہورہی تھی، اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''مجھے چھوڑ دو...... میں خود چل سکتی ہوں۔''

''تم لوگ رکو...... سفیر میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ سفیر میرے پیچھے آیا۔ میں نے گیٹ سے باہر جھانکا، گلی سنسان تھی۔ ''سفیر! کوئی نہیں ہے، ان کو بلالو۔'' میں نے کہا اور گلی میں قدم رکھا۔ میں نے رائفل سامنے کی ہوئی تھی اور یہی چیز میری بچا گئی۔ گلی کے سرے سے نذیر دو مسلح افراد کے ساتھ نمودار ہوا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے

فائر کھول دیا۔ ان دونوں کے ساتھ نذیر بھی فائرنگ کی زد میں آیا تھا، میں نے اسے بازو تھام کر زمین پر گرتے دیکھا تھا۔ دونوں مسلح افراد مارے جا چکے تھے، ان کو کئی گولیاں لگی تھیں۔ ان کے پیچھے دو افراد اور نمودار ہوئے، ان کو دیکھتے ہی میں چھلانگ لگا کر دروازے کے اندر آیا تھا۔ میرے اندر آتے ہی کئی گولیاں آ کر چوکھٹ پر لگی تھیں۔ میں نے دروازہ بند کیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''سفیر...... وہ ان لوگوں کو لے آیا ہے، میرا خیال ہے وہ بھی ان کے ساتھ مارا گیا۔''

''ہمیں پیچھے کی طرف سے نکلنا ہو گا۔'' سفیر نے مڑ کر دیکھا۔

''دشمن اور بھی ہیں...... دیر کی تو یہ راستہ بھی بند ہو جائے گا۔'' میں اندر کی طرف بھاگا۔ مونا، ایمن اور سونیا فائرنگ کی آواز سن کر کمرے میں گھس گئی تھیں۔ شکیل برآمدے میں تھا۔ ''شکیل! ان تینوں کو لے کر آؤ، دیر مت کرنا۔''

میں نے بظاہر لیٹرین والا دروازہ کھولا اور اس مختصر سے خلا سے باہر جھانکا۔ ایک پتلی اور سیدھی سی گلی جہاں جا کر ختم ہو رہی تھی، وہاں کھیتوں کی سبز جھلک نظر آ رہی تھی۔ سفیر میرے پاس تھا۔ ''میں گلی کے سرے تک جا رہا ہوں، تم سب یہاں رہو اور جیسے میں اشارہ کروں، سر پر پاؤں رکھ کر دوڑے آنا۔'' میں باہر نکلا اور گلی کے سرے کی طرف بھاگا۔ کنارے سے جھانکا اس طرف کھلے کھیت تھے اور ان میں گندم لگی تھی۔ اس طرف فرار کا راستہ تھا لیکن عقب سے دشمن آ جاتا تو اس سے پناہ کی کوئی جگہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی مگر ہمارے پاس اس جگہ سے نکلنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے مڑ کر اشارہ کیا، وہ بھی بھاگتے ہوئے آئے سوائے شکیل کے، وہ کور دینے کے لئے رک گیا تھا۔ وہ سب سے آخر میں آیا اور اس نے کھلے کھیتوں کو تشویش سے دیکھا۔ ''ان میں تو ہم مارے جائیں گے۔''

''مجبوری ہے، آگے کنواں ہے تو پیچھے کھائی۔''

نذیر کے گھر کے خفیہ راستے سے ایک سر برآمد ہوا، سفیر نے اس پر فائر کیا اور سر غائب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''دیر مت کرو، جاؤ...... میں ان کو روکتا ہوں۔''

''جی نہیں، ہم سب ساتھ جائیں گے۔'' میں نے اپنی جیکٹ کے اندر موجود دستی بم نکالا اور اس کی پن کھول کر اسے نذیر کے مکان کے اندر پھینک دیا۔ ''اب بھاگو۔''

ہم کھیتوں کے درمیان بنی کچی منڈیر پر دوڑ پڑے تھے، سب نے ایک ایک خاتون کو سنبھال لیا تھا۔ شکیل نے سونیا کو، سفیر نے مونا کو اور لازمی بات ہے اس خاکسار نے ایمن کو۔ منڈیر پتلی سی تھی اور ذرا سا غلط قدم ہمیں کھیتوں میں گرا سکتا تھا اور گرایا بھی، کھیتوں کے اختتام تک سب باری باری گرے تھے۔ دھماکے کے بعد چند چیخیں بھی سنائی دی تھیں لیکن اس کے بعد کوئی پیچھے نہیں آیا تھا۔ دستی بم نے کام دکھایا تھا، میں اسے کب سے سنبھال کر رکھے ہوئے تھا۔ یہاں کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا، کچھ کچے مکانات نظر آ رہے تھے۔ بارش ہلکی ہو چکی تھی، اس لئے رکنے کے بجائے میں نے چلتے رہنے کا فیصلہ کیا۔ عقب میں بستی کے مکانات دور تک پھیلے نظر آ رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ہم بستی کے مرکز اور مین سڑک سے دور جا رہے تھے۔ شکر ہے بارش کا سلسلہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ بس اِکا دُکا بوندیں گر رہی تھیں۔

"اب کس طرف جانا ہے۔" سفیر نے دریافت کیا۔

"جس طرف تقدیر لے جائے۔" میں نے سادہ سا جواب دیا۔

"جس طرف ہم جا رہے ہیں۔" سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔

"شوبی، میں بہت تھک گئی ہوں۔" مونا نے منمنا کر کہا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے۔" ایمن نے بھی چپ رہنا مناسب نہیں سمجھا۔

"مجھے سردی بھی لگ رہی ہے اور تھکن بھی ہو رہی ہے۔" میں نے ان دونوں کو آگاہ کیا اور سونیا سے پوچھا۔ "کیوں بی بی، تم کچھ محسوس نہیں کر رہی ہو؟"

"سر میں درد ہو رہا تھا۔" وہ مسکرائی۔ "لیکن اب بہتر ہے۔"

سفیر نے تجویز دی۔ "ہمیں کسی سے رستہ پوچھ لینا چاہئے تاکہ اس جنجال پورے سے نکل سکیں۔"

"جنجال پورہ!" میں نے ہنس کر کہا اور چاروں طرف دیکھا۔ "کس سے معلوم کریں؟"

"شہباز بھائی...... اس طرف کوئی ہے۔" سونیا نے ایک چھوٹے سے جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا، یہ لکڑی اور کچی مٹی سے بنا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی، ایک سہمے ہوئے دس گیارہ سال کے بچے نے باہر جھانکا۔

"کی اے؟" اس نے پوچھا۔

"بیٹا، یہاں سے بڑی سڑک تک کیسے جا سکتے ہیں......؟ ہمیں راستہ بتاؤ۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"اس طرف سے جی!" بچہ حوصلہ پا کر باہر نکل آیا۔

"اس کے علاوہ کوئی راستہ؟"

"ہور راستہ جی!" بچہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے جو کچا راستہ اس کے جھونپڑے کے پاس سے گزر رہا تھا اس کی طرف اشارہ کیا۔ "اس تے چلے جاؤ...... اگے جا کر سجے پاسے مُڑ جانا۔ بڑی سڑک اگلے پاسے ہے۔"

"شکریہ بیٹے!" میں نے کہا اور باقیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔

کھیتوں والے حصے کی طرف امن و امان تھا اور کوئی ہمارے پیچھے آتا نظر نہیں آیا تھا حالانکہ دشمنوں کی تعداد کم نہیں تھی اور ایک دستی بم سے ڈر کر ان کا پیچھے ہٹ جانا سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے راستے میں سفیر سے کہا۔ "یار، یہ دشمن نے کچھ زیادہ ہی شرافت سے پیچھا نہیں چھوڑ دیا ہے؟"

"شک تو مجھے بھی ہو رہا ہے۔" اس نے سر کے بالوں سے پانی جھاڑا۔ "پر اب کیا، کیا جائے؟"

"ممکن ہے دشمن اس راستے پر آگے گھات لگائے بیٹھا ہو۔"

"تب ہم دریا میں اتر جاتے ہیں۔" سفیر نے ہنستا کر کہا تھا۔ "اور کیا راستہ رہ جاتا ہے؟"

میں چلتے چلتے رک گیا۔ "واللہ...... کبھی کبھی آپ بھی عقل کی بات کر جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب......؟" مونا نے مشکوک لہجے میں پوچھا جیسے اسے سفیر سے اس کی امید نہ ہو۔

"مطلب یہ کہ ہمیں دریا کے پاس چلے جانا چاہئے۔ دشمن یہاں گھات لگائے بیٹھا ہے اور ہم دوسری

طرف چلے جائیں گے۔ یہ اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔"

"ایسی باتیں اس کے ذہن میں آ بھی نہیں سکتیں۔" مونا نے طنز کیا۔"اس وقت دریا کی طرف جا کر کون خودکشی کرنا چاہے۔"

"ہم۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔"دشمن کے ہاتھوں مرنے سے بہتر ہے دلیرانہ کوشش کی جائے آخر ہمارے اسلاف نے بھی بحرِ ظلمات میں گھوڑے ڈال دیئے تھے۔"

"اگر ہم نے دریا عبور کرنے کی کوشش کی تو خود اسلاف میں شامل ہو جائیں گے۔" مونا نے صاف انکار کر دیا۔"میں نہیں جا سکتی۔"

"تب تم یہاں آرام سے رہو۔ چاہو تو کھیتوں کی سیر کرو۔ سنا ہے صحت کے لئے اچھی ہوتی ہے۔" میں نے طنز کیا اور باقیوں سے پوچھا۔"اور کون دریا میں نہیں جانا چاہتا۔"

کسی نے نہیں میں جواب نہیں دیا، مونا شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔"مجھے تیرنا نہیں آتا، میرا مطلب ہے...... آج تک دریا میں تیراکی نہیں کی۔"

"میں تمہیں سہارا دوں گی۔" ایمن نے فراخ دلی سے کہا۔"میں کئی بار دریائے ٹیمز میں تیراکی کر چکی ہوں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ تیراکی کرنا پڑے...... راوی عام طور سے خشک ہوتا ہے، کبھی کبھی تھوڑا بہت پانی آ جاتا ہے تو وہ گھٹنوں سے اوپر نہیں جاتا۔" میں نے تسلی دی۔

"آپ بھول رہے ہیں، ابھی بارش ہوئی ہے اور دریا میں کچھ نہ کچھ پانی ہوگا۔" سفیر نے یاد دلایا۔

"ہاں، مگر امید کی جا سکتی ہے، اتنا پانی نہیں ہوگا اور ہوا بھی تو ہم واپس آ جائیں گے۔"

مونا کراہی۔"یعنی واپس بھی آنا پڑ سکتا ہے؟"

"بی بی، ہم پکنک منانے نہیں نکلے۔" اس بار سفیر بھنا گیا۔"تم بات بات پر نخرے کیوں کر رہی ہو؟"

"یار، صنفِ نازک ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" میں نے مونا کی حمایت کی تو وہ خوش نظر آنے لگی۔"لیکن مجبوری ہے، چلنا تو ہے۔ وونگ کر لیتے ہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" مونا جلدی سے بولی۔"میں تیار ہوں۔"

"تو بلاوجہ اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔" میں نے سفیر کو آنکھ ماری۔

"بلاوجہ تو نہیں......" سفیر نے آہستہ سے کہا جس پر مونا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ ہم بائیں طرف مڑ گئے۔ جس جگہ ہم تھے، وہاں سے دریا کا نشیبی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اونچے نیچے ریت کے ٹیلے تھے۔ راوی میں اب پانی کم آتا ہے اور ریت زیادہ اڑتی ہے۔ نصف صدی پہلے ہم نے فراخ دلی سے اپنے تین مشرقی دریا بھارت کو تحفے میں دے دیئے تھے۔ اس کے صلے میں بھارت بطور شکر گزاری باقی تین دریاؤں کا پانی روکنے کا منصوبہ بنا کر اس پر عمل بھی شروع کر چکا ہے۔ تعجب سانپ کے ڈسنے پر نہیں ہے تعجب ان پر ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی سانپ کو دودھ پلا رہے ہیں کہ اس کا کام ڈسنا ہے، وہ اسی طرح سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے عجیب سا لگ رہا تھا۔ دریا کے نزدیک خشکی بہت زیادہ تھی

اور وسطی حصے سے اٹھتی دھند بتا رہی تھی کہ وہاں پانی تھا۔ بارش رک چکی تھی لیکن بادل چھائے ہوئے تھے۔ بارش کا پھر امکان تھا۔

''یار...... بیگ نے وین بھجوائی ہوگی۔'' سفیر نے کہا۔

''لازمی بات ہے۔''

''وہ بے چارہ انتظار کر رہا ہوگا۔''

''اس بے چارے کے لئے ہم اس طرف نہیں جاسکتے۔''

سفیر کہتے کہتے چپ ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔ اس وقت سب کی یہی کیفیت تھی۔ مسلسل بھاگ دوڑ، دشمن کے خوف اور سردی نے سب کے حواس سن کر دیئے تھے۔ شکیل نے میرے پاس آتے ہوئے کہا۔ ''شہباز صاحب، ہمیں کم سے کم دو کلومیٹر جانا ہوگا۔''

''تو جائیں گے۔''

''یہ عورتیں تھک جائیں گی۔''

''مجبوری ہے، ان کے لئے میں یہاں سواری مہیا نہیں کرسکتا۔'' میں نے شانے اچکائے۔

''آپ ہماری فکر نہ کریں۔'' سونیا نے اس سے کہا۔ ''ہم چل سکتے ہیں۔''

''اور کیا، ان مردوں نے ہمیں کیا سمجھ رکھا ہے؟'' مونا نے کنکھیوں سے سفیر کی طرف دیکھا۔

خواتین نے بولنا شروع کیا تو ماحول پر چھائی یاسیت چھٹنے لگی تھی۔ ایمن سب کو اپنے تجربات سنانے لگی۔ اس نے کس طرح افریقہ میں دریائی گھوڑوں کا ڈاکومنٹری بنانے کے لئے بپھرے ہوئے دریا عبور کئے تھے۔

''افریقہ، میں ایک دریا ایسا بھی ہے جو سمندر میں نہیں گرتا ہے، بلکہ صحرا میں جا کر غائب ہو جاتا ہے۔''

''صحرا میں۔'' مونا نے شک سے کہا۔

''ہاں، صحرا میں۔'' ایمن زور دے کر بولی۔ ''تم افریقی صحراؤں کی وسعت کے بارے میں نہیں جانتیں یہ سمندر کی طرح بڑے رقبے پر پھیلے ہیں۔ پورا دریا جا کر ان کی ریت میں جذب ہوسکتا ہے۔''

''یہاں تو ہم نے خود دریاؤں کو ریت کا صحرا بنا دیا ہے۔'' میں نے اردگرد پھیلے ٹیلوں کی طرف اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد ہم نے دریا کے وسیع اور ہموار نشیب میں قدم رکھا جس کے وسط میں پانی چمک رہا تھا۔ ہم رک گئے، مونا بولی۔ ''اس پانی کو عبور کرنا ہے۔''

''ظاہر ہے، پل یہاں سے خاصا دور ہے، باہمت خاتون!'' سفیر نے طنز کیا۔

''طنز مت کرو، میں چل سکتی ہوں۔'' مونا تنک کر بولی۔

میں نے نظریں دوڑائیں اور اندازے سے ایک طرف بڑھا۔ جس طرف میرے خیال میں پانی کم تھا، دریا کے وسط میں تقریباً سو فٹ چوڑا پانی کا دھارا تھا جو سست روی سے بہہ رہا تھا۔ سفیر نے راستے میں کہیں سے لکڑی کا ایک ٹیڑھا میڑھا ڈنڈا اٹھا لیا تھا جس کی لمبائی چار فٹ تھی۔ اس نے لکڑی سے پانی کی گہرائی کا اندازہ کیا۔ ''میرے پیچھے آئیں سب۔'' اس نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

''مروا نہ دینا یار!'' میں نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بعض لوگوں کو دریا میں تیرنا نہیں آتا۔''

"مجھے تیرنا آتا ہے۔" مونا نے غرا کر کہا۔

"بسم اللہ۔" سغیر نے ایک طرف ہاتھ سے آگے آنے کا اشارہ کیا۔

"ویسے بھی لیڈیز فرسٹ!" میں نے تائید کی۔

"یہ زیادتی ہے شوبی بھائی! جہاں خطرہ ہو وہاں لیڈیز فرسٹ!" سونیا نے احتجاج کیا۔

"او کے، تو مرنے کے لئے جینٹس فرسٹ!" سغیر نے پانی میں پاؤں رکھا اور چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے تھا، میرے پیچھے مونا اور ایمن تھے پھر شکیل اور سب سے آخر میں سونیا تھی۔ سغیر لکڑی سے پانی کی گہرائی چیک کر کے آگے قدم رکھتا تھا۔ جو فی الحال ہمارے گھٹنوں سے ذرا اوپر تھا۔ خوش قسمتی سے پانی کم سرد تھا اور برا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک جگہ سغیر رکا، اس نے لکڑی سے ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "اس جگہ کچھ گڑبڑ ہے۔"

"پانی گہرا ہے۔"

"شاید!" اس نے پاؤں آگے بڑھایا اور غڑپ سے پانی میں اتر گیا۔ اگلے لمحے وہ غوطے کھا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور پیچھے آیا، میں نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

"چل تُو نے بھی نہا لیا۔"

"ابھی آپ حضرات کی باری ہے۔ میرا خیال ہے اس جگہ کو تیر کر عبور کرنا پڑے گا۔"

"میں نے کہا تھا نا......" مونا رو دینے والے لہجے میں بولی۔ "میں نہیں تیر سکتی۔"

"تمہیں، ہم سہارا دیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"بڑے شوق سے۔" سغیر نے سردی سے بجتے دانتوں کی نمائش کی۔

"شہباز صاحب! میرا خیال ہے وہ لوگ پیچھے آ رہے ہیں۔" شکیل نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ "میں نے چند لوگوں کو ٹیلوں کے درمیان دیکھا ہے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا، اسی لمحے ایک ٹیلے پر سے ایک شخص نے نمودار ہو کر ہم پر فائرنگ کی، گولیاں ہم سے دور پانی میں لگی تھیں۔ میں نے سغیر کو دھکا دیا۔ "چلو...... مونا، ایمن...... ہری اَپ!"

مونا اس بار بلا جھجک پانی میں کود گئی تھی۔ سغیر نے اسے سنبھال لیا اور دوسری طرف لے جانے لگا۔ ایمن خود اچھی تیراک تھی جبکہ سونیا کو شکیل نے سنبھال لیا تھا۔ میں نے رائفل ٹیلوں کی طرف کی اور جیسے ہی وہ شخص دوبارہ نظر آیا، اس پر لگاتار تین چار گولیاں چلائیں، وہ غائب ہو گیا تھا۔

"شوبی! تم بھی آؤ۔" سغیر چلایا۔

"تم لوگ جلد از جلد دوسری طرف پہنچو۔" میں نے جواباً چلا کر کہا۔ مجھے خطرہ تھا کہ دریا عبور کرنے کے دوران میں وہ لوگ قریب آ گئے تو ہم سب کو آسانی سے شوٹ کر دیں گے۔ اس لئے میں رکا ہوا تھا۔ دو تین بار انہوں نے ٹیلوں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے ان کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ ہم سے کوئی تین سو گز کے فاصلے پر تھے۔ میں مڑ مڑ کر اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ سغیر اور مونا دوسرے کنارے تقریباً پہنچ گئے تھے۔ جبکہ ایمن اور سونیا شکیل کے ہمراہ ابھی پیچھے تھے۔ اس بار ٹیلوں کی جانب سے جو برسٹ چلا تھا وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر پانی میں لگا تھا۔ اب یہاں کھڑے ہونا حماقت تھی، میں نے رائفل شانے پر لٹکائی اور پلٹ کر پانی

میں چھلانگ لگا دی۔ میں ہاتھ پیروں کی پوری قوت سے تیرتے ہوئے آگے جانے لگا۔ عقب سے فائرنگ میں شدت آ گئی تھی۔ کئی ہتھیار بیک وقت گرج رہے تھے اور گولیاں آس پاس پانی میں گر رہی تھیں۔ سفیر اور مونا پانی سے نکل کر قریبی ٹیلے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ایمن بھی پانی سے نکلنے والی تھی۔ شکیل اور سونیا اس کے پیچھے تھے اور میں خاصا پیچھے تھا۔ میں نے چلا کر ان کو جلدی سے نکلنے کو کہا۔ اب گولیاں مجھ سے بھی آگے گر رہی تھیں۔ ایمن بھی گہرے پانی سے نکل کر اتھلے پانی میں بھاگنے لگی تھی۔ سونیا اور شکیل بھی پیروں کے بل آگے بڑھ رہے تھے۔

اچانک مجھے جھٹکا لگا تھا۔ میں ذرا گڑبڑایا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے جھٹکا کیوں لگا ہے کہ میری نظر سرخ ہوتے پانی پر گئی۔ میرا بایاں بازو درست طریقے سے کام نہیں کر رہا تھا۔ مجھے گولی لگی تھی۔ میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ گولی کہاں لگی تھی۔ کیونکہ کوئی درد نہیں ہو رہا تھا اور میرا ذہن بھی میرے قابو میں تھا۔ اگر کسی نازک جگہ گولی لگتی ہے تو اس سے آدمی کے حواس لازمی متاثر ہوتے ہیں۔ میں ایک ہاتھ سے تیرنے کی کوشش کر رہا تھا اور رائفل کے بوجھ کے ساتھ یہ آسان کام نہیں تھا۔ میری رفتار صفر سے کچھ ہی بہتر تھی۔ خون خاصی تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا لیکن میں نے اپنے کسی ساتھی کو آواز نہیں دی تھی، میں ان کو اس خطرے میں واپس بلانا نہیں چاہتا تھا جس سے وہ تقریباً نکل چکے تھے۔ ایمن نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر دیکھا۔ میں نہیں جانتا کیوں دیکھا لیکن اس نے دیکھ لیا کہ میرے جسم سے خون نکل کر پانی کو رنگین کر رہا تھا، اس نے چیخ ماری۔ ''شوبی!'' اور پانی میں واپس کود گئی۔

''ایمن! مت آؤ...... آگے جاؤ۔'' میں چلایا۔ اور خود آگے جانے کی کوشش تیز کر دی۔ اب میرے بازو پر شانے سے ذرا نیچے اٹھتی ٹیسیں صاف محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے دایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر ٹٹولا۔ گولی کا سوراخ تھا۔ ایمن کو یوں واپس آتے دیکھ کر شکیل اور سونیا حیران ہوئے تھے، وہ گہرے پانی سے تقریباً نکل چکے تھے اور میں ان سے کوئی بارہ پندرہ گز پیچھے تھا۔ شکیل بولا۔ ''مس ایمن! یہ کیا......؟''

''شوبی کو گولی لگی ہے۔'' ایمن چلائی اور شکیل کے پاس سے گزر کر میری طرف آنے لگی۔ گولی کا لفظ سن کر شکیل بھی پلٹ پڑا تھا۔ سفیر اور مونا نے سن لیا تھا اور وہ بھی بھاگے آ رہے تھے، میں چلایا۔

''یہ کیا حماقت ہے...... واپس جاؤ۔''

مگر کوئی واپس جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ سب سے پہلے ایمن مجھ تک پہنچی، میرا خیال تھا وہ مجھے لے جانے کی کوشش کرے گی مگر اس کے بجائے وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ ''اوہ...... شوبی! کہاں گولی لگی ہے؟''

''پیچھے شانے میں۔'' میں نے کراہ کر کہا۔ اس حالت میں بھی میں ایمن کی اس حرکت پر جھینپ گیا تھا۔

''جلدی سے نکلو، موت کے ہرکارے آ رہے ہیں۔''

اس اثنا میں شکیل بھی آ گیا تھا، اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر میرا بایاں بازو پکڑا اور مجھے آگے کی طرف کھینچنے لگا۔ ایمن بھی سہارا دے رہی تھی، شکر ہے سفیر نے پانی میں آنے کے بجائے سونیا کو نکالنے اور اسے مونا کے ہمراہ ٹیلے کے عقب میں پہنچانے کا کام کیا۔ اس کے بعد وہ عقب سے آتے دشمن پر پستول سے فائر کرنے لگا۔ اگرچہ وہ پستول کی رینج سے باہر تھے۔ پھر بھی اس کا اثر ہوا اور عقب سے فائرنگ کی شدت میں کمی

آئی تھی۔ دو افراد کی کوشش سے میں جلدی گہرے پانی سے نکل گیا۔ شکیل نے مجھے بغل میں ہاتھ ڈال کر سہارا دے دیا تھا اور ایمن بازو سے پکڑ کر کھینچ رہی تھی۔ ''یہاں سے جلدی نکلو، ہم فائرنگ کی زد میں ہیں۔'' میں نے بڑھتے درد پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اتھلے پانی میں آنے کے بعد کام آسان ہو گیا تھا۔ ہم تقریباً دوڑتے ہوئے ٹیلے کے عقب میں جا پہنچے تھے، میں نے رائفل شکیل کو دی۔ ''ان لوگوں کو روکو۔''

ایمن میرے زخم کا معائنہ کر رہی تھی۔ ''گولی اندر ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تم بازو ہلا سکتے ہو۔''

''تکلیف کے ساتھ۔'' میں نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے ہڈی محفوظ ہے۔'' وہ بولی۔ ''خون بہہ رہا ہے۔ اسے روکنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔''

مونا نے اپنا دوپٹا نصف پھاڑ کر ایمن کو دیا، اس نے اسے گولے کی صورت میں زخم پر رکھا اور اوپر سے اپنا مفلر باندھ دیا۔ مفلر لمبا تھا اسے آگے سے میری کلائی پر باندھ دیا اور بازو کو ایل کی صورت میں لٹکا دیا تھا کہ ہل کر مجھے تکلیف نہ دے۔ میں بے چین تھا۔ ''یہاں سے نکلو ورنہ دشمن اس جگہ تک آ گیا تو ہم پھر گھر جائیں گے۔'' میں نے سفیر سے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''کچھ دیر آرام کر لو۔'' ایمن نے التجا کی۔

''یہاں سے چلنے کی کرو۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''شکیل آ جاؤ۔''

شکیل واپس آ گیا۔ میں نے رائفل اس کے پاس رہنے دی تھی۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے بہتر طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ ہم ریت کے ٹیلوں کے درمیان سے گزر کر بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ عقب سے فائرنگ کی آوازیں رک گئی تھیں کیونکہ ہم دشمن کی نظروں سے اوجھل تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''تیز چلو، اس موقع کا فائدہ اٹھا کر ہمیں ان سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہئے۔''

''تم زخمی ہو، ہم تیز نہیں چل سکتے۔'' مونا نے انکار کر دیا۔

''یا با تم لوگ جذباتی ہو رہے ہو۔''

''ہم جذباتی سہی، آپ اپنا منہ بند رکھیں۔'' سفیر نے کہا۔

''جو حکم سرکار کا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

خون بہنا رک گیا تھا، موسم کے سرد ہونے اور سرد پانی سے بھی اس پر اثر پڑا تھا۔ حیرت انگیز طور پر میں اتنی تکلیف محسوس نہیں کر رہا تھا جتنی کہ مجھے کرنی چاہئے تھی ایمن مستقل میرے ساتھ تھی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور بار بار تکلیف کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور میں اسے یقین دلا رہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں، درحقیقت مجھے چکر آ رہے تھے، یہ شاید خون کی کمی کا نتیجہ تھا۔ خدا خدا کر کے ریت کے ٹیلوں کے درمیان سے نکل کر ہم نے ساحل پر قدم رکھا۔ کنارے پر گھنی گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ مجھے اپنی کمر پر سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ شاید دوپٹے کا گولا خون سے تر ہو گیا تھا اور اب خون اس سے باہر رِس رہا تھا۔

''اس طرف کچھ مکانات نظر آ رہے ہیں۔'' سفیر نے اشارے سے کہا، وہ سب سے آگے تھا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں اس طرف جانا چاہئے۔''

"کہیں پناہ لینا ضروری ہے۔ شوبی کا زخم دیکھنا ہوگا۔" ایمن نے بے چینی سے کہا۔ سفیر نے جس طرف اشارہ کیا تھا، اس طرف چند مکانات تھے۔ یہ بھی تفریحی بنگلے تھے۔ سب سے آگے والے بنگلے کے گرد نیچی سی چاردیواری تھی، مین گیٹ بند تھا اور اس پر تالا لگا تھا۔ ظاہر ہے مکان میں کوئی نہیں تھا۔ سفیر گیٹ پھلانگ کر اندر گیا۔ ایک منٹ بعد واپس آ کر اس نے اطلاع دی۔ "اندر والا حصہ بھی لاک ہے، کوئی نہیں ہے آ جاؤ۔"

"ٹریس پاسنگ!" ایمن نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے۔" مونا بولی۔ "فی الحال ہم مالک کو تلاش کر کے اس سے اجازت نہیں لے سکتے۔"

☆═════☆═════☆

شکیل نے مجھے باہر سے سہارا دیا اور سفیر نے اندر ریسیو کیا۔ درد کی شدت اب بڑھ رہی تھی اور ضبط کے باوجود میری کراہ نکل جاتی تھی۔ باقی سب بھی اندر آئے۔ سفیر پھر عقبی سمت میں غائب ہو گیا۔ یہ مختصر سا بنگلا تھا اور اس کے سامنے والے حصے میں مختصر سا برآمدہ تھا اور آر سی سی کی ترچھی چھت تھی جسے کھپریل کا ڈیزائن دے کر اس پر سرخ رنگ کیا گیا تھا۔ عمارت کے چاروں طرف سرسبز لان تھا اور اس کی تراش خراش سے ظاہر تھا کہ یہ جگہ مستقل خالی نہیں رہتی ہے، کوئی نہ کوئی اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ ہم برآمدے میں سفیر کی آمد کے منتظر تھے کہ وہ غیر متوقع طور پر دروازہ کھول کر باہر آیا۔ "آپ اندر کیسے۔۔۔ پہنچے؟" شکیل نے حیرت سے کہا۔

"پیچھے کچن کا دروازہ ہے، دو دھکوں میں اس کا لاک ٹوٹ گیا۔ آئیے غریب خانے میں۔" سفیر نے دروازہ وا کیا۔ دروازہ ایک نشست گاہ میں کھل رہا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ پر ایک بیڈ روم تھا اور اس کے برابر میں دوسرا بیڈ روم تھا، کچن اور اس کے ساتھ مختصر سا ڈائننگ تھا جس میں پانچ کرسیوں والی گول میز تھی۔ میں اندر جاتے ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ کاٹیج میں بجلی تھی اور سب سے بڑی بات تھی کہ وہاں ایک عدد فین ہیٹر رکھا تھا جو بجلی سے چلتا تھا۔ مونا نے اسے آن کر کے میرے پاس رکھ دیا۔

"شوبی! جیکٹ اتارنی ہے۔" ایمن نے میرا بازو ہلایا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔" میں ذہن پر سوار ہوتی غنودگی سے چونکا۔ "پلیز دیکھو، یہاں چائے کافی مل سکتی ہے۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" سونیا کچن کی طرف چلی گئی۔ مونا اور ایمن میری جیکٹ اتارنے لگیں جبکہ سفیر اور شکیل کمروں کا معائنہ کرنے لگے۔ جیکٹ اتارتے ہوئے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے قمیص اتاری اور زخم پر جم جانے والے خون کے پپڑے اکھڑے تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں چیخ اٹھا تھا۔ ایمن نے زخم کا معائنہ کیا۔ "گولی اندر ہے، نکالنی پڑے گی۔ دیر کی تو اس کا زہر پھیل جائے گا۔"

"کون نکالے گا، ہم میں سے کسی کو یہ کام نہیں آتا۔"

"میں کوشش کرتی ہوں۔۔۔ میں نرسنگ کا کورس کر چکی ہوں۔" ایمن نے کہا۔ "مجھے ایک نوک والی چھری اور گرم پانی کی ضرورت ہوگی۔"

سفیر ایک کمرے سے نکلا، اس کے ہاتھ میں ڈیٹول کی شیشی اور ایک میڈیکو بکس تھا جس میں دوائیاں ہوتی ہیں۔ "یہ ملا ہے اس کمرے کے باتھ روم سے۔ کیا زبردست باتھ روم ہے، گیزر لگا ہے اور گرم پانی آ رہا

ہے۔ میں تو نہانے جا رہا ہوں۔"

"یہ ہمارا گھر نہیں ہے...... گیزر چلنے سے ظاہر ہے کوئی نہ کوئی یہاں رہتا ہے اور کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "سب ہوشیار رہیں، کوئی نہ کوئی باہر نظر رکھے۔"

"دشمن بھی اس طرف آ سکتا ہے۔" مونا بولی۔

"میں باہر دیکھتا ہوں۔" شکیل نے اپنی خدمات پیش کیں اور رائفل لے کر باہر نکل گیا۔

"تم اوندھے لیٹ جاؤ۔" ایمن نے فرمائش کی۔ مونا دواؤں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یہاں تو سب ہے...... اوہ نیس کیف ہے...... کریم اور چائے بھی۔" سونیا نے اطلاع دی۔

"پلیز، پہلے گرم پانی دو اور کوئی نوک والی چھری بھی لانا۔"

"خدا خیر کرے۔" میں نے دہل کر دل میں سوچا۔ گولی لگنا مجھے اتنا تکلیف دہ نہیں لگا تھا لیکن چھری کی نوک کے خیال سے جان جانے لگی تھی۔ مونا نے اطلاع دی۔

"باکس میں ایم پنسلین کے کیپسول ہیں اور پین کلرز بھی ہیں۔ ایک محلول ہے اس پر جراثیم کش لکھا ہے۔"

"یعنی ضرورت کی تمام چیزیں ہیں۔" ایمن خوش ہو کر بولی۔

"مع ایک مریض کے۔" میں نے کراہ کر کہا۔ "جس پر یہ ساری چیزیں آزمائی جائیں گی۔"

"شوبی! تمہاری ابھی سے جان نکل رہی ہے۔" مونا نے ملامت سے کہا۔ "مرد بنو۔"

"اور کتنا بنوں...... گولی تک کھائی ہے، اب اسے تم اناڑی خواتین کے ہاتھوں نکلوانے جا رہا ہوں۔ خدا خیر کرے گولی سے پہلے جان نہ نکل جائے۔"

"خدا نہ کرے۔" مونا بے ساختہ بولی۔ "ویسے بھی آپریشن ان بی بی نے کرنا ہے اور مجھے یقین ہے، تمہاری جان نہیں نکلنے دیں گی۔"

ایمن مسکرانے لگی تھی۔ آج اس نے جس طرح میرے لئے بے قراری دکھائی تھی، برستی گولیوں میں بلا جھجک پلٹ آئی تھی۔ اس نے سب پر واضح کر دیا تھا کہ میں اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے دل میں چھپے جذبات سب پر عیاں کر دیئے تھے۔ اس نے نرمی سے صاف روئی سے میرے زخم کے اردگرد پھیلا خون صاف کیا۔ اس کے بعد زخم کو صاف کرنے لگی۔ سونیا پانی گرم کر کے لے آئی۔ اس نے ایک نوک دار چھری بھی اسٹرلائز کر کے لا دی تھی۔

"میرا خیال ہے، ہڈی بچ گئی ہے اور زخم بھی زیادہ گہرا نہیں ہے۔"

"شاید گولی فاصلے سے چلائی گئی تھی اس لئے بچت ہو گئی۔" میں نے کہا۔

"سغیر پٹیاں اور روئی لے آیا تھا۔" "میرا خیال ہے ضرورت کی تمام چیزیں ہیں۔"

"سغیر، میری مدد کرو، جب میں گولی نکالنے لگوں تو شوبی کو پکڑ کر رکھنا، یہ ہلے گا۔" ایمن نے درخواست کی۔

"میں نہیں ہلوں گا۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ "کیا میں بکرا ہوں جو اس طرح پکڑ کر میری قربانی کی جا رہی ہے۔"

"بچو! اب تو ہل نہیں سکتا۔" سفیر نے میری کمر پکڑ کر کہا۔ "امکان ہے تیرا نکاح بھی اسی طرح ہو گا بالجبر۔"

"اور مزید امکان ہے اس بار بھی درخواست خاتون کی طرف سے آئے گی۔" مونا نے اضافہ کیا۔

"تم دونوں ذرا مجھے ٹھیک ہو جانے دو۔" میں نے دانت پیسے۔ ایمن نے احتیاطاً چھری کی نوک کو جراثیم دوا سے صاف کیا اور اپنے ہاتھ بھی دھو کر روئی پر جراثیم کش دوا لگا کر صاف کر لئے تھے۔ پھر اس نے روئی پر گرم پانی لے کر میرا زخم صاف کرنا شروع کیا۔ پانی میں ڈیٹول بھی تھا جس نے زخم میں آگ لگا دی تھی۔ میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔ سفیر نے کپڑے کی گولی بنا کر میرے منہ میں دے دی تا کہ میری زبان دانت تلے نہ آ جائے۔ میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا اس کے باوجود جب چھری کی نوک زخم میں داخل ہوئی تو میں اچھل ہی پڑا تھا۔ اگر سفیر نے مجھے سختی سے نہ دبا رکھا ہوتا تو چھری گوشت میں اتر جاتی۔ میری ناک سے ایک دھاڑتی آواز نکلی تھی، کیونکہ منہ بند تھا۔

"مضبوطی سے پکڑو۔" ایمن چلائی۔

"خاتون، میں اس سے زیادہ مضبوطی سے نہیں پکڑ سکتا۔" سفیر نے ہانپتے ہوئے خفگی سے کہا۔ "اس سے زیادہ مضبوطی سے صرف کوئی آمر ہی اپنی کرسی کو پکڑ سکتا ہے۔"

ایمن نے اس کی بک بک پر توجہ دیئے بغیر اپنا کام جاری رکھا۔ اس نے چھری کی نوک مزید زخم میں اتار دی۔ اس بار میں نے چلنے سے گریز کیا اور اپنی ساری توجہ اس پر لگا دی کہ مجھے ساکت رہنا ہے۔ البتہ ناک سے بے ساختہ دھاڑوں کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ "مل گئی۔" ایمن نے کہا اور چھری کی نوک سے کرید کر گولی کو باہر نکالنے لگی۔ بالآخر اس نے گولی نکال دی اور میرے جلتے اور تڑپتے زخم میں جیسے ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔ میں نے سکون کا طویل سانس لیا اور تب مجھے احساس ہوا، اس موسم میں میری ناک سے پسینے کے قطرے ٹپک کر قالین پر گر رہے تھے۔ میں نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور سفیر میری کمر سے ہٹ گیا تھا۔

"آپریشن مبارک ہو ڈاکٹر صاحب!" سفیر نے اس سے کہا۔

"شکریہ!" ایمن خوش ہو گئی تھی۔ اس نے روئی سے زخم اور اس کے ارد گرد کا خون صاف کیا اور مزید خون روکنے کے لئے جراثیم کش دوائی لگانے لگی۔ تکلیف اس بار بھی ہوئی تھی لیکن پہلے سے بہت کم، خون رکا تو ایمن نے اس پر مرہم لگا کر اور اس سے پہلے سلفا ڈرن پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے چکنی پٹی رکھ کر اسے ٹیپ کی مدد سے بند کر دیا تھا۔ مونا نے قالین اور ارد گرد کی صفائی کی۔ خراب ہو جانے والی روئی اور پٹیاں پھینکیں۔ ایمن منہ ہاتھ دھونے چلی گئی تھی، واپس آ کر اس نے مجھے دو عدد اینٹی بائیوٹک کیپسول اور ایک عدد پین کلر کیپسول دودھ کی مدد سے کھلایا۔ یہ دودھ بھی بے چارے میزبان کے فریج سے برآمد ہوا تھا۔ میری منت سماجت کے باوجود مجھے کافی دینے سے انکار کر دیا گیا۔ کیونکہ ان لوگوں کی رائے میں یہ میرے لئے مضر تھی۔

"تم سو جاؤ، جب اٹھو گے تو ہم تمہیں کافی دے دیں گے۔" ایمن نے مجھے تسلی دی۔

"اور درمیان میں دشمن آ گئے تو۔" میں نے بھنا کر کہا۔

بہر حال میں خود بھی شدید قسم کی کمزوری محسوس کر رہا تھا اور میرا سر چکرانے لگا اور کچھ دیر بعد میں بے خبر سو

چکا تھا۔ پین کلر کے اثر سے تکلیف کم ہوئی تھی اس وجہ سے بھی خوب گہری نیند آئی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو نشست گاہ میں بجلی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور میرے شانے میں تکلیف حیرت انگیز طور پر کم تھی۔ میں نے اس کا معائنہ کیا۔ مجھ پر ایک دبیز کمبل پڑا تھا اور نزدیک ہی ہیٹر آن تھا اس وجہ سے کمرا خوش گوار حد تک گرم لگ رہا تھا۔

ایک بیڈروم سے بلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ "کوئی ہے؟" میں نے آواز دی۔ ایمن تڑپ کر باہر آئی تھی۔

"شوبی۔ کیسے ہو تم؟"

"بہتر ہوں ــــ روشنی تو کرو۔"

"رات ہو گئی ہے۔ ہم نے خود روشنی کم رکھی ہے۔ کوئی دیکھ کر اس طرف نہ آئے۔"

"اوہ۔ مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ایک منٹ۔ میں تمہارے لئے چکن کارن سوپ لاتی ہوں۔" اس نے کہا اور کچن کی طرف گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چکن کارن سوپ کا بھاپ اڑاتا پیالہ تھا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے یعنی میں کل چھ گھنٹے سویا تھا اس کے باوجود میں خود کو پُرسکون اور تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ البتہ بھوک جتاتی لگ رہی تھی ویسی ہی بھوک جیسی مجھے حکیم قاوس کے علاج کے دوران میں لگتی تھی۔ میں نے تکیے کے سہارے نیم دراز ہو کر سوپ پیا اور ایمن سے کہا۔ "اور ہے تو اور لے آؤ۔"

کہیں تیسرے پیالے پر جا کر مجھے قرار آیا تھا اور میں نے اسے چمچ سے پیا تھا۔ ایمن حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا اس حالت میں بھی تم اتنا کھا سکتے ہو۔"

"اسی حالت میں تو مجھے ایسی بھوک لگتی ہے ورنہ میں نارمل کھانے والا بندہ ہوں۔ یہ بتاؤ اب چائے کافی مل سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" وہ بولی۔ "لیکن پہلے دوا کھانی ہو گی۔"

"اینٹی بائیوٹک دے دو۔ پین کلر کی ضرورت نہیں ہے۔ تکلیف اب اتنی نہیں رہی ہے۔"

"شوبی! تم مجھے حیران کر رہے ہو۔ گولی کا زخم کم سے کم چوبیس گھنٹے شدید تکلیف دیتا ہے۔"

"لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے اتنی تکلیف نہیں ہے۔"

"او کے، تم یہ کیپسول کھاؤ، تب تک میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" وہ بولی، اس نے دو کیپسول اپنی گلاب ہتھیلی پر رکھ کر میری طرف بڑھائے اور ساتھ ہی پانی دیا۔ اس کے انداز میں اتنی توجہ اور خدمت گزاری تھی کہ کوئی پتھر بھی ہوتا تو محسوس کر لیتا۔ میں تو پھر بھی انسان تھا۔ وہ کچھ دیر بعد کافی لے آئی۔ فالسن پر چھوٹی سی ٹرے میں دو مگ رکھے۔ اسے معلوم تھا میں بغیر کریم کے اور بلکی چینی والی کافی پسند کرتا ہوں۔ وہ میرے اتنے نزدیک بیٹھ گئی کہ میں کافی کے ساتھ اس کی مہک بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اس کے پاس سے ایک عجیب سوندھی سی خوشبو آ رہی تھی۔

"کیا تم نہائی ہو؟"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ حیران ہوئی۔

"تمہارے بالوں کی نمی سے۔" میں نے جھوٹ بولا۔ ہم خاموشی سے کافی پینے لگے۔ میں نے مگ خالی

کر کے ٹرے میں رکھا۔

"شکریہ!" میں نے عام سے انداز میں کہا لیکن اس نے جان لیا یہ عام شکریہ نہیں تھا۔

"مجھے شکریے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟"

"تم جانتے ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا اور ٹرے اٹھا کر چلی گئی۔ میں ساکت رہ گیا بالآخر وہ کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ وہ اتنے دنوں سے میرے ساتھ تھی۔ میرٹ سے میرے ساتھ جانا بظاہر اس کی مجبوری تھی لیکن اب مجھے لگ رہا تھا وہ اس وقت مجبور نہیں تھی پھر درمیان میں کتنے مواقع ایسے آئے جب وہ ہمیں خدا حافظ کہہ کر اپنی راہ لے سکتی تھی لیکن وہ ہمارے ساتھ رہی۔ سختیاں برداشت کرتی رہی سو کھے کھاتی رہی۔ ہمارے ساتھ مزید رہی حد یہ کہ مجھ سے بچھڑنے کے بعد بھی اس نے میرے ساتھیوں سے الگ ہونا گوارا نہ کیا ورنہ اس کے لئے اسلام آباد کے برطانوی سفارت خانے کا رخ کرنا کیا مشکل تھا اور اب اس نے واضح کر دیا تھا کہ وہ کیوں میرے ساتھ تھی۔ دوسرے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ سغیر اور شکیل نہ جانے کہاں تھے۔ اتنے میں بیرونی دروازہ کھلا اور سغیر اندر آیا اور سیدھا ہیٹر کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "غضب کی سردی ہے باہر اب حالت کیسی ہے تیری؟" اس نے ایک ہی سانس میں دریافت کیا۔

"بہتر ہے۔ شکیل کہاں ہے؟"

"اب اس کی باری ہے۔ میں چار گھنٹے سے باہر پہرا دے رہا تھا۔"

"خطرے کے آثار کیسے ہیں؟"

"فی الحال تو کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آ رہا ہے اور یہی بات مجھے شک میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"یعنی دشمن پہلے کی طرح گھیرے بیٹھے ہیں۔ ہم باہر نکلیں اور وہ پھر سے ہمیں دوڑائیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"لیکن اس احمقانہ حکمت عملی کی وجہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اس وجہ سے تو احمقانہ لگ رہی ہے ورنہ دشمن احمق نہیں ہے وہ سوچ سمجھ کر یہ کام کر رہے ہیں۔"

"ممکن ہے وہ ہمیں کسی خاص سمت ہانک رہے ہوں۔"

"شاید...... فی الحال تو آرام کرنا چاہیے بھاگ بھاگ کر چولیں ہل چکی ہیں۔" سغیر کہہ کر دوسرے بیڈ روم میں چلا گیا اور چند لمحے بعد شکیل برآمد ہوا۔ "اب طبیعت کیسی ہے شہباز صاحب؟"

"اچھی ہے یار۔"

شکیل نے ایمن سے ایک کافی کی فرمائش کی اور باہر چلا گیا۔ ایمن نے اس کے لئے بھی کافی بنائی تھی۔ میرے لئے ایک مگ اور لے کر آئی۔ "سونیا اور مونا کہاں ہیں؟"

"بے خبر سو رہی ہیں۔"

"اور تم نہیں سوئیں؟"

"مجھے تمہاری فکر تھی۔ میں سو جاتی تو تمہیں کون دیکھتا۔ مجھے ڈر تھا بے خبری میں تم کروٹ لے کر اپنے زخم کو

نقصان نہ پہنچادو۔"

"اب میں جاگ رہا ہوں تم جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں......" اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں تم اپنی صورت دیکھو...... تمہاری آنکھیں سوج رہی ہیں، پلیز تم جا کر سو جاؤ۔ یہ میری درخواست ہے۔"

"او کے، لیکن وعدہ کرو تم بھی آرام کرو گے، اس حالت میں کوئی ایڈونچر تمہارے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے تمہارا زخم بہتر ہو رہا ہے، اس وجہ سے اتنی تکلیف نہیں ہے۔ میں بارہ گھنٹے بعد پٹی بدل کر دیکھوں گی۔"

"او کے، میں حلفیہ بیان دیتا ہوں، کسی قسم کی مہم جوئی سے گریز کروں گا اور شریف بچوں کی طرح آرام سے بیٹھوں گا، لیکن نیند آنا محال ہے۔"

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے جگا دینا۔" اس نے جاتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

میری جیکٹ اور شرٹ خون سے تر ہو گئی تھی اس لئے ایمن نے مجھے سغیر کی جیکٹ پہنا دی تھی۔ اس وقت وہی میرے جسم پر تھی۔ میرے کیچڑ آلود بھیگے جوتے اور موزے بھی اتار دیئے تھے۔ میں نے سغیر والے کمرے میں جھانکا۔ یہ بیڈ روم تھا جس میں جہازی سائز ڈبل بیڈ تھا۔ ایک طرف الماری تھی۔ میں نے الماری کھولی اور نائٹ بلب کی روشنی میں اندر لٹکے کپڑوں کا جائزہ لیا۔ یہ کسی مرد کی الماری تھی، اندر سوٹس اور کئی طرح کے ملبوسات تھے۔ میں نے ایک سیاہ موٹا ٹراؤزر نکالا، ساتھ میں بڑے سائز کا سویٹر لے لیا۔ شرٹ اتارنے چڑھانے میں مسئلہ ہوتا، مرد کا قد کم سے کم بھی چھ فٹ دو انچ ہو گا کیونکہ ٹراؤزر میرے سائز سے خاصا بڑا تھا۔ باتھ روم میں آ کر میں نے پہلے گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا، میری پتلون کا حشر ہو رہا تھا، میں نے اسے اتار کر اپنے پاؤں بھی دھوئے جن سے دریا کی ریت چپکی تھی۔ سغیر کی جیکٹ بھی کم گندی نہیں تھی۔ اسے اتار کر میں نے سویٹر پہن لیا تھا۔ میں باہر آیا۔ سغیر خراٹے لے رہا تھا۔ اس کا کھلا منہ اور چہرے پر سکون دیکھ کر مجھے ہنسی آئی تھی۔ ہم گولیوں کی برسات سے گزر کر آئے تھے، ابھی بھی دشمن شاید ہماری کمین گاہ سے واقف بھی تھا اس کے باوجود میرے ساتھی کتنے آرام سے سو رہے تھے۔ ان کے لئے اب خطرات اتنے خطرناک نہیں رہے تھے۔ اسلحہ نشست گاہ میں ریک پر سجا تھا۔ میں نے ایک پستول اٹھا لیا۔ دروازے کو آہستہ سے کھولا اور باہر آ گیا۔

"شکیل!" میں نے آہستہ سے آواز دی مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ میں گھوم کر سائیڈ کی طرف آیا۔ یہ مکان کی بائیں سمت تھی۔ میرا خیال تھا کہ شکیل اس طرف ہو گا لیکن وہ نہیں تھا۔ میں گھوم کر عقب میں آیا اور پھر مکان کے دائیں طرف آیا شکیل اس طرف بھی نہیں تھا۔ یک دم میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ شکیل اس طرح خود سے کہیں نہیں جا سکتا تھا خاص طور سے اس صورت میں جبکہ باہر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ میں باہر نہیں جا سکتا تھا۔ شانے کے زخم کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اندر جا کر سغیر کو اٹھا دوں لیکن اسی لمحے دروازے کے پاس آہٹ ہوئی۔ میں بدک کر پیچھے ہٹا۔ ایک سایہ گیٹ کے

اوپر سے نمودار ہوا اور میں نے گہری سانس لے کر پستول نیچے کرلیا۔ وہ شکیل تھا، وہ بھی مجھے دیکھ کر چونکا۔

"شہباز صاحب! آپ کیوں باہر آئے"

"بس ایسے ہی، میں بہتر محسوس کر رہا تھا لیکن تم کہاں تھے؟"

"پچھلی طرف سے مجھے کچھ آوازیں سی آئی تھیں جیسے کوئی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، میں اس طرف چیک کرنے گیا تھا۔"

"کون تھا؟"

"دو بلیاں تھیں، کھانے کی کسی شے کے پیچھے لڑ رہی تھیں۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ "آیئے اندر چلیں...... میری کافی تیار ہے کیا؟"

"شاید تھرماس میں ہوگی۔"

ہم اندر آئے، شکیل نے تھرماس سے اپنے لئے کافی نکالی۔ "کیا تمہیں یقین ہے ہمارے اردگرد دشمن کا کوئی آدمی نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آیا۔" شکیل بولا، اس نے چند گھونٹ لے کر کافی ختم کی۔ "آپ آرام کریں۔ میں باہر جا رہا ہوں۔"

میں ذرا سی حرکت سے تھکن محسوس کرنے لگا تھا اس لئے پھر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد آنکھ لگ گئی۔ نیچے دبیز قالین تھا اوپر، گرم کمبل، پاس ہیٹر فین چل رہا تھا اس لئے مسئلہ کوئی نہیں تھا۔ میری آنکھ کھلی تو ابھی تاریکی تھی۔ سب ہی سو رہے تھے اور شاید سغیر اب باہر تھا۔ میرے شانے کی تکلیف اور بھی کم ہوگئی تھی۔ وقت گزاری کے لئے میں نے صاحبِ خانہ کے بارے میں تفتیش کا سوچا۔ مردانہ بیڈ روم میں مجھے الماری کی دراز سے ایک البم ملی۔ میرا خیال تھا کہ یہ گھریلو البم ہوگی لیکن جب میں نے اسے کھولا تو خاصے سرد موسم میں بھی مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ یہ نیوڈز تھیں اور اس مکان میں لی گئی تھیں۔ میں نے عجلت میں البم پلٹ کر دیکھا، کوئی نصف درجن لڑکیوں کی دو درجن سے زیادہ تصاویر تھیں اور تصویریں اتارنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ یہ کام ان کی رضامندی سے ہوا ہے۔ باقاعدہ پوز دیئے گئے تھے۔ میں نے البم واپس اپنی جگہ رکھ دی۔ ایک جگہ زمین کے ملکیتی کاغذات تھے جو کسی راؤ پرویز کے نام پر تھے۔ یہ شاید اس مکان کا مالک تھا۔ بیڈ پر شکیل سو رہا تھا اور سغیر یقیناً باہر تھا۔ میں باہر آیا، موسم ایک بار پھر ابر آلود تھا۔ بارش کے پورے امکانات نظر آ رہے تھے۔ سغیر عقبی سمت میں تھا۔

"تُو اٹھ گیا...... شانہ کیسا ہے؟"

"معمولی سا درد رہ گیا ہے۔" میں نے بازو ہلا کر اپنی حالت کا عملی مظاہرہ کیا۔ "تُو کب اٹھا؟"

"چار گھنٹے ہونے والے ہیں۔"

"روشنی ہو رہی ہے، بہتر ہے اندر آ جا۔ اب کوئی باہر سے دیکھے گا تو تجھے دیکھ کر مشکوک ہو سکتا ہے۔"

ہم اندر آئے۔ "تیرا کیا خیال ہے، یہ مرشد علی کے گرگے ہیں؟"

"ممکن ہے آدمی مرشد علی کے ہوں، لیکن ان کے پیچھے کام کرنے والا ذہن مجھے ڈیوڈ شا کا لگ رہا ہے، وہی اس قسم کی چالیں چل سکتا ہے۔ دوسرے اگر یہ آدمی مرشد علی کے ہیں تو وہ ہمیں پکڑنے یا مارنے کی پوری

کوشش کرتے۔ جب تک کوئی ایسی قوت نہ ہو جو مرشد کو جانے سے باہر ہونے سے روکے۔"

"اور وہ شخص ڈیوڈ شا ہے۔ لیکن ہمیں اس طرح بھگانے میں اس کا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟"

"فی الحال یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا..... وہ کوئی گہری چال چل رہا ہے۔ ابھی مجھے خیال آیا کہ جب ہم دریا عبور کر رہے تھے تو تعاقب کرنے والوں نے ہمیں جان بوجھ کر نشانہ بنانے سے گریز کیا تھا۔ ورنہ ہم بالکل کھلے میں تھے اور ہمیں نشانہ بنانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔"

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے، یہی بات ہے۔ تجھے بھی شاید اتفاق سے گولی لگ گئی تھی۔"

"شاید!" میں نے صوفے سے سر ٹکایا۔

"آہ..... کیا دن تھے۔" سفیر نے سرد آہ بھری۔ "اس وقت ہم تیرے دفتر میں یا میرے گھر پر آتش دان کے سامنے بیٹھے مونگ پھلی اور چلغوزے بکھار رہے ہوتے..... کافی پی رہے ہوتے تھے۔"

"یار، وہ وقت پھر آئے گا مزیادہ اچھے طریقے سے آئے گا۔ میں صبح سویرے تیرے اور مونا کے گھر نازل ہوں گا اور چلا چلا کر تجھے اٹھاؤں گا۔ مونا ہمارے لئے ناشتا بنائے گی اور پھر کہوں گا تم دونوں فٹافٹ تیار ہو جاؤ، ہمیں مری جانا ہے۔"

"اور اس کے بعد تمہاری آنکھ کھل جائے گی۔" مونا کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

"خواب دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" میں نے مونا کی طرف دیکھا۔ سفیر کھسیا گیا تھا۔ "اور اگر تم چاہو تو اس خواب کا ایک حصہ تو اب بھی پورا ہو سکتا ہے۔"

"پلیز شوبی!" مونا کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

"او میڈم! تم نہ جانے کیا سمجھ رہی ہو۔ میں تو ناشتے کی بات کر رہا تھا۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"جی نہیں، میں نے کوئی ناشتا نہیں بنانا۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" سونیا اندر سے آنکھیں ملتی ہوئی نکلی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

"ایمن کہاں ہے؟" میں نے پوچھا تو مونا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"بی بی سو رہی ہیں۔ سنا ہے رات گئے تک تیمارداری میں مصروف رہی تھیں۔"

"اس نے اپنے ہاتھوں سے ہلدی والا دودھ بنا کر دیا تھا۔ کافی بنا کر دی تھی۔" میں نے ڈھٹائی سے کہا۔

مونا بھی کچن کی طرف چلی گئی۔ سفیر نے آہستہ سے کہا۔ "تو نے اس لڑکی کے انداز میں تبدیلی محسوس نہیں کی؟"

"ہاں، تجھ سے کچھ فرنٹ رہنے لگی ہے۔"

"میں ایمن کی بات کر رہا ہوں، مونا کی نہیں۔" سفیر خفگی سے بولا۔

"وہ..... اچھا..... ہاں، کچھ تبدیلی تو ہوا ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"کچھ نہیں، بہت کچھ..... اب تو وہ تجھ پر پورا حق جتانے لگی ہے۔"

"پر یار، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"بیٹے، کب تک بچو گے، یہ عورتیں جس کے پیچھے پڑ جائیں، اسے اپنا کر دم لیتی ہیں۔"

''ناشتا بننے والا ہے، اچھے بچوں کی طرح منہ ہاتھ دھولیں۔'' سونیا نے کچن سے اعلان کیا۔

''سفیر اٹھ کر بھاگا اور میں کچن میں آ گیا۔'' ''آپ بھی منہ ہاتھ دھولیں۔'' سونیا نے مجھ سے کہا۔

''واش روم میں سفیر ہے۔''

''آپ ہمارے کمرے والے واش روم میں چلے جائیں۔ وہاں صرف ایمن ہی ہے۔'' مونا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

میں آہستہ سے دروازہ کھول کر کمرے میں آیا، ایمن کروٹ لے کر دوسری طرف منہ کئے سو رہی تھی۔ میں دبے قدموں واش روم میں چلا گیا۔ فارغ ہو کر تولیے سے منہ صاف کرتا ہوا باہر آیا اور پھر ساکت رہ گیا۔ ایمن بستر پر سیدھی لیٹی تھی، زلفیں چہرے پر بکھر گئی تھیں۔ گداز لب ابھرے ہوئے تھے۔ دھیرے سے ابھرتا، ڈوبتا بدن کسی کو بھی ڈبونے کے لئے کافی تھا۔ میں کچھ دیر کے لئے سحر زدہ رہ گیا تھا۔ پھر میں چونکا۔

''لاحول ولا......'' میں دروازے کی طرف بڑھا۔

''شوبی!'' عقب سے ایمن کی آواز آئی، میں رک گیا۔ وہ جاگ گئی تھی یا جاگ رہی تھی۔

''ایسے کیوں جا رہے ہو؟''

میں گہری سانس لے کر پلٹ آیا۔ ''تم سو رہی تھیں، میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اب تو میں جاگ گئی ہوں۔'' اس نے اٹھ کر بال جوڑے کی صورت میں باندھے۔ اس کی گردن پر ہلکا سا سنہری رواں تھا۔ میں نے ایک بار پھر دل میں اس کے بے پناہ حسن کا اعتراف کیا۔ وہ میری نظریں دیکھ کر مسکرائی تھی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس خراج تحسین پر شکریہ کہا۔ ''تکلیف کیسی ہے؟''

''حیرت انگیز طور پر بہت کم ہے۔''

''چلو، پہلے کچھ کھا لو...... پھر میں تمہاری پٹی بدلتی ہوں۔'' وہ بستر سے اتر آئی۔

میں باہر آیا تو مونا پھر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی تھی۔ ''بی بی، تمہاری بتیسی بار بار باہر کیوں آ رہی ہے؟'' میں نے ملائمت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، ایمن اٹھ گئی۔'' اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''دیکھو مونا...... یہ معاملہ صرف مذاق کی حد تک ہے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''شوبی، یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔''

''شوبی بھائی! ایمن اتنی اچھی اور پیاری ہے۔ اس میں گوریوں والا نخرہ ذرا بھی نہیں ہے۔'' سونیا بولی۔

''تو بابا...... میں کیا کروں......؟'' میں جھنجلا گیا۔ ''میں اپنے چکروں سے نہیں نکل پا رہا اور تم لوگ......''

''ہم نہیں...... وہ بی بی!'' مونا نے کمرے سے آتی ایمن کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا ذکر ہو رہا ہے۔'' ایمن کرسی پر بیٹھ گئی۔

''آپ کا ذکر ہی ہوتا رہتا ہے۔'' مونا پھر معنی خیز انداز میں بولی۔

''مونا کی بچی!'' میں نے دانت پیسے تو اس نے جلدی سے کان پکڑ لئے تھے۔

سونیا امورِ خانہ داری میں بھی طاق تھی۔ خوب صورت اور دلکش تھی، مجھے عادل کی قسمت پر افسوس ہوا، اس

نے لالچ میں آ کر سونیا جیسی بیوی سے بے وفائی کی تھی۔ وسیم جیسے شخص سے غداری کی تھی۔ انجام کار مارا گیا۔
سونیا کے اعصاب بھی مضبوط تھے، شوہر کے بعد بھائی کی جدائی پر بھی اس نے خود کو جلد سنبھال لیا تھا۔ اس لے ناشتے میں پراٹھے بنائے تھے۔ آملیٹ تھا۔ کارن فلیکس دودھ میں، شہد، مکھن اور ابلے ہوئے انڈے۔ میں لے سب کے ساتھ انصاف کیا اور میری خوش خوراکی نے سب کو حیران کر دیا تھا۔

''شوبی! خیریت ہے نا؟'' مونا نے تشویش سے پوچھا۔

میں جھینپ گیا۔ ''پتا نہیں کیا بات ہے، لگ رہا ہے پیٹ میں جن بیٹھ گیا ہے۔''

ناشتے کے بعد ایمن وہیں کچن میں مرہم پٹی کا سامان لے آئی تھیں میں نے سویٹر اتارا۔ ایمن نے پانی گرم کر لیا تھا۔ اس میں ڈیٹول ملایا۔ پھر اس نے ٹیپ ہٹا کر پٹی اتاری۔ ''ونڈر فل!'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''شوبی، تمہارا زخم تو خشک ہو گیا ہے۔''

وہ سب بھی آ کر معائنہ کرنے لگے۔ شکیل بولا۔ ''میں نے کبھی گولی کا زخم اتنی جلدی بھرتے نہیں دیکھا۔ یہ تو تقریباً بھر چکا ہے۔''

ایمن نے اچھی طرح معائنہ کیا۔ روئی میں پانی لگا کر صاف کیا۔ ''زخم واقعی خشک ہے۔ بلکہ باہر تک بھر بھی گیا ہے، بس ہلکا سا گڑھا باقی ہے۔''

''اس کی وجہ ہے......'' میں نے کہا اور ایمن کو حکیم قادس کی ان دواؤں کے بارے میں بتایا جو زخموں کو حیرت انگیز طور پر بہت تیزی سے بھر دیتی ہیں۔ ''شاید یہ ان دواؤں کا اثر ہے جو میرا زخم اتنی تیزی سے بھر گیا۔''

''اب میں سمجھی ڈیوڈ شا حکیم قادس کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟'' ایمن نے گہری سانس لی۔ ''یہ دوائیں تو مغرب میں تہلکہ مچا سکتی ہیں۔''

''یہی تو ڈیوڈ شا بھی سوچتا ہے۔'' مونا طنزیہ انداز میں بولی۔

''مجھے اس سے مت ملاؤ۔'' ایمن نے احتجاج کیا۔ ''وہ ان دواؤں سے نفع کمانے کا سوچ رہا ہے اور میں نے دکھی انسانوں کے لئے سوچا ہے۔''

''ایمن، تم دکھی لوگوں کے حوالے سے سوچو یا ڈیوڈ شا نفع کمانے کے حوالے سے، حقیقت یہ ہے تم دونوں ہی مغرب کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سامنے بے بس ہو۔ ان کو یہ دوائیں مفت میں ملیں یا کروڑوں ڈالرز کے عوض، انہوں نے ان دواؤں کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا ہوگا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' ایمن کسی قدر شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے، تمہاری نیت درست ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی اور فرمائش کی۔ ''مجھے میرا زخم دکھاؤ، میں اس کی حالت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ مجھے بیڈ روم میں لائی۔ وہاں ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ اس نے ایک چھوٹا آئینہ نکالا اور اس کی مدد سے مجھے میرا زخم دکھایا۔ واقعی وہ حیرت انگیز طور پر مندمل لگ رہا تھا اور اس کی وجہ وہی دوائیں تھیں جو حکیم قادس مجھے کھلا چکا تھا۔ اب کیونکہ میں ہاتھ آسانی سے ہلا جلا سکتا تھا اس لئے میں نے مردانہ بیڈ روم کی الماری سے ایک شرٹ بھی نکالی اور موقع پا کر سفیر اور شکیل کو اس البم کے بارے میں بتایا جس میں نیوڈ ز تصویریں تھیں۔ سفیر نے البم

نکال کر دیکھی۔

"اس مکان کا مالک کوئی گندی ذہنیت کا شخص ہے۔"

"ہمیں کیا؟" میں نے کہا۔

"ہمیں کیوں نہیں۔" سفیر کو غصہ آیا ہوا تھا۔ "میں اس شخص کو مزا دے کر جاؤں گا۔"

"کیا کرو گے؟"

"جب جائیں گے تو دیکھ لینا۔"

ناشتے کے بعد لڑکیوں نے نشست گاہ میں محفل جمالی تھی۔ سفیر ان میں شامل ہو گیا اور میں شکیل کے ساتھ باہر نکل آیا۔ میں اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے موقع ملتے ہی اس سے پوچھا۔ "شکیل تم نے اپنے بارے میں سوچا۔ اب تم کیا کرو گے، کہاں جاؤ گے۔"

وہ چونکا۔ "اچھا ہوا آپ نے بات کر لی۔ شہباز صاحب، میں اکیلا ہوتا تو کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا مگر سونیا۔۔۔"

"کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"میں ہی نہیں، وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔" شکیل نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں، جیسے اس کی عدت پوری ہوگی، ہم شادی کر لیں گے۔"

"میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" میں نے کہا۔ "بہتر ہوگا، اس جنجال سے نکلتے ہی تم اور سونیا ہم سے الگ ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "اگر سونیا کا مسئلہ ہے تو وہ عدت تک ندیم کے گھر میں رہ سکتی ہے۔"

"نہیں، میں اسے اپنی حویلی لے جاؤں گا۔ مانسہرہ میں میری خاندانی حویلی ہے۔ وہاں میرے بھائی اور ماں ہیں۔ سونیا ان کے پاس رہے گی۔"

اگرچہ ندیم نے آخری گفتگو میں مجھے سونیا کو اپنی حفاظت میں لینے کو کہا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک خودمختار، باشعور اور تجربہ کار عورت تھی۔ اپنی زندگی کے بارے میں وہ خود بہتر طور پر فیصلہ کر سکتی تھی۔ وہ شکیل کو پسند کرنے لگی تھی۔ لہٰذا میں اعتراض کرنے والا کون تھا، دوسرے میں خود در بدر تھا اور کسی کا اضافی بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں بھی اب چاہ رہا تھا کہ سونیا اور شکیل اس معاملے سے دور رہیں تاکہ ہمارے دشمن ان کے لئے خطرہ نہ بنیں۔ میں اور شکیل بات کر رہے تھے۔ اچانک گیٹ کے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ ہم دونوں جلدی سے دیوار کی آڑ میں ہو گئے۔ کسی نے بیرونی گیٹ کا تالا کھولا۔ گیٹ کے پٹ کھلے اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر اندر آئی۔ یہ ایک ہائی روف جیسی گاڑی تھی، گاڑی ہم سے چند قدم کے فاصلے پر رکی تھی۔ اگر گاڑی لیفٹ ہینڈ ڈرائیو ہوئی تو ڈرائیور لازمی طور پر ہمیں دیکھ لیتا۔ وہ گاڑی کا انجن بند کر کے اترا، پختہ روش پر اس کے قدموں کی آواز بتا رہی تھی۔ وہ مکان کے داخلی دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ میں نے کونے سے جھانکا۔ وہ چابی سے تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تالا تو اس صورت میں کھلتا جب وہ لاک ہوتا، دو تین بار کوشش کے بعد اس نے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔ پھر میں نے اس کی دہاڑ کی آواز سنی۔ "کون ہو تم لوگ، یہاں کیسے گھسے؟"

میں اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ میں نے پستول اس کی کمر سے لگا دیا۔ "شور مت کرو، اندر چلو۔"

وہ چاروں تاش کھیل رہے تھے اور اس میں اتنے مگن تھے کہ انہوں نے پورچ میں رکنے والی کار کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ مونا نے سکون کا سانس لیا۔ "شوبی پلیز سارے پتے رکھو، بازی آخری مرحلے میں ہے۔"

"کک ...... کون ہو تم؟"

"اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم نے ایک ضرورت تمہارے مکان میں پالی ہے۔"

"او۔ تو یہ ہے وہ خبیث؟" سفیر غرایا۔

مونا چونکی۔ "کیوں ...... تم نے ملاقات سے پہلے اس کی کون سی خباثت دیکھ لی۔"

"کچھ نہیں۔" سفیر گڑبڑا گیا تھا۔ ظاہر ہے خواتین کو ہم نے تصویروں کے البم کے بارے میں بتایا نہیں تھا۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" مونا مشکوک لہجے میں بولی۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" سفیر نے صفائی سے انکار کر دیا۔

میں نے آنے والے کو دھکیل کر ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ خواتین اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور میں نے اس سے انٹرویو کا آغاز کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"سراج ...... سراج حشمت۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ وہ تقریباً چالیس برس کا عام سی صورت اور متوسط جسامت کا شخص تھا۔

"تو مسٹر حشمت ...... کیا یہ تمہاری مستقل رہائش گاہ ہے؟"

"ہاں ...... میں کبھی کبھی بزنس کے سلسلے میں باہر جاتا ہوں۔"

"بزنس کیا ہے تمہارا؟" میں نے سوال کیا۔

"لڑکیاں!" سفیر نے جواب دیا۔

اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ گویا سفیر کا اندازہ درست تھا۔ "کہاں سپلائی کرتے ہو لڑکیاں؟"

"یہ غلط ہے۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

"تمہارے بیڈ روم کی الماری میں ایک البم ہے۔ اس میں تصویریں ہیں۔ ان میں سے بیشتر تصویریں اس مکان میں لی گئی ہیں۔"

"وہ البم میری نہیں ہے۔ دراصل میرا ایک واقف کار یہ کام کرتا ہے۔"

"اور تم کیا کرتے ہو؟"

"میں بتاتا ہوں ...... یہ لڑکیوں کے گاہک تلاش کرتا ہے تبھی اس کے پاس البم ہے ...... اس کا بریف کیس دیکھو شاید اس میں بھی کچھ ہو۔"

اس نے حماقت کی تھی۔ ہم نے بریف کیس چھین لیا اور پھر کھول دیا۔ سفیر کا یہ اندازہ بھی درست نکلا تھا۔ اس میں بھی وہ انسانیت سوز تصاویر کی البم تھی۔ میں نے مشتعل ہو کر اس کے سر پر مکا مارا تو وہ چکرا گیا تھا۔

"آرام سے یار، اس سے ابھی بات کرنی ہے، مار دیا تو معلومات کون دے گا۔" سفیر بولا۔ تھوڑی دیر میں

اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے ہاتھ جوڑ کر رونا گڑگڑانا شروع کر دیا کہ اسے نہ مارا جائے۔

"کوئی تمہیں نہیں مارے گا بشرطیکہ تم سب ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ دوسری صورت میں ہم تمہاری لاش سڑنے کے لئے یہاں چھوڑ جائیں گے۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"یہ لڑکیاں کہاں ہیں۔ جن کی تصاویر ہیں تمہارے پاس؟"

"اپنے گھروں میں۔ جب میں گاہک سے معاملات طے کر لیتا ہوں تو یہ مقررہ وقت کے لئے اس کے پاس چلی جاتی ہیں۔"

"تم نے کہا اصل کاروبار ایک اور شخص کا ہے۔ وہ شخص کون ہے؟"

"جابی شاہ۔۔۔۔ ادھر کا بہت بڑا بدمعاش ہے۔"

"جابی شاہ" میں نے چونکنے کی تعبیر یوں کیا جیسے پہلی بار اس کا نام سن رہا ہوں۔ "یہ کون ہے؟"

"آپ جابی شاہ کو نہیں جانتے؟" اس نے بے حد تعجب سے کہا۔

"میں تمہارے باپ کو بھی نہیں جانتا۔۔۔۔ اور شاید تم خود بھی نہیں جانتے ورنہ یہ کام نہیں کرتے۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ "لڑکیاں کہاں ہیں؟ میں جانتا ہوں اس دھندے میں لڑکیوں کو آزادانہ نہیں چھوڑا جاتا اور یہ گھریلو لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"میں نہیں جانتا" اس نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔ "میرا کام صرف گاہکوں سے مل کر ان کو البم دکھانا اور آرڈر جابی شاہ کے خاص بندے شاہ نواز تک پہنچانا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا شاہ نواز لڑکیاں کہاں رکھتا ہے یا کہاں سے لاتا ہے؟"

"سمجھا کرو یار۔ یہ سب پیشہ ور طوائفیں ہیں مگر ان کا ریٹ بڑھانے کے لئے یہ دلال لوگ انہیں شریف گھرانوں کی مجبور لڑکیاں ظاہر کرتے ہیں۔" سغیر نے کہا۔ "اسے سچ مچ معلوم نہیں ہوگا کہ شاہ نواز ان لڑکیوں کو کہاں رکھتا ہے۔"

"سر میرا قصور نہیں ہے۔" سراج کی حالت ہر گزرتے لمحے خراب ہوتی جا رہی تھی۔

"تمہارا قصور نہیں۔" میں نے بھی تسلی دینے کے انداز میں کہا اور اچانک اس کے سر پر پستول کا دستہ رسید کیا۔ "یہ تمہارا گناہ ہے۔"

وہ پہلے ہی مکے کی ضرب سے چکرایا ہوا تھا۔ اس ضرب نے اسے انٹا غفیل کر دیا۔ "اب اس کا کیا کرنا ہے؟" میں نے شکیل اور سغیر سے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے۔ یہیں چھوڑ جائیں گے۔"

سغیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "پہلے میرا ارادہ تھا جاتے ہوئے اس مکان کو آگ لگا جائیں گے لیکن اب میرا ارادہ ہے آگ لگا کر اسے بھی اندر ڈال کر جانا ہے۔"

"نہیں یار! ہم اتنی درندگی نہیں کر سکتے۔" میں بولا۔

"انسانیت انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یہ شخص انسان ہے جو نہ جانے کتنی شریف اور باکردار لڑکیوں

کو بے حیائی کی دلدل میں دھکیل چکا ہے جہاں نہ وہ جیتی ہیں اور نہ مرتی ہیں۔" سغیر کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"یہ تو ہے..... پر یار! پھر بھی میرا دل نہیں مان رہا..... کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کو تماشا بنا دے۔"

"یہ انسان کہاں ہیں؟"

"تب بہتر ہے تُو اسے گولی مار دے۔" میں نے پستول سغیر کی طرف بڑھا دیا۔

سغیر نے پستول لیا تو اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ نظر آنے لگی اور اس کا غصہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد مجھے واپس کر دیا۔ "تُو ٹھیک کہہ رہا ہے یار! ہم کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے۔"

"اس سے ہم بعد میں نمٹ سکتے ہیں، سب سے پہلے ہمیں اپنے دشمنوں سے نمٹنا ہے۔"

"تُو بھول رہا ہے۔ یہ شخص جابی شاہ کے لئے کام کرتا ہے، اس لحاظ سے ہمارا دشمن ہے۔"

"میری تجویز ہے جناب! ہم اسے ساتھ لے چلتے ہیں..... اس سے اور بھی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔" شکیل نے تجویز پیش کی جو مجھے اچھی لگی۔ کسی بھی جنگ، لڑائی یا کشمکش کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ اپنے حریف کے بارے میں جتنا بہتر جانتے ہوں گے، اس پر اتنی آسانی سے حاوی ہو سکتے ہیں۔"

"مسئلہ یہاں سے نکلنے کا ہے۔" سغیر بولا۔ "کم سے کم مجھے یقین ہے دشمن جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں؟"

"اس کے باوجود ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے..... ہمیں اس جگہ سے نکلنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

شکیل نے باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا تو باہر تیز بارش کا منظر دکھائی دیا تھا۔ بارش غیر محسوس طور پر بہت تیز ہو گئی تھی اور ماحول دھواں دھار ہو رہا تھا۔ میں نے باہر جھانکا، پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر بھی منظر دھندلا گیا تھا۔ میں نے واپس آ کر سغیر سے کہا۔ "یہ موسم بہترین ہے، ہم اس سے نکل سکتے ہیں۔"

"مگر کوئی مسئلہ ہوا تو پھنس جائیں گے۔"

"پھنسے ہوئے تو اب بھی ہیں۔"

"اسے بے ہوشی کی حالت میں لے جانا مسئلہ ہوگا۔"

"تُو اسے ہوش میں لا، جب تک میں خواتین کو تیار کرتا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے خواتین کے کمرے میں جھانکا۔ "لیڈیز اینڈ لیڈیز، چلنے کی تیاری کریں، ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔"

"خدا خیر کرے، اب کیا ہوا ہے؟" موناؤ کر بولی۔

"نکلنے کا موقع ہے۔" میں نے بتایا۔ "باہر بارش ہو رہی ہے اور موسم بالکل بھی سہانا نہیں ہے بلکہ دھواں دھار ہے۔"

دس منٹ کے اندر ہم نے روانگی کا انتظام کر لیا۔ ایمن نے میرے لئے دوائیاں اور مرہم پٹی کا سامان بھی سنبھالا تھا۔ میں نے ٹوکا تو وہ بولی۔ "پتا نہیں، اب کہاں جانا پڑے..... اس لئے میں نے یہ چیزیں رکھ لی ہیں۔"

ہائی روف وین میں دو سیٹیں آگے تھیں، دو درمیان میں اور تین سب سے پیچھے..... لڑکیاں پیچھے والے حصے میں چلی گئیں۔ شکیل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ میں درمیانی نشست پر آیا اور اس سے برابر والی نشست پر بے

ہوش سراج کو ڈال دیا گیا تھا۔ ہائی روف میں اندر کی طرف پردے لگے تھے جن کو کھینچ دیا گیا تھا۔شکیل نے ہائی روف اسٹارٹ کی۔ سفیر نے بھاگ کر دروازہ کھولا اور واپس گاڑی میں گھس گیا۔راستہ ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم تھا۔بس اتنا جانتے تھے کہ راوی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے تو کہیں نہ کہیں سے دریا عبور کرنے کے لئے پل مل جائے گا۔ ذرا آگے نکلے تو ایک پختہ سڑک مل گئی۔ ہائی روف کا وائپر پوری رفتار سے چل رہا تھا لیکن ونڈ اسکرین ایک سیکنڈ میں دھندلا جاتی تھی۔شکیل نے صرف اپنے سامنے والا وائپر چلایا تھا۔ دھندلاہٹ کی وجہ سے اس نے رفتار کم رکھی تھی۔ میں پردے سے باہر جھانک رہا تھا اور جہاں تک نظر جاتی تھی یعنی کوئی بیس پچیس فٹ، وہاں تک کوئی دشمن نظر نہیں آرہا تھا۔

''ہم کہاں جارہے ہیں؟'' مونا نے سوال کیا۔

''جہاں خدا لے جائے۔'' سفیر نے روایتی جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے ہمیں ابھی بھٹکنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔'' مونا ہنسی۔

سفیر کے پاس رائفل تھی، میرے اور شکیل کے پاس پستول تھے جبکہ ایک اضافی پستول سونیا کے پاس تھا۔ ہم کسی بھی ناگہانی سے نمٹنے کے لئے تیار تھے۔ یہ سڑک سنسان اور تاحدِ نگاہ یعنی وہی بیس پچیس فٹ تک ویران نظر آرہی تھی۔ سونیا پیچھے دیکھ رہی تھی۔ ''میرا خیال ہے، پیچھے کوئی گاڑی آرہی ہے۔''

میں نے مڑ کر دیکھا مگر بارش کی چادر کے عقب میں مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ بہرحال عقب میں کوئی تھا یا نہیں، اس سے فرق نہیں پڑتا تھا ہم جتنے چوکس ہو سکتے تھے اس سے کچھ زیادہ ہی تھے۔

''شکیل رفتار بڑھاؤ۔'' میں نے کہا۔

''جناب! اس بارش میں یہ خطرناک ہوگا۔'' وہ ہچکچایا۔

''رفتار تیز کرو لیکن ایک منٹ کے لئے اور اس کے بعد یک دم رفتار کم کر دینا لیکن بہت کم مت کرنا۔ بس اتنی کر لینا۔''

شکیل نے میری ہدایت پر عمل کیا، اس نے چند سیکنڈ کے لئے رفتار بڑھائی تھی اور پھر یک دم کم کر کے اسے نارمل پر لے آیا تھا۔ میں عقب میں دیکھ رہا تھا، رفتار کم ہوتے ہی ایک سیاہ کار منظر میں آئی تھی، اس کا ڈرائیور اپنی بڑھی رفتار پر جلدی قابو نہیں پا سکا تھا۔ اس لئے ہماری ہائی روف کے خاصے نزدیک آگیا تھا، اس کے بعد اس نے بوکھلا کر بریک لگا دی تھی۔ ''ہوشیار...... ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔'' میں نے اعلان کیا۔

سفیر بھنا گیا تھا۔ ''اب اس سے زیادہ اور کیا ہوشیار ہوں۔''

شکیل نے رفتار تیز کر دی تھیں میں نے لڑکیوں سے کہا۔ ''آپ سر جھکا لیں، ممکن ہے وہ فائر کریں۔''

یہ سنتے ہی وہ تینوں سرنگوں ہو گئی تھیں۔ شکیل کے رفتار بڑھاتے ہی سیاہ کار تیزی سے نزدیک آنے لگی تھی۔ ہائی روف کی چھت پر سن روف تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''مجھے رائفل دو۔''

''تُو کیا کرنے جارہا ہے؟''

''بس دیکھتا رہ۔'' میں نے رائفل لے کر سن روف کھسکایا۔ یخ بستہ پانی کی بوچھاڑ اندر آئی تھی اس کی پروا کئے بغیر میں نے کھڑے ہو کر رائفل چھت سے ٹکائی۔ سیاہ کار کوئی تیس فٹ کے فاصلے پر تھی۔ سڑک ناہموار تھی

اور رفتار بڑھانے سے ہائی روف اچھل رہی تھی۔ ویسے بھی یہ ذرا ڈس بیلنس قسم کی سواری ہوتی ہے۔ میں نے ذرا آگے جھک کر رائفل کو سیاہ کار کے پہیوں کی طرف مرکوز کیا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مرکوز کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہلکا برسٹ مارا لیکن نشانہ خطا گیا اور سیاہ کار کی رفتار پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ میرے لئے بہت آسان تھا میں ونڈ اسکرین پر فائر کرتا، اندر موجود افراد کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر میں انسان کی جان لینے سے حتی الامکان بچنا چاہتا تھا۔ دوسرے برسٹ نے کام دکھایا، کار کا ایک پہیہ برسٹ ہو گیا اور وہ لڑکھڑانے لگی تھی۔ میں اندر آیا اور سن روف بند کر دیا۔ ''اب نکل چلو۔''

''یہ واحد کار نہیں ہوگی۔'' سفیر نے خبردار کیا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کوئی اور راستے میں آیا تو دیکھ لیں گے۔''

شکیل نے رفتار اور تیز کر دی تھی اور تیز بارش میں ہائی روف پچاس کی رفتار سے جا رہی تھی، یہ خطرناک رفتار تھی۔ اب سڑک کے دائیں بائیں آبادی نظر آنے لگی تھی۔ دائیں طرف موڑ مڑ کر ہم ایک دوہری سڑک پر آئے اور میں نے محسوس کیا، ایک گاڑی ہمارے پیچھے آنے لگی۔ ''میرا خیال ہے، میں نے جان لیا ہے، یہ سڑک راوی کے پار جاتی ہے۔'' شکیل نے کہا۔ ''آگے ویرانہ آئے گا اور اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے دوسری طرف جانے کا۔''

''تمہارا مطلب ہے ہمیں ویرانے میں گھیرنے کی کوشش کی جائے گی؟'' میں نے کہا۔

''امکان تو یہی ہے۔''

عقب سے آنے والی گاڑی اب نزدیک آ رہی تھی۔ اگر یہ کوئی عام گاڑی تھی اور اس میں سوار افراد کا ہمارے دشمنوں سے کوئی تعلق نہیں تھا تو وہ اس رفتار سے کیوں آ رہے تھے، جس رفتار سے ہم جا رہے تھے۔ میرے اندر شک پختہ ہونے لگا۔ میں اس کے ساتھ بھی سیاہ کار والا سلوک کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک عقب سے شعلے چمکنے لگے۔

''فائرنگ...... جھک جاؤ۔'' میں چلایا۔ چند گولیاں ٹن کی آواز کے ساتھ ہائی روف کی باڈی میں لگی تھیں۔ شکیل ہائی روف کو لہرانے لگا۔ میں سن روف جو کھولنے کے لئے اٹھا تھا کہ عقبی شیشہ بکھر گیا۔ کوئی گولی اس پر بھی لگی تھی۔ اس بار دشمن نے پہل کر دی تھی۔ جیسے ہی ان کی طرف سے فائرنگ ذرا تھمی میں نے جھپٹ کر سن روف کھولا اور اوپر ہوتے ہوئے عقبی گاڑی کا نشانہ لے کر رائفل کا بچا کھچا میگزین خالی کر دیا۔ گولیاں کہاں گئیں اور کسے لگیں یہ تو نہیں پتا چلا البتہ یہ جیپ طرز کی گاڑی بدستور ہمارے پیچھے لگی رہی تھی۔

''سفیر! دوسرا میگزین دے۔'' میں نے چلا کر کہا۔ سفیر نے مجھے میگزین دیا اور ہائی روف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے گاڑی پر فائر کرنے لگا، اس کے پاس پستول تھا جو اتنا کارگر تو نہیں ہوتا لیکن کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔ میگزین تبدیل کر کے میں پھر سن روف سے نکلا۔ اس دوران میں عقبی گاڑی سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ ذرا پیچھے چلی گئی تھی اور بارش میں بس ایک ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس ہیولے کا نشانہ لے کر وقفے وقفے سے برسٹ مارنا شروع کئے۔ ظاہر ہے اب میں صرف ٹائروں کا نشانہ نہیں لے رہا تھا۔ اب اگر گاڑی میں سوار افراد مارے جاتے تو مجھے پروا نہیں تھی۔ آخر وہ بھی تو ہم پر بے دریغ فائر کر رہے تھے۔

اچانک میں نے ہیولے کو لہراتے اور لڑکھڑاتے دیکھا اور پھر وہ سڑک سے اتر کر الٹ گئی۔ ''وہ مارا!'' میں نے دل میں کہا تھا اور اسی لمحے ہائی روف نے بھی لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ شکیل چلایا۔ ''ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔''

چند لمحے بعد ہائی روف بھی رک گئی تھی۔ شکیل نے مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے گاڑی کو الٹنے سے بچالیا تھا۔ میں تیزی سے نیچے اترنے لگا تھا کہ میری نظر سراج پر پڑی۔ وہ اپنی نشست سے بندھا تھا اور بے ہوشی کے عالم میں جھول رہا تھا۔ میری نظر خون کے ان قطروں پر پڑی تھی جو اس کے سامنے لباس پر گر رہے تھے، اس کی ناک سے خون نکل رہا تھا۔ کسی گولی نے اس کی بائیں کنپٹی میں سوراخ کر دیا تھا اور وہ بے ہوشی کے عالم میں اس دار فانی سے رخصت ہو گیا تھا۔ ''سراج مارا گیا ہے۔'' میں نے اترتے ہوئے بتایا۔

بڑی گاڑی ہائی روف سے کوئی سو فٹ پیچھے کچے میں الٹی پڑی تھی اور میں نے محسوس کیا، اس میں سے کچھ افراد نکل رہے تھے۔ میں نے دھمکانے کے لئے ان کی طرف فائر کیا تھا۔ وہ بھڑک کر جیپ کے پیچھے بھاگے اور پھر ان کی طرف سے بھی فائرنگ ہونے لگی۔ لڑکیاں، سفیر اور شکیل بھی افراتفری میں نیچے اتر آئے اور ہائی روف کی آڑ لے لی۔ دشمنوں کے پاس بھاری ہتھیار تھے۔ جب انہوں نے ایک ساتھ فائرنگ کی تو گولیوں کا مینہ برسنے لگا۔ ہم سب ہائی روف کے عقب میں دبکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

''ان کے پاس زیادہ اسلحہ ہے۔'' سفیر بولا۔

''فکر مت کرو، جب تک ہمارے پاس ایک بھی گولی ہے، یہ پاس نہیں آ سکتے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''رائفل کا ڈیڑھ میگزین ہے۔ تین عدد پستول اور ان کے دو دو میگزین ہیں...... یہ اسلحہ کب تک چلے گا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''احتیاط سے چلانا ہے۔'' میں نے رائفل سنگل لوڈ پر کر کے ہائی روف کی آڑ سے دو تین فائر کئے۔ جواب میں دوسری طرف سے جیسے گولیوں کی بارش ہوئی تھی۔ ہائی روف کا دوسری طرف کا حصہ چھلنی ہو گیا تھا اور اس کے سارے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ مونا، ایمن اور سونیا ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی وسط میں تھیں، ان کے ایک طرف میں اور سفیر تھے اور دوسری طرف شکیل تھا۔ وہ بھی وقفے وقفے سے فائر کر رہا تھا۔ ہمارے پاس اسلحہ محدود تھا اگر ہم اسی رفتار سے ان کو جواب دیتے رہتے تو جلد ہمارا اسلحہ خالی ہو جاتا اور وہ ہمیں آرام سے پکڑ لیتے۔ ''شکیل احتیاط سے فائرنگ کرو۔''

''میں فائرنگ نہ کروں تو وہ اس طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''پھر بھی، اب صرف ضرورت کے تحت فائرنگ کرنا ورنہ ہمارے میگزین خالی ہو جائیں گے۔''

''شوبی، کچھ کر یار!'' سفیر فکرمند تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ یہ پورا علاقہ ویران اور سنسان تھا۔ ذرا آگے چند چھوٹی موٹی جھاڑیاں تھیں مگر وہ ہمیں پناہ نہیں دے سکتی تھیں۔ حالات خراب نظر آ رہے تھے۔ یہ بات طے تھی کہ ہم نے کسی بھی صورت میں خود کو اُن کے حوالے نہیں کرنا تھا۔ اس بات کا بہت زیادہ امکان تھا کہ وہ مرشد علی یا جامی شاہ کے آدمی تھے اور ہمارے ساتھ لڑکیاں تھیں۔ ان کا ان لوگوں کے قبضے میں جانا ناقابلِ برداشت تھا۔ میں نے سوچا کہ ہمیں پیچھے جانا چاہئے اور اس کے لئے ایک شخص کو رک کر ان لوگوں کو روکنا چاہئے تھا۔

''میں روکتا ہوں ان لوگوں کو۔'' میں نے کہا۔ ''تم لوگ پیچھے جاؤ۔''

"نہیں۔" ایمن بے قراری سے بولی۔ "تم بھی چلو۔"

"ان کو روکنے کے لئے کسی کا یہاں ہونا ضروری ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا مگر اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر تم رکو گے تو میں بھی رکوں گی۔"

"اوہ بابا! یہ وقت بحث کا......"

اچانک عقب سے کسی گاڑی کے تیز بریک لگانے کی آواز آئی، میں جملہ ادھورا چھوڑ کر تیزی سے گھوما تھا۔ میرا خیال تھا دشمن عقب سے بھی آ گیا تھا۔ میں نے رائفل بلند کی تھی کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ناصر چلایا۔

"اوہ بھائی! یہ میں ہوں، دیکھ کر فائرنگ کرنا۔"

ناصر ایک پرانے ماڈل کی اسٹیشن ویگن میں تھا۔ "جلدی آؤ!" اس نے سلائیڈنگ ڈور کھول دیا تھا۔ میں نے ایمن کو اس طرف دھکیلا۔ "جاؤ...... اندر جاؤ۔"

"ایمن، مونا اور سونیا پہلے اندر گھس گئیں۔ پھر میں اور سفیر گئے۔ آخر میں شکیل کچھ گولیاں چلا کر اندر آ گیا۔ میں ناصر کے برابر میں بیٹھا تھا۔ اس نے گیئر بدلا اور پوری طرح اسٹیئرنگ کاٹا۔ وین مڑی اور تیزی سے آگے بھاگی۔ عقب سے فائرنگ کا شور گونجا تو ہم سب بے ساختہ جھک گئے تھے مگر خیریت رہی نہ تو وین کا کوئی ٹائر برسٹ ہوا اور نہ ہی کوئی شیشہ بکھرا۔ ناصر نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "سر نیچے رکھنا۔"

کوئی ایک منٹ تک فائرنگ کی آوازیں آتی رہیں پھر ناصر نے ان لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ میں نے سر اوپر کرتے ہوئے سکون کا سانس لیا تھا۔

"تم کہاں سے آن ٹپکے عین موقع پر۔"

"ابھی بتانے کا موقع نہیں۔" ناصر نے اسٹیشن ویگن کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کوئی ہمارے پیچھے آ رہا ہو۔"

"اور کوئی نہیں ہے۔" میں نے بتایا۔ "ہاں، آگے کوئی اور انتظار کر رہا ہو تو الگ بات ہے۔"

اسٹیشن ویگن اپنے طاقتور انجن اور چوڑے ریڈیل ٹائروں کی وجہ سے بہترین روڈ گرپ کر رہی تھی ورنہ اس رفتار پر عام گاڑیاں پھسلنے لگتی ہیں۔ کوئی پندرہ منٹ بعد اس نے ویگن لاہور کی کسی پرانی آبادی میں ایک عمارت کے سامنے روک دی۔ عمارت مین روڈ پر تھی ورنہ اندر کی گلیاں آغاز سے اتنی تنگ تھیں کہ ان میں مختصر ترین کار بھی نہیں جا سکتی تھی۔ ناصر خود نہیں اترا تھا، اس نے ہم سے کہا۔ "آپ اتر کر دوسری منزل پر چلے جائیں۔ یہ چار نمبر فلیٹ کی چابی ہے۔" اس نے چابی مجھے تھمائی۔ "چار نمبر دائیں طرف والا ہے۔ غلطی سے بائیں طرف کا دروازہ مت بجا دینا۔"

"اس طرف کیا ہے؟" میں نے اترتے ہوئے پوچھا۔

"ایک بے حد خطرناک بڑھیا!" ناصر نے جواب دیا اور ویگن آگے بڑھا دی۔

ہم سب بارش سے بچتے ہوئے جلدی سے عمارت میں گھس گئے، سامنے سیڑھیاں تھیں۔ ہم دوسری منزل پر آئے اور سب بے حد احتیاط سے دائیں دروازے کی طرف آ گئے لیکن جیسے ہی میں نے تالے میں چابی ڈالی،

بائیں طرف کا دروازہ کھلا اور ایک بے حد خرانٹ نظر آنے والی بڑی بی نے سر باہر نکالا اور ہمیں بے حد مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''کون ہو تم اور اس مردوئے صحافی کے فلیٹ کے سامنے کیوں کھڑے ہو؟''

''ہم اس کے مہمان ہیں۔'' میں نے دروازہ کھولا۔

''مہمان ہو...... یا چور...... وہ گھر پر نہیں ہے اور تم گھسے جا رہے ہو۔''

''وہ بی بی سی آف محلہ قسم کی کوئی چیز تھی اور میں جانتا تھا اس نے بجنا شروع کیا تو ساری بلڈنگ کو جمع کر کے دم لے گی۔ گربہ کشتن روز اوّل کے مصداق میں نے پستول نکال کر لہرایا۔ ''ہم چور نہیں، پیشہ ور قاتل ہیں اور اس صحافی کی دُم سے ذرا حساب کتاب کرنے آئے ہیں۔ کسی نے درمیان میں بلاوجہ کی مداخلت کی تو اپنی فوتگی کا خود ذمے دار ہو گا۔''

بڑی بی فوراً سے پیشتر غائب ہو گئی تھی، ہم ناصر کے فلیٹ میں آئے۔ یہ ایسا ہی فلیٹ تھا جیسا کہ ایک چھڑے چھانٹ صحافی کا ہونا چاہئے۔ ایک ایک شے زبانِ حال سے کہہ رہی تھی کہ میرے مالک کا سلیقے اور قرینے سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ سفیر بڑی بی سے متعلق فکر مند تھا۔ ''یار، وہ پولیس کو نہ اطلاع کر دے۔''

''فکر نہ کر یار! ایسے لوگ دوسروں کو تنگ کرتے ہیں خود تنگ ہونے والا کام نہیں کرتے ہیں۔''

''ہم کہاں بیٹھیں۔'' ایمن نے منمنا کر کہا۔

''جہاں دل چاہے...... اسے اپنا ہی فلیٹ سمجھیں۔'' سفیر فراخ دلی سے بولا۔

''معاف کرنا، کوئی عورت چاہے وہ کتنی ہی پھوہڑ کیوں نہ ہو اس کا گھر اتنا گندا نہیں ہو سکتا۔'' مونا بولی۔

''آپ خواتین تنقید کرنے کے بجائے کوئی ڈھنگ کا کام کریں۔'' سفیر نے مشورہ دیا۔

''مثلاً اس کباڑ خانے میں کچن اور اس میں چائے کافی کے لوازمات کی تلاش!'' میں نے تجویز پیش کی۔

''سوری! جب کمروں کا یہ حال ہے تو کچن کا سوچ کر ہی مجھے الٹی آ رہی ہے۔'' مونا نے صاف انکار کر دیا۔ سونیا کچھ چپ اور نڈھال سی تھی۔ ایمن نے بستر پر پھیلے کپڑے ایک طرف کئے اور بیٹھنے کی جگہ بنالی۔ میں اور سفیر بے تکلفی سے گرد آلود قالین پر دراز ہو گئے۔ میرے شانے کا زخم ہلکا سا دکھ رہا تھا۔ بھاگ دوڑ میں اور خاص طور سے رائفل چلاتے ہوئے اس پر زور پڑا تھا۔ ایمن نے مجھے دوائیاں دیں۔ پانی کے لئے اسے کچن جانا ہی پڑا تھا۔ واپس آ کر اس نے اطلاع دی۔ ''کچن تو صاف ستھرا ہے لیکن مجھے چائے کافی کا سامان نظر نہیں آیا۔''

''کوئی بات نہیں۔ ناصر آئے گا تو اس سے پوچھ لیں گے۔''

''یہ گیا کہاں ہے اور کیا تجھے اس پر اعتبار ہے؟'' سفیر بولا۔

میں نے ان کو راجا ناصر کے بارے میں بتایا۔ ''میں نوے فی صد یقین سے اس پر اعتماد کرتا ہوں۔''

''یعنی دس فی صد شک ہے۔'' مونا ہنسی۔

''دس فی صد شک نہیں لا ابالی پن ہے جیسے یہ راجا عمر دراز کی کوٹھی سے بھاگ گیا تھا لیکن دیکھ لو، جب اس کی ضرورت پڑی تو کیسے جن کی طرح نمودار ہوا۔''

''اسے کیا الہام تھا کہ ہم اس راستے سے آنے والے ہیں۔'' مونا کے لہجے میں شک تھا۔

''یہ بھی وہی بتائے گا۔''

"ایسا نہ ہو وہ دشمنوں کو لے ---" مونا کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا اور ناصر اندر آیا۔

"میرے بارے میں بات ہو رہی تھی۔" وہ ہم سب کو خاموش دیکھ کر تاڑ گیا تھا۔

"ہاں، یہ بتاؤ کہ تم وہاں کیسے پہنچے؟"

"یار، میرے بھی ذرائع ہیں۔" ناصر نے ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ اسے ایک طرف رکھ کر وہ ہمارے پاس بیٹھ گیا۔

"بدقسمتی سے میں جانی شاہ کے اڈے تک بروقت نہیں پہنچ سکا تھا۔ موٹر سائیکل راستے میں مسئلہ کر گئی تھی اور جب میں وہاں پہنچا تو تم لوگ جا چکے تھے اور جب تم راجا عمر دراز کی کوٹھی تک نہیں پہنچے تو میں نے پولیس میں اپنی سورس استعمال کی۔ راوی کے ساتھ کچی آبادی میں فائرنگ اور دھماکوں کی اطلاع سے میں جان گیا تھا کہ تم کہاں ہو؟ میں نے اس ویگن کا بندوبست کیا اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے تم لوگوں کو لازماً گزرنا تھا اگر ماڈل ٹاؤن کی طرف جانا تھا۔ بارش کی وجہ سے مجھے پریشانی ہوئی تھی مگر فائرنگ کی آواز نے مجھے بتا دیا کہ تم کہاں ہو؟"

"اگر تم ایک آدھ منٹ اور دیر کرتے تو ہم وہاں سے نکل جاتے۔" میں نے اسے بتایا۔

ناصر نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس طرف چاروں سمتوں میں کھلا علاقہ ہے۔ تم لوگوں کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"اس بحث کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ، کوئی چائے کافی ہے؟"

"میں ویگن چھوڑنے اور اس کا سامان لینے گیا تھا۔"

ناصر نے تھیلا دکھایا۔ "میں گھر کا ایک ہی کام سلیقے سے کر سکتا ہوں اور وہ ہے کافی بنانا۔"

"سوال یہ ہے کہ تم ہمیں یہاں کیوں لائے ہو؟" میں اس کے ساتھ کچن تک آیا۔

"تو پھر کہاں لے جاتا؟"

"راجا عمر دراز کے پاس۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اوّل تو مجھے یقین نہیں تھا کہ ہم وہاں تک پہنچیں گے۔ جانی شاہ کو معمولی سا بدمعاش مت سمجھو، دوسرے ویگن میں مسئلہ تھا۔ اس کا انجن سیز ہونے کا خطرہ تھا اور پھر دشمنوں نے لازمی طور پر اسے دیکھ لیا اور اس کی اطلاع آگے پہنچا دی ہوگی۔"

"اور اگر کوئی پیچھا کر رہا ہوا تو؟"

"تب بھی اس یتیم خانے تک نہیں آسکے گا۔" ناصر نے آرام سے کہا۔

"یہ تمہاری پڑوسن کیا چیز ہے بلاوجہ ہمارے گلے پڑ گئی تھی۔ بمشکل جان چھوڑی جب میں نے بتایا کہ ہم پیشہ ور قاتل ہیں اور تمہیں قتل کرنے آئے ہیں۔"

ناصر ہنسا۔ "تبھی بڑھیا مجھے اندر آنے سے اشاروں میں روک رہی تھی۔"

"میرا خیال ہے وہ اپنی تمام حسیں تیرے فلیٹ کی طرف لگا کر بیٹھی ہوگی۔"

ناصر نے کافی کی تیاری شروع کی۔ "اسے مارو گولی، یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا گزری اور یہ پارٹی کہاں سے ملی؟"

"جامی شاہ کے ڈیرے سے۔" میں نے کہا اور اسے مختصر الفاظ میں گزشتہ دو دن کے واقعات سنائے۔ فرمان اور صفدر کے مارے جانے کا سن کر اسے افسوس ہوا تھا۔

"آج کل ایسے جاں نثار کہاں ملتے ہیں۔ عبداللہ بھی اسپتال میں۔۔۔ قسمت تھی جو جان بچ گئی۔"

"تم ہمارے کیس پر گہری نظر رکھے ہوئے ہو، تمہارا کیا خیال ہے جامی شاہ کو ہمارے خلاف کس نے ہائر کیا ہے؟"

"مرشد علی اگرچہ اونچی پارٹی ہے لیکن جہاں تک دولت، طاقت اور سیاسی اثر و رسوخ کا تعلق ہے جامی شاہ مرشد علی سے کم نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہے یہ کام ڈیوڈ شا کا ہے۔ ان دنوں وہ بھی لاہور میں ہے۔ برطانیہ کے قونصلر کا ذاتی مہمان بنا ہوا ہے۔"

"اوہ!" میں حیران ہوا تھا۔ "اس کا مطلب ہے وہ ہمارے پیچھے ہے؟"

"اگر راجا عمر دراز کے پیچھے کہا جائے تو درست ہوگا۔" ناصر نے کافی مگوں میں ڈالی اور ٹرے اٹھا کر کمرے میں آگیا۔ اس نے ٹرے وسط میں رکھی۔ "چینی اور کریم کے معاملے میں سب اپنی مدد کریں۔"

کافی نوشی کے دوران میں نے ناصر کو سراج حشمت، اس کے کاروبار اور جامی شاہ سے اس کے تعلق کے بارے میں بتایا۔ شاہ نواز کا نام سن کر اس نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، ادھر قصور روڈ پر اس کا بہت بڑا فارم ہاؤس ہے، لڑکیوں اور بھارت سے اسمگل کی جانے والی شراب کا دھندہ کرتا ہے۔"

"میرا خیال ہے سراج نامی یہ شخص شاہ نواز کا ایجنٹ ہے۔"

"ممکن ہے۔ تم نے جس مکان میں پناہ لی تھی، وہ سراج کا ہو؟"

میں چونکا۔ "مجھے ابھی خیال آرہا ہے، سراج نے یہی کہا کہ مکان اس کا ہے لیکن تم یہ لباس دیکھ رہے ہو، میرے جسم پر، میں نے اس کی الماری سے حاصل کیا تھا اور سراج عام جسامت کا شخص ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اس نے جھوٹ بولا تھا۔" ناصر نے غور کیا۔ "مکان نمبر کیا ہے؟"

"مجھے یاد ہے۔" شکیل بولا۔ "اس کے مین گیٹ پر لکھا تھا، اس نے پتا بتایا جو ناصر نے نوٹ کیا اور کسی کو کال کرنے لگا۔ اس نے بات کر کے یہ پتا نوٹ کروایا اور مکان کے مالک کا نام بتانے کو کہا۔ ناصر کے فلیٹ میں ایک پرانا طرز کا کوائلوں والا الیکٹرک ہیٹر تھا۔ ایمن نے وہ لگا لیا تھا اور اب سب باری باری اس پر ہاتھ سینک رہے تھے۔ سفیر کچھ زیادہ ہی قریب چلا گیا تھا۔ اچانک وہ اچھلا اور پیچھے آیا۔

"یہ تو کرنٹ مارتا ہے۔"

ناصر نے دانت نکالے "میں بتانا بھول گیا تھا۔"

سفیر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ "مسٹر ناصر! یہ بتاؤ کہ تمہیں ہم سے کیا ہمدردی ہے جو اس طرح ہمارے لئے خود کو خطرے میں ڈال رہے ہو؟"

"کوئی نہیں۔۔۔۔ پرائے معاملات میں ٹانگ اڑانا اور تڑوانا اس درویش کی ہابی ہے۔"

"اس بار معاملہ ٹانگ ٹوٹنے تک محدود نہیں رہے گا۔" میں نے ملامت سے کہا۔

"گردن ہی سہی!" وہ بے پروائی سے بولا۔ "لیکن اگر تم شک کر رہے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ میں یوں یہ سب کر رہا ہوں۔"

"سکہ رائج الوقت کے لئے، تم ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہو۔" سفیر سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اس کی میں نے کبھی پروا نہیں کی، دوسرے مجھے اس صورت میں مسلح دستے کے ساتھ واپس آنا چاہئے تھا۔"

"اس میں اس کی کوئی چال ہو سکتی ہے جو تمہارے پیچھے ہے۔ تم کہہ چکے ہو یہ ڈیوڈ شا کا کھیل ہے۔"

"میں نے جو بھی کیا ہے خلوص نیت سے کیا ہے اور اب تک میری ذات سے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔" ناصر کسی قدر خفا لہجے میں بولا۔ "تم لوگوں تک پہنچنے میں شہباز کی مدد میں نے کی تھی۔"

"یہ بھی چال ہو سکتی ہے خاص طور سے اس صورت میں جبکہ شہباز اتنی حفاظت والی جگہ سے ہم کو آرام سے اور بغیر کسی نقصان کے نکال لایا۔"

"بس بھی کرو۔" سونیا نے مداخلت کی تھی۔ "تم بلاوجہ ایک شخص کے پیچھے پڑے ہو۔ عادل نے اس کے بارے میں انکوائری کروائی ہے، یہ شخص صاف ہے۔"

سفیر نے بے ساختہ کہا۔ "کیا عادل کی کسی بات پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

"سفیر بس کر یار!" میں نے سونیا کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ "کیا ہو گیا ہے تجھے؟"

"سفیر نے سر جھٹکا۔ "پتا نہیں یار، لیکن یہ سب مجھے ہضم نہیں ہو رہا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ہم ابھی چلتے ہیں، آئندہ راجا ناصر یا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، نہ کسی سے مدد مانگیں گے اور اپنی جنگ خود لڑیں گے۔" میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا یار!" وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔ "شاید حالات نے مجھے شکی کر دیا ہے۔"

ناصر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ درست کہہ رہا ہے۔ شہباز ملک! سب تمہاری طرح مضبوط اعصاب کے نہیں ہوتے۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "شاید ایسا نہیں ہے ورنہ میں سفیر کی بات پر یوں جذباتی نہ ہوتا۔"

کمرے میں ناگواری خاموشی چھا گئی تھی۔ اچانک ناصر نے قہقہہ مارا اور پھر سفیر کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"تُو بڑا ہی شکی ہے، آخر ہے نا بیورو کریٹ!"

"ٹھیکو کریٹ!" سفیر نے تصحیح کی۔ "اور بیٹے تُو کون سا کم ہے۔ شک کرنا تو صحافی کی گھٹی میں ہوتا ہے۔"

"دریں چہ شک!" ناصر بولا۔

"ویگن کس کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ادھر ذرا آگے ایک پراپرٹی ایجنٹ ہے۔ اس کا اشتہار مفت میں اخبارات میں لگوا دیتا ہوں۔ بدلے میں کبھی کبھی وہ اپنی یہ کھٹارا وین مجھے استعمال کے لئے دے دیتا ہے۔"

"آج اس ویگن نے ہمیں وہاں سے نکال لیا۔" میں نے کہا۔ "مبارک گاڑی ہے۔"

ناصر ہنسا۔ "ادھر ایک پیر گنڈی شاہ ہے۔ پہلے مکینک تھا پھر تارک دنیا ہو گیا۔ مطلب چرس اتنی زیادہ پینے

لگا کہ رعشے کے سبب ایک نٹ بھی درست طریقے سے نہیں لگا سکتا تھا لہٰذا اس نے گیراج کی جگہ یہ دھندا شروع کر دیا۔ نام کچھ اور ہے لیکن گنڈی پیر یا پیر گنڈی شاہ کے نام سے معروف ہے۔ خاص طور سے ٹرانسپورٹ کا کام کرنے والوں میں اس کے کئی مرید ہیں جو اس سے تعویذ لے کر گاڑیوں پر لٹکاتے ہیں۔"

"تاکہ گاڑی حادثات اور آفات بشمول پولیس والوں کے محفوظ رہے۔" سفیر نے لقمہ دیا۔

"اگر دشمن نے نمبر نوٹ کر لیا ہو تو......؟"

"اوّل تو اتنی بارش میں نمبر نوٹ کرنا ممکن نہیں تھا اور اگر کر بھی لیتا تو بیکار تھا۔ کیونکہ روانگی سے پہلے میں نے جعلی نمبر پلیٹیں لگائی تھیں، ایک کباڑی سے دس روپے میں لی تھیں، بعض اوقات کسی خفیہ مشن پر جانا پڑتا ہے تو بہت کام آتی ہیں۔"

میں نے محسوس کیا، شکیل کچھ بے چین تھا۔ اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ پاتے ہی ذرا جھک کر سرگوشی میں کہا۔ "شہباز صاحب، یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر دشمن نے دھاوا بولا تو ہم چوہوں کی طرح پھنس جائیں گے۔"

ناصر نے سن لیا تھا، وہ بولا۔ "یار، تم نے ابھی پورے فلیٹ کا معائنہ نہیں کیا، آؤ دکھاتا ہوں۔"

وہ ہمیں عقبی حصے میں ایک کھڑکی تک لایا۔ اس نے کھڑکی کھولی تو سامنے ایک مکان کی چھت تھی اور بیچ میں دو فٹ کا خلا تھا۔ بس ایک قدم رکھا اور دوسرے کی چھت پر ہوتے، اس جگہ سے فرار میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ آگے گلیوں میں نکل جاؤ تو ایک بٹالین فوج بھی تلاش نہیں کر سکتی......نازک موقع پر میں خود دو دفعہ اس جگہ سے فرار ہوا ہوں۔"

"اس مکان میں کون رہتا ہے؟"

"کوئی نہیں۔ یہ ایک ہاسٹل ہے، الگ الگ کمرے لوگوں کو کرائے پر دیئے ہوئے ہیں۔" ناصر نے کھڑکی بند کر دی۔

میں واپس آیا تو میں نے سونیا کو نڈھال سا بستر کر کے سرہانے ٹیک لگائے دیکھا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

"پتا نہیں شوبی بھائی! سر میں درد ہے اور ماتھا گرم محسوس ہو رہا ہے۔"

میں نے اس کا ماتھا دیکھا۔ وہ واقعی خاصا گرم ہو رہا تھا اور اس کی نبض بھی تیز چل رہی تھی۔ کئی بار بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس پر سردی کا اثر ہوا تھا۔ ناصر نے کہا۔ "میرے پاس اسپرین ہے۔" اس نے پیالا کر دیا۔ میں نے سونیا کو چار عدد گولیاں کھلا دیں اور اسے کمبل اوڑھا دیا۔ شکیل پریشان تھا اس نے ناصر سے کہا۔

"ادھر کوئی ڈاکٹر ملے گا؟"

"ہاں ادھر پاس ہی ہوتا ہے، کہو تو میں اسے لے آؤں؟"

"بالکل، لیکن وہ برات کی خبر تو نشر نہیں کر دے گا۔"

"اس کے سامنے آنے کے لئے ایک شخص کافی ہے بلکہ ضروری ہے ورنہ اس نے میرے فلیٹ میں کسی خاتون کو اکیلا پایا تو میں کل تک اس علاقے میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گا۔"

"شکیل سامنے آئے گا، تم ان دونوں کو میاں بیوی بتانا جو دوسرے شہر سے آئے گا اور بارش کی وجہ سے

خاتون بیمار پڑ گئی۔"

"او کے، میں ابھی لایا۔تم سب اندر والے کمرے میں چلے جانا، جب میں دستک دوں۔"

سونیا کا چہرہ ذرا سی دیر میں اچھا خاصا سرخ ہو گیا تھا۔ مجھے آثار اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ شاید اس پر نمونیہ کا حملہ ہوا تھا۔ ناصر پندرہ منٹ بعد لوٹا تھا۔ دستک سنتے ہی ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ نشست گاہ تھی اور اس میں سوائے ایک بدرنگ قالین کے کچھ نہیں تھا۔ میرے کان دوسرے کمرے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے کھرکھراتی آواز میں بات کر رہا تھا۔ "مریض کون ہے، تم......؟" غالباً اس نے شکیل سے پوچھا۔

"نہیں...... یہ میری بیوی ہے۔" ڈاکٹر باتوں سے جھکی لگ رہا تھا۔

"یار، تم مریضہ کو دیکھو۔" ناصر نے کہا۔

ڈاکٹر نے سونیا کا معائنہ کیا اور کوئی پانچ منٹ بعد اس نے کہا۔ "نمونیہ کا حملہ ہے لیکن خطرے کی بات نہیں ہے۔ میں دوا دے دیتا ہوں۔ باقاعدگی سے کھائے اور آرام کرے گی تو جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔ ارے یہ کیا...... اس نے گیلے کپڑے پہنے ہیں...... تم اسے مارنا چاہتے ہو؟"

"کپڑے بارش میں بھیگے ہیں۔" شکیل بولا۔

"تو بدلو بابا! اسے دودھ گرم کر کے دو۔ چوزے کی یخنی پلاؤ۔" شکیل ندامت دیتا۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد ہم اس کمرے میں آئے۔ ایمن نے صورتِ حال پوچھی اس نے ناصر سے کہا۔

"تمہارے پاس خشک کپڑے ہیں؟"

"چھوڑو......" مونا بولی۔ "اسے دوسرے کمرے میں لے جاتے ہیں، ہم دیکھ لیں گے۔"

"ایمن سمجھ گئی۔ اس نے ناصر سے استری کا پوچھا، ناصر نے اسے استری لا دی اور وہ سونیا کو دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ غالباً وہ اس کا لباس اتار کر اسے کمبل اوڑھا دیتیں اور پھر اس کے کپڑے استری سے سکھا لیتیں۔ ناصر اس کے لئے دودھ لینے چلا گیا۔ دکان نیچے تھی، اس نے دودھ گرم کر کے مونا کو دیا۔

"شہباز صاحب، سونیا کو علاج اور آرام کی ضرورت ہے۔" شکیل بولا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ناصر نے اس کی تائید کی۔ "اسے راجا کے بنگلے پر لے جانا ہوگا۔"

"اپنا موبائل دینا۔" میں نے راجا ناصر سے کہا، اس نے موبائل دیا۔ میں نے بیگ کا نمبر ملایا۔

"شہباز صاحب، کہاں ہیں آپ؟" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "راجا صاحب آپ کے لئے پریشان ہیں۔"

"بیگ صاحب، ہم بڑے مشکل مراحل سے گزر کر ایک محفوظ مقام پر پہنچے ہیں۔ میرے ساتھ وسیم کی بہن ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ یہاں گاڑی بھیج سکتے ہیں۔"

"میرے آدمی وین سمیت ابھی اس کچی آبادی کے پاس ہیں، آپ پتا سمجھائیں، میں ان کو بھیجتا ہوں۔"

"پتا آپ کو ناصر سمجھائے گا، ہم اس کے پاس ہیں۔"

"یہ کون ہے؟"

"میں آ کر بتاؤں گا، اس سے بات کریں۔" میں نے فون ناصر کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے بیگ کو اپنا پتا

سمجھایا۔

''اس کے آدمی آرہے ہیں۔'' ناصر نے فون کر کے مجھے بتایا۔''وہ پندرہ منٹ میں اس جگہ آجائیں گے۔ ان کو لانے کے لئے مجھے جانا ہوگا۔''

میں نے لڑکیوں کے کمرے کا دروازہ بجایا۔ اندر سے مونا نے کہا۔''کیا بات ہے؟''

''مونا......سونیا کو تیار کرو، ہم بیس پچیس منٹ میں یہاں سے نکل رہے ہیں۔''

''اب کیا مصیبت آگئی۔''

''بیگ کے آدمی لینے آرہے ہیں۔ سونیا کو پراپر علاج کی ضرورت ہے اور وہاں زیادہ بہتر علاج ہو سکے گا۔'' میں نے کہا۔''بس اب دیر مت کرنا۔''

ناصر دس منٹ بعد نیچے چلا گیا تھا۔ اس وقت شام کے چار بج رہے تھے اور باہر اندھیرا ہونے لگا تھا۔ بارش رک گئی اور اس کے بعد چلنے والی فراٹے دار ہوا سے سردی کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہمارے کپڑے خاصی حد تک سوکھ گئے تھے۔ اس کے باوجود ان میں ہلکی سی نمی بھی جسم کو کاٹ رہی تھی۔ بلکہ سفیر نے اپنی جیکٹ اتار کر سکھالی تھی اور اس کے بعد چھینکنا شروع کر دیا تھا۔ دس منٹ بعد ناصر لوٹ آیا۔''وہ نیچے آ گئے ہیں۔ میں نے تصدیق کر لی ہے، وہ بیگ کے آدمی ہیں۔''

میں نے پھر لڑکیوں کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔''آجاؤ بھئی، نیچے گاڑی آگئی ہے۔''

''بس پانچ منٹ اور......'' اندر سے مونا چلائی۔

''اب پانچ منٹ کس خوشی میں؟'' میں بھنا گیا تھا۔''اتنی دیر میں تو چار جوڑے استری سے خشک کئے جا سکتے ہیں۔''

''سمجھا کر یار!'' سفیر نے چھینک کر مار کر کہا۔''وہ اتنے ہی جوڑے سکھا رہی ہیں۔''

''یعنی سونیا کے ساتھ اپنے بھی۔''

''اور کیا، کچھ دیر انتظار کر لے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ خواتین کو مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ اندر سے برآمد ہوئیں۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہوں نے سکون سے تیاری کی ہے۔ سونیا کی طبیعت انجکشن لینے گرم دودھ پینے کے بعد سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ پہلے میں اور سفیر نیچے آئے۔ سیاہ رنگ کی وین بلڈنگ کے عین سامنے رکی تھی۔ اس کا وسطی سلائیڈنگ ڈور کھلا تھا۔ سونیا کو ایمن اور مونا سہارا دے کر نیچے لائیں۔ ان کو درمیانی سیٹوں پر جگہ ملی۔ میں شکیل اور سفیر پچھلے حصے میں آئے۔ یہ سارا حصہ مکمل طور پر بند تھا اور اس میں باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ جبکہ اگلے حصے میں دو افراد تھے۔ ایک ڈرائیور اور دوسرا اس کا ساتھی، دونوں مسلح تھے۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''اس ڈبے میں بند ہونے کے بعد ہمیں باہر کے حالات کا کیسے پتا چلے گا؟''۔

''آپ فکر نہ کریں، ہم آپ کو بحفاظت پہنچا دیں گے۔'' اس نے کہا۔

ہمارے بیٹھتے ہی وین روانہ ہو گئی تھی۔ ناصر باہر رہ گیا تھا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ہاتھ ہلایا اور اپنے فلیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ بڑا عجیب سا کردار تھا۔ جب موت ہمارے آس پاس منڈلا رہی تھی تو

وہ جان پر کھیل کر وہاں آیا اور اس نے ہمیں نکال لیا اور اب اتنی بے پروائی سے ہمیں رخصت کر دیا تھا، شکریے کا موقع تک نہیں دیا۔ ''اچھا آدمی ہے یہ شخص!'' سفیر نے میرے خیالات کو زبان دی۔

''اور کام کا بھی۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''خدا کا یہ احسان ہے، جب ہم کسی مشکل میں ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی کو ہماری مدد کے لئے بھیج دیتا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ سونیا اپنی نشست پر سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ مونا اس کے برابر والی نشست پر تھی اور ایمن اس سے آگے۔ اس نے مڑ کہا۔ ''تم لوگ ناصر کے بارے میں بات کر رہے ہو نا؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ اچھا اور مخلص آدمی ہے۔ وہ آئندہ بھی تمہارے کام آئے گا۔''

''امید ہے ہمارا اچھا ساتھی ثابت ہوگا۔'' میں نے کہا۔

وین بارش زدہ سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کہاں سے گزر رہے تھے کیونکہ وین کا یہ حصہ چاروں طرف سے بند تھا۔ البتہ یہ حصہ ائر کنڈیشنڈ تھا اور اس وقت ہیٹر آن تھا اس لئے اندر خوشگوار حدت تھی۔ کوئی نصف گھنٹے بعد وین چند لمحے کے لئے رکی اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد رک گئی۔ شاید ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے۔ مگر وین کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔ کچھ دیر بعد وین دوبارہ اسٹارٹ ہوئی اور تھوڑا سا چل کر رک گئی۔ اس بار دروازہ کھلا اور ڈرائیور کی صورت نظر آئی۔ ''آئیے سر! اندر تشریف لے چلیں۔'' اس نے ادب سے کہا۔

وین ایک کورڈ پورچ میں کھڑی تھی۔ ڈرائیور اور مسلح محافظ کے ساتھ ایک طویل قامت اور دبلا سا شخص شلوار قمیص اور بغیر آستین کے سویٹر میں تھا۔ اس نے آگے آ کر کہا۔ ''آپ میں سے شہباز صاحب کون ہیں؟''

''میں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''خوش آمدید سر! یہاں میں آپ کا خادم ہوں، میرا نام رشید ہے۔''

''ٹھیک ہے تو بھائی رشید! یہ کون سی جگہ ہے؟''

''یہ جی ایک کوٹھی ہے...... لیکن آپ کے لئے انیکسی کھولی ہے۔''

یہ تو واضح تھا کہ بیگ نے ہمارا بندوبست یہاں کیا تھا۔ یعنی ہم راجا عمر دراز کے پاس نہیں تھے۔ وین کے ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں اجازت ہے سر!''

''کیوں نہیں اور تمہارا بہت شکریہ!''

''تابعدار خادم ہیں جی آپ کے!'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وین میں بیٹھ کر اپنے ساتھی سمیت رخصت ہو گیا۔ رشید ہمیں کوٹھی کے دائیں جانب بنی وسیع و عریض انیکسی میں لایا۔ اس نے ہمیں بیڈ روم دکھائے، کل چار بیڈ روم تھے۔ مونا اور سونیا نے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا اسی طرح میں اور سفیر بھی ایک کمرے میں مان گئے، شکیل اور ایمن نے الگ الگ کمروں میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہاں ایک بڑا ڈرائنگ روم اور ایک ڈائننگ روم تھا۔ میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے رشید سے کہا۔

''یار، بھوک اور تھکن سے برا حال ہے۔ کھانے کو کچھ مل سکتا ہے؟''

''سر، باقاعدہ کھانے کے لئے تو ڈیڑھ دو گھنٹا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ کہیں تو میں رخسانہ سے اسنیکس

بنوا دیتا ہوں۔"

"یہ رخسانہ کون ہے؟" سفیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میری بیوی سر! کھانا بنانا اسی کی ذمے داری ہے۔" رشید نے متانت سے کہا تو سفیر خفیف ہو گیا تھا۔

"ایک کام اور کرنا ہے یار! یہ موبائل ہیں، ان کو چیک کروانا ہے، پانی میں بھیگ گئے ہیں۔" میں نے اسے اپنے موبائل دیئے، اس نے معائنہ کیا۔

"سر، یہ پہلے سے بند تھے یا بھیگنے کے بعد بند ہوئے؟"

"ان کی بیٹری ختم ہو گئی تھی، پہلے سے بند تھے۔"

"تب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے سر! ان کے چارجر کہاں ہیں؟"

"وہ بھی نہیں ہیں، تم دوسرے لے آؤ۔"

"لے آؤں گا سر! تین گھنٹے بعد یہ آپ کو اوکے ملیں گے۔" اس نے دونوں موبائلوں سے چپ کارڈ یعنی سم نکال کر مجھے دے دیں۔ "میں ابھی پندرہ منٹ میں اسنیکس بھجواتا ہوں سر!" وہ جاتے جاتے رکا۔ "سر، آپ لوگوں کو کپڑے اور جوتوں کی ضرورت بھی ہے؟"

"بالکل ہے۔" میں نے کہا۔

"ایک پرچے پر ناپ لکھ کر دے دیں، میں بندوبست کرتا ہوں۔"

"یہ انسان ہے یا چراغ الہ دین کا جن!" سفیر نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"ہمیں کام سے مطلب ہونا چاہیئے۔" میں نے اپنے بدرنگ ہو جانے والے جوتے اتار دیئے۔

"راجا نے ہمیں یہاں کیوں بھیجا؟" سفیر نے سوال نمبر دو کیا۔

"وہ عقل مند شخص ہے۔ اس نے بجا طور پر سوچا کہ دشمن ہمارے ذریعے اس تک پہنچنا چاہتا ہے اس لئے اس نے اس جگہ کا انتخاب کیا ہے اور یہ کوٹھی بھی بظاہر بند پڑی ہے۔"

سفیر ایک طرف رکھے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ "خدا کرے، اب کم سے کم دو تین دن کچھ غیر متوقع نہ ہو اور ہمیں بھاگنا نہ پڑے۔"

"تقدیر پر کسی کا زور نہیں ہے، جب تک ہمارا دانہ پانی اس جگہ ہے، کوئی ہمیں یہاں سے ہلا نہیں سکتا۔"

چند منٹ بعد ایک نوعمر سی لڑکی ٹرالی لے کر اندر آئی۔ اس نے ہمارے لئے چائے اور اسنیکس نکال کر میز پر رکھے۔ ٹرالی میں خاصا سامان تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ سب کے لئے لائی تھی، لڑکی کمسن اور حسین تھی لیکن اس کے حسن میں بھی بچگانہ سی معصومیت تھی۔ اس نے سامان رکھ کر پوچھا۔ "آپ کھانا کب کھائیں گے صاحب!"

"آٹھ بجے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم رشید کی بیٹی ہو؟"

رشید تقریباً چالیس بیالیس برس کا شخص تھا اور اس کی چودہ پندرہ سال کی بیٹی بالکل ہو سکتی تھی، میرے سوال پر اس نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر بعد بولی۔ "جی، میں اس کی بیوی ہوں، میرا نام رخسانہ ہے۔"

وہ ہم دونوں کو دم بخود چھوڑ کر کمرے سے چلی گئی تھی۔ "یار سفیر، اتنی سی بچی خود سے تین گنا بڑے شخص......"

"ہمارے ہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔" سغیر نے گہری سانس لی۔ "خود میں نے دیکھا ہے، ایک بارہ سالہ لڑکی جو ونی میں آئی تھی، اس کی شادی ایک چھیاسٹھ برس کے بوڑھے سے کی گئی اور اس نے اس بات کی پروا کئے بغیر کہ لڑکی ابھی نابالغ ہے، اسے اپنی بیوی بنالیا تھا۔ ہمارے ہاں یہ ظلم بہت ہے یار۔"

میں نے سنبھل کر چیزوں کا جائزہ لیا۔ سینڈوچز اور سموسے تھے۔ ساتھ میں ٹماٹو کیچپ اور چٹنیاں بھی تھیں۔ "شروع کر یار! دل چھوٹا مت کر، ممکن ہے رشید اس کے لئے اچھا شوہر ہو۔" میں نے کہا۔

کھانے کے دوران ہی رشید خود کا غذ پین لے کر آگیا تھا۔ اس نے ہمارے سائز معلوم کئے اور چلا گیا۔ میں بہت تھک گیا تھا اس لئے بستر پر لیٹ کر سو گیا۔ سغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔ آٹھ بجے مجھے ایمن نے اٹھایا۔ "شوبی! اٹھو، کھانا تیار ہے، لگنے والا ہے۔"

میں اٹھ گیا۔ "باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"ڈائننگ روم کی طرف جاچکے ہیں۔ بھوک سے سب کا ہی برا حال ہے۔"

"میں ابھی آیا۔" میں نے باتھ روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"کھانے کی میز اچھی خاصی بجی تھی۔ اس پر تین چار ڈشز تھیں اور یہ سب کھانا اسی نازک اور کمسن لڑکی نے بنایا تھا۔ سروبھی وہی کر رہی تھی۔ کھانا لذیذ تھا، سب نے سیر ہو کر کھایا اور اس کی تعریف کی، وہ خوش ہو گئی۔

"سچ، اچھا بنا ہے یا آپ ایسے ہی میری تعریف کر رہے ہیں؟"

"نہیں، تم نے سب بہت اچھا بنایا ہے۔" سونا نے اسے یقین دلایا۔

"اچھا، یہ بتاؤ کہ تم چائے زیادہ اچھی بناتی ہو یا کافی؟" سغیر نے پوچھا۔

"دونوں صاحب! جو آپ کہیں۔"

سونیا کو اس کا پرہیزی کھانا دیا جاچکا تھا اور وہ دوائیں لے کر سو رہی تھی۔ ہم اپنے کمرے میں آئے، کیونکہ وہاں آتش دان میں ہیٹر آن تھے، سب ہی تھکے ہوئے تھے، میں نے سو لیا تھا اس لئے مجھے تو اتنی نیند نہیں آ رہی تھی لیکن جب رخسانہ کافی لے کر آئی تو سغیر خراٹے لے رہا تھا۔ "کوئی بات نہیں، اس کی جگہ میں پی لوں گا۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "رشید کہاں ہے؟"

"جی وہ باہر گئے ہیں۔"

اس وقت نو بج رہے تھے۔ میں نے فون کے بارے میں پوچھا، اس نے بتایا۔ "جی وہ باہر رکھا ہے، آپ نے فون کرنا ہے تو یہاں لے آئیں، ادھر بھی لگ سکتا ہے۔"

میں فون لے آیا۔ میں نے بیگ کو کال کی لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ میں نے فون رکھ دیا، کافی پیتے ہوئے میں نے گزشتہ ایک ہفتے کے دوران پیش آنے والے واقعات پر غور کیا۔ مجھے اس دوران میں سکون سے بیٹھ کر غور کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس دوران میں ہم پر بے شمار آفتیں آئی تھیں، جب تک ہم شمالی علاقے میں تھے، جو بھی واقعات پیش آئے، وہ سمجھ میں آنے والے تھے لیکن جب میں اسلام آباد آیا اور بیگ سے ملا تب سے ایسے واقعات پیش آنے لگے جو مجھے الجھن میں ڈالتے لگے تھے۔ اسلام آباد سے میرا تعاقب کیا جاتا ہے، اس کے بعد دشمن لاہور میں مجھے منتظر ملتے ہیں۔ وسیم ملتا ہے جو جابی شاہ کی قید میں ہے اور مجھے بہ آسانی لاہور

تک پہنچا دیتا ہے۔ وہاں سے میں راجا صاحب تک تو چلا آتا ہوں اس کے بعد مجھے سونیا اور شکیل کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ وہ کہاں ہو سکتے ہیں پھر معلوم ہوتا ہے سونیا، سفیر اور ایمن بھی وہاں ہیں۔ میں تین افراد کے ساتھ جاتا ہوں اور آرام سے ان سب کو آزاد کرا لیتا ہوں، اس کے بعد دشمن مستقل ہمارا پیچھا کرتا ہے۔ وہ بار بار ہمیں تنگ کرتا ہے لیکن ہم ہر بار اس سے بچ کر نکل گئے، ہم پر بے پناہ فائرنگ کی گئی لیکن یہ فائرنگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ ایسا صرف سلطان راہی مرحوم کی فلموں میں ہوتا تھا۔ ویسے تو تمام ہی فلمی ہیروز کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے لیکن سلطان راہی کے ساتھ ویسا ہوتا تھا جیسا ہمارے ساتھ ہو رہا تھا اس لیے میں نے اس کا حوالہ دیا۔

یہ سب کچھ میں نہ آنے والا تھا۔ عام زندگی میں اتنے اتفاقات پیش نہیں آتے، اتنے اتفاقات تو کسی فلم میں پیش آ سکتے تھے۔ یہ بات سامنے آنے کے بعد کہ ڈیوڈ شالا ہور میں تھا، میرے ذہن میں شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ وہ کسی خاص مقصد کے تحت ہمیں دوڑا رہا تھا۔ وہ ہمیں کسی خاص جگہ پہنچانا چاہتا تھا۔ اور وہ جگہ شاید راجا عمر دراز کا مقام تھا، اس کا مطلب تھا ڈیوڈ شا اس کے بارے میں خاص عزائم رکھتا تھا اور اس تک جانے کے لئے وہ اتنا بے تاب تھا کہ اس نے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ مگر اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی، ہمیں ویسے بھی راجا عمر دراز تک ہی جانا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو میں چونکا تھا۔ ”آ جاؤ“ میں نے بلند آواز سے کہا۔ ”رشید اندر آیا، اس نے ایک بڑا سا شاپر اٹھا رکھا تھا۔ ”سر یہ آپ کے اور سفیر صاحب کے لئے کچھ کپڑے ہیں ان میں سونے کا لباس بھی ہے اور یہ رہے آپ کے موبائل، دونوں کام کر رہے ہیں، ان کے چارجر بھی لے آیا ہوں۔“

میں نے موبائل اور چارجر ایک طرف رکھے اور شاپر اٹھایا۔ اندر سے دو پیکٹ نکلے۔ رشید نے ایک پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس میں آپ کے کپڑے ہیں۔ سر، آپ لوگوں نے کھانا ٹھیک سے کھایا۔ کوئی کمی تو نہیں رہی؟“

”نہیں، رخسانہ نے سب بہت اچھے طریقے سے کیا۔“ میں نے کہا۔ ”خاص طور سے کھانا بہت اچھا تھا۔“

وہ خوش ہو گیا۔ ”جی سر، رخسانہ کھانا بہت لذیذ بناتی ہے۔“

میں نے پیکٹ کھولا، اندر دو عدد شرٹس تھیں۔ دو ہائی نیک کی گرم جرسیاں اور ایک نائٹ سوٹ تھا۔ ایک الگ پیک میں ایک جوڑی جوتا اور ایک چپل کی جوڑی تھی۔ ”شکریہ رشید!“

”میں خادم ہوں سر۔ آپ دیکھ لیجئے گا اگر کوئی چیز ناپ کی نہیں ہے یا آپ کو پسند نہیں آئی تو دوسری آ جائے گی۔“

”ٹھیک ہے رشید، اب تم جا کر آرام کرو۔“

”میں رات کو یہاں رہوں گا سر! مجھے بلانے کے لئے یہ بٹن دبا دیجئے گا۔“ اس نے دیوار پر لگے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشید کے جانے کے بعد میں نے کپڑے بدلنے کا سوچا۔ میرا دل نہانے کو چاہ رہا تھا لیکن میں اپنے زخم کی حالت سے ناواقف تھا۔ میں نے ایمن کے کمرے کا دروازہ ہلکے سے بجایا۔ فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔ ایمن سامنے سر پر تولیا باندھے کھڑی تھی اس نے پہلے ہی نہا لیا تھا۔ نہانے کے بعد اس نے نیا ٹراؤزر اور پوری آستین والی اونی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جو ڈھیلی ہونے کے باوجود اس پر جچ رہی تھی۔

''لگتا ہے تمہارے لئے بھی نئے کپڑے آ گئے۔'' میں اندر آیا۔

''ہاں، رخسانہ ہمارے کپڑے لائی تھی۔'' وہ بولی۔ ''میں نے نہا کر جلدی سے کپڑے بدل لئے۔ مجھے پرانے کپڑوں میں الجھن ہو رہی تھی۔''

''یہی حال میرا ہے، میں نہانا چاہ رہا ہوں، لیکن زخم کا خیال ہے۔''

''ایک منٹ دیکھ لیتی ہوں، شرٹ اتار دو اپنی!''

میں نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ شرٹ اتار دی۔ اس نے عقب سے زخم دیکھا۔ ''ہاں، خشک ہے۔ میرا خیال ہے ذرا احتیاط کے ساتھ نہا سکتے ہو۔ جب نہا لینا تو میں آ کر اس کی صفائی کر کے دوا لگا دوں گی۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

میں آ کر نہایا۔ کتنے دن بعد اس طرح نہانا نصیب ہوا تھا۔ بھاگ دوڑ میں حشر ہو گیا تھا۔ نہا کر ایسا سکون ملا جو محسوس کیا جا سکتا تھا بیان نہیں۔ میں بال خشک کر رہا تھا کہ ایمن آئی، اس نے روئی سے زخم صاف کیا، اس پر پاؤڈر چھڑک کر اوپر پٹی چپکا دی تھی۔ ''میں نے رخسانہ سے چائے کا کہا ہے۔ وہ نشست گاہ میں لائے گی۔''

''یہ تم نے اچھا کام کیا۔'' میں خوش ہو گیا تھا۔

ہم نشست گاہ میں آئے، سوائے ہم دونوں کے سب ہی سو چکے تھے۔ رخسانہ چائے لے آئی تھی۔ ایمن نے اس سے ٹرے لے لی۔ ''اب تم سو جاؤ، ہم بنا لیں گے۔'' میں نے اس سے کہا۔

''نہیں صاحب! میں برتن لے جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

ایمن نے چائے بنائی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا، اتنی کمسن لڑکی، اس کا شوہر اس سے تین گنا بڑا تو ہے۔''

''پتا نہیں کیا مجبوری تھی؟'' میں نے گہری سانس لی۔ ''بظاہر تو ہم سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، اندر کی کہانی کیا ہے ہم اس سے بے خبر ہیں۔''

''کچھ دیر خاموشی رہی تھی پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''ایمن، اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں سوچ رہی ہوں، واپس جاؤں۔ یہاں جو حالات میں نے دیکھے ہیں، اس سے مجھے امید نہیں ہے کہ حکومت ڈیڈی کو بازیاب کرا سکتی ہے۔ میں جا کر جاب دیکھوں گی۔''

''لیکن ڈیوڈ شا برطانوی کونسلیٹ میں مقیم ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کونسلیٹ سے سکیورٹی مانگ لوں گی۔ ایک دو دن میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' اس نے وضاحت کی۔

''یہ بہتر رہے گا۔'' میں نے تائید کی۔

''شوبی! تم بھی یہاں سے نکل جاؤ۔''

''شاید یہی کام کروں۔''

''تم میرے پاس برطانیہ آ جاؤ۔'' اس نے کہا۔

''قانونی طور پر میرے لئے ملک سے نکلنا مشکل ہے۔ میرا اندازہ ہے مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' میں نے چائے کا کپ ٹرے میں رکھ دیا۔ ''مگر ایمن! اب تمہارا نکلنا ضروری ہو گیا ہے۔ میں نہیں

چاہتا کہ میری اس جنگ میں تم کو کوئی نقصان ہو۔"

"کیوں؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "یہ میری جنگ بھی تو ہے۔ میرا باپ فتح خان کی قید میں ہے۔ ڈیوڈ شا میرے درپے ہے۔"

"ہاں، مگر تمہیں یہاں سے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جہاں تک برٹ شا کی تلاش کا کام ہے تو میں نے راجا عمر دراز سے کہہ دیا تھا، وہ اس کا علاقہ ہے اور وہ زیادہ بہتر طور پر برٹ شا کو تلاش کر سکتا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے راجا میرے ڈیڈی کو نقصان نہیں پہنچائے گا؟"

"راجا منتقم مزاج شخص نہیں ہے۔ اس نے خود پر قاتلانہ حملہ کرنے والے شخص کو اپنا ملازم رکھ لیا ہے۔ میں اسے اور اس کی بیٹی کو فتح خان سے تحفظ بھی دے رہا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ برٹ شا کے لئے خلوص سے کوشش کرے گا۔"

"میں کل کونسلیٹ چلی جاؤں گی۔" ایمن نے سر جھکا کر کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ یہ کام بحفاظت ہو جائے۔"

"نہیں، تم نہیں نکلو گے، میں خود چلی جاؤں گی۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمہیں ایسے جانے نہیں دوں گا۔ اگر دشمن باہر گھات میں ہوا تو وہ تمہیں لے نے کی کوشش کرے گا۔ میں خود تمہیں چھوڑنے جاؤں گا۔"

"اتنی اہمیت ہے میری۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"میں کھڑا ہو گیا۔" اب سو جاؤ۔ تم بھی تھک گئی ہو۔"

وہ یک دم کھڑے ہوتے ہوئے میرے سینے سے لگ گئی۔ "شوبی! تم مجھے یاد کرو گے؟"

"ایمن، تم بھلانے والی ہستی نہیں ہو۔" میں نے نرمی سے اسے خود سے جدا کیا، اس نے پھر لگنے کی کوشش کی تو میں نے روک دیا۔ "رخسانہ یا رشید آ سکتے ہیں اور تم اچھی طرح جانتی ہو، ہمارے معاشرے میں یہ معیوب بات سمجھی جاتی ہے۔"

"ہاں۔" وہ بجھ گئی تھی۔ "شوبی، مجھے لگتا ہے تم مجھے پسند نہیں کرتے؟"

"میں تم کو پسند کرتا ہوں لیکن ہمارے ہاں پسند کے اظہار کے طور طریقے مختلف ہیں۔ تم اسے ثقافتوں کا فرق بھی کہہ سکتی ہو۔"

"شوبی...... میں پھر آؤں گی۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ممکن ہے آئندہ تم آؤ تو حالات میرے لئے بہتر ہو چکے ہوں۔"

"پھر تم اپنا گھر بساؤ گے؟" اس کا لہجہ پرامید تھا۔

"میں نے اس بارے میں سوچا نہیں ہے، جب وقت آئے گا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "تب سوچوں گا۔"

"شوبی...... کیا میں......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا ایمن!" میں نے پوچھا۔

"کچھ...... کچھ نہیں...... گڈ نائٹ!" وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی اور میں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ کیا وہ میری نئی زندگی میں شامل ہوگی یا نہیں؟ میں نے اندر جا کر جیکٹ پہنی اور باہر نکلا۔ انیکسی اور اصل کوٹھی کے درمیان میں ایک لان اور کار پارکنگ کا حصہ تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کوٹھی کی حفاظت کے لئے کیا انتظامات تھے۔ اس کے چاروں طرف اونچی دیوار تھی جس پر خاردار تار تھی۔ میں مین گیٹ کی طرف آیا۔ گیٹ کے ساتھ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی اور اس میں چوکیدار چارپائی پر کمبل میں لپٹا خراٹے لے رہا تھا۔ تو یہ سکیورٹی ہے۔ میں نے سوچا۔ اس طرح تو کوئی بھی آرام سے اندر گھس آتا۔ میں واپس انیکسی میں آیا، بٹن دبا کر رشید کو بلایا۔ وہ ایک منٹ کے اندر آ گیا تھا۔ "رشید، یہاں سکیورٹی سرے سے نہیں ہے۔" میں نے بلاتمہید کہا۔ "اگر کوئی دشمن گھس آیا تو......؟"

"آپ بےفکر رہیں۔ یہ صرف کیموفلاج ہے، آیئے میرے ساتھ، میں آپ کو دکھاتا ہوں۔"

وہ مجھے انیکسی سے متصل ایک کمرے میں لایا جہاں جدید قسم کے مانیٹرز لگے تھے اور ان پر کوٹھی کے مختلف مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ رشید نے بتایا۔ "پوری کوٹھی میں پندرہ کیمرے لگے ہیں جو کسی بھی آنے والے پر نظر رکھنے کے لئے کافی ہیں۔"

"صرف نظر رکھنا کافی نہیں ہے، ان کو روکنا بھی ضروری ہے۔"

"اس کے بھی انتظامات ہیں۔ میں اور گارڈ دو افراد کافی ہیں، ہم درجن بھر مسلح افراد پر بھاری ہوں گے۔"

"گارڈ پڑا سو رہا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ مسکرایا۔ "یہ بھی کیموفلاج ہے سر! کمبل کے نیچے کوئی نہیں ہے۔ گارڈ کوٹھی کے اندر ہے اور وہ اس جگہ سے سب کنٹرول کرتا ہے، ہاں گیٹ کھولنا بند کرنا ہو تو وہ باہر آتا ہے۔"

رشید نے حفاظتی انتظامات کی نوعیت نہیں بتائی تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرا ابتدائی تاثر غلط تھا۔ کوٹھی کی حفاظت کا معقول بندوبست تھا۔ میں نے رشید سے کہا۔ "مس ایمن کو کل کسی وقت برطانیہ کے کونسل خانے تک چھوڑنا ہے۔"

"یہ کام بھی ہو جائے گا سر! لیکن روانگی سے ایک گھنٹا پہلے اطلاع کرنا ضروری ہے۔"

میں اپنے کمرے میں آیا۔ میرے ایک موبائل پر کال آ رہی تھی اور کال بیگ کی تھی۔ "شہباز صاحب!" بیگ نے رسمی گفتگو کے بعد کہا۔ "اب اس جگہ سے کہیں کال مت کیجئے گا یعنی لینڈ لائن سے، صرف موبائل استعمال کریں ورنہ ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ یہ بتائیں راجا صاحب کہاں ہیں، کیا ان سے ملاقات ممکن ہے۔"

"یہ تو ان پر منحصر ہے۔" بیگ نے حسبِ معمول واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ "کوئی خاص بات؟"

"نہیں...... خاص بات تو نہیں ہے...... ان کو اطلاع کر دیں کہ ڈیوڈ شا لاہور کے برطانوی کونسل خانے میں موجود ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" بیگ نے اطمینان سے جواب دیا۔

''بس یہی بتانا تھا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ طویل عرصے بعد میں بھرپور طریقے سے سویا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو صبح کے نو بج رہے تھے۔ سفیر اٹھ کر جا چکا تھا۔ میں انگڑائی لیتا ہوا بستر سے نکلا۔ کھڑکی سے پردہ ہٹایا تو کمرا بھرپور اور تیز دھوپ سے بھر گیا تھا۔ کئی دن کے بعد دھوپ نکلی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر اور برش کر کے میں باہر آیا۔ پہلے مونا اور سونیا کے کمرے میں جھانکا۔ سونیا بستر پر دراز ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت بہتر ہے شوبی بھائی!'' وہ مسکرائی۔ ''آپ نے ناشتا کیا؟''

''نہیں، کرنے جا رہا ہوں اور تم نے؟''

''میں نے تو ناشتا کر کے دوائی بھی لے لی ہے۔''

مونا نہیں تھی، اس لئے میں نے موقع سمجھا کہ سونیا سے بات کر لی جائے۔ ''سونیا! میری شکیل سے بات ہوئی تھی، تم دونوں کے درمیان جو کمٹ منٹ ہوئی ہے اس کے بارے میں۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''جی شوبی بھائی!''

''شکیل کا کہنا ہے، وہ تمہیں اپنی حویلی لے جائے گا۔ عدت تک تم وہاں رہو گی۔''

''جی!'' اس نے پھر کہا۔

''تمہارے خیال میں یہ مناسب رہے گا؟''

''جی شوبی بھائی!'' اس بار اس نے سنبھل کر کہا۔ ''میں نے شکیل کی تجویز مان لی ہے۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے، کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں...... اگرچہ وسیم نے مجھے تمہارا سرپرست بنایا ہے، لیکن میرا خیال ہے تم اپنے بارے میں زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتی ہو۔ جیسا کہ تم نے کہا ہے اور میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو۔ آج ایمن جا رہی ہے، اب تمہیں اور شکیل کو بھی جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہئے۔''

''شوبی بھائی! ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔'' اس نے جذباتی ہو کر کہا۔

''تم جہاں بھی ہو گے میرے ساتھ ہی ہو گے۔'' میں نے اس کا سر تھپکا۔ ''فی الحال میرے ساتھ جتنے کم افراد ہوں گے، میں اپنے دشمنوں سے اتنے ہی سکون سے نبرد آزما ہو سکوں گا۔''

میں باہر آیا، سفیر اور شکیل نشست گاہ میں تھے جبکہ ایمن اور مونا کچن میں رخسانہ کے ساتھ تھیں اور تینوں چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر چپ ہو گئیں۔ ایمن تیزی سے میرے پاس آئی۔ ''اٹھ گئے تم، ناشتا لگوا دوں؟''

''ہاں، تم نے کر لیا؟''

''نہیں، میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' ایمن کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

رخسانہ آ کر ناشتا لگانے لگی۔ میں اور ایمن ناشتے کے بعد باہر نکل آئے۔ ایمن ذرا اداس تھی۔ شاید جانے کے خیال سے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی، نہ جانے کیوں میرا دل نہیں چاہ رہا ہے، جانے کے خیال سے مجھے کچھ ہو رہا ہے۔''

''ایمن، تمہارا جانا ضروری ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم پھر ملیں گے۔''

''اور...... نہ ملے تو......؟'' اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ایمن، اگر تم تقدیر پر ایمان رکھتی ہو تو یہ بھی جانتی ہوگی، ہم اس کے سامنے بے بس کھلونے ہیں۔''

''نہیں...... میں واپس آؤں گی شوبی! میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔''

''مجھے بھی یقین ہے تم واپس آؤ گی۔''

''تم مجھے یاد کرو گے؟''

''یاد تو اسے کیا جاتا ہے جسے آدمی بھول جاتا ہے۔ ایمن، میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس روز میں نے جانا، لمس کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے، اس کا لمس پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وہ مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتی، میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور میرا لمس جواب دینے سے ہچکچا رہا تھا۔ یہ اس نے بھی محسوس کر لیا تھا، اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''شوبی...... رشید سے کہو، مجھے برطانوی کونسلیٹ پہنچانے کا بندوبست کرے۔''

رشید ہمیں اپنے کنٹرول روم میں ملا تھا۔ وہ اس وقت بھی مانیٹرز کے سامنے تھا، نہ جانے سوتا کب تھا۔ میری بات سن کر اس نے سر ہلایا۔ 'ایک گھنٹے میں گاڑی آجائے گی سر!''

ایمن دوسروں سے ملنے چلی گئی۔ میں نے بیگ کو کال کی۔ ''ایمن برطانوی کونسلیٹ جانے والی ہے۔ رشید اسے لے جانے کا بندوبست کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں، وہ اس جگہ سے ناواقف رہے اور نہ ہی کسی فرد کی نشاندہی کر سکے۔''

''آپ بے فکر رہیں شہباز صاحب! ایسا ہی ہوگا۔'' بیگ نے کہا۔

''شکریہ بیگ صاحب!'' میں نے موبائل بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ مجھے ایمن پر پورا بھروسا تھا لیکن وہ ایک کمزور سی لڑکی تھی، اس پر دباؤ ڈالا جاتا تو عین ممکن ہے وہ ہماری نشاندہی کر دیتی۔ یہ خطرہ ڈیوڈ شا جیسے مکار کی موجودگی میں اور بھی بڑھ جاتا۔ اس لئے میں کوئی چانس لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس موسم میں کھلے لان پر نکھری دھوپ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں اس سے لطف لیتے ہوئے ٹہلتا رہا۔ ایک گھنٹے بعد وہی سیاہ وین پورچ میں داخل ہوئی جو ہمیں یہاں تک لائی تھی۔ رشید نے جا کر ایمن کو مطلع کیا، وہ خود اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا اسے بیگ کی جانب سے ہدایات مل چکی تھیں، سب ایمن کو رخصت کرنے باہر تک آئے تھے، مونا اور سونیا نے اسے گلے سے لگایا تھا۔ باقی سب سے اس نے ہاتھ ملایا۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آئی لو یو!''

میں صرف مسکرا دیا تھا۔ وہ وین کے عقبی حصے میں سوار ہوئی، اس کا دروازہ بند ہوا اور وین چل پڑی۔ ہم سب کسی قدر بوجھل دل کے ساتھ اندر آ گئے۔ ''اچھا ہوا ایمن چلی گئی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''سچ مچ!'' مونا نے شوخی سے کہا۔

''بہت بولنے لگی ہو تم۔'' میں مسکرایا۔ ''سونیا اور شکیل مانسہرہ جا رہے ہیں۔ وہاں شکیل کی آبائی حویلی ہے۔

سونیا وہاں رہے گی، میں سوچ رہا ہوں تم کو بھی کسی حویلی بھیج دوں...... ہمیشہ کے لئے۔"

شکیل موجود تھا، وہ بولا۔ "شہباز صاحب، بچی بات ہے، آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں جانتا ہوں، تم میرے مخلص ساتھی ہو، لیکن اب میں خود چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے ذرا دور رہو تا کہ دشمن کی توجہ تمہاری طرف نہ جائے۔"

سغیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ تیری غلط فہمی ہے۔ تُو بھول رہا ہے دشمن نے مجھے اور مونا کو ہماری حویلی کے پاس سے اغوا کیا تھا۔ ہم تجھ سے دور جا کر بھی محفوظ نہیں ہیں تو کیوں نہ تیرے ساتھ رہیں؟"

"نہیں یار، عورتوں کی موجودگی مسئلہ ہوگی...... ان کا معاملہ نازک ہے اور ان کا دور رہنا ضروری ہے۔ اکثر اوقات ہم ان کی وجہ سے مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"یہ کیا ان کی اور ان کی لگا رکھی ہے؟" مونا خفگی سے بولی۔ "صاف صاف میرا نام لو نا...... میں تمہارے لئے مسئلہ بن جاتی ہوں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "آپ شروع سے پرابلم چائلڈ رہی ہیں۔"

"مونا احتجاجاً واک آؤٹ کر گئی۔ سغیر نے سکون کا سانس لیا۔ "یہ کل سے میرا دماغ کھا رہی ہے کہ اس نے حویلی نہیں جانا ہے۔"

رشید ایمن کو چھوڑ کر واپس آیا تو میں نے اسے بلا لیا۔ "کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں...... میں نے انہیں کونسلیٹ سے کچھ فاصلے پر اتار دیا تھا اور وہ میرے سامنے اندر گئی تھیں۔ راجا صاحب آپ کو طلب فرما رہے ہیں۔"

"اپنی کوٹھی میں......؟"

"نہیں راجا صاحب یہیں ہیں۔"

"راجا صاحب!" میں ذرا حیران ہوا تھا۔ "وہ کب آئے؟"

"یہ تو آپ کو وہی بتائیں گے۔"

میں رشید کے ساتھ عقبی حصے سے کوٹھی کے اندر آیا۔ راجا عمر دراز ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ اس نے شیروانی پہن رکھی تھی اور حسبِ معمول تر و تازہ نظر آ رہا تھا۔ سلام و دعا کے بعد میں نے کہا۔ "راجا صاحب، آپ اچانک ہی آئے۔"

"اس نے سر ہلایا۔ "احتیاط کا تقاضا ہے۔ میری اطلاعات کے مطابق ڈیوڈ شا مجھے مروا دینا چاہتا ہے۔"

"اس کی وجہ راجا صاحب؟"

"کیونکہ میں نے اسے اس کے عزائم میں ناکام بنانے کے عملی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے تصویر کے چھن جانے کو بھی اہمیت نہیں دی۔"

"ڈیوڈ شا کے عزائم کیا ہیں؟"

"یہ ذرا لمبی کہانی ہے۔"

"میں مسکرایا۔ "جس کا ایک حصہ آپ مجھے سنا چکے ہیں جبکہ دوسرا حصہ ابھی باقی ہے۔"

"جلد تم وہ بھی سنو گے اور مجھے امید ہے، اس کے بعد تم اس سارے معاملے کو پہلے سے زیادہ گہرائی سے سمجھ سکو گے۔"

شکیل ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔ وہ اچانک ہی آ گیا تھا۔ بیگ نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

"مسٹر شکیل! ابھی تم کو طلب نہیں کیا گیا ہے۔"

میں نے شکیل کی طرف دیکھا، مجھے اس کی آنکھیں خالی خالی سی لگ رہی تھیں۔ اس نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا اور اچانک ہی اس کا ہاتھ بلند ہوا جس میں میرا پستول تھا۔ خطرے کا احساس مجھے ذرا تاخیر سے ہوا تھا۔ شکیل نے لگا تار چار فائر کئے اور تمام گولیاں راجا عمر دراز کے سینے میں اتر گئی تھیں۔ وہ صوفے سے ذرا سا اٹھا تھا لیکن گولیاں لگتے ہی واپس صوفے پر جا گرا تھا۔

"شکیل...... یہ کیا، کیا؟" میں بے ساختہ چلایا تھا۔

شکیل کے پاس سائلنسر لگا ریٹا تھا اس لئے آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر دھما کا ہوا اور میں نے شکیل کو پیٹ تھام کر پیچھے گرتے دیکھا۔ پستول بیگ کے ہاتھ میں تھا جس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔



میں سکتے کے عالم میں شکیل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے پیٹ سے ابلنے والے خون کو روکنے کے لئے ہاتھ سے دبا رہا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں بدستور پستول تھا۔ بیگ نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ اسی لمحے راجا عمر دراز صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اندر کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "اسے دیکھو اور فوراً ایمبولینس کو کال کرو۔"

"میں دنگ رہ گیا تھا۔" راجا صاحب، آپ......!"

"میں ٹھیک ہوں، اندر بلٹ پروف ہے۔ اسے دیکھو، اسے مرنا نہیں چاہئے۔" راجا عمر دراز نے کہا اور اندر غائب ہو گیا۔ میں شکیل کی طرف لپکا۔ میں نے اس کا زخم دیکھا۔ گولی اس طرح اندر گئی تھی کہ اس نے آنتوں اور شاید جگر کو بھی شدید نقصان پہنچایا تھا۔ ذرا سی دیر میں شکیل کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"تم نے یہ کیا، کیا......؟" میری آواز بھر آئی تھی۔

"پتا...... نہیں...... شہ...... باز صاحب!" شکیل تکلیف سے بول رہا تھا۔ "راجا صاحب...... کا نام سنتے ہی میرے اندر...... ایک دھندی چھا...... گئی تھی...... اور میں نے...... مجھے پتا نہیں کیا ہوا......"

"تم چپ رہو۔" میں نے اس کا سر گود میں لے لیا۔ بیگ شاید ایمبولینس کے لئے کال کرنے گیا تھا۔

شکیل کراہا۔ "شہباز صاحب...... پانی...... مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

میں نے وہیں جگ میں موجود پانی نکال کر گلاس سے اسے پلایا۔ میں نے میز پوش کا کپڑا لے کر اس کی گدی سی بنا کر زخم پر رکھ دی تا کہ خون بہنے کی رفتار کم ہو۔ ذرا سی دیر میں شکیل کے آس پاس کا قالین خون سے تر ہو گیا تھا۔ اس اثنا میں بیگ افراتفری میں آیا، اس کے ساتھ رشید تھا۔

"اسے گاڑی تک لے چلیں جناب! رشید اسے اسپتال لے جائے گا۔"

میں نے رشید کی مدد سے شکیل کو اٹھایا جس پر اب غشی طاری ہو رہی تھی۔ ہم نے اسے باہر موجود ایک کار کی عقبی نشست پر ڈالا، اسے سنبھالنے کے لئے کوٹھی کا چوکیدار اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ میں نے بھی جانا چاہا مگر بیگ نے روک دیا۔ "نہیں جناب! یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"اسے کسی اچھے نجی اسپتال لے جانا۔" میں نے بے تابی سے کہا۔ "سرکاری اسپتال مت جانا۔"

"آپ فکر نہ کریں، ایک بلاک دور ایک اسپتال ہے، ہم وہاں لے جا رہے ہیں۔" رشید نے مجھ سے

کہا۔

بیگ نے کار کے جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ ہم اندر آئے۔ ابھی تک مونا، سفیر اور سونیا کو اس سانحے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ خود مجھے لگ رہا تھا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں، کوئی بھیانک خواب۔ اگر میرے ہاتھوں پر شکیل کا خون نہ لگا ہوتا تو میں اسے خواب ہی سمجھتا۔ اندر آ کر میں نے ایک واش روم میں اپنے ہاتھ دھوئے۔ ڈرائنگ روم میں رخسانہ قالین سے خون صاف کر رہی تھی۔ راجا صاحب ایک اور کمرے میں تھے۔ انہوں نے لباس بدل لیا تھا۔ میری توقع کے خلاف وہ پُرسکون تھے۔ جب کہ میرا فکروں سے برا حال تھا۔ اگرچہ میرے لئے صورتِ حال کا بدل جانا اور چونکا دینے والے حالات نئے نہیں رہے تھے لیکن ابھی جو میرے سامنے ہوا تھا اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شکیل ایسی کوئی حرکت کر گزرے گا۔ اس نے واضح طور پر راجا عمر دراز کو نشانہ بنایا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اسے راجا صاحب سے اچانک کیا دشمنی ہو گئی تھی؟ جب میں نے شکیل سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا اسے خود نہیں معلوم۔ مجھے لگا وہ سچ کہہ رہا تھا، اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔ یہی بات میں نے راجا صاحب سے کہی۔ "شکیل نہیں جانتا، اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا کہنا ہے اس کوٹھی میں آپ کی موجودگی کا علم ہوتے ہی جیسے اسے اندر سے کسی نے اکسایا تھا اور وہ یہ کام کر گزرا تھا۔"

راجا عمر دراز نے گہری سانس لی۔ "مجھے ایسی ہی کسی حرکت کی توقع تھی۔"

میں چونکا۔ "وہ کیسے راجا صاحب!"

"تمہارا کیا خیال ہے گزشتہ تین چار دن سے کھیلا جانے والا کھیل کس لئے تھا۔ دشمن تمہیں دوڑا رہا تھا تاکہ میرے پاس پہنچا دے۔"

"یعنی شکیل ان کا آلۂ کار بن گیا تھا؟"

"نہیں، میں نے اس شخص کو قریب سے دیکھا ہے، کوئی ترغیب یا لالچ اسے نہیں توڑ سکتی ہے۔ اسے کسی اور طریقے سے قائل کیا گیا ہے۔ ڈیوڈ شا کا نام سنتے ہی میں محتاط ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں اپنے پاس بلانے سے گریز کیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں میرے علم میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ صرف شیطانی دماغ ہی نہیں رکھتا بلکہ کچھ شیطانی علوم اور ذرائع میں بھی دسترس رکھتا ہے۔"

میں چونکا۔ "کیا شکیل کو انجکشن کے کسی مرحلے سے گزار کر تیار کیا گیا تھا؟"

"عین ممکن ہے اس کے اعصاب کو کسی ترکیب سے کمزور کر کے اسے لاشعوری طور پر حکم دیا گیا کہ وہ ملتے ہی مجھے مار ڈالے۔"

"میں نے ڈیوڈ شا کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔"

"اس شعبے میں اب بہت زیادہ ترقی ہو چکی ہے کیونکہ مجھے سریت اور دماغی بھول بھلیوں سے دلچسپی ہے اور اس بارے میں، میں نے بہت پڑھا ہے۔ دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیاں اپنے مقاصد کے لئے ان طریقوں کو استعمال کرتی ہیں۔ شاہ فیصل شہید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے قتل میں سب سے پہلے یہ طریقہ استعمال کیا گیا ہے اور قاتل نے لاشعوری طور پر دیئے جانے والے احکامات پر عمل کیا تھا۔"

"جب آپ جانتے تھے تو اس طرح بے پروائی سے سامنے کیوں آئے؟"

"وہ مسکرایا۔"اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو میں اپنے خیال کی تصدیق کرنا چاہتا تھا، دوسرے مجھے اس بات پر پختہ اعتقاد ہے کہ جورات قبر میں آنی ہے، وہ قبر میں ہی گزرے گی۔ بہر حال میں نے حفاظتی تدبیر بھی کر لی تھی، اس وجہ سے جان بچ گئی۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔"نہیں، اس کے علاوہ اور کوئی وجہ بھی ہے، وہ آپ نے ابھی بتائی نہیں ہے۔"

راجا عمر دراز ہنسا۔"تم چالاک آدمی ہو۔ ہاں، ایک وجہ یہ تھی کہ میں تم سے ملاقات کر کے تمہیں ایک تجویز دینا چاہتا تھا۔ میں چاہتا ہوں، تم میرے ساتھ بھارت چلو۔"

"بھارت!" میں چونکا۔"کیا آپ پھر اس طرف جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں، میرا مطلب ہے اس پُراسرار وادی کی طرف؟"

"نہیں، وہ منزل ابھی دور ہے۔ فی الحال تو میں ڈیوڈ شا کو اس سفر سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ اس کی تیاری کر رہا ہے، اس کے ذہن پر وادی کو دریافت کر کے دنیا کے سامنے لانے کا جنون سوار ہے۔"

"میں اس معاملے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

"ایک تو یہ تمہارے دشمنوں سے بھی متعلق ہے۔ دوسرے تم فی الحال ملک سے باہر زیادہ محفوظ ہو گے، میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہارے ساتھی ملک سے باہر چلیں۔"

"شاید میرے ساتھی تیار نہ ہوں۔" میں نے ہچکچا کر کہا۔

"تم اور تمہارے ساتھی احمق ہیں۔" اس نے ناگواری سے کہا۔"یہاں رہ کر کیا تیر مار رہے ہو۔ بس بلی چوہے کا کھیل جاری ہے۔ تم لوگ منظر عام سے ہٹ جاؤ گے تو تمہارے وکیل اور ہمدردوں کے لئے تمہارے لئے کام کرنا آسان ہو جائے گا۔"

دیکھا جائے تو راجا عمر دراز درست کہہ رہا تھا۔ ہم نے سوائے پھنسنے اور نکل بھاگنے کے اب تک کوئی خاص کام انجام نہیں دیا تھا لیکن میرے اندر بھی جوانی کی مخصوص ضد تھی جو بزرگوں کی بات ماننے میں ہمیشہ ورنہ اکثر و بیشتر روڑے اٹکاتی تھی۔ میں نے ذرا سپاٹ لہجے میں کہا۔"میں سوچ کر جواب دوں گا۔"

"ابھی تم نے میری پوری بات سنی کہاں ہے۔ میں چاہتا ہوں سفیر اور مونا دبئی چلے جائیں وہاں میری جائیداد ہے۔ وہ وہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔ اگر سفیر کوئی معروفیت چاہتا ہے تو اسے وہاں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تم میرے ساتھ چلو۔"

"سونیا اور شکیل......" میں کہتے کہتے رک گیا۔ مجھے شکیل کی حالت یاد آئی۔ وسیم کے بعد وہ دوسرا مخلص دوست تھا جو مجھ سے بچھڑنے جا رہا تھا۔ کم سے کم اس کی حالت سے مجھے یہی لگا تھا۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔"کیا شکیل کی حالت کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے؟"

راجا عمر دراز نے بیگ کو طلب کیا اور اس سے شکیل کی حالت کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔

"شکیل ابھی آپریشن روم میں ہے، گولی نکال لی گئی ہے، اندرونی نقصان کی تلافی کی جا رہی ہے، حالت کے بارے میں ڈاکٹرز آپریشن کے بعد ہی کچھ بتا سکیں گے۔"

شکیل کے زندہ ہونے کا سن کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے بیگ سے پوچھا۔ ''میرے ساتھیوں کو تو شکیل کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔''

بیگ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، میں نے سونیا پر نگرانی رکھی ہے لیکن اس کے اندر راجا صاحب کی آمد کی اطلاع پا کر کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔''

''فی الحال ان لوگوں کو لاعلم رکھنا ضروری ہے۔ شکیل کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اسے کسی ضروری کام سے باہر بھیجا گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''فائرنگ کی آواز باہر نہیں گئی ہوگی۔''

''نہیں، کوٹھی سینٹرلی ائر کنڈیشنڈ اور ساؤنڈ پروف ہے۔'' بیگ نے مجھے آگاہ کیا۔

''رخسانہ اس معاملے میں قابلِ اعتماد ہے۔''

''ہاں، وہ رشید کی بیوی ہے اور اس نے اس کی باقاعدہ تربیت کی ہے، اس وقت کوٹھی کی حفاظت کی نگرانی وہ خود کر رہی ہے اور اسے علم ہے کس قسم کی ہنگامی صورتِ حال میں کیا کرنا ہے۔''

''وہ بچی......''

''برخوردار۔'' راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''مرد ایک عمر تک بچہ رہتا ہے بلکہ بڑھاپے میں جا کر دوبارہ بچہ بن جاتا ہے مگر عورت کو کبھی اس زمرے میں شامل مت کرنا۔ وہ شادی ہوتے ہی بچی سے عورت بن جاتی ہے چاہے اس کی تیرہ چودہ سال کی عمر میں شادی کر دی جائے۔''

میں بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے بیگ سے کہا۔ ''مجھے شکیل کی حالت سے باخبر رکھئے گا۔ اگر وہ ہوش میں آ جائے تو میں اس سے ملنا چاہوں گا۔''

''یہ بعد کی بات ہے، فی الحال تو اس کا آپریشن جاری ہے۔''

''راجا صاحب، کیا آپ یہاں رکیں گے؟'' میں نے راجا عمر دراز سے پوچھا۔

''نہیں، میں یہاں سے ابھی چلا جاؤں گا۔ کل تک تم تینوں میرے پاس پہنچا دیئے جاؤ گے۔''

''اور سونیا...... وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔''

''ابھی اس کا یہاں رہنا مناسب ہے...... وہ بھی ایک مہینے تک شکیل کے ساتھ ڈیوڈ شا کی قید میں رہی ہے، ممکن ہے اس پر بھی کوئی حربہ آزمایا گیا ہو۔'' راجا عمر دراز نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔

☆======☆======☆

میں مہمان خانے میں واپس آیا۔ سفیر اور مونا حسبِ معمول آپس میں جھگڑ رہے تھے اور جھگڑے کی وجہ نہایت پرانی اور احمقانہ تھی۔ کبھی مونا نے خوف ناک قسم کی بریانی بنائی تھی اور سفیر کا بھوک سے برا حال تھا لہٰذا اس نے بریانی کھا لی تھی مگر اس کا ذائقہ نہیں بھولا تھا۔ اس نے مونا کو طعنہ دیا تھا۔ ''اس لڑکی کے ہاتھ میں کیا ذائقہ ہے۔''

''وہ لڑکی نہیں عورت ہے۔'' مونا نے اعتراض کیا۔

''لڑکی اور عورت میں کیا فرق ہے؟'' سفیر نے سوال کیا۔

''لڑکی غیر شادی شدہ ہوتی ہے اور عورت شادی شدہ۔''

''تب اللہ جلد تمہیں بھی عورت بنائے۔'' سفیر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
''بدتمیز!'' مونا جھینپ گئی تھی۔ ''بغیر دیکھے اور سوچے تمہاری زبان چل جاتی ہے۔''
''یعنی میں یہاں نہ ہوتا تو خاتون کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔'' میں صوفے پر گر کر بولا۔
''شوبی بھائی!'' مونا نے احتجاج کیا اور واک آؤٹ کر گئی۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔
مونا کے سامنے میں نے شگفتہ چہرہ بنا رکھا تھا اور اس نے توجہ بھی نہیں دی تھی لیکن سفیر مجھے اچھی طرح جانتا تھا وہ تاڑ گیا۔ ''خیریت تو ہے، کچھ پریشان لگ رہا ہے؟''
''ہاں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''باہر چل۔''
میں اور سفیر باہر لان میں آئے جہاں اب شام قریب تھی اور دھوپ تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ میں نے سفیر کو کوٹھی میں پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا تو پہلے وہ بھونچکا رہ گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ''تو مذاق کر رہا ہے۔''
''یہ سچ ہے، آخری اطلاعات تک شکیل آپریشن روم میں تھا اور اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔''
''اندر اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا؟''
''کوٹھی ساؤنڈ پروف ہے، اس وجہ سے فائرنگ کی آواز باہر نہیں آئی۔ سوچ یار! اگر راجا عمر دراز نے حفظ ماتقدم کے طور پر بلٹ پروف نہ پہن رکھا ہوتا تو اس وقت کیا ہو گیا ہوتا۔''
''تجھے راجا کی بات پر یقین ہے، شکیل کو کسی نے تنویمی عمل کر کے حکم دیا کہ وہ راجا عمر دراز کو قتل کر دے اور اس نے ایسا کر دیا۔''
''بظاہر تو یہی لگ رہا ہے، شکیل کے انداز سے بھی ظاہر تھا، اسے اپنے عمل پر حیرت تھی اور اس نے یہ سب ایک خودکار عمل سے کیا تھا۔ اس میں اس کے شعوری ارادے کو دخل نہیں تھا۔''
''یار، سونیا کو یہ بات......''
''سونیا...... مونا یا کسی بھی تیسرے فرد تک یہ بات نہیں جانی چاہئے۔'' میں نے قطعی لہجے میں کہا۔
''تب شکیل کی گمشدگی کے بارے میں کیا جواز پیش کیا جائے؟''
''یہی کہ راجا عمر دراز نے اسے کسی کام سے باہر بھیجا ہے۔''
''اور یہ بہانہ کب تک چلے گا؟'' سفیر کے انداز میں طنز آ گیا تھا۔
''جب تک شکیل کی کنڈیشن واضح نہیں ہو جاتی۔''
''یار، تُو نے ایمن کے بارے میں معلوم کیا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئی۔''
میں نے سفیر کو ایمن کے بخیریت کونسلیٹ پہنچ جانے کے بارے میں بتایا۔ سفیر اندر چلا گیا اگر وہ زیادہ دیر باہر میرے ساتھ رہتا تو مونا بھانپ جاتی کہ کوئی چکر ہے اور وہ سفیر کے پیچھے پڑ جاتی۔ میں پھر کوٹھی کے عقبی دروازے کی طرف بڑھا جس سے میں پہلے بھی کوٹھی کے اندر گیا تھا مگر جب میں نے اس کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ بند نکلا۔ اسی لمحے مجھے رخسانہ کی آواز سنائی دی۔ ''جی صاحب!''
''یہ دروازہ کیوں بند ہے؟'' میں نے سوال کیا، مجھے بیگ کی بات یاد آئی۔ کنٹرول روم میں رخسانہ تھی۔

''اندراب کوئی نہیں ہے اس لئے بند ہے۔''اس نے بتایا۔

''اندر موجود افراد کہاں گئے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میں واپس پلٹ آیا اور سفیر کو راجا اور بیگ کی روانگی کے بارے میں بتایا۔اس نے کہا۔''تُو رشید سے رابطہ کر، وہ شکیل کے پاس ہے۔''

''اس کا نمبر میرے پاس نہیں ہے۔''

''یار عقل استعمال کر، اس کی بیوی سے لے۔''سفیر جھنجلا گیا تھا۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ رخسانہ کس کنٹرول روم میں تھی اس لئے میں پھر کوٹھی کے عقبی دروازے کے پاس آیا۔رخسانہ یقیناً کسی پوشیدہ کیمرے کی مدد سے اس دروازے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔''رخسانہ، مجھے رشید کا موبائل نمبر چاہئے۔''میں نے بلا تمہید کہا۔

اس نے مجھے نمبر بتایا، میرا موبائل اندر تھا۔میں نے جا کر لیا اور دوبارہ لان میں آ کر رابطہ کرنے لگا۔یہاں یہ خدشہ نہیں تھا کہ مونا یا سونیا میں سے کوئی میری بات سن لے گا۔رشید نے فوراً جواب دیا تھا۔

''جی سر!''

''شکیل کی حالت کیسی ہے؟''

''انہیں آپریشن روم سے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ڈاکٹروں نے اڑتالیس گھنٹے اہم قرار دیے ہیں۔اب آپ کال مت کیجئے گا، میں پولیس کے معاملات نمٹانے جا رہا ہوں۔''

میں نے سفیر کو شکیل کی حالت کے بارے میں بتایا۔''یار پولیس کا اس معاملے میں ملوث ہونا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''پر مجبوری ہے۔میرا خیال ہے ان لوگوں نے شکیل کی شناخت ظاہر نہیں کی ہوگی اس طرح بچت ہو سکتی ہے۔''

''راجا کس لئے آیا تھا یہاں؟''

''راجا ایک تجویز لے کر آیا تھا اور مجھے اس کی تجویز بہتر لگی تھی، میں چاہتا ہوں تُو اس پر ٹھنڈے دماغ سے غور کر۔''

''''کیا تجویز ہے؟''اس نے مجھے غور سے دیکھا۔

''راجا مجھے اپنے ساتھ انڈیا لے جانا چاہتا ہے۔''

''صرف تجھے......میں اور مونا؟''

''تیرے اور مونا کے لئے اس کا خیال ہے کہ تم دونوں دبئی میں محفوظ رہو گے۔وہاں بھی راجا کی پراپرٹی ہے، اس کا کہنا ہے اگر تُو چاہے تو وہاں ملازمت بھی مل سکتی ہے۔''

''مجھے اس کی ملازمت کی ضرورت نہیں ہے......''سفیر نے خفگی سے کہنا چاہا تو میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یار، تُو خواہ مخواہ گرم ہو رہا ہے، ذرا غور کر اپنے ملک میں ہم کہاں محفوظ ہیں۔ معاملات کو جتنا سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ اتنے ہی الجھتے جا رہے ہیں۔ ہمارا فی الحال منظرِ عام سے ہٹ جانا لازمی ہے۔"

"تب تجھے کیوں انڈیا لے جا رہا ہے، تو بھی دبئی چل۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "شاید میرا دبئی جانا ممکن نہیں ہے۔ میں ملزم ہوں اور عدالتوں میں میرے خلاف مقدمات چل رہے ہیں۔ غیر قانونی ذرائع سے دبئی جانا خطرناک ہو سکتا ہے جبکہ بھارت میں اتنا خطرہ نہیں ہے۔ دوسرے راجا مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے ڈیوڈ شا اس پُراسرار ہمالیائی وادی کی طرف جانے کی فکر میں ہے اور وہ اسے روکنا چاہتا ہے۔"

"روکنا چاہتا ہے یا خود اس طرف جانے کی فکر میں ہے۔" سفیر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میرے دل میں بھی کئی بار یہ خیال آیا لیکن مجھے جچا نہیں۔ اگر راجا عمر دراز اس طرف جانا چاہتا تو اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، وہ بہت پہلے وہاں جا سکتا تھا۔"

"ہم تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔" سفیر بولا۔

"احمقانہ بات نہ کر۔ میں نے کب کہا ہے تُو میرا ساتھ چھوڑ دے۔ تجھے اور مونا کو کچھ عرصے کے لئے دبئی میں رہنا ہوگا اس کے بعد......"

"ہم تیرے ساتھ بھارت کیوں نہیں چل سکتے؟"

"میرا خیال ہے میں غیر قانونی طور پر سرحد پار جاؤں گا۔ باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزے کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔"

سفیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "مونا نہیں مانے گی۔"

"تب دوسری تجویز یہ ہے کہ تُو اسے حویلی چھوڑ آ۔"

"وہ حویلی کا نام سن کر بدکنے لگی ہے۔"

"سفیر، تب کیا کریں، یونہی در بدر پھرتے رہیں اور دشمن شکاری کتوں کی طرح ہمارا پیچھا کرتا رہے، تُو سوچ، کسی دن ہم مرشد علی کے ہتھے چڑھ گئے تو وہ ہمارا کیا حشر نہیں کرے گا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر مونا کی رہتی ہے۔ ہم مردوں کی وہ جان ہی لے سکتے ہیں لیکن ایک عورت مرنے سے پہلے بار بار مر سکتی ہے، تم اس پر بھی سوچو۔ جب ہم فتح خان کی قید میں تھے اور وہ گورے بدمعاش مونا کو لے گئے تھے تو ہمارے اوپر کیا گزری تھی۔ میں اس تصور سے کانپ جاتا ہوں۔"

"تُو ٹھیک کہہ رہا ہے یار!" سفیر پشیمان نظر آنے لگا تھا۔

"بس تو میں راجا سے کہہ دیتا ہوں، تم دونوں کے دبئی جانے کا بندوبست کرے۔ مونا سے یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب روانگی کا وقت آئے گا تو اسے خود پتا چل جائے گا۔"

"اور سونیا؟"

"وہ یہیں رہے گی۔ راجا نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ہم اسے یہیں چھوڑ کر راجا کے پاس جائیں گے فی الحال راجا اس پر بھی اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہے، اس کا کہنا ہے سونیا بھی شکیل کے ساتھ قید رہی ہے، ممکن

اس پر بھی کوئی حربہ آزمایا گیا ہو۔"

ہم اندر آئے تو سونیا نے پہلی بار شکیل کے بارے میں پوچھا، میں نے اسے بتایا کہ راجا نے اسے کسی کام سے بھیجا ہے۔ سونیا بے چین ہو گئی تھی۔ "کس کام سے؟ اس نے جانے سے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"بی بی، ضروری نہیں ہے کہ آدمی ذرا دیر کے لئے کہیں جا رہا ہو تو بتا کر جائے اور بتانے کے لئے میں جو ہوں۔"

"سوری شوبی بھائی!" وہ جھینپ گئی تھی۔ "بس دل گھبرا گیا تھا۔"

میں نے دل ہی دل میں اس لڑکی سے ہمدردی محسوس کی تھی، اس کا شوہر اس کے اعتماد کو دھوکا دے کر مارا جا چکا تھا اور اب اس نے جس شخص سے اپنی زندگی کی تقدیر وابستہ کر لی تھی، وہ زندگی اور موت کی کش مکش میں تھا۔ بھائی پر وہ پہلے ہی صبر کر چکی تھی لیکن میں نے اپنے تاثرات سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔

رشید شام کے چھ بجے آیا تھا۔ وہ تھکا ہوا اور عجلت میں تھا۔ اس نے مجھے پورچ میں ہی رپورٹ دی۔ "شکیل صاحب، ابھی آئی سی یو میں ہیں۔ میں نے ان کو نامعلوم راہ گیر ظاہر کیا ہے، کوئی نامعلوم شخص گولی مار گیا ہے اور میں نے ازراہِ ہمدردی اسے اسپتال تک پہنچا دیا ہے۔"

"گڈ، اب ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"انہوں نے اڑتالیس گھنٹے اہم قرار دیئے ہیں، آنتوں اور جگر کے ایک حصے کو نقصان ہوا ہے اگر حالت بہتر بھی ہو گئی تب بھی کم سے کم ایک مہینہ اسپتال میں رہنا ہو گا۔"

مجھے ناصر کا خیال آیا اور میں نے اس کو کال کی۔ اسے مختصر الفاظ میں شکیل والا واقعہ سنایا اور اس سے کہا۔ "ایمن برٹش ایمبیسی میں ہے، معلوم کرو وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"میں معلوم کرتا ہوں...... شکیل کا سن کر افسوس ہوا۔"

"تم نے شاہ نواز کے بارے میں معلوم کیا؟"

"اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ آج کے دن وہ اپنی کس گرل فرینڈ کے پاس پایا جاتا ہے۔" ناصر ہنسا۔

"او کے، ایمن کے بارے میں معلوم کر کے مجھے اس نمبر پر کال کرنا۔"

رات کا کھانا سب نے بوجھل دل کے ساتھ کھایا تھا۔ میں اور سفیر تو حالات سے واقف تھے لیکن میں نے نوٹ کیا، مونا اور سونیا بھی بے دلی سے کھا رہی تھیں رخسانہ پریشان ہو گئی تھی۔

"کیا کھانا اچھا نہیں بنا ہے صاحب جی!" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"نہیں، کھانا تو اچھا ہے لیکن پتا نہیں بھوک نہیں ہے۔"

"سب کو نہیں ہے کسی نے بھی صحیح سے نہیں کھایا۔"

"تم فکر مت کرو۔ کھانا مزے دار ہے۔" مونا نے اسے تسلی دی۔

"سونیا کئی دن بعد نارمل کھانا کھا رہی تھی۔ اس نے بھی کھانے کی تعریف کی تھی مگر وہ اب پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کھانے کے بعد مجھ سے کہا۔ "ابھی تک شکیل نہیں آیا۔"

''ممکن ہے کام لمبا ہو گیا ہو۔''

''لیکن اسے اطلاع تو کرنی چاہیے۔''

''سونیا! ہمارے کام میں عام طور سے اس قسم کی فارملیٹیز نہیں ہوتیں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''تم بھی کوئی عام گھریلو خاتون نہیں ہو جو اس طرح سے پریشان ہو رہی ہو۔''

''میں اندر سے کمزور ہو گئی ہوں۔ عادل اور پھر وسیم بھائی کے بعد مجھ میں مزید کوئی جھٹکا برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔''

''میرا دل اندر سے بوجھل ہونے لگا تھا مگر میں نے اسے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تم کچھ زیادہ ہی قنوطی ہونے لگی ہو۔ ابھی بیماری سے اٹھی ہو اور اس حالت میں کیفیت کچھ ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ ایسا کرو دودھ کے ساتھ دوا لو اور سو جاؤ۔''

''جی اچھا!'' وہ بولی پھر اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔ ''آپ شکیل کے بارے میں نہیں معلوم کر سکتے؟''

''اس کے پاس موبائل نہیں ہے البتہ میں بیگ صاحب سے معلوم کر لوں گا۔ تم جا کر سو جاؤ، میرا خیال ہے اب شکیل صبح ہی آئے گا۔ باہر سردی شدید ہے، ممکن ہے وہ کہیں اور رک گیا ہو۔''

سونیا بادلِ ناخواستہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں اور سفیر اپنے کمرے میں آئے۔ مونا بھی چلی آئی تھی اس لئے ہم شکیل کے بجائے دوسرے موضوعات پر بات کرنے لگے۔ سفیر نے مونا سے دبئی کے بارے میں پوچھا۔ ''دبئی کیسا لگتا ہے؟''

''فضول بکواس!'' اس نے منہ بنایا۔

''احمق ایک دنیا دیوانی ہے۔''

''مصنوعی خوبصورتی کی۔ صحرا میں عمارتوں کا جنگل بنا دیا ہے۔'' مونا نے طنز کیا۔ ''اس میں کیا خاص بات ہے؟''

''یہ دبئی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟'' میں نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔ سفیر احمق کے پیٹ میں کوئی بات ٹکتی نہیں تھی، خاص طور سے مونا کے سامنے۔

''بس ایسے ہی آ گیا۔'' سفیر کھسیا گیا۔

مونا نے مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھا۔ ''کیا بات ہے، تم دونوں کے درمیان کوئی چکر ہے؟''

''نہیں تو۔'' میں نے معصومیت سے کہا۔ ''اتفاق سے ہم دونوں مرد ہیں۔''

مونا جھینپ گئی، جلدی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''کافی کون پیئے گا؟ میں بنانے جا رہی ہوں۔''

''مجھے تو نیند آ رہی ہے۔'' میں نے جماہی لی۔

''میں پیوں گا۔'' سفیر بولا۔

''تب آپ بھی تشریف لے جائیں۔'' میں نے کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

ان دونوں کے جاتے ہی میں نے موبائل نکال کر رشید کو کال کی۔ ''شکیل کی حالت کے بارے میں پتا چلا؟''

"جی سر! میں نے ابھی کال کیا تھا۔ اسپتال کے آئی سی یو میں...... انہیں ہوش آ گیا ہے مگر اڑتالیس گھنٹے کا وقت برقرار ہے۔ تکلیف سے بچانے کے لئے ڈاکٹر نے ان کو مسکن دوائیں دی ہیں۔"

"رشید اس کی مستقل خبر رکھو اور جیسے ہی اس کی حالت میں کوئی حتمی یا مثبت تبدیلی ہو وقت کا خیال کئے بغیر مجھے اطلاع کرنا۔"

"میں خیال رکھوں گا سر!" اس نے کہا

"میں نے کال کاٹ دی تھی، اسی لمحے ناصر کی کال آئی۔ "ہیلو، کیا کسی سے بات کر رہے تھے؟"

"شکیل کی طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹروں نے اڑتالیس گھنٹے دیے ہیں۔"

"میں نے بھی معلوم کیا تھا، اتفاق سے اس اسپتال میں ایک جاننے والا ڈاکٹر ہے، اس نے امید ظاہر نہیں کی ہے۔ شکیل کی آنتیں شدید متاثر ہیں اگر بچتا ہے تب بھی اسے آنتوں کی سرجری کے مراحل سے گزرنا پڑے گا۔"

"ایمن کا کیا ہوا؟" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔ "اس کے بارے میں کوئی خبر ہے؟"

"فی الحال وہ کونسلیٹ کی عمارت میں ہے۔" اس کی طرف سے کل دبئی جانے والی کسی پرواز میں سیٹ کی کوشش کی گئی تھی البتہ یہ نہیں معلوم کہ سیٹ ملی ہے یا نہیں؟"

"اس کا مطلب ہے اس کا پاسپورٹ اور دوسرے مسائل حل ہو گئے۔"

"تم ابھی کہاں ہو؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے سامنے ایک بند وین میں آئے تھے اور اسی حالت میں ایک کوٹھی میں اترے، مجھے تو علاقے کا بھی نہیں پتا۔"

"راجا عمر دراز واقعی ذہین آدمی ہے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دشمن بلا سبب اتنی مہربانی نہیں کر رہا تھا۔"

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ شکیل ایسی حرکت کرے گا۔"

"میرا خیال ہے اب تم لوگوں کو ملک سے چلے جانا چاہئے ورنہ دشمن ہر بار مہربان نہیں رہے گا۔ جامی شاہ بھی اس وقت پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ اس کے کم سے کم چھ آدمی مارے گئے ہیں۔"

"یعنی وہ بھی ہمارے خلاف حرکت میں آ گیا ہے؟"

"مکمل طور پر تو نہیں...... لیکن اس کے کچھ نہ کچھ بندے تم لوگوں کی تلاش میں ہیں۔"

ناصر سے کچھ دیر بات کر کے میں نے فون بند کر دیا۔ میں نے آج سوائے ٹہلنے اور ادھر سے اُدھر جانے کے اور کچھ نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود ذہنی تھکن طاری ہو رہی تھی۔ شاید صبح ہونے والے واقعے نے مجھے امید سے مایوس کر دیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہو گیا اور کچھ دیر میں سو گیا تھا۔ اگلے روز صبح سویرے آنکھ کھلی تھی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور سفیر برابر میں کمبل میں لپٹا سو رہا تھا۔ میں نے پہلے رشید سے رابطہ کر کے شکیل کے بارے میں پوچھا۔ صبح پانچ بجے تک اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں باہر آیا، میں نے ایک اونی اپر سلیا تھا۔ اس کے باوجود باہر آتے ہی سردی نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے خود کو گرم کرنے کے لئے لان میں جاگنگ

شروع کردی۔ ایک بار میں چکر لگاتے ہوئے گیٹ کی طرف آیا۔ چوکیدار اپنی کوٹھری میں چائے بنا رہا تھا اس نے مجھے بھی پیش کش کی۔

''تیار کر کے رکھو۔ میں ایک چکر اور لگا کر آتا ہوں۔''

میں گھوم کر آیا تو چائے تیار تھی۔ چوکیدار سیم تن خان نے مجھے بھی ایک کپ دیا۔ یہ بغیر دودھ کی ہلکے سے لیموں والی چائے تھی جس نے صبح سویرے مزہ دیا تھا۔ اس دوران میں، میں نے سیم تن خان سے گپ شپ کی۔ وہ چوبیس گھنٹے کا چوکیدار تھا۔ رات کو وہ چھ گھنٹے کے لئے سوتا تھا، اس کے بعد مستقل پہرے پر رہتا تھا لیکن یہ معمول اس وقت کے لئے ہوتا تھا جب کوٹھی میں خاص مہمان آتے تھے۔ ورنہ عام حالات میں سیم تن خان رات بھر لمبی تان کر سوتا تھا۔ میں نے چائے پی کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ پندرہ منٹ تک مزید ایکسر سائز کی۔ کچھ عرصے سے حالات کی وجہ سے میں اس طرف سے بالکل غافل رہا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ میرا جسم کچھ بھاری اور سُست ہو گیا تھا۔

اندر آ کر میں نے گرم پانی سے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ باقی سب سو رہے تھے اس لئے میں نے اکیلے میں ہلکا پھلکا ناشتہ کیا۔ میں نے سوچا کہ اپنی خوراک پر بھی قابو پاؤں گا۔ اس لئے ناشتے میں سیریل دودھ کے ساتھ ایک عدد ہاف بوائل انڈا لیا۔ آخر میں سنگترے کا جوس لیا۔ نو بجے ناصر کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ ایمن آج گیارہ بجے والی فلائٹ سے دبئی جا رہی ہے۔ امکان یہ تھا کہ وہاں سے اسے لندن کے لئے فلائٹ مل جائے گی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ کم سے کم ایک مسئلہ تو حل ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے راجا عمر دراز یعنی اس کے سیکرٹری بیگ سے رابطہ کیا۔ ''سفیر اور مونا دبئی جانے پر راضی ہو گئے ہیں۔'' میں نے آدھا جھوٹ بولا۔ ''ان کے لئے جلد از جلد روانگی کا بندوبست کیا جائے۔''

''ان کے پاسپورٹ ہیں یا بنوانے پڑیں گے؟'' بیگ نے پوچھا۔

''بنوانے پڑیں گے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''ٹھیک ہے، میں انتظامات شروع کرتا ہوں۔'' بیگ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

سفیر جاگ گیا تھا، میں نے اسے اب تک کے مختصر احوال سے آگاہ کیا۔ ''تم دونوں کے پاسپورٹ بنیں گے، ممکن ہے آج ہی بیگ کی طرف سے درخواست کی کارروائی مکمل ہو جائے۔''

''یعنی تصویریں اور سائن!'' سفیر نے فکرمندی سے کہا۔ ''یہ تو قبل از وقت فساد والی بات ہو گی۔''

''یار، ذرا عقل سے کام لے۔ اسے بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ تم دونوں دبئی جا رہے ہو، کہہ دینا کہ حفظ ماتقدم کے طور پر بنوا رہے ہو۔''

''اور ویزا...... اس کے فارم پر بھی سائن کرنے ہوں گے؟''

''وہ بعد کی بات ہو گی۔'' میں نے کہا۔

کچھ دیر بعد ہی رشید نے آ کر بتایا کہ ایک فوٹو گرافر آیا ہے جو ہماری تصویریں لے گا۔ فوٹو گرافر نے ہم چاروں کی تصویریں لی تھیں۔ جیسے ہی ہم مہمان خانے میں واپس آئے، مونا نے سوال کیا۔

''تصویریں کس خوشی میں لی گئی ہیں؟''

''پاسپورٹس کے لئے۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن ہمارے شناختی کارڈز تو سفیر کی حویلی میں ہیں۔'' مونا نے یاد دلایا۔

''شناختی کارڈ تو ہم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''لیکن اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا فی الحال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شہباز بھائی!'' سونیا نے جھجک کر کہا۔ ''شکیل کے بارے میں معلوم کیا؟''

''میں نے جلدی سے کہا۔ ''تمہیں بتانا بھول گیا تھا، وہ راجا صاحب کے ایک کام سے راولپنڈی گیا ہے، کل دوپہر یا شام تک آجائے گا۔''

سونیا کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی۔ ''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟''

''میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' میں نے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

دوپہر تک آسمان پر پھر سے بادل جمع ہونے لگے تھے، صبح شدید قسم کی دھند تھی۔ دوپہر تک یہ کسی قدر کم ہوئی تھی لیکن اس کے بعد بادل آگئے تھے۔ میں نے رشید سے کوئی درجن بھر انگریزی اور اردو کے اخبارات منگوا لئے تھے۔ میں اور سفیر اخبارات دیکھنے لگے جبکہ مونا اور سونیا لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ میں ایک خبر دیکھ رہا تھا جو گزشتہ چند دن میں لاہور میں ہونے والے ہنگاموں کے بارے میں تھی۔ خبر میں شبہ ظاہر کیا گیا کہ یہ مار کٹائی لاہور کے جرائم پیشہ گروہوں کی آپس کی لڑائی کا نتیجہ تھی۔ جامی شاہ کا نام لئے بغیر اس کا ذکر تھا کہ اسے موجودہ حکومت کے بعض وزیروں کی درپردہ حمایت حاصل تھی اور اس وجہ سے پولیس اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے گریز کرتی تھی۔ ایک خبر شکیل کے بارے میں تھی کہ ایک نامعلوم شخص کو نامعلوم افراد نے گولی مار کر شدید زخمی کر دیا تھا۔ وہ ایک نجی اسپتال میں زیر علاج ہے مگر اسپتال کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ میں ابھی خبر پڑھ رہا تھا کہ مونا اندر آئی۔ ''جلدی کرو، ٹی وی پر ایمن کا انٹرویو آرہا ہے۔''

میں اور سفیر لاؤنج کی طرف لپکے تھے۔ دبئی ائرپورٹ پر بی بی سی کا نمائندہ ایمن سے سوالات کر رہا تھا اور اس کی طویل گمشدگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے سوالوں میں سیاسی رنگ جھلک رہا تھا۔

''کیا تمہیں کسی اسلامک ملی ٹنٹ گروپ نے اغوا کیا تھا؟''

''نہیں، میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھی۔''

''تمہارے دوستوں کا تعلق اسلامک ملی ٹنٹس سے ہے؟''

''نہیں۔'' ایمن نے منہ بنایا۔ ''مجھے بعض افراد سے خطرہ تھا اس لئے میں روپوش ہوگئی، شکریہ!''

ایمن شانے پر چھوٹا سا بیگ ٹانگے اور ایک بیگ ہاتھ میں لئے آگے جانے لگی تھی کہ بی بی سی کا نمائندہ پھر اس کے پیچھے لپکا۔ ''کیا یہ خطرہ اسلامی جہادی گروپوں کی طرف سے تھا؟''

ایمن رک گئی۔ اس نے خلاف توقع جھنجلائے بغیر مسکرا کر کہا۔ ''گزشتہ دنوں شہزادہ ولیم کے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی، کیا اس بارے میں کسی نے تحقیق کی کہ اس میں کوئی اسلامی ملی ٹنٹ گروپ تو ملوث نہیں ہے۔'' نمائندہ کھسیا گیا تھا۔ اس نے مزید سوال کرنے کی کوشش کی تو ایمن نو کمنٹس کہہ کر آگے چلی گئی تھی۔

''یعنی وہ خیر خیریت سے دبئی پہنچ گئی ہے۔'' مونا نے کہا۔ ''اور شاید تم بھی دبئی جانے کا سوچ رہے ہو۔''

اس نے مجھے اور سفیر کو دیکھا۔ ''لیکن میں بتا دوں میں کسی صورت ملک سے باہر نہیں جاؤں گی۔''

''مالک ہیں آپ اپنی مرضی کی۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد سفیر کمرے میں آیا۔ ''یار، تُو نے زیادہ ہی سخت لہجے میں بات کی۔''

''نہیں تو کیا اسے ہار پہناتا؟'' میں بھنا گیا۔ ''تُو نے یہی باتیں کر کے اسے سر چڑھا لیا ہے۔''

''پھر بھی یار، نرمی سے بات کر سکتا تھا۔''

ذرا دیر بعد میرا غصہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے تسلیم کیا۔ ''بے شک میں نے ذرا سخت لہجے میں بات کی تھی۔''

''اب جا کر معافی مانگ لیں۔''

''معافی!'' میں نے غور کیا۔ ''یار، اس سے وہ مجروح نہیں ہو گی...... ہماری مردانہ انا!''

''نہیں ہو گی، مستقبل میں تجھے اس کی ضرورت پڑے گی۔ بہتر ہے ابھی سے کوشش کر لے۔'' سفیر نے خلوص سے کہا۔

میں لاؤنج میں آیا جہاں مونا رومال سے آنکھیں صاف کر رہی تھی اور سونیا اسے گلے سے لگا کر پیار کر رہی تھی۔ میں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ ''بندہ معافی کا خواست گار ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' مونا بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میری حیثیت ہی کیا ہے؟''

''ارے بابا! تمہاری ہی تو ساری حیثیت ہے، تمہارے لئے تو یہ ساری تگ و دو کر رہے ہیں۔'' میں اس کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔ ''مونا، تم میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہو، تم اچھی طرح جانتی ہو، کسی طرف سے تمہیں ذرا سا خطرہ لاحق ہو، مجھے برداشت نہیں ہے اور مرشد علی ہمارے لئے ایک بہت بڑی دھمکی ہے۔ ابھی تک خدا نے ہماری مدد کی ہے، ہم ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہے ہیں لیکن تمہیں ان کی طرف سے خاص خطرات لاحق ہیں۔ نادر علی خود تو کسی قابل نہیں رہا ہے اس کی جگہ مرشد علی نے سنبھال لی ہے۔ وہ بہرصورت تمہیں اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے اور یہ ہماری زندگیوں میں ممکن نہیں ہے۔''

''تو اس لئے تم صرف مجھے دبئی بھیجنا چاہ رہے ہو؟''

''صرف تمہیں نہیں، ہم سب بھی چلیں گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔ ''میں، سفیر اور سونیا بھی۔''

سونیا چونکی۔ ''میں...... میں کیوں...... میں تو شکیل کے ساتھ اس کے گھر......''

''سوری، غلطی سے منہ سے نکل گیا۔'' میں نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔

سونیا چپ ہو گئی مگر اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ مونا کو تسلی دے کر اور چپ کرا کے میں باہر آیا۔ پھر رشید سے رابطہ کیا۔ ''شکیل کی حالت کیسی ہے اب؟''

''کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے مگر وہ ہوش میں ہیں، میں ان کے پاس ہوں، یہ آپ سے بات کریں گے۔'' اس نے کہا اور موبائل شکیل کے کان سے لگا دیا۔ اس کی دھیمی لیکن مضبوط آواز آئی تھی۔

''شہباز صاحب!''

''شکیل!'' میں نے خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''کیسے ہو میرے دوست!''

''شہباز صاحب، میں نے ہمیشہ خود کو آپ کا خادم سمجھا ہے۔''

''نہیں، تم میرے دوست ہو، جیسے سفیر ہے، جیسے وسیم تھا۔''

''میں شکر گزار ہوں لیکن اس وقت آپ سے ایک التجا ہے، میں آج رات آپ سے اور سونیا سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''شکیل، چند دن میں تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ گھر......''

''پلیز شہباز صاحب!'' اس نے التجا کی۔ ''مجھے ایسا نہیں لگ رہا ہے۔ میرے پاس وقت کم ہے، آپ وعدہ کریں سونیا کو لے کر آئیں گے۔ مجھے آپ دونوں سے ضروری بات کرنی ہے۔''

میرا دل اندر سے جکڑنے لگا تھا۔ شکیل کے لہجے میں مستقبل جان والی اور موت کی آہٹ بھانپ لینے بے چینی تھی۔ ''او کے...... میں آؤں گا۔'' میں نے اقرار کیا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' اس نے کہا اور فون رشید کو واپس کر دیا۔

''شکیل صاحب کو ڈاکٹرز نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔'' رشید کی آواز آئی۔ ''میں آ رہا ہوں۔''

میں اندر آیا تو سونیا پریشان سے انداز سے لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ ''کیا بات ہے سونیا؟''

''دل گھبرا رہا ہے شہباز بھائی!''

''سونیا، تم ایک بہادر بھائی کی بہادر بہن ہو۔ ذرا ذرا سی باتوں پر گھبراؤ گی تو گزارہ کیسے ہوگا؟''

''راجا صاحب نے شکیل کو کہاں بھیج دیا ہے۔ وہ اب ان کا ملازم نہیں ہے۔'' سونیا کے لہجے میں ذرا تیزی آ گئی تھی۔

''سونیا، راجا صاحب ہمارے محسن ہیں، ان کے دو آدمیوں نے جانیں دے کر ہمیں محفوظ رکھا ہے، ان کی مدد سے میں تمہیں، شکیل اور ان دونوں کو قید سے نکالنے میں کامیاب ہوا تھا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''میں جانتی ہوں...... لیکن......'' آگے اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''سونیا، مجھ پر اعتماد رکھو اور خدا سے دعا کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ممکن ہے آج رات تک شکیل سے ہماری ملاقات ہو جائے۔''

''سچ؟'' اس کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔ ''شکیل رات کو آ جائے گا؟''

''امکان یہی ہے۔''

''یار، کب تک اس سے چھپائے گا۔'' سونیا کے لاؤنج سے جانے کے بعد سفیر نے کہا۔

''آج رات سچ مچ شکیل سے ملاقات کرنی ہے۔'' میں نے اسے مختصراً شکیل سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

''یار، اس میں خطرہ ہے۔ تُو جانتا ہے چاروں طرف دشمن شکاری کتوں کی طرح ہمیں سونگھتے پھر رہے ہیں۔'' سفیر فکرمندی سے بولا۔

''بعض اوقات خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ میں ایک ایسے شخص کی خواہش رد نہیں کر سکتا جس کے بارے میں یہ بھی نہ پتا ہو کہ وہ کل تک زندہ رہے گا یا نہیں۔''

''تُو کیسے جائے گا؟''

''میں رشید سے کہتا ہوں...... بند وین منگوا لے، وہ اچھی چیز ہے۔''
''وہ وین کئی بار استعمال ہو چکی ہے اور ممکن ہے دشمن کی نظر میں آ گئی ہو۔ اسے استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے پُرفکر لہجے میں کہا، اس کی بات نے مجھے بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔
''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم اپنا حلیہ بدل لیتے ہیں۔''
''سردی شدت کی تھی، میں نے رشید کو طلب کیا۔ ''مجھے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے ہڈ والے اپر چاہئیں۔''
''میں ابھی منگواتا ہوں جناب!''
''میرا خیال ہے ہم بارہ بجے کے بعد نکلیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس وقت سڑکیں سنسان ہو چکی ہوں گی۔ اگر کسی نے تعاقب کیا تو فوراً نظر میں آ جائے گا۔''
''کیا میں بھی چلوں؟''
''نہیں...... تم اور مونا رکو۔'' میں نے کہا پھر مجھے ایک خیال آیا۔ ''سفیر کسی طرح اپنی حویلی سے اپنے اور مونا کے شناختی کارڈ منگوا لو۔'
''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''
''اس معاملے میں بیگ سے بات کرو۔ ممکن ہے ان کے آدمی راولپنڈی میں ہوں۔''
رات کا کھانا بھی خاموشی اور بے دلی سے کھایا گیا۔ اس کے بعد ہم کافی پینے کے لئے لاؤنج میں آئے، کافی کے بعد میں نے سونیا کو شکیل کے بارے میں بتانے کا آغاز کیا۔ ''سونیا ابھی رات بارہ بجے کے بعد میں اور تم شکیل سے ملنے جائیں گے۔'' میں نے کہا تو سونیا چونکی۔
''شکیل کہاں ہے؟'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔
''سونیا، تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''شکیل اس وقت اسپتال میں ہے۔''
''اسپتال میں۔'' سونیا نے چیخ ماری۔ ''کیوں...... کس لئے؟''
''اسے گولی لگی ہے۔'' میں نے کہا پھر اسے آہستہ آہستہ گزشتہ روز پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا۔ شکیل کے زخمی ہونے اور اسپتال کے آئی سی یو میں ہونے کا سن کر سونیا نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا تھا۔ مونا بھی حیران تھی۔
''شوبی! تم نے مجھے بھی نہیں بتایا؟''
''میں اب بھی نہیں بتاتا اگر شکیل مجھ سے اور سونیا سے ملنے پر اصرار نہ کرتا۔'' میں نے کہا۔
''اسے کس نے گولی ماری ہے؟'' سونیا غصے سے بولی۔
''سونیا غلطی اس کی ہے، وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس نے خود مجھ سے کہا ہے کہ اسے نہیں معلوم اس نے راجا پر کیوں حملہ کیا ہے۔ مجبوراً راجا کے محافظ نے اس پر فائر کیا تھا۔ اگر راجا عمر دراز نے بلٹ پروف جیکٹ نہ پہن رکھی ہوتی تو وہ مارا جاتا۔''
''میں نہیں مانتی...... یہ شکیل پر الزام ہے۔'' اس نے شد و مد سے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ الزام نہیں ہے۔ میں نے خود شکیل کو راجا پر فائر کرتے دیکھا ہے۔''

''آپ بھی ان کے ساتھ ہیں۔'' اس نے بدتمیزی سے کہا۔ ''آپ راجا کے ساتھ مل کر شکیل کو مارنے والوں میں شامل ہیں۔''

''بکواس بند کرو۔'' بے ساختہ میرا ہاتھ گھوما تھا۔ سونیا صوفے پر جا گری تھی۔

''شوبی! یہ پاگل ہو رہی ہے۔'' مونا نے ملامت سے کہا۔

''یہ مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔ اس کا واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

سفیر مجھے کھینچ کر وہاں سے لے گیا۔ ہم اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔ ''یار! تیری قوتِ برداشت کیا ہو گئی ہے، تُو اس طرح ری ایکٹ کر جاتا ہے؟''

''شاید...... میرے اعصاب بھی کمزور ہو گئے ہیں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''میں انسان ہوں، اعصاب میرے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ حالات مجھ پر اثر انداز ہوئے ہیں۔''

سفیر سوچ رہا تھا۔ ''تُو نے اس کا لہجہ دیکھا۔ راجا کے لئے اس کے لہجے میں کتنی نفرت آ گئی تھی۔ مجھے لگ رہا ہے شاید اسے بھی ہپنوٹائزیشن کے کسی عمل سے گزارہ گیا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے غور کیا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور سونیا اندر آئی، اس کے پیچھے مونا تھی۔ سونیا کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرے پر ندامت تھی۔ ''سوری شہباز بھائی! میں نے آپ سے بدتمیزی کی، شکیل کے بارے میں سن کر میں اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی۔''

''اِدھر آ کر بیٹھو۔'' میں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ کر کے بیٹھ گئی۔ ''شکیل کے زخمی ہونے کا مجھے بھی افسوس ہے مگر جو ہوا اس میں کسی کا قصور نہیں تھا۔''

''وہ اسے زخمی کیے بغیر بھی پکڑ سکتے تھے۔''

''اتنا وقت نہیں تھا اور عین ممکن ہے شکیل نے جس تنویمی عمل کے تحت یہ کام کیا ہو اس میں آخری ہدایت خودکشی کی ہو۔ راجا کے محافظ کے گولی چلانے سے اسے موقع نہیں ملا۔''

''اب بھی تو وہ اسپتال میں ہے۔'' سونیا دکھی لہجے میں بولی۔

''ہاں اور مجھے امید ہے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ہم رات بارہ بجے کے بعد چلیں گے۔''

''آپ نے مجھے معاف کر دیا نا؟''

''بابا معافی کس بات کی...... میں نے اسی وقت جھانپڑ رسید کر دیا تھا۔''

''شوبی! تم نے زیادتی کی ہے۔'' مونا پیچھے سے بولی۔

''واقعی؟'' میں نے دانت پیسے۔ ''آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہئے تھا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' مونا جلدی سے بولی تو سفیر ہنس پڑا تھا۔

''شوبی سے کیسی جان جاتی ہے اور ایک میں ہوں بے چارہ!''

"مستقبل کا بے چارہ!" میں نے لقمہ دیا۔

"عرف شوہر۔"

"عرف گدھا۔"

"آپ دونوں کی زبان بے لگام ہو چکی ہے۔" مونا خفگی سے بولی۔

"اچانک میری نظر سونیا پر گئی۔ ہمارے ہنسی مذاق سے بے نیاز وہ دکھ کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ مونا اور سفیر کو بھی احساس ہو گیا تھا، وہ چپ کر گئے۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "فکر مت کرو۔ خدا نے چاہا تو شکیل ٹھیک ہو کر گھر آ جائے گا۔"

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"گولی جگر سے بھی گزری ہے۔" میں نے محتاط الفاظ میں کہا۔ "اس وجہ سے ذرا مسئلہ ہے۔ ڈاکٹروں نے امید ظاہر کی ہے وہ جلدی کور کر لے گا۔"

سونیا نے غور سے مجھے دیکھا۔ "نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے، آپ شکیل کے بارے میں درست نہیں کہہ رہے ہیں۔ اگر اس کی حالت خراب ہے تو پلیز، مجھ سے مت چھپائیں۔"

"ڈاکٹروں نے اڑتالیس گھنٹے دیئے ہیں جس میں سے تیس گھنٹے کا وقت گزر چکا ہے۔"

"شکیل ہوش میں ہے؟"

"ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے میری اس سے بات ہوئی تھی۔" میں نے اسے بتایا۔ "اس نے خاص طور سے مجھے اور تمہیں ملنے کے لئے بلایا ہے۔"

رشید اندر آیا تھا۔ اس نے ایک شاپر ہمارے حوالے کیا جو خاصا بڑا اور وزنی تھا۔ "اس میں آپ کے لئے اپرز ہیں اور میں کچھ سویٹرز بھی لایا ہوں۔"

"میں نے شاپر کھولا۔ میرے لئے وہ بیگی اپر لایا تھا جس پر ہڈ تھا، اسے پہن کر آدمی دوسروں کی نظروں سے چھپ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ گرم اور بھاری سویٹرز تھے۔

"رشید ہمیں بارہ بجے کے بعد جانا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"گاڑی تیار ہے جناب!" وہ بولا۔

"کتنی دور جانا ہوگا؟"

"ایک بلاک کا فاصلہ ہے۔" رشید نے بتایا۔ "پانچ منٹ لگیں گے۔"

گیارہ بجے میں نے اور سونیا نے تیاری شروع کر دی تھی۔ میں نے نیچے شرٹ پہنی تھی، جس کے تلے پستول کے میگزین آ گئے تھے جب کہ دونوں پستول میں نے اپر کی اندرونی جیبوں میں رکھ لئے تھے۔ سونیا کے پاس بھی پستول تھا کیونکہ یہ بیگی اپر تھے اس لئے پستول نمایاں نہیں تھے۔ بارہ بجے رشید آ گیا۔

"آیئے جناب!" اس نے کہا۔ "وقت کم ہے، ہمیں ڈاکٹرز نے صرف نصف گھنٹے کی اجازت دی ہے۔"

پورچ میں ایک عدد یلو کیب کھڑی تھی۔ "ٹیکسی پر لوگ زیادہ توجہ نہیں دیتے۔" رشید نے کہا، اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی جبکہ میں اور سونیا عقبی نشست پر آ گئے تھے۔

''کسی ناگہانی سے نمٹنے کا کوئی بندوبست ہے؟''

میرے سوال پر رشید نے برابر والی سیٹ کو تھپتھپایا۔''اس کے نیچے آپ کو بہت کچھ مل جائے گا۔''

اس نے گیٹ کے پاس پہنچ کر ہارن دیا۔ چوکیدار سیم تن خان نے گیٹ کھولا۔ رشید نے اس سے آہستہ سے کہا۔''پوری طرح ہوشیار رہنا۔''

''آپ بے فکر رہو۔'' اس نے کہا۔

''ٹیکسی باہر نکل کر ایک طرف روانہ ہو گئی۔ ٹیکسی کے اندر تاریکی تھی۔ رشید نے رفتار مناسب رکھی تھی اور جان بوجھ کر روشن سڑکوں سے گزر رہا تھا تاکہ عقب میں کوئی آ رہا ہو تو نظر آ جائے لیکن کوئی دوسری گاڑی نظر نہیں آئی تھی اس لئے رشید نے مطمئن ہو کر اسپتال کا رخ کیا۔ اسپتال واقعی کچھ فاصلے پر تھا۔ اس کی عمارت چھوٹی لیکن جدید قسم کی تھی۔ رشید نے آئی سی یو کے سامنے ٹیکسی روکی تھی۔''جناب! آپ اندر جائیں۔ میں ٹیکسی پارک کر کے آتا ہوں۔''

میں اور سونیا آئی سی یو میں آئے۔ میں نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے شکیل کا پوچھا۔ اس نے کہا۔''سوری، ان سے ڈاکٹر کی مرضی کے بغیر کوئی نہیں مل سکتا۔''

''ڈاکٹر کہاں ملے گا؟'' میں نے بحث کئے بغیر سوال کیا۔

''سامنے چلے جائیں دائیں طرف کا پہلا کمرا ڈاکٹر کا ہے۔' اس نے اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے دروازہ کھول کر اندر دیکھا اور جلدی سے بند کر دیا۔ اندر ڈاکٹر تھا مگر ایک نرس کے ساتھ۔ چند لمحے بعد نرس نکلی اور نظریں جھکائے ایک طرف چلی گئی اور اس بار میں دروازہ کھول کر اندر گیا۔

''جی فرمائیے۔'' ڈاکٹر نے زبردستی مسکرا کر کہا شاید سونیا کی وجہ سے اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا۔

''ڈاکٹر! ہمیں شکیل نامی مریض سے ملنا ہے۔''

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔''اس کی حالت فی الحال ایسی نہیں ہے کہ اس سے کوئی مل سکے۔''

''ڈاکٹر صاحب! ہم اس کی درخواست پر آئے ہیں۔ میں اس کا بھائی ہوں اور یہ اس کی منگیتر ہے، اس سے ملنا ہمارا حق ہے۔''

''اوہ!'' اس نے ہونٹ سکیڑے۔''واقعی، یہ آپ کا حق بنتا ہے لیکن آپ زیادہ دیر نہیں رک سکیں گے۔''

''ڈاکٹر وہ بچ جائیں گے؟'' سونیا نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''ابھی کچھ کہنا مشکل ہے، لیور اور آنتوں کا نقصان بعض اوقات جلدی ری کور ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ خاصی تاخیر سے ری کور ہوتا ہے۔''

''ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔''کیا آپ اجازت دیتے ہیں۔''

''وائے ناٹ!'' اس نے سونیا کی طرف دیکھا، اس مختصر سی گفتگو میں وہ کئی بار سونیا کی طرف دیکھ چکا تھا۔ وہ ٹھرکی آدمی تھا اور یہ بات میں کچھ دیر پہلے ملاحظہ کر چکا تھا۔ سونیا نے ہڈ سر سے اتار دیا تھا اور اس کا معصوم اور دلکش چہرہ نمایاں تھا۔''آئیے میرے ساتھ۔''

شکیل آئی سی یو کے ایک الگ کمرے میں تھا۔ شکیل کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر زردی نمایاں تھی۔

سونیا اسے دیکھتے ہی تڑپ کر آگے بڑھی، اس نے آواز دی۔ ''شکیل! آنکھیں کھولو...... میں آئی ہوں۔''

شکیل نے آنکھیں کھولیں۔ ''سونیا۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔ ''تم...... شہباز صاحب...... کہاں ہیں؟''

''میں یہاں ہوں۔'' میں نے اس کے قریب آ کر کہا۔ ''تم کیسے ہو؟ تمہیں تکلیف تو نہیں ہے۔''

''نہیں۔'' شکیل نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''خدا کے لئے۔'' سونیا تڑپ کر بولی۔ ''ایسا مت کہو۔''

''سونیا! جذباتی مت ہو۔ ممکن ہے میں بچ جاؤں لیکن مجھ سے وعدہ کرو اگر میں نہ بچ سکا تو تم شہباز صاحب کے پاس رہوگی۔''

''نہیں پلیز!'' سونیا سسکیاں لینے لگی۔

''سونیا...... وعدہ کرو۔''

''شکیل، تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' میں نے جھک کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''ممکن ہے...... لیکن شہباز صاحب! میرا ضمیر مجھے مار دے گا۔ میں نے اس شخص کو مارنے کی کوشش کی جس کی حفاظت کا میں نے ذمہ لیا تھا۔''

''شکیل، تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں تھے۔''

''مجھے، یاد آ رہا ہے، وہ مجھے انجکشن دیتے تھے۔ پھر مجھے راجا صاحب کی بہت بڑی سی تصویر دکھائی جاتی تھی اور اتنی تیز آواز میں کوئی کچھ کہتا تھا...... میرا دماغ ماؤف ہو جاتا تھا۔ کبھی وہ آواز انتہائی دھیمی ہو جاتی تھی جیسے سرگوشی...... ہو بار بار ایک ہی بات کہتی تھی۔ ''اسے مار ڈالو، اسے مار ڈالو۔''

''راجا صاحب بھی یہی کہہ رہے ہیں، وہ تمہیں قصوروار نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا ہے تمہارا ہر ممکن علاج کیا جائے۔''

''میں ان کا مشکور ہوں۔'' شکیل آہستہ سے بولا۔ ''اس ذرا سی گفتگو سے اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔

''شہباز صاحب! آپ سے میری التجا ہے، سونیا کا خیال رکھئے گا، اسے بے سہارا نہیں چھوڑیئے گا۔''

''شکیل! تم یہ بات......''

''نہیں، وعدہ کریں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر ضدی لہجے میں کہا۔

''اچھا وعدہ کرتا ہوں۔''

''شکریہ شہباز صاحب! آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں تو نبھاتے بھی ہیں۔''

''شکیل، میں ایک کمزور انسان ہوں۔ اپنی سی پوری کوشش کرتا ہوں۔ باقی اللہ کا احسان ہے جو وہ میری لاج رکھ لیتا ہے۔''

اس اثنا میں ڈاکٹر اندر آیا۔ ''بس، اس سے زیادہ گفتگو ان کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔''

''ڈاکٹر چند منٹ اور دے دیں۔'' شکیل نے نحیف لہجے میں کہا۔

''ضرور لیں...... لیکن اس صورت میں کوئی نقصان ہوا تو لوگ ہمیں ہی الزام دیں گے۔'' ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا اور باہر چلا گیا۔

''سونیا! تم شکیل کے پاس رکو۔ میں رشید کو دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور باہر نکلا، میرا خیال تھا کہ رشید ویٹنگ روم میں ہوگا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ میں نے ہڈ سر پر کیا اور آئی سی یو سے باہر آیا۔ پارکنگ ذرا فاصلے پر تھی اور مجھے وہاں یلو کیب نظر آئی تھی مگر رشید اس کے اندر یا باہر کہیں نہیں تھا۔ میں واپس کاؤنٹر والے کے پاس آیا۔ ''میرا ایک ساتھی بھی تھا، جس نے شکیل کو یہاں اسپتال میں داخل کرایا تھا۔ کیا وہ اندر آیا تھا؟''

''میں نہیں جانتا...... لیکن آپ کے بعد کوئی اندر نہیں آیا۔''

میرے اندر وسوسے جنم لینے لگے۔ رشید کہاں جا سکتا تھا؟ میں نے موبائل نکال کر اسے کال کی۔ بیل جا رہی تھی لیکن وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اس بار خطرے کی گھنٹی زور شور سے بجی تھی۔ میں نے اندر جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر گرفت مضبوط کر لیا اور باہر آیا۔ یہ سارا حصہ سنسان تھا۔ میں یلو کیب کی طرف بڑھا۔ اندر جھانکا چابی اگنیشن میں لگی تھی۔ دروازہ بھی کھلا تھا۔ میں نے چابی اگنیشن سے نکالی اور دروازہ لاک کر دیا۔ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ رشید کے ساتھ کچھ ہوا تھا، اگر وہ کہیں گیا بھی تھا تو اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا۔ یلو کیب کے برابر میں اسپتال کی دو عدد ایمبولینس کھڑی تھیں اور وہ بھی خالی تھیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ میں تیزی سے اندر آیا اور جب شکیل والے کمرے کے سامنے پہنچا تو ایک ڈاکٹر اور دو عدد نرسیں اس پر جھکے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اسے کوئی انجکشن لگا رہا تھا۔ سونا ایک طرف منہ پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی۔ میں اندر آیا۔ ''ڈاکٹر کیا ہوا...... شکیل ٹھیک ہے؟''

''پلیز، آپ باہر جائیں...... ہمیں ڈسٹرب نہ کریں۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔ ''ایمرجنسی ہے۔''

میں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے آیا۔ وہ رو رہی تھی۔ ''سونیا حوصلہ رکھو۔ ہمیں یہاں سے جانا ہے۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''رشید غائب ہے اور مجھے شبہ ہے دشمن اسپتال تک آ گئے ہیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''شہباز بھائی! شکیل...... وہ مر رہا ہے۔'' سونیا نے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔

میں نے شیشے کی دیوار سے اندر دیکھا اور مجھے جھٹکا سا لگا۔ کارڈیوگراف کی لکیر سیدھی ہو گئی تھی اور ڈاکٹر شکیل کا سینہ دبا دبا کر اس کا رکا دل چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحے کے لئے میں سکتے میں رہ گیا تھا۔ سونیا نے بھی دیکھ لیا تھا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ میں نے آہستہ سے انا للہ پڑھی اور سونیا کو نزدیکی بینچ پر بٹھا دیا۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''شکیل مر گیا...... شہباز بھائی! شکیل مر گیا۔''

مجھے بھی شکیل کے مرنے کا بے حد دکھ تھا۔ وہ ہمارے برے وقتوں میں کام آنے والا چند افراد میں سے تھا۔ وسیم اور اس کا دست راست شکیل دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ اگرچہ حامی و ناصر تو اللہ کی ذات ہے لیکن سچی بات تھی ان دونوں کے بغیر میں خود کو کمزور اور دفاعی پوزیشن میں محسوس کرنے لگا تھا۔ اتنے میں ڈاکٹر بھی اپنی کوشش ترک کر کے باہر آیا۔ ''مجھے افسوس ہے۔ ہی از گون۔''

''خدا کی یہی مرضی تھی۔'' میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ڈیڈ باڈی تیار کر دیں۔ ہم صبح لے

جائیں گے۔"

اس نے سر ہلایا۔" آپ دیدار کر لیں۔"

میں سونیا کو سہارا دے کر اندر لے گیا۔ شکیل کے بے جان چہرے پر سکون تھا۔ میرا دل اندر سے کٹنے لگا تھا اور کوشش کے باوجود میں اپنے آنسو نہ روک سکا تھا۔ سونیا کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ بمشکل میں اسے باہر لایا تھا، ایک نرس نے اسے پانی دیا۔ پانی پی کر اس کی حالت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ اس دوران میں، میں سوچ چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں ڈاکٹر کے پاس آیا جو شکیل کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ لکھ رہا تھا۔" ڈاکٹر، اسپتال سے باہر دشمن ہمارے منتظر ہیں۔" میں نے بلا تمہید کہا۔" ہمارے ساتھ آنے والا محافظ غائب ہے۔"

"کیا...... کیا کہہ رہے ہیں؟"

"یہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ اور ہے؟"

"ہاں...... پیچھے کی طرف بھی ایک گیٹ ہے لیکن دشمن کون ہے؟"

"دشمن صرف دشمن ہوتا ہے۔" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔" جب وہ گولیاں چلاتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ اس کا دشمن مر رہا ہے یا عام لوگ۔"

ڈاکٹر کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔" آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔"

سامنے کی طرف سے نہیں جا سکتے ہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔" مجھے یقین ہے اس طرف دشمن گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔ آپ کا کوئی آدمی جا کر ہماری یلو کیب عقبی دروازے پر لے آئے تو ہم وہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔" میں ابھی قادر سے کہتا ہوں وہ ٹیکسی پیچھے کی طرف لے آئے گا۔"

گولیاں چلنے کا سن کر اس کی جان نکلی جا رہی تھی اور وہ جلد از جلد ہمیں وہاں سے رخصت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے یلو کیب کی چابی اسے دی اور وہ باہر کی طرف لپکا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے چابی کاؤنٹر پر موجود شخص کو دی اور وہ باہر چلا گیا۔ ڈاکٹر واپس آیا۔" آئیں میرے ساتھ...... میں آپ کو پیچھے والے گیٹ تک لئے چلتا ہوں۔"

"سونیا چلو۔" میں نے سونیا سے کہا۔ وہ اب دھیمی آواز میں رو رہی تھی۔

"شہباز بھائی، شکیل......"

میں نے گہری سانس لی اور نرمی سے بولا۔" اسے صبح لے جائیں گے۔ اس وقت دشمن اسپتال کے باہر ہے۔ ہمیں عقبی طرف سے نکلنا ہے۔"

مجبوری کے عالم میں سونیا میرے ساتھ چل پڑی تھی۔ وہ بار بار مڑ کر شکیل کے کمرے کی طرف دیکھتی رہی تھی کہ ہم ایک راہ داری میں داخل ہو گئے۔ یہ شاید اسپتال کا سروس ایریا تھا۔ ہم راہ داری سے گزر کر اختتامی دروازے کے پاس پہنچے تھے کہ دروازہ اچانک کھلا، خطرے کے احساس کے ساتھ میرا ہاتھ خودکار انداز میں حرکت میں آیا۔ میں نے پستول نکال لیا تھا لیکن پھر میں رک گیا۔ سامنے دروازے پر ناصر کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر

ڈاکٹر نہ جانے کیا سمجھا، وہ زمین پر گر گیا اور چلانے لگا۔ "خدا کے لئے مجھے مت مارنا۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ کیا چکر ہے یار!" ناصر نے مجھ سے پوچھا۔

"دشمن باہر موجود ہے، شکیل کا انتقال ہو گیا ہے۔"

"اناللہ......" ناصر نے زیرلب کہا۔ "جلدی کرو، اب نکلو یہاں سے۔"

"تو......" میں نے کہنا چاہا اور ابھی میرا جملہ منہ میں تھا کہ دھماکے کی آواز نے زمین کو لرزا دیا۔ ڈاکٹر اب بلند آواز میں اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ سونیا ہکلائی۔

"یہ......کیا ہوا ہے؟"

ڈاکٹر اپنی متوقع وفات کا سوچ کر ہی بھوں بھوں کر کے رونے لگا تھا۔ ناصر نے اسے خبردار کیا۔ "اللہ نے یاد کر لیا تو پچھتاؤ گے۔"

شاید وہ اس کے بار بار اللہ اللہ کہنے پر بول رہا تھا۔ "ناصر کوئی گاڑی ہے؟"

"بندہ تو ادھار کی بائیک پر آتا ہے۔" اس نے کہا۔ "میں شکیل کو دیکھنے آیا تھا مجھے کیا معلوم تھا تم مل جاؤ گے۔"

میں نے گریبان سے پکڑ کر ڈاکٹر کو کھڑا کیا۔ "تمہاری گاڑی کی چابی کہاں ہے، فوراً نکالو۔"

اس نے لرزتے ہاتھوں سے چابی مجھے دی۔ "نئی کار ہے۔" وہ مرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"واپس مل جائے گی۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "کس ماڈل کی ہے اور کہاں ہے؟"

"پیچھے کھڑی ہے نسان...... بلیک کلر کی۔"

"شکریہ، اب جا کر اندر بیٹھ جاؤ اور دروازے بند کر لینا۔ جب تک پولیس نہ آئے، دروازے مت کھولنا اور ہاں لاش کو بغیر شناخت کے کسی کے حوالے مت کر دینا۔ ورنہ اس کی جگہ تمہاری لاش لے جاؤں گا۔"

ڈاکٹر اندر کی طرف بھاگا۔ میں نے دروازے سے باہر جھانکا اس طرف مختصر سی گلی تھی جس میں اسپتال کے اسٹاف کی کاریں کھڑی تھیں۔ ان میں بلیک نسان بھی تھی۔ "ناصر تُو نکل جا۔ ہم تیرے پیچھے آ رہے ہیں۔"

"مروا مت دینا، یہ دھماکا کیسا تھا؟"

"میرا خیال ہے دشمن نے ٹیکسی اڑا دی ہے، بم مارا ہے۔"

ناصر جل تو جلال تو کا وِرد کرتا باہر نکلا۔ اس کی بائیک گیٹ کے پاس کھڑی تھی لیکن چوکیدار غائب تھا میں نے سونیا کا ہاتھ تھاما اور بلیک نسان کی طرف دوڑ لگائی۔ میں نے پستول نکال لیا تھا اور اطراف سے چوکنا تھا۔ کسی طرف سے نہ تو کوئی فائر ہوا اور نہ ہی کوئی شخص دکھائی دیا۔ ناصر نے گیٹ کھول دیا تھا اور بائیک اسٹارٹ کر کے باہر نکل گیا تھا۔ ہم کار میں آئے، کار اسٹارٹ کی اور میں تیزی سے اسے گیٹ سے نکال لے جانے لگا اسی لمحے عقب سے فائر ہوئے تھے۔ "سونیا، سر نیچے کر لو۔" میں نے چلا کر کہا۔

لیکن سونیا نے سر جھکانے کے بجائے پستول نکالتے ہوئے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور عقب میں آنے والے تین افراد پر فائر کیئے۔ وہ مسلسل کار پر فائرنگ کر رہے تھے، میں نے عقبی آئینے میں ایک کو گرتے دیکھا۔

پلٹ کر بھاگے۔" شاندار..... سونیا تم نے کمال کر دیا۔"

"میں بہترین نشانے باز ہوں۔" وہ پہلی بار نارمل انداز میں بولی۔

گیٹ سے باہر آنے پر مجھے ناصر سو گز آگے سڑک کے موڑ پر موٹر سائیکل سمیت نظر آیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے ایکسلریٹر دبایا اور رفتار کم کئے بغیر موڑ کاٹا۔ ناصر خاصا آگے جا چکا تھا۔ سونیا عقب میں دیکھ رہی تھی، اس نے کہا۔ "شہباز بھائی! کوئی کار پیچھے آ رہی ہے۔"

"سونیا پیچھے جاؤ، اس کا عقبی شیشہ توڑ دو اور کار کو ناکارہ کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

میں نے کہا اور اپنا پستول بھی اس کے حوالے کر دیا۔ سونیا کو میں نے بریٹا دیا، اس کی مار زیادہ ہوتی ہے جبکہ اپنے پاس میں نے اعشاریہ اڑتیس رکھا تھا۔ سونیا عقبی نشست پر گئی۔ اس نے دو فائر کر کے پہلے عقبی اسکرین کو شکستہ کیا اور پھر لیٹ کر لات ماری تو شیشہ بکھر کر سڑک پر جا گرا۔ اس نے سیدھا ہوتے ہی پیچھے آنے والی کار کو نشانہ بنایا۔ لگاتار چھ فائر کئے تو عقبی کار تیزی سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

"گولیاں احتیاط سے استعمال کرو اس کا ایک ہی میگزین ہے۔" میں نے کہا اور آخری میگزین بھی اسے دے دیا۔ کار دور ہوئی تھی لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اچانک اس کی طرف سے رائفل سے برسٹ مارا گیا، گولیاں کار کی ڈکی پر لگی تھیں۔ میں نے بٹن دبایا تو آٹومیٹک ڈکی کا ڈھکن خود بخود اوپر اٹھ گیا تھا۔ اس سے کسی قدر تحفظ ہو گیا تھا۔ سونیا نے سائیڈ سے جھانکا۔ "شہباز بھائی، وہ تیزی سے قریب آ رہے ہیں۔"

"سونیا، میں اچانک بریک لگاؤں گا، کار رکتے ہی تم اس گاڑی کے ٹائروں کو نشانہ بنانا۔ تمہارے پاس صرف تین سیکنڈ ہوں گے اس کے بعد میں کار آگے بڑھا دوں گا۔"

"میں سمجھ گئی۔" سونیا بولی۔ میں نے ڈکی بند کی اور اچانک بریک لگائے۔ اس کار کا پک اپ بھی شاندار تھا اور بریکس بھی بہترین تھے۔ جیسے ہی میں نے بریکس دبائے، کار چند لمحوں کے اندر منجمد ہو گئی۔ فضا بریکوں کے شور سے گونج اٹھی تھی۔ دشمنوں کو میری جانب سے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی۔ ان کے ڈرائیور نے بدحواسی میں بریک لگائے، کار لہرائی اور کچھ فاصلے پر رک گئی۔ اس کے ساکت ہوتے ہی سونیا نے اگلے ٹائروں پر لگاتار فائر کئے، پانچویں یا چھٹے فائر پر میں نے دائیں فرنٹ وہیل کو برسٹ ہوتے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میں نے ایکسلریٹر دبا دیا۔ کار نے جست لگائی۔ چند سیکنڈ میں رفتار صفر سے پچاس پر پہنچ گئی تھی۔ عقب سے برسٹ چلا تو میں نے سر جھکاتے ہوئے رفتار اور بھی بڑھا دی تھی۔ سونیا پہلے ہی نشستوں کے درمیان میں دبکی ہوئی تھی۔

خطرے کی حدود سے نکلتے ہی میں نے سر اٹھایا۔ "شاندار..... سونیا! تم نے کمال کر دیا۔"

"شکریہ شہباز بھائی!" وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ وہ بلاشبہ مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی ورنہ شکیل کے غم نے اسے بے حال کر دیا تھا اور اس نے خطرے کے موقع پر نہ صرف خود کو تیزی سے سنبھال لیا تھا بلکہ ہمارا تعاقب کرنے والے دشمن کو بھی ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ اسلحے کا جائزہ لے رہی تھی، اس کے پاس ایک اعشاریہ تیس کا پستول تھا اور اس میں ایک ہی میگزین تھا۔ بریٹا کا دوسرا میگزین تھا۔ دونوں میگزین میں کچھ کچھ گولیاں تھیں۔ وہ انہیں ایک ہی میگزین میں منتقل کرنے لگی۔ میری نظر عقبی آئینے میں تھی مگر دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے سے ناصر غائب تھا، ابھی میں نے اس کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ اس کی کال آ گئی۔

"کہاں ہو تم؟"

"اسی سڑک پر۔۔۔ اور تم؟"

"میں تو فائرنگ شروع ہوتے ہی دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ ذرا آگے طیبہ کلینک کا روشن بورڈ نظر آئے، اس کے پاس رکنا۔"

"او کے۔" میں نے موبائل بند کر دیا۔

"یہ آدمی ہے یا جن!" سونیا نے کہا۔ "جب ہم مشکل میں ہوتے ہیں، یہ نمودار ہوتا ہے۔"

"صوفی ہے تم آدمی بھی کہہ سکتی ہو اور جن بھی۔" میں نے منیر کے پاس موجود اپنے دوسرے موبائل کا نمبر ملایا۔ وہ منتظر تھا۔

"کب ہے۔۔۔ کہاں ہے تو؟ ہم پریشان ہیں۔"

"تو کال کر لیتے۔" میں نے کہا۔ "تیرے پاس بھی تو موبائل ہے۔"

"ہاں، پر تیرا تو نمبر ہی نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"میں نے اسے اس نئے فساد اور شکیل کی وفات کا بتایا، وہ بھی دکھی ہو گیا تھا۔" مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"بس یار، موت ایسی ہی ناگہانی شے ہے، آدمی سے کب کہاں مل جائے۔ تیرے موبائل میں بیگ کا نمبر ہے، اسے کال کر کے شکیل کے بارے میں بتا دے تا کہ وہ اس کے آخری سفر کا انتظام کرے۔"

کال ختم کر کے میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ دبی دبی آواز میں رو رہی تھی۔ "سونیا، شکیل کی حالت ٹھیک لگ رہی تھی پھر اچانک کیا ہوا؟"

"پتا نہیں شہباز بھائی!" سونیا نے آنسو صاف کئے۔ "بات کرتے کرتے وہ اچانک بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے ڈاکٹر کو بلایا تھا۔ اس دوران میں آپ آ گئے تھے۔"

"شکیل کا وجدان درست تھا اسے اپنی موت کا پیشگی احساس ہو گیا تھا۔"

سونیا نے سر ہلایا۔ "میں نے اسے بتایا تھا کہ رانا صاحب بچ گئے، اسے پہلے سے پتا تھا، اس نے مجھ سے کہا تھا کہ رانا صاحب سے اس کی طرف سے معافی مانگ لوں۔"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا، رانا صاحب واقعی اسے بے قصور سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ واقعہ ہونے کے فوراً بعد اسے اسپتال لے جانے اور اس کی جان بچانے کا حکم دیا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نے آپ سے بدتمیزی کی اور رانا صاحب کے بارے میں غلط گمان کیا۔" سونیا بولی۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔"

اس لمحے مجھے طیبہ کلینک کا بورڈ نظر آ گیا اور میں نے کار اس کے پاس روک دی۔ سونیا چونکی۔ "یہاں کیوں رکے ہیں شہباز بھائی!"

"ناصر یہاں آئے گا۔ ہمیں اس کے ساتھ جانا ہے کیونکہ مجھے خدشہ ہے دشمن ہماری پناہ گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔"

میں نے کہتے ہوئے موبائل پر بیگ کا نمبر ملایا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ میں نے اسے مختصراً صورت حال بتائی اور کہا۔ "آپ فوری طور پر سفیر اور سوہا کو وہاں سے نکال لیں۔ اس سے پہلے کہ دشمن وہاں دھاوا بول دے۔"

"میرا خیال ہے ابھی ان کو وہیں رکنا چاہئے۔ کوٹھی محفوظ ہے اور وہاں داخل ہونے والا مارا جائے گا۔"

"وہاں صرف تین افراد ہیں۔ رشید کا بھی پتا نہیں ہے۔"

"میں ابھی دو آدمی اور وہاں بھیجتا ہوں، رشید کا بھی پتا چل جائے گا۔" بیگ نے مجھے تسلی دی۔

"میں ناصر کے ساتھ جا رہا ہوں۔ کوٹھی کی طرف واپس آنا مجھے خطرے سے خالی نہیں لگ رہا ہے۔ سونیا میرے ساتھ ہے۔ شکیل کے بارے میں آپ کو پتا چل گیا ہوگا۔"

"ہاں، ابھی مجھے سفیر کی کال آئی تھی، میں نے اس کے بھائیوں کو اطلاع کر دی ہے، وہ کل صبح تک آ کر اس کی ڈیڈ باڈی لے جائیں گے۔"

میں نے سکون کا سانس لیا۔ "یہ اچھا ہوا اسے اپنے پیاروں کے ہاتھوں اپنی زمین کی مٹی نصیب ہو۔"

میں نے کال ختم کی، اسی لمحے ناصر کی بائیک آ کر میرے برابر میں رکی۔ اس نے شیشہ بجایا اور پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کار اس کے تعاقب میں دوڑا دی۔ جب تک میں کال کرتا رہا سونیا خاموش تھی، ڈرائیو کرتے ہوئے میں نے سفیر کا نمبر ملایا۔ "یار، تو اور سوہا ہوشیار رہنا بلکہ ایسا کرو کوٹھی کے اندر چلا جا۔ محفوظ جگہ ہے۔ تم لوگوں کے پاس ہتھیار ہیں؟"

"ہاں، ابھی چوکیدار نے ایک شاٹ گن لا کر دی ہے۔ میں بھی کوٹھی میں جانے کا سوچ رہا تھا۔"

"میں نے بیگ سے بات کی ہے، وہ دو آدمی اور بھیج رہا ہے۔"

"اور تو....؟"

"میں ناصر کے ساتھ جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"سونیا ٹھیک ہے نا؟"

"بہادر بھائی کی بہن ہے، اس نے نہ صرف خود کو سنبھالا ہے بلکہ ابھی تعاقب کرنے والے دشمنوں کا بھی حشر نشر اسی نے کیا ہے۔" میں نے فخر سے بتایا۔

"اسے میری طرف سے شاباش دینا۔"

"بس تو خیال رکھ۔" میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔

☆═══☆═══☆

ناصر اب ایک متوسط طبقے کی آبادی میں بائیک گھما رہا تھا۔ یہاں چھوٹے لیکن خوبصورت اور طریقے سلیقے سے بنے مکانات تھے جن کے آگے پھولدار اور دوسرے پودے اور درختوں پر مشتمل کیاریاں تھیں۔ اس وقت دھند اترنے لگی تھی۔ گزشتہ رات کی ہلکی بارش کے بعد دھند میں کمی ہوئی تھی لیکن یہ پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ رات گہری ہوئی تو دھند بھی اترنے لگی تھی، ذرا سی دیر میں گھروں کے باہر اور کھمبوں پر جلنے والی روشنیاں مدھم نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے کار بائیک کے نزدیک کر لی۔ مجھے خوف تھا کہ وہ میری بے خبری میں کسی اور گلی میں نہ مڑ جائے۔ آخر کار ناصر نے بائیک ایک چھوٹے سے خوبصورت کا تج نما مکان کے سامنے روکی۔ اس کے

گرد مختصر سا باغ تھا اور سامنے لکڑی کا پھٹیوں سے بنا گیٹ تھا۔ ناصر نے گیٹ کی زنجیر سے لگا لاک کھولا اور بائیک اندر لے گیا پھر چند لمحے بعد واپس آیا۔

"کار مجھے دو اور یہ چابی لے کر اندر جاؤ۔ میں کار کہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

"ضرور!" میں نے اترتے ہوئے کہا۔ "کل صبح اس کے مالک کو اسپتال فون کر کے بتا دینا کہ کار کہاں کھڑی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔" وہ بولا اور کار لے کر چلا گیا۔ ہم اندر آئے۔ ایک چابی سے کاٹیج کا دروازہ کھولا۔ اندر آ کر روشنی کی اور جلدی سے پردے برابر کر دیئے۔ یہ مختصر سا کاٹیج تھا ایک بیڈ روم، ایک نشست گاہ اور ایک طرف ساتھ ساتھ باتھ روم اور کچن تھے۔ فرنیچر سادہ سا تھا البتہ فرش پر اچھا اور قیمتی قالین بچھا تھا۔ ایک طرف دیوار میں ہیٹر نصب تھا۔ میں نے سب سے پہلے اسے آن کیا۔ ذرا گرمی ہوئی تو جان میں جان آئی تھی۔ سونیا نے بیڈ روم میں جھانکا۔

"سونیا، ایسا کرو..... تم سو جاؤ۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

میں نے بیڈ روم اور اس کے ساتھ باتھ روم کا معائنہ کیا۔ مجھے باتھ روم کی کیبنٹ میں دوائیاں رکھی نظر آ گئیں۔ حسب توقع ان میں نیند کی دوا تھی۔ میں نے اس کی دو گولیاں سونیا کو دیں۔ "یہ کھا لو..... اور لیٹ جاؤ۔"

اس نے سعادت مندی سے بات مانی اور دوا کھا کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ بیڈ روم بھی صاف ستھرا اور سادہ سے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ ایک آئرن راڈ کا ڈبل بیڈ، ایک طرف دیوار گیر تین پٹ کی الماری اور ایک سادہ ڈرائنگ ٹیبل مع کرسی کے تھی۔ قالین یہاں بھی اچھا تھا۔ میں کمرے کا ہیٹر جلا کر واپس آیا تو ناصر نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی۔ میں نے پوچھ کر دروازہ کھول دیا۔ ناصر اندر آیا اور سیدھا ہیٹر کے پاس گیا۔

"آج غضب کی سردی ہے۔"

"اور تم بائیک پر تھے۔" میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

"اس وجہ سے مرتے مرتے بچا۔ مجھے کیا معلوم تھا دشمن وہاں مع تمہارے موجود ہیں۔"

"یہ جگہ محفوظ ہے؟"

"یہ تو تم بتاؤ کسی نے پیچھا تو نہیں کیا؟"

"میں نے جہاں تک دیکھا کوئی نہیں تھا لیکن دشمن بہت زیادہ چالاک اور وسائل رکھتا ہے، آخر ہم نے بھی تو فضا سے دشمن کا جائزہ لیا تھا۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" ناصر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ جگہ کس کی ہے؟"

"میرا ایک دشمن ہے، خاندانی دشمن۔" ناصر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"خاندانی دشمن!" میں حیران رہ گیا۔ "اور تم ہمیں اس کے مکان میں لے آئے ہو؟"

"ہاں یار! ادھر دشمن نہیں ہے۔ دشمن گاؤں میں ہے۔" وہ ہنسا۔ "گاؤں سے نکل کر ہم دوست ہو تے

ں۔ ہم نے ایک ساتھ کالج میں تعلیم حاصل کی، میں صحافت میں آ گیا اور وہ بزنس میں۔ آج کل جی ٹی روڈ پر ڑیوں کے پرزے بنانے کا کارخانہ لگا رہا ہے اور گلبرگ میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ یہ اس کی پرانی رہائش ہے۔ کبھی اپنی دو بیویوں سے چھپنا ہو تو ادھر بھاگ آتا ہے۔"

"ماشاء اللہ! خاصی ترقی کی ہے اس نے۔" میں نے سر ہلایا۔ "یہ بتاؤ، کچھ پینے کے لئے ہے؟"

"نہیں یار! اتنی بھی ترقی نہیں کی ہے۔" ناصر بولا۔ "ابھی تک چائے، کافی اور ٹھنڈا پانی پیتا ہے۔"

"میں بھی وہی پوچھ رہا ہوں، تم کیا سمجھے میں پکا اور پینے والا آدمی لگتا ہوں؟"

"ہاں، چائے مل جائے گی۔ دراصل کافی ہے نہیں، میں نے ہی ختم کی ہے۔"

"چائے بھی چلے گی۔" میں نے کہا۔

ہم کچن میں آ گئے۔ ناصر نے چائے کا پانی رکھا۔ "میں دو دن سے یہاں ہوں۔ میرے فلیٹ پر کچھ مشکوک افراد کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ مجھے لے جاتے میں خود وہاں سے بھاگ نکلا۔"

"وہ کون ہو سکتے ہیں؟"

"ممکن ہے حاجی شاہ کے آدمی ہوں۔"

"اچھا، اسپتال میں جو دھماکا ہوا تھا اس کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے، اب تک وہاں پولیس آ گئی ہو گی۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔" ناصر نے کہا اور موبائل پر کسی سے رابطہ کیا۔

چائے کا چارج میں نے سنبھال لیا۔ پانی کھولنے پر اس میں پتی ملائی۔ یہ بہت اچھی قسم کی پتی تھی۔ تیز خوشبو اٹھی تھی۔ چائے مگوں میں انڈیل کر اپنے لئے صرف چینی ملائی۔ ناصر نے اشارے سے چینی سے بھی انکار کر دیا۔ ہم اپنے اپنے مگ لے کر نشست گاہ میں آ گئے۔ ناصر کسی خواجہ صاحب سے محو گفتگو تھا۔ بالآخر اس نے موبائل رکھ دیا۔

"ابھی پولیس وہاں نہیں پہنچی ہے لیکن اطلاع مل گئی ہے۔"

"یعنی صبح تک جا پہنچے گی؟"

"امکان تو یہی ہے۔" ناصر نے کہا۔

میں نے ایک بار پھر سمیر اور سونیا کی خیریت دریافت کی۔ بیگ نے دو عدد محافظ اور بھیج دیے تھے۔ میں کسی قدر اطمینان محسوس کرنے لگا تھا۔ ناصر چائے پی کر ایک صوفے پر دراز ہو گیا اور خراٹے لینے لگا تھا۔ میں نے سونیا کو دیکھا، وہ سو گئی تھی اور اس کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں نمایاں تھیں۔ اس کا کمبل درست کر کے میں بھی تکیہ لے کر آیا اور ہیٹر کے سامنے قالین پر دراز ہو گیا۔ ذرا دیر میں مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔

صبح مجھے ناصر نے جگایا تھا۔ "اٹھ جا، میں ناشتا لینے جا رہا ہوں۔ سونیا کو بھی اٹھا دینا۔"

میں نے انگڑائی لی۔ "کوئی خیر خبر آئی ہے؟"

"نہیں، میں آ کر بات کروں گا۔ اس وقت سب پڑے سو رہے ہوں گے۔" ناصر بولا اور باہر نکل گیا۔

سونیا نے بمشکل اپنا اکڑا ہوا جسم کھولا۔ ہیٹر کے سامنے ہونے اور سر سے پاؤں تک گرم کپڑوں میں ہونے کے

باوجود سردی نے جسم سخت کر دیا تھا۔ میں باتھ روم میں آیا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے چائے تیار کی اور سونیا کو جگایا۔ اس کے ذہن پر خواب آور دوا کا اثر تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھوئے اور باہر آ کر مجھ سے پہلا سوال شکیل کے بارے میں کیا۔ میں نے اسے بتایا۔

"اس کے بھائیوں کو اطلاع کر دی ہے۔ اب تک وہ لاہور آ چکے ہوں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "شکیل کو اس کے ورثا دفن کریں گے۔"

سونیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے لیکن اس نے ان کو باہر نہیں آنے دیا تھا۔ "شہباز بھائی، پتا نہیں میری قسمت میں کیا ہے؟ ہم دونوں بہن بھائی نے بچپن سے بہت سختیاں دیکھی ہیں۔ ماں، باپ ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔ مکان پر سگے چچا نے قبضہ کر لیا۔ ہمیں اس وقت تک برداشت کیا جب تک مکان اپنے نام نہیں کرا لیا۔ اس کے بعد ہمیں دھکے دے کر نکال دیا۔ آپ یقین کریں گے، اس وقت میں صرف نو برس کی تھی اور وسیم بھائی سولہ برس کے۔ ہم نے چند سال کیسے گزارے؟ یہ خدا جانتا ہے یا ہم۔۔۔ پھر وسیم بھائی نے محنت کی۔ خود بھی پڑھا اور مجھے بھی پڑھایا۔ انہوں نے میٹرک کر کے ایک دفتر میں چپڑاسی کی ملازمت کی تھی اور شام کو ایک کالج میں جاتے تھے۔ انہوں نے اسی طرح پڑھ کر بی کام کیا۔ پھر بندرگاہ پر رات کو کام کرنے والی ایک کمپنی میں ملازم ہو گئے اور صبح یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ایم کام مکمل کیا۔"

"وسیم نے ماسٹر کیا تھا؟" میں حیران رہ گیا۔

"ہاں اور پھر اسی کمپنی میں اکاؤنٹینٹ لگ گئے تھے۔"

"تب اس کی زندگی کیسے بدلی ـــــ میرا مطلب ہے وہ اس راہ پر کیسے آیا؟"

"اس کی وجہ میں ہوں۔" سونیا نے گہری سانس لی۔ "وسیم بھائی جس کمپنی میں جاب کرتے تھے، انہوں نے مجھے بھی وہیں جاب دلا دی۔ وہ میری جاب کے حق میں نہیں تھے لیکن میں نے ضد کی تو مان گئے۔ اس کے بعد روایتی سی کہانی ہے۔ کمپنی کے مالک کا اوباش لڑکا تفریح کے نام پر دفتر آتا تھا اور سارا دن لڑکیوں سے فون پر باتیں کرتا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو......" سونیا بتاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"میں ایسے امیر زادوں کی ذہنیت سمجھتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "خود میری زندگی میں تبدیلی بھی ایک ایسے ہی اوباش شخص کی وجہ سے آئی ہے۔"

"اس نے پہلے مجھے رام کرنے کی کوشش کی لیکن جب میں نے اس کی پیشکش اس کے منہ پر ماری تو وہ ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے بھائی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ باس کا بیٹا تھا اس لئے بھائی اسے سخت جواب تو نہیں دے سکتے تھے لیکن وہ حیران ضرور تھے کہ فواد ان کو کیوں تنگ کر رہا ہے۔ ایک روز وہ اس کے کمرے میں طلب کئے گئے۔ فواد نے ان پر بے ایمانی اور کام سے غیر ذمے داری کے الزام لگائے۔ اس پر بھائی کو اشتعال آ گیا۔ ان کی تلخ کلامی ہوئی۔ اس پر فواد نے میرے بارے میں بے ہودہ گوئی کی تو وسیم بھائی نے بے قابو ہو کر اس کے سینے میں پیپر نائف اتار دیا۔ جب ان کو احساس ہوا کہ انہوں نے کیا کر دیا ہے تو وہ مجھے لے کر دفتر سے بھاگ نکلے اور پھر ہم کراچی سے بھی نکل گئے۔ ہم لاہور آ گئے۔ بھائی اشتہاری ملزم ہو گئے تھے اس لئے ہم چھپے ہوئے تھے۔ جب ساری جمع پونجی ختم ہونے لگی تو وسیم بھائی نے پہلی بار مجبور ہو کر جرم کا راستہ

اختیار کیا۔ وہ ذہین اور پڑھے لکھے تھے اس لئے انہوں نے عام جرائم پیشہ افراد سے ہٹ کر راہ اپنائی۔ دو برس کے اندر انہوں نے اپنا الگ گروپ منظم کر لیا تھا۔ اس میں تمام پڑھے لکھے اور اچھے نوجوانوں کو شامل کیا جو ضرورت مند تھے۔ وسیم بھائی نے اپنی خدمات ایسے لوگوں کو دینا شروع کیں جنہیں دوسروں سے خطرہ تھا یا ایسے شریف لوگ جن کے پیچھے بدمعاش لگ جاتے تھے۔ ایسے بزنس مین جو بھتہ خوروں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ جن لوگوں کی زمینوں پر دوسرے قابض ہو جاتے تھے اور وہ قانونی طریقے سے اپنی زمین یا دوسری ملکیت واپس نہیں لے پاتے تھے۔ وسیم بھائی ان کے کام آتے تھے۔

"یہ کتنے عرصے پہلے کی بات ہے؟"

"پانچ سال پہلے کی۔" سونیا نے جواب دیا۔ "اس وقت میں گریجویشن کر چکی تھی۔ پھر جب وسیم بھائی اس لائن میں آئے تو انہوں نے مجھے بھی بہترین تربیت دی۔"

"عادل کب تم لوگوں میں شامل ہوا تھا؟"

"وہ شروع سے وسیم بھائی کے ساتھ تھا، اس کے بعد شکیل آیا تھا۔ لاہور کے بعد وسیم بھائی نے راولپنڈی کا گروپ بنایا۔ جب زیادہ کام ملنے لگا تو وسیم بھائی خود راولپنڈی، اسلام آباد چلے گئے اور لاہور کا گروپ عادل کے حوالے کر دیا۔"

"تمہاری اس سے پسند کی شادی ہوئی تھی؟"

اس سوال پر وہ سرخ ہو گئی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ "ہاں، اس وقت مجھے یا وسیم بھائی کو اندازہ نہیں تھا کہ عادل کس فطرت کا شخص ہے۔ اس کی بے وفائی اور غداری نے مجھے توڑ دیا تھا۔ میں شاید پاگل ہو جاتی یا شاید مر جاتی لیکن شکیل نے میرا ساتھ دیا اور اب وہ ——— اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ "پتا ..... نہیں ——— میری قسمت میں کیا ہے؟"

"سونیا ——— انسان کی زندگی میں ایسے دور آتے ہیں۔" میں نے موسم کی مناسبت سے ٹھنڈا سانس لیا۔ "صرف تم ہی نہیں، ہم سب ایسے دور سے گزرے ہیں، جب ہم سے ہمارے پیارے چھن گئے۔"

"لیکن مجھ سے تو میرا سب کچھ ہی چھن گیا ہے۔"

"نہیں ——— یہ تم ابھی محسوس کر رہی ہو ٹھیک ہے جو بچھڑ گیا اس کی کمی پوری نہیں ہوتی ہے لیکن آنے والے دنوں میں نئے انسان ملتے ہیں اور نئے رشتے بنتے ہیں، اب ہم ہیں ———"

"ہاں، آپ ہیں۔" اس نے آنسو صاف کئے۔ "یہی بات تو مجھے جینے کا حوصلہ دیتی ہے ورنہ میں خودکشی کر لیتی۔"

"ایسی بات سوچنا بھی مت۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "ٹھیک ہے وسیم نہیں رہا، شکیل بھی نہیں رہا لیکن ہم ہیں۔ میں، منیر اور موٹا اور ابھی ہمارے اور بھی ساتھی ہیں۔ تم خود کو ان کے درمیان ایسا محسوس کرو گی جیسے ہم ایک خاندان ہیں اور تم اس کا ایک حصہ ہو۔"

"آپ نے ناصر کا نام نہیں لیا؟"

"وہ ایک صحافی ہے، اس کا اپنا ایک دائرہ ہے ——— بے شک وہ ہماری مدد کر رہا ہے لیکن وہ ہمارا مستقل ساتھی

نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود آپ اس پر پوری طرح اعتماد کرتے ہیں۔"

"ہاں، اس نے خود کو اعتماد کے قابل ثابت کیا ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "ممکن ہے وہ ہم سے اسٹوری کے چکر میں ہو لیکن ایک بات طے ہے وہ کبھی ہمیں دھوکا نہیں دے گا۔"

"وہ کہاں گیا ہے؟" سونیا نے پوچھا۔

"ناشتا لینے۔" ناصر دروازے سے اندر آتے ہوئے بولا۔ اس نے دو عدد شاپر ز اٹھا رکھے تھے۔ "گرما گرم حلوہ پوری اور چھولے ہیں۔"

سونیا نے سامان لے کر کچن کا رخ کیا۔ میں نے ناصر سے پوچھا۔ "یہ کون سا علاقہ ہے؟"

"ماڈل ٹاؤن کے قریب ایک آبادی ہے۔" وہ بولا۔ "ذرا اونچے درجے کے متوسط طبقے کے لوگ رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔"

"یعنی جرائم پیشہ افراد کے لئے مثالی جگہ ہے۔"

"نہیں، وہ اپنے حلیے اور انداز سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ وہ ان آبادیوں میں نہیں کھپ سکتے۔ یہاں کے لوگوں کی پالیسی دراصل دخل اندازی سے گریز ہے ورنہ خبر سب کی رکھتے ہیں اور کوئی معمول سے ہٹ کر بات ہو تو نوٹس بھی لیتے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے علاقے کا ماحول خطرے میں پڑ جائے۔"

"ناشتا!" سونیا نے ہمارے سامنے ناشتا لا کر رکھا اور خود دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

"سونیا! تم بھی ناشتا کرو۔" میں نے اسے پکارا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے شہباز بھائی! میں چائے پی لوں گی۔" اس نے کچن سے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں بھی بھوک نہیں ہے۔" میں نے بلند آواز سے کہا۔ "یہ ناشتا لے جاؤ۔"

"شہباز بھائی! مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔" وہ ڈائننگ روم میں آ گئی۔

"تب میں بھی نہیں کھاؤں گا۔" میں نے ٹرے پیچھے کر دی۔

"آپ ضد کر رہے ہیں۔"

"ضد ہی سہی!"

"اچھا!" وہ مجبوراً آ کر بیٹھ گئی اور ناصر نے سکون کا سانس لیا۔

"شکر ہے ورنہ شہباز نہیں کھاتا تو شرماشرمی میں میں بھی بھوکا رہ جاتا اور میرا بھوک سے برا حال ہے۔"

سونیا چند نوالے لے کر چائے کے بہانے اٹھ گئی، اس بار میں نے اسے نہیں روکا۔ مقصد تو اس کا سوگ ختم کرنا تھا۔ اس نے چند لقمے لے لئے تھے لیکن یہ زندگی کے معمولات کی طرف اس کی واپسی کی علامت تھے۔

میں نے اور ناصر نے ناشتا کیا۔ زندگی کتنی عجیب ہو گئی تھی۔ مجھے یاد تھا جب میں دس بارہ سال کا تھا تو اپنے گاؤں کی ایک جگت ماسی کے مرنے پر میں نے مارے دکھ کے دو دن کچھ نہیں کھایا تھا حالانکہ ہماری اس سے کوئی رشتہ داری بھی نہیں تھی اور کل رات میرا ایک اور ساتھی مجھ سے بچھڑا تھا اور میں ڈٹ کر ناشتا کر رہا تھا۔ شاید حالات نے مجھے اندر سے بدل دیا۔ غمی، خوشی کے معاملے میں ایک پتھریلا خول عطا کر دیا تھا، جو میرے اندر کے نازک

احساسات کو ان سے بچاتا تھا۔ یہ فطری اصول بھی ہے، جسم کے جس حصے پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے وہ زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ میرے اعصاب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ شاک کے بعد میں جلد نارمل ہو جاتا تھا۔ سونیا چائے لے آئی تھیں ناصر کیک پیس بھی لایا تھا۔ سونیا چائے کے ساتھ لے آئی تھی۔ اس نے بھی چند پیس لئے تھے۔ "شہباز بھائی، کیا ہم واپس جائیں گے۔"

"نہیں۔ فی الحال کوٹھی کا رخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے دشمن گھات میں ہو۔ ہم اس جگہ محفوظ ہیں۔"

"میں جا کر شکیل کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔" ناصر نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ "ممکن ہے اس کے بھائیوں کو کوئی مسئلہ ہو۔"

"یہ اچھا رہے گا اگرچہ بیگ نے سب کر لیا ہوگا لیکن ممکن ہے کوئی مسئلہ ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔ شکیل کا نام سن کر سونیا کے چہرے پر دکھ کے آثار نظر آئے تھے مگر اس نے کوئی اور ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ ناصر ناشتا کر کے چلا گیا اور سونیا برتن لے جا کر کچن میں دھونے لگی۔ میں اسلحے کا جائزہ لینے لگا۔ میرے پاس اسٹارزیرو ازمیں کا پستول اور اس کے دو بھرے میگزین تھے۔ بریٹا میں صرف ایک میگزین تھا اور اس میں بھی چار گولیاں تھیں۔ سونیا کے پاس پستول کا صرف ایک میگزین تھا۔ دیکھا جائے تو یہ خاص اسلحہ نہیں تھا مگر ہم نہتے بھی نہیں تھے، اگر کسی سے ٹاکرا ہو جاتا تو اسے آسانی سے کامیاب نہ ہونے دیتے۔ ناصر نے باہر نکلنے سے منع کیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اہل محلہ اسے جانتے تھے۔ وہ اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ اس مکان کے اردگرد کے مکانات سے کم سے کم باغ صاف نظر آتا تھا اگر میں اور سونیا باہر نکلتے تو دوسروں کی نظر میں آ سکتے تھے، ناصر نے ہمیں کھڑکی یا دروازے پر بھی آنے سے منع کیا تھا۔ سونیا برتن دھو کر اور کچن صاف کر کے نشست گاہ میں آ گئی۔

"شہباز بھائی! ارابا صاحب آپ کو بھارت لے جانا چاہ رہے ہیں۔"

"ہاں۔" میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کہا۔ "اور میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

"سچ شہباز بھائی!" وہ خوش ہو گئی تھی۔

میں نے سر ہلایا۔ "اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک اب تم میری ذمے داری ہو۔ میں نے وسیم سے عہد کیا تھا اور جب تم نے اور شکیل نے اپنے بارے میں ایک فیصلہ کیا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اب شکیل نہیں رہا ہے تو تم میری بہن کے طور پر میرے ساتھ رہو گی۔ دوسرے سونیا، تم نے کل رات ثابت کر دیا کہ تم میں ایک بہترین ساتھی بننے کی خوبی ہے، مشکل حالات میں اور صدمے کی کیفیت میں تم نے جس طرح تعاقب کرنے والوں کو روکا اور ان کو ناکارہ کر دیا یہ کام ہر کوئی نہیں کر سکتا، حد یہ کہ میں سفیر سے بھی ایسی توقع نہیں کرتا، میں شدت سے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو اس قسم کے مشکل حالات میں میرا ساتھ دے۔ سونیا، تم میں اس کی صلاحیت ہے۔"

"شکریہ شہباز بھائی!" سونیا بولی۔ "میں کبھی آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔"

"لیکن میں ایک بات واضح کر دوں۔ میں ہر عورت کا مقام ایک گھر میں دیکھتا ہوں جیسے ہی مجھے تمہارے لئے کوئی مناسب گھر نظر آیا اور تم راضی ہوئیں تو میں اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہونے میں ایک لمحے کی تاخیر

نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ میں اپنی جنگ میں تمہیں استعمال کرنا چاہ رہا ہوں۔"
"میں ایسا نہیں سمجھتی شہباز بھائی!"
"سونیا! ممکن ہے تمہارے ذہن میں یہ بات آئے کہ میں سونیا اور سفیر کو خود سے دور کر رہا ہوں تاکہ وہ میری ذات سے لاحق خطرات سے دور رہیں اور تم کو میں ساتھ لے جانے کو تیار ہوں۔ سونیا! اگر تم سکون سے رہنا چاہتی ہو تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ میں تم کو کسی محفوظ جگہ پہنچا سکتا ہوں۔"
"نہیں، مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں شہباز بھائی! جب میں سب کے ساتھ تھی اور ہم ایک کوٹھی میں محفوظ تھے تب بھی مجھے تحفظ کا وہ احساس نہیں ہوتا تھا جو کل رات گولیوں کی بارش میں آپ کے ساتھ تھا۔ میں نے وسیم بھائی کا دکھ اتنا محسوس نہیں کیا تھا، مجھے لگتا ہے جیسے قدرت نے آپ کی صورت میں وسیم بھائی کو مجھے واپس کر دیا ہے۔" سونیا جذباتی ہونے لگی تھی۔ "کبھی ایسا مت سوچئے گا، میں ہمیشہ آپ پر اعتماد کرتی رہوں گی، آپ مجھے کسی گڑھے میں کودنے کو کہیں گے تو میں اس میں بھی کود جاؤں گی۔"
"خدا نہ کرے۔ بھائی بہنوں کو گڑھوں اور آفتوں سے بچاتے ہیں ان کو اس میں کودنے کا نہیں کہتے۔"
میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "خدا مجھے اس ذمے داری کو نبھانے کی توفیق دے۔"
وہ اپنے آنسو چھپاتی اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے سفیر اور بیگ کو فون کیا۔ دونوں طرف خیریت تھی، وہ اچھی خبریں تھیں۔ رشید بے ہوشی حالت میں صبح کے وقت اسپتال کے پاس سے مل گیا تھا اور عبداللہ صحت یاب ہو کر آ گیا تھا۔ کوٹھی کا چارج اب اس نے سنبھال لیا تھا۔ سونیا نے آ کر مجھ سے دوپہر کے کھانے کا پوچھا۔
"کچھ بھی بنا لو۔"
"یہاں سب ہے۔" وہ بولی۔ "ناصر ڈبل روٹی اور انڈے بھی لے آیا تھا۔ فریج میں چیز رکھا تھا۔ میں چیز اینڈ ایگ سینڈوچ بنا لیتی ہوں۔"
"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔"
"نشست گاہ میں خاصی جگہ تھی اس لئے میں وسطی میزیں ہٹا کر ایکسرسائز کرنے لگا۔ سونیا کچن سے آئی تو ٹھٹکی۔ "ہائی گاڈ! شہباز بھائی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ آپ ایسی ایکسرسائز بھی کرتے ہیں۔"
"حالانکہ جب میں تمہارے گھر آیا تھا تو لڑکوں کے ساتھ مل کر باقاعدگی سے ایکسرسائز کرتا تھا۔"
"وہ تو اور بات تھی..... یہاں آپ کو مشکل نہیں ہو رہی ہے؟"
"کسی قدر۔" میں نے اعتراف کیا۔
"آپ نے سیلف ڈیفنس کی تربیت لی ہے؟"
"حالات خود تربیت کر رہے ہیں۔"
"نہیں بھائی..... سیلف ڈیفنس ضروری ہے، آدمی بعض اوقات گھر جاتا ہے اور ہتھیار بھی نہیں ہوتا اس وقت یہ تربیت کام آتی ہے۔"
"تم نے تربیت حاصل کی ہے؟"
اس نے سر ہلایا۔ "میں نے کنگ فو کی تربیت حاصل کی ہے۔ میں براؤن بیلٹ ہوں۔"

"واقعی!" میں نے حیرت سے کہا۔ "دیکھنے میں تو نہیں لگتا۔"

وہ مسکرائی۔ "اس فن کی یہی تو خوبی ہے۔ نازک اور عام سے نظر آنے والے افراد اس میں مہارت حاصل کر کے پانچ چھ افراد سے بہ آسانی نمٹ سکتے ہیں لیکن یہ جوڈو اور کراٹے سے مختلف فن ہے۔ اس میں دوستانہ مقابلے کا تصور نہیں ہے۔ اس کا ہر وار مہلک اور حریف کو نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے۔"

"خوب ۔۔۔ اگر مجھے کبھی موقع ملا اور ذرا سا سکون ہوا تو میں اسے سیکھنے کی کوشش کروں گا۔"

ایکسر سائز مکمل کر کے میں نے واش روم میں جا کر غسل کیا اور باہر آ کر سونیا کے بنائے سینڈوچ کھائے۔ میں نے سونے سے پہلے سفیر سے بات کی تھی اور پھر لیٹ گیا۔ رات مجھے بھرپور نیند لینے کا موقع نہیں ملا تھا اور اس وقت مجھے آرام کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں لیٹ کر سو گیا۔ پھر میری آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ میں منہ دھو کر باہر آیا۔ کچن سے ناصر کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

"مس سونیا.... تمہارے ہاتھ میں ذائقہ ہے۔"

"شکریہ" سونیا بولی۔

"کیا ایک کپ چائے اور مل سکتی ہے؟"

"ہاں تم جا کر بیٹھو۔" سونیا نے کسی قدر رکھے لہجے میں کہا۔ "میں ابھی لاتی ہوں۔"

ناصر باہر آیا۔ "کیا احوال ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"شکیل کی ڈیڈ باڈی صبح اس کے بھائی لے گئے تھے۔ باقی کل رات کی ہنگامہ آرائی کی خبریں اخبارات میں ہیں۔ تم دیکھ لو۔"

ناصر بہت سارے اخبارات لایا تھا۔ میں دیکھنے لگا۔ جلے کیب میں بم لگایا گیا تھا۔ اسپتال کے ریسپشنسٹ نے اس کی چابی لگا کر اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تھی اور بم بلاسٹ ہو گیا۔ اسپتال کا ملازم مارا گیا۔ اس کے بعد اسپتال کے عقبی حصے میں شدید فائرنگ ہوئی تھی اور ایک جگہ خون ملا تھا لیکن کوئی لاش یا زخمی نہیں ملا تھا۔ حتیٰ شکیل سے ملنے کے لئے آنے والے دو افراد کے بارے میں انتظامیہ کو قطعی علم نہیں ہے اور نہ ہی شکیل کے بھائی جو لاش لینے آئے تھے وہ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ دوسری خبر فائرنگ اور ایک گاڑی کے حادثے کے بارے میں تھی۔ کار الٹ گئی تھی اور اس کے اندر بھی خون تھا لیکن نہ تو کوئی زخمی ملا اور نہ ہی لاش۔ پولیس کے مطابق کار چوری کی تھی اور اس کی چوری کی رپورٹ پرسوں رات شاہدرہ کے ایک تھانے میں لکھوائی گئی تھی۔

"دشمنوں کا نقصان ہوا ہے۔" میں نے اخبار میز پر ڈال دیا۔

"میری اطلاع کے مطابق جانی شاہ کے اڈوں پر گزشتہ رات خاصی ہلچل رہی تھی اور گاڑیوں کی آمدورفت مسلسل جاری رہی تھی۔" ناصر نے بتایا۔

"یعنی وہ جانی شاہ کے آدمی تھے۔"

"امکان یہی ہے۔" ناصر بولا۔ "میرا ایک جونیئر رپورٹر ہے اسد چوہدری ۔۔۔ بڑا ہونہار اور ذہین بچہ ہے۔"

"یعنی تمہارے اشارے پر بلا خوف و خطر ۔۔۔ خطرے میں کود جاتا ہے۔"

"یہی سمجھو۔" ناصر نے دانت نکالے۔ "میں نے اسے شاہ نواز کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ شاہ نواز کو قصور کے بعض بااثر افراد کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے اور وہ جانی شاہ سے الگ ہونے کی فکر کر رہا ہے۔

"جانی شاہ اسے اجازت دے گا؟"

"آسانی سے نہیں دے گا کیونکہ لڑکیاں جانی شاہ کے لئے کمائی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ شنید ہے اس نے شوقین افراد کے لئے بیرون ملک سے لڑکیاں منگوائی ہیں۔ یہ باقاعدہ معاہدے کے تحت آتی ہیں اور معاہدہ مکمل ہونے پر اپنی کمائی کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں۔"

"غیر ملکی ۔۔۔ کہاں سے آتی ہیں؟"

"ان میں سے زیادہ تر بھارتی ہوتی ہیں۔ وہ تھرڈ کلاس اداکارائیں جو چند فلموں یا ڈراموں میں کام کر چکی ہوتی ہیں۔ ماڈل گرلز اور کسی بھی طریقے سے کمانے کی آرزومند حسین لڑکیاں شامل ہوتی ہیں۔ تو خیر بنگالی لڑکیاں، افغان دوشیزائیں جن کے مرد مارے جا چکے ہوتے ہیں اور خاندان کی ذمے داری ان پر آ جاتی ہے۔ پھر مشرق بعید سے لڑکیاں آتی ہیں اور سب سے مہنگی امریکا اور یورپ سے آنے والی گوریاں ہوتی ہیں، ان کی ایک رات کے بیس پچیس لاکھ روپے تک وصول کئے جاتے ہیں۔"

"پچیس لاکھ!" میں دم بخود رہ گیا تھا۔ "ویسے تو عورت کی عصمت انمول اور خود اس کے لئے قیمتی ترین متاع ہوتی ہے لیکن جو خود بکنے کو تیار ہو جائیں ان کی قیمت اتنی بھی لگ سکتی ہے، میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کیونکہ خود میرے نزدیک ایسی عورتوں کی قیمت کچھ نہیں ہے مگر ہوس سے باؤلے افراد ان کے لئے اتنی بڑی رقم دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جس کا قریب تو کیا ایک متوسط طبقے کا پاکستانی بھی بس سوچ سکتا ہے، اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

ناصر ہنسا۔ "یار تو کس دنیا میں رہتا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے روشن خیالی کے نام پر اس ملک میں وہ واہیاتی پھیلائی جا رہی ہے کہ عام آدمی اس کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"یار سیاست نہیں ۔۔۔ مجھے اس لفظ سے الرجی ہے۔"

"یہی وجہ ہے ہماری بربادی کی۔" ناصر طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "اس ملک کے لوگوں نے خود کو سیاست سے الگ کر کے سیاسی رکھوالوں کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ ان کو جہاں چاہیں چرائیں اور جس قیمت پر چاہیں بیچ دیں۔"

"یہ تو تو ٹھیک کہہ رہا ہے مگر فی الحال میرے حالات مجھے اس طرف جانے کی اجازت نہیں دیتے۔" میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "قصہ مختصر کہ شاہ نواز سے ہمیں کیا لینا دینا ہے۔"

"تمہارا اس سے تعلق ذرا دور کا ہے۔ وہ جانی شاہ سے متعلق ہے اور جانی شاہ تمہارے دشمنوں سے مل چکا ہے۔ اس لحاظ سے وہ بھی تمہارا دشمن ہوا اور ممکن ہے کچھ دن بعد اس سے واسطہ پڑ جائے۔"

"دیکھیں گے۔ اچھا ایڈو شاکی کوئی خبر ۔۔۔ کیا وہ ابھی تک کونسلیٹ میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں بتانا بھول ہی گیا۔ وہ ایک محکمے کے سیکرٹری کی کوٹھی میں مقیم ہے اور سیکرٹری راشد

فاروقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مرشد علی کے مریدوں میں سے ہے۔"

"راشد فاروقی کہاں رہتا ہے؟"

"ادھر ریلوے کالونی کے پاس اونچے درجے کے سرکاری افسران کی سرکاری رہائش گاہیں ہیں۔ راشد فاروقی کی کوٹھی بھی ان میں سے ایک ہے۔"

"ڈیوڈ شاہ مرشد علی کے ایک مرید کے پاس مقیم ہے۔ اس کا مطلب ہے اس کا مرشد علی سے کچھ جوڑ جاری ہے۔"

"ظاہر ہے اور مجھے شبہ ہے فتح خان بھی لاہور میں ہوگا۔ وہ ایمن کے پیچھے دیوانہ ہے۔"

"اسے میرے حوالے کریں۔"

"کیا ڈیوڈ شاہ برٹ شاہ کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ زندہ ہے؟"

"نہیں، فتح خان اسے یہ بات بتانے کی حماقت نہیں کر سکتا اور نہ ہی ڈیوڈ شاہ کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے ورنہ وہ برٹ شاہ کو مروا دے گا۔ اس کے ہوتے ہوئے ڈیوڈ شاہ اس کی جاگیر کس طرح اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ برٹ شاہ کی زندگی تو اس کی موت ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" ناصر نے سر ہلایا۔ "یہ سارے معاملات بہت پیچیدہ اور آپس میں گتھے ہوئے ہیں۔"

"دراصل مرشد علی درمیان کی کڑی ہے۔ وہ میرا دشمن ہے اور سب اس سے ملے ہوئے ہیں ورنہ ڈیوڈ شاہ اور فتح خان سے میری براہ راست دشمنی نہیں ہے۔"

"یہ درست ہے مگر تم انہیں مرشد علی سے کم مت سمجھو۔ مرشد علی اس قسم کا آدمی ہے جو سامنے موجود دشمن پر پوری قوت سے وار کر سکتا ہے، نظر آ جائے تو اس کا شکاری کتے کی طرح پیچھا کر سکتا ہے لیکن وہ اس قسم کی سازشیں نہیں کر سکتا جو لاہور آنے کے بعد سے تمہارا پیچھا کر رہی ہیں۔"

"مجھے بھی ڈیوڈ شاہ پر شک ہے۔" میں نے سر ہلایا۔

اسی لمحے سونیا چائے لے کر آ گئی۔ اس نے کپ ناصر کے سامنے رکھا اور مجھ سے بولی۔ "شہباز بھائی، میں نے چکن سوپ بنایا ہے، آپ کہیں تو لے آؤں؟"

"ضرور۔" میں نے کہا اور سونیا کے جانے کے بعد ناصر سے کہا۔ "ابھی تم کچن میں سونیا سے کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں تو صرف خاتون کا غم بٹانے کی کوشش کر رہا تھا اس نے غلط سمجھا۔" ناصر کھسیا کر بولا۔

"محتاط رہنا۔ وہ کنگ فو جانتی ہے اور تم ویٹ ہوٹل کے آدمی ہو۔" میں نے سمجھایا۔

"اچھا کیا تم نے بتا دیا۔" ناصر جلدی سے بولا۔

"سونیا سوپ لے آئی۔" "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

"تمہارے بارے میں بتا رہا تھا کہ اچھا کھانا بنانے کے ساتھ تمہیں ہڈی پسلی توڑنا اور سر میں سوراخ کرنا بھی آتا ہے۔" میں نے سوپ کے پیالے میں ساس ملاتے ہوئے کہا۔

"تم ان کو بتا دینا ضروری ہے۔" سونیا سنجیدگی سے بولی۔

مجھے اندازہ ہوا کہ ان دونوں میں کوئی کھٹ پٹ ہوئی تھی لیکن مجھے ناصر سے بدتمیزی کی امید نہیں تھی۔ سوپ کے بعد میں نے چائے کی فرمائش کی اور ناصر سے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ گھر محفوظ ہے اگر دشمن اس جگہ سے واقف ہوتا تو اب تک دھاوا بول دیتا۔"

"میں نے بھی آتے جاتے اچھی طرح دیکھا تھا، مجھے کسی پر نگرانی کا شبہ نہیں ہوا۔ نہ ہی کسی نے میرا تعاقب کیا تھا۔" ناصر نے بتایا۔ "ابھی میں رات کو چلا جاؤں گا۔ میں اور سامان لے آیا ہوں۔ تم دو تین دن بھی گزارہ کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔"

"مجھے اپنے پستول کے لئے گولیاں درکار ہیں۔" میں نے کہا تو ناصر نے سر کھجایا۔

"یار یہ بھی اسلحے والا کام کیا نہیں ہے البتہ جانتا ہوں کچھ لوگوں کو۔۔۔ ایسا کرو، مجھے گولی کا نمونہ اور کچھ رقم دو۔ بندہ صرف حلال پر گزارہ کرتا ہے اس لئے اکثر خالی جیب ہوتی ہے۔" اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"کوئی بات نہیں یار! ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں ہے۔" میں نے اسے پانچ ہزار روپے اور تینوں طرح کے پستولوں کی ایک ایک گولی دی۔ "اگر مل جائیں تو ہر طرح کی کم سے کم پچاس گولیاں لینا۔"

"میں لے آؤں گا۔ اچھا رات کے وقت کھڑکیوں کے پردے برابر کر لینا تاکہ روشنی باہر نہ جائے اور اگر کسی وجہ سے باہر جانا پڑ جائے تو یہ دروازہ اندر سے لاک کر کے بند کر دینا۔ یا بڑا والا گیٹ میں بند کر جاؤں گا۔ اسے پھلانگنا پڑے گا۔"

"عقبی طرف سے فرار کا کوئی راستہ ہے۔" میں نے پوچھا۔ "اگر سامنے سے دشمن حملہ کرے تو ہمیں فرار کا راستہ تو ملے۔"

"عقبی سمت میں ایک خونخوار بڈھا رہتا ہے۔ اس نے اپنے مکان کے عقبی حصے میں بڑا سا باغ بنا رکھا ہے جس میں پھل دار درخت ہیں۔ بڈھا ان کی رکھوالی کے لئے سارا دن رائفل لئے لان میں موجود رہتا ہے۔"

"دن میں۔۔۔ یعنی رات کو ہم یہ راستہ استعمال کر سکتے ہیں؟" میں نے غور کیا۔

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" ناصر نے جلدی سے کہا۔ "رات میں بڈھے سے زیادہ خونخوار کتا ہوتا ہے۔"

میں نے فوری طور پر اس راستے کو استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ "دائیں بائیں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بائیں طرف ایک فیملی ہے۔ میاں بیوی اور تین چار چھوٹے بچے ہیں۔ دائیں طرف ایک چھوٹی فیملی ہے۔ دو میاں بیوی اور ایک لڑکی۔ تم بلاخوف ان کی طرف سے فرار ہو سکتے ہو۔"

ناصر کے جانے کے بعد میں نے اندر کی روشنیاں بجھا کر دائیں بائیں کے مکانات کا جائزہ لیا۔ خوش قسمتی سے دونوں طرف کے مکانات ایک احاطے میں تھے۔ یعنی ہمیں اندر جانے کے لئے صرف چھ فٹ کی دیوار ہی عبور کرنی تھی۔ لاؤنج میں ٹی وی تھا اور اس میں کیبل بھی تھی، میں وقت گزاری کے لئے ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔ سونیا نے چند رسالے تلاش کر لئے تھے ان سے دل بہلا رہی تھی۔ میں نے سفیر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی

بن موبائل کا چارج ختم ہونے والا تھا اس لئے رابطہ بھی نہیں ہو سکا۔

ٹی وی پر بھی مجھے دلچسپی والی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے اس امید پر نیشنل جیوگرافک اور ڈسکوری کے چینل بھی لگا کر دیکھے کہ شاید وہاں سے ایکشن کا کوئی پروگرام آ رہا ہو مگر یہ امید بھی بر نہ آئی، پھر میں اخبار دیکھنے لگا۔ رات کا کھانا ہم نے نو بجے کھایا تھا۔ مجھے کافی دے کر سونیا سونے کے لئے چلی گئی تھی۔ اس نے میرے لئے ایک کمبل بھی کہیں سے برآمد کر لیا۔ آج رات میں سکون سے سو سکتا تھا۔ کافی کے بعد میں نے بقیہ اخبار بھی دیکھے۔ پھر ایک اخبار کی چھوٹی سی خبر نے میری توجہ کھینچ لی۔ خبر کے مطابق قصور کا ایک زمیندار اپنے گھر میں مردہ پایا گیا۔ پولیس نے اس کے ساتھ موجود ایک لڑکی کو گرفتار کر لیا جو اردو یا پنجابی نہیں جانتی تھی۔ تفتیش پر پتا چلا کہ وہ صرف بنگالی زبان بول سکتی تھی۔ اگلے روز لڑکی پُراسرار طور پر تھانے سے غائب ہو گئی اور پولیس نے ایسی کسی لڑکی کے وجود سے انکار کر دیا تھا جبکہ زمیندار کے لواحقین کا کہنا تھا کہ انہوں نے خود لڑکی کو پولیس کے حوالے کیا تھا البتہ وہ یہ بتانے کے لئے تیار نہیں تھے کہ لڑکی کہاں سے اور کیوں آئی تھی؟ مجھے ناصر کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ جامی شاہ کا گروہ غیر ممالک سے لڑکیاں لا کر مقامی اوباش امراء کو سپلائی کر رہا تھا۔ ان میں بنگالی اور انڈین لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ اخبار کے رپورٹر کے مطابق یہ امر نہایت پُراسرار تھا کہ پولیس ایسی کسی لڑکی کے وجود سے انکار کر رہی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ لڑکی پیشہ ور تھی اور کسی بااثر گروہ سے تعلق رکھتی تھی تبھی پولیس نے قتل کا معاملہ ہونے کے باوجود اسے صفائی سے اس مرحلے سے نکال دیا تھا۔

رات بارہ بجے تک میں بور ہوتا رہا کیونکہ نیند نہیں آ رہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر سفیر اور مونا کا خیال آ رہا تھا۔ کاش میں ان کے پاس ہوتا، وہ میرے پاس ہوتے۔ بارہ بجے میں نے لائٹس آف کر دیں اور سونے سے پہلے کھڑکی سے باہر کا جائزہ لیا۔ مکان کے احاطے میں تاریکی تھی۔ ظاہر ہے خالی مکان میں روشنی کون کرتا ہے۔ اچانک مجھے برابر والے مکان کے احاطے میں روشنی لہراتی نظر آئی۔ میں پردہ برابر کرتے کرتے رک گیا۔ اس مکان کے احاطے میں بھی تاریکی تھی۔ اس وقت کون ٹارچ لے کر گھوم رہا ہے۔ روشنی ہماری دیوار کے پاس آ گئی تھی۔ مجھے یاد آیا۔ ناصر نے بتایا تھا کہ اس مکان میں ایک مختصری فیملی رہتی ہے۔ دو میاں بیوی اور ایک ان کی بچی۔

رات کے اس پہر اور سردی کے عالم میں کوئی اس مکان کے لان میں کیا کر رہا تھا؟ آیا مالک مکان تھا یا کوئی چور۔ ایک تیسرا خیال مجھے اپنے دشمنوں کا آیا۔ مگر ان کو اس احاطے میں گھسنے کے بجائے ہمارے مکان میں گھسنا چاہئے تھا۔ بہرحال میں نے اپنی تشفی کے لئے باہر جانے کا سوچا۔ ایک عدد ٹارچ مجھے نشست گاہ میں ٹی وی ٹرالی کی دراز میں مل گئی تھی۔ میں نے احتیاطاً ریوالور کی جگہ پستول لیا اور دروازہ کھول کر باہر آیا۔ تاریکی میرا پردہ رکھ رہی تھی۔ دبے قدموں احاطے کی دیوار تک آیا۔ لان میں ایک طرف چھوٹی میز کے گرد چار پلاسٹک کی کرسیاں رکھی تھیں۔ میں نے ایک کرسی اٹھا کر دیوار کے ساتھ رکھی اور اس پر چڑھ کر برابر والے احاطے میں جھانکا۔ مکان کے باہر کوئی روشنی نہیں جل رہی تھی البتہ اندر چند کمروں میں ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہی باہر کے احاطے کو کسی قدر روشن کر رہی تھی۔

جہاں تک نظر جاتی تھی احاطہ خالی ہی تھا۔ روشنی مجھے واضح طور پر نظر آئی تھی، اسے میں اپنا وہم ہرگز نہیں

کر سکتا تھا۔ ممکن ہے گھر والوں میں سے کوئی کسی ضرورت کے تحت باہر آیا ہو اور اس نے روشنی کی ہو۔ میں نے سوچا اور نیچے اترنے لگا تھا کہ ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز نے کہا۔ "یہ آواز کیسی آئی تھی۔ برابر والے مکان میں کوئی نہیں رہتا ہے۔" آواز دیوار کے بالکل برابر سے آئی تھی جس کے ساتھ میں کرسی پر کھڑا تھا۔

"ایسے ہی ہوگی۔ ہوا سے کوئی چیز ہلی ہوگی۔" ایک مردانہ آواز نے جواب دیا۔

"نہیں ثاقب..... کوئی ہے ممکن ہے کوئی چور ہو۔ اب تم جاؤ..... ایسا نہ ہو امی ابو کی آنکھ کھل جائے۔"

"یار، کیوں بور کرتی ہو۔ کوئی نہیں آئے گا۔" لڑکے نے بے پروائی سے جواب دیا۔

تو یہ بات تھی۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ دیوار کے اس طرف وہی ڈراما کھیلا جا رہا تھا جو ہمارے معاشرے میں اب ایک عام سی بات بنتی جا رہی ہے۔ لڑکا رات کی تاریکی میں چھپ کر لڑکی سے ملنے آیا تھا۔ ماں باپ تالے لگا کر اور دیواریں کھڑی کر کے سو رہے تھے، یہ بھول کر کہ ایک نقب زن ان کے گھر میں بھی ہے جس کی مدد کے بغیر اس گھر میں باہر سے کوئی نقب نہیں لگا سکتا۔ "پلیز ثاقب، آج تم چلے جاؤ، پھر آنا۔"

"آج میں جانے کے لیے نہیں آیا ہوں۔" لڑکے نے بظاہر عاشقانہ انداز میں کہا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس کا لہجہ عجیب سا لگا تھا۔ "دیکھو، میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟"

"کیا..... دکھاؤ..... مجھے......" لڑکی کی اشتیاق بھری آواز اچانک گھٹ گئی تھی۔ میں نے کچھ ایسی آوازیں سنیں جیسے لڑکی کا گلا دبایا جا رہا ہو۔ میں نے دیوار سے جھانکا۔ لڑکا ایک ہاتھ لڑکی کے منہ پر رکھے ہوئے تھا اور ہاتھ میں سفید رنگ کا رومال تھا۔ جب تک میں نے دیکھا لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ معاملہ یک دم عاشقی سے نکل کر مجرمانہ حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ ابھی میں لڑکے کے عزائم سے ناواقف تھا۔ اس نے بے ہوش لڑکی کو نیچے لٹایا اور خود گیٹ کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں لپک کر دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کود گیا۔ اندھیرے میں لڑکی واضح نظر نہیں آ رہی تھی مگر میرا اندازہ تھا، وہ بیس برس کی نوجوان لڑکی تھی۔ اس کی رنگت سفید تھی جو اندھیرے میں نمایاں تھی۔ میں اس کے نزدیک ہی ایک درخت کے عقب میں ہو گیا۔ ثاقب چند لمحے بعد لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ ثاقب نے اس سے کہا۔ "اسے لے جا کر گاڑی میں ڈال، میں اندر سے مال لے کر آتا ہوں۔"

"جلدی کر کوئی آ گیا تو......" دوسرے نے ڈرے سہمے لہجے میں کہا۔

"بک بک نہ کر..... کام کر۔" ثاقب نے اسے جھڑک دیا۔ "مفت میں مزے کرنا چاہتا ہے، کچھ کام بھی تو کر۔"

ثاقب اندر کی طرف بڑھ گیا اور آنے والا لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اسے اٹھانے کے بجائے اس کے پاس بیٹھ کر لڑکی کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور ابھی وہ آوارگی کی طرف مائل ہوا تھا کہ میں نے عقب سے پستول کا دستہ اس کی گدی پر رسید کیا۔ وہ بغیر آواز نکالے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے ہلا کر اس کا معائنہ کیا۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ اس کے بعد میں نے مکان کے اس حصے کی طرف دیکھا جہاں ثاقب غائب ہوا تھا۔ وہ مکان کے جغرافیے سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مال کہاں رکھا ہے۔ غالباً یہ ساری مخبریاں اس ناعاقبت اندیش لڑکی نے کی تھیں۔

دروازہ کھلا تھا میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ثاقب دس منٹ بعد اندر سے برآمد ہوا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو چند منٹ پہلے اس کے ساتھی کے ساتھ کر چکا تھا۔ اس نے ہلکی سی آواز نکالی اور ڈھیر ہو گیا۔ یہ آواز اتنی نہیں تھی کہ کسی کو متوجہ کر سکتی۔ اس نے ہاتھ میں ایک بیگ لے رکھا تھا اور مال شاید اسی میں تھا۔ میں نے بیگ لیا اور اندر قدم رکھا۔ یہ بیڈ روم تھا۔ نائٹ بلب روشن تھا اور ڈریسنگ ٹیبل کی نسوانی آرائش سے ظاہر تھا کہ یہ لڑکی کا ہی کمرا تھا۔ ایک طرف ہیٹر روشن تھا۔ میں واپس آیا لڑکی کو اٹھایا اور لا کر کمرے میں بستر پر لٹا دیا۔ اس کی نبض ذرا سست تھی لیکن باقاعدہ تھی۔ وہ سات آٹھ گھنٹے بعد ہوش میں آ جاتی۔ میں نے ایک کاغذ اور قلم تلاش کیا اور اس پر لکھا۔ "نادان لڑکی! آج خدا نے اپنی مہربانی سے تمہیں بچا لیا...... لیکن کوئی شخص خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے پر آمادہ ہو تو خدا بھی اپنی مہربانی ہٹا لیتا ہے۔ فقط ایک خیر خواہ!"

پرچہ میں نے بیگ کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے لاک بند کر کے کھینچ لیا۔ اب اسے باہر سے کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔ میں ثاقب کو لے کر دیوار کے پاس آیا۔ پہلے اسے دیوار پر اس طرح ڈالا کہ اس کا سر اور ہاتھ دوسری طرف تھے اور پاؤں اس طرف۔ یہی سلوک میں نے دوسرے کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد خود دوسری طرف کود گیا۔ ان کو بے دردی سے کھینچ کر دیوار سے اتار کر نیچے ڈالا اور آخر میں باری باری دونوں کو کاٹیج کے اندر لے گیا۔ کچھ دیر سستانے کے بعد میں نے اگلی کارروائی شروع کی۔ واش روم کی دواؤں والی کیبنٹ میں مضبوط میڈیکو ٹیپ رکھا تھا۔ اس کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔ میں نے اس کی مدد سے دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھے، آخر میں منہ اور آنکھیں بھی ٹیپ سے بند کر دیں۔ اس کے بعد میں آرام سے کمبل میں لپٹ کر سو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا یہ دونوں بے بس رہیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ صبح مجھے سونیا نے جھنجوڑ کر بیدار کیا۔ اس نے عقل مندی کی کہ کوئی آواز نہیں نکالی تھی ورنہ قالین پر کلبلاتے وہ دونوں سن سکتے تھے۔ اس نے اشارے سے ان کے بارے میں پوچھا اور میں نے اشارے سے کہا کہ میں بتاتا ہوں۔ میں اسے بیڈ روم میں لایا اور اندر سے دروازہ بند کر کے اسے گزشتہ رات کی کارروائی کے بارے میں بتایا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ "میں ان کو اپنی صورت نہیں دکھانا چاہتا اور تمہارے وجود سے تو یہ بے خبر رہیں تو بہتر ہے۔"

"لیکن ان کا کریں گے کیا؟"

"ابھی سوچا نہیں ہے۔ ویسے تفریح بری نہیں ہے۔ کل سے میں بور ہو رہا تھا۔" میں بولا۔ "اب ناشتا دو۔"

"ان کے لئے بھی بناؤں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو بعد میں بنا دینا اور ہاں! کام کے دوران خود کو مت بولنا۔"

"میں سمجھ گئی شہباز بھائی!"

میں نشست گاہ میں واپس آیا۔ ثاقب کا ساتھی اپنے ہاتھ کا ٹیپ میز کے شیشے سے رگڑ کر کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے زبردست تھپڑ رسید کیا اور وہ قالین پر جا گرا۔ "میری آواز سن رہے ہو؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "شکر کرو، کل رات ہی تمہیں ذبح کر کے کسی گندے نالے میں نہیں پھینک دیا۔ ممکن ہے آج رات تمہارا یہی انجام ہو۔"

ثاقب اور اس کا ساتھی لرز اٹھے تھے۔ انہوں نے ہوش میں آنے کے بعد خود کو جس حالت میں پایا تھا، وہی ان کا خون خشک کرنے کے لئے کافی تھی۔ اوپر سے میری دھمکی نے ان کے ہوش اڑا دیے تھے۔ وہ قالین پر بے قراری سے مچلتے ہوئے ناک سے آوازیں نکال رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "شاید تم لوگ رحم کی درخواست کر رہے ہو یا مجھے گالیاں دے رہے ہو۔ بہر حال مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی تمہارا انجام بدلے گا۔"

میں کچھ دیر ان کو اسی طرح ڈراتا دھمکاتا رہا تھا۔ اس اثنا میں ناصر آ گیا۔ اس نے حسب معمول ایک بڑا سا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر چونکا۔ "یہ کون ہیں؟"

"دو پاپی ہیں، ان کو اوپر روانہ کرنا ہے آج رات۔"

"کہاں سے ملے؟"

"میں اور شیرا ۔۔۔ ایک گھر میں داخل ہوئے تو یہ ایک لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ مال کے ساتھ ان کو بھی لے آئے۔"

"اور لڑکی؟"

"تو جانتا ہے، ہم شریف لوگ ہیں۔ اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔"

"تب ان کو لانے کی کیا ضرورت تھی، سروں میں ایک ایک گولی اتارتے اور راستے میں پھینک دیتے۔"

"یہ کام تو آج رات بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "دراصل خاصے دنوں سے کوئی تفریح نہیں رہی ہے اس لئے ان کو لے آیا۔"

سونیا نے آ کر اشارے سے ناشتے کی تیاری کی اطلاع دی۔ دوسرے فرد کی آواز سن کر وہ بالکل ساکت ہو گئے تھے، میں نے ناصر سے کہا۔ "ان کا خیال رکھنا۔ یہ سیاہ ٹیپ کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب اس نے پھر ایسی حرکت کی تو اسے کتے کے آگے ڈال دینا۔"

ہم نے بیڈ روم میں ناشتا کیا۔ سونیا دونوں اسیروں کا معائنہ کر رہی تھی۔ ناشتے کے بعد ہم نے اپنی تفتیش کا آغاز کیا۔ میں نے منہ کھولنے سے پہلے ثاقب کو اپنے پستول کا لمس اچھی طرح جتا دیا تھا۔ "اول تو یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے مگر اوپر استاد آرام کر رہا ہے اس لئے فالتو آواز نکالنے اور اونچا بولنے سے گریز کرنا۔"

منہ سے ٹیپ اترتے ہی ثاقب نے فریادیں شروع کر دیں۔ "ہم بے قصور ہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، ڈاکو بھائی!"

میں نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ "تجھے لڑکی کو اٹھاتے دیکھ کر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے اور تو نے ہمیں ڈاکو بھی قرار دے دیا۔"

"مجھے معاف کر دو۔" وہ گھگیایا۔

"کر دیں گے۔" ناصر نے فراخ دلی سے کہا۔ "اگر تم کچھ سوالوں کے جواب دے دو۔"

"نمبر دو، لڑکی کو کیوں اغوا کر رہے تھے؟"

"میں اسے اغوا نہیں کر رہا تھا، وہ خود میرے ساتھ جانے کو تیار تھی۔"

"پھر اسے بے ہوش کیوں کیا؟"

ناصر کے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے خاموش دیکھ کر میں نے مسرت سے کہا۔

"اب مزہ آئے گا۔ یار! ذرا لائٹر نکالنا۔ اس کی ایک آنکھ جلا دوں گا۔"

"وہ شرافت سے تمہیں مان رہی تھی۔" ثاقب نے جلدی سے کہا۔ "اس لئے اسے بے ہوش کیا تھا۔"

"اب آئیے شہزادہ صاحب۔" میں نے ناصر سے لائٹر لے کر اسے جلایا اور شعلہ یکدم اس کے کان سے لگا دیا۔

وہ بلبلا گیا تھا۔ اس نے جھٹکے سے سر موڑ لیا تھا۔

"سوال نمبر دو..... اغوا کے بعد لڑکی کا کیا کرتے؟"

اس نے کراہ کر کہا۔ "میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

اس بار میں نے دوسری لو سے لائٹر لگا دیا۔ اس نے گھٹی ہوئی چیخ ماری۔ "مجھے مجبور مت کرو کہ میں لائٹر ایک منٹ کے لئے تمہارے کان سے لگا دوں۔"

اس نے اقرار کر لیا۔ "ہمارا ارادہ اس کی آبرو سے کھیلنے کا تھا۔"

میرا دل چاہا کہ اس بے غیرت کے سر میں گولی اتار دوں مگر میں نے ضبط سے کام لیا، میں ان کا پورا پلان سننا چاہتا تھا۔ "اس کے بعد لڑکی کا کیا کرتے؟"

"اس کے بعد میں اسے اپنے ساتھی کے حوالے کر دیتا۔"

"کون سے ساتھی کے؟"

"یہ جو میرے ساتھ ہے۔"

اس پر دوسرے نے زور شور سے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے ٹیپ اس ثاقب کے منہ پر چپکا دیا تھا۔ "اگر اس میں سے کوئی بات غلط ہوئی تو اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار رہنا۔"

ناصر نے دوسرے کے منہ سے ٹیپ اتارا۔ "یہ بکواس کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ لڑکی کو یہ خود آگے بیچ دے گا۔ حرامی میرا نام لیتا ہے، تیری ماں......"

"بک بک مت کرو۔ اگر تم نے لڑکی کو قبضے میں نہیں لینا تھا تو اس معاملے میں پڑے کیوں؟" میں نے اسے ڈانٹا۔

"یہ مجھے گاڑی کی وجہ سے لایا تھا۔ میرے پاپا کو پتا چلا تو وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔" وہ رو دینے والے لہجے میں بولا۔

"تمہارا باپ کون ہے؟"

"محکمہ زراعت میں سیکرٹری ہیں راشد فاروقی!"

میں اور ناصر چونک اٹھے تھے۔ "وہ تمہارا باپ ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "اور تم یہ حرکتیں کر رہے ہو؟"

"ایسے لوگوں کی اولادیں آج کل جرائم کر رہی ہیں کیونکہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ان کے باپ ان کے آگے ڈھال بن جاتے ہیں۔" ناصر تلخی سے بولا۔

"ثاقب سے تمہاری دوستی ہے؟"

"نہیں، یہ خود مجھ سے ملا تھا۔" وہ جلدی سے بولا لیکن جب میں نے اس کی کان کی لو سے لائٹر لگایا تو اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ اور ثاقب پرانے دوست تھے اس کا نام فیروز تھا۔ البتہ اس نے یہ تسلیم کرنے میں خاصی تاخیر کی کہ وہ اس سے پہلے بھی کئی اور لڑکیوں کے ساتھ یہ کھیل، کھیل چکے تھے۔ "ان لڑکیوں کا کیا ہوا؟"

"میں نہیں جانتا۔ میں صرف گاڑی اور جگہ مہیا کرتا تھا۔ اس کے بعد یہ ان کو کہاں لے جاتا تھا، مجھے نہیں معلوم۔ اس سے پوچھو۔"

میں نے اس بار اس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر اٹھایا اور جلتا لائٹر اس کی گدی کے پیچھے رکھ دیا۔ یہ کام کرنے سے پہلے میں نے اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا تھا ورنہ اس کی چیخ باہر سڑک تک جاتی۔ اس نے ناک کے ذریعے خاصا واویلا مچایا تھا۔ حالانکہ میں نے صرف چند سیکنڈ کے لئے لائٹر اس کی گردن سے رکھا تھا۔ اس کے کرب ناک صوتی تاثرات سن کر ثاقب دہشت زدہ نظر آنے لگا تھا، میں نے ٹیپ اتارنے سے پہلے کہا کہ وہ اپنی آواز دھیمی رکھے کہیں ہمیشہ کے لئے بند نہ کرنی پڑے۔ اس کے باوجود ٹیپ اتارتے ہی اس نے بھوں بھوں کر کے رونا شروع کر دیا۔ مجھے جلدی سے دوبارہ ٹیپ لگانی پڑی۔ اس کے بعد میں نے ثاقب کے منہ سے ٹیپ اتاری۔ "تم نے سن لیا ہو گا، فیروز نے کیا کہا ہے۔ اب تمہاری عافیت اسی میں ہے جو پوچھوں، مجھے سچ بتانا ورنہ میں تمہارا یہ خوبصورت چہرہ جلا دوں گا۔ تم سوچ سکتے ہو میں نے صرف تمہاری ناک جلا دی تو تم کیسے نظر آؤ گے؟"

"تت۔۔۔تم۔۔۔۔۔ جو پوچھو گے، میں بتاؤں گا۔" وہ بری طرح دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔

"تم لڑکی کو کہاں لے جاتے، غلط بیانی مت کرنا۔"

"وہ ایک شخص ہے۔۔۔۔ شاہ نواز اس کا آدمی بھولا مجھ سے اچھے داموں ایسی لڑکیاں خرید لیتا ہے۔"

میں نے سخت تیز نظروں سے ناصر کی طرف دیکھا۔ کڑیاں آپس میں ملتی نظر آ رہی تھیں۔ "اب تک کتنی لڑکیاں بھولے کے حوالے کر چکے ہو؟"

"یہ دوسری ہے۔" اس نے ہچکی کر کہا۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے لائٹر اس کے کان کے پیچھے رکھ دیا۔ میرے شکنجے میں وہ تڑپ سکتا تھا اور نہ سر چھڑا سکتا تھا۔ میں نے تقریباً دس سیکنڈ تک اس کے کان کو شعلہ دکھایا اور اتنی سی دیر میں اس پر آبلے نمودار ہو گئے تھے۔ میں نے مزید بات کئے بغیر اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا اور فیروز کے منہ سے ٹیپ اتارا، وہ درد کا کسی قدر عادی ہو گیا تھا۔

"غلط بیانی پر ثاقب اپنے ایک کان سے محروم ہو چکا ہے۔" اسے دہشت زدہ کرنے کے لئے میں نے مبالغہ آرائی کی۔ "اب تم نے جھوٹ بولا تو۔۔۔۔۔"

"خدا کے لئے مجھے اور مت جلانا۔ میں سچ بولوں گا، میں مر جاؤں گا۔" نازو نعم سے پلے لڑکے نے روتے ہوئے کہا۔

"کتنی لڑکیاں بیچ چکے ہو تم دونوں؟"

"تین صدو اور ثاقب دو لڑکیاں ان کے علاوہ بھی کہیں سے لایا تھا۔" وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ "اس

ے میں اس نے مجھے کچھ نہیں دیا تھا۔"

میں حیران ہوا تھا، میں تو اسے نفس پرست سمجھ رہا تھا، وہ جسموں کا تاجر نکلا تھا۔ اس کا باپ ایک ایسے
ے پر تھا جسے دولت کی بہتی گنگا کہا جا سکتا تھا اور وہ پیسے کے لئے لڑکیاں بیچنے کے فعل میں شامل تھا۔ میرا دل
ا کہ ان دونوں شیطانوں کی گردنیں دبا دوں مگر میں نے خود پر قابو رکھا۔ فیروز کے منہ پر ٹیپ کر کے میں ناصر
ے ساتھ بیڈ روم میں آیا۔ "یار، یہ تو خدا نے غیبی مدد کی ہے۔" ناصر پرجوش تھا۔ "خاص طور سے راشد فاروقی کا
کا ۔۔۔ ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں۔"

"یہ بھی کم اہم نہیں ہے۔" میں نے ثاقب کی طرف اشارہ کیا۔ "شاہنواز سے اس کا تعلق ہے اور اس
اروبار کا اصل آدمی وہی ہے۔"

"اس خبر کی مزید تصدیق ہوتی ہے کہ شاہنواز جانی شاہ سے الگ ہو رہا ہے۔ تم نے کل کے اخبار میں
قصور کے جس زمیندار کے قتل کی خبر پڑھی تھی، یہ جانی شاہ کی کارروائی تھی، اس طرح وہ شاہنواز کو خبردار کرنا چاہ رہا تھا
کہ وہ اس سے الگ ہونے کا مت سوچے۔"

"اور شاہنواز فیصلہ کر چکا ہے۔"

"اطلاع تو یہی ہے۔"

"اگر شاہنواز الگ ہو جاتا ہے تو جانی شاہ پر اس کا کیا اثر ہوگا؟"

"بہت برا..... کیونکہ اس کا بیشتر اثر و رسوخ ان پیشہ ور عورتوں کی وجہ سے ہے۔ اعلیٰ سرکاری افسران اور
سیاست دان اس رشوت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ قصور روڈ کے عشرت کدے میں ان افسران کا آنا جانا عام
بات ہے۔ یہ سب جانی شاہ سے کٹ کر شاہنواز سے جا ملیں گے۔ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ختم ہو جائے گا اور
امکان ہے اس کے خاصے آدمی بھی ٹوٹ کر شاہنواز سے جا ملیں گے۔"

"بھولے کے بارے میں جانتے ہو۔"

ناصر نے سر ہلایا۔ "ہم نے جی ٹی روڈ کے جس اڈے کا فضائی معائنہ کیا تھا وہ بھولے ہی کے زیر نگرانی
ہے۔"

"اس کا مطلب ہے شاہنواز یہاں لاہور میں بھی ہاتھ پاؤں جما سکتا ہے۔"

"سننے میں آ رہا ہے کہ جانی شاہ کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے قریب ہے۔ اور تاج اب شاہنواز
کے سر کے اوپر رکھا جائے گا۔"

"ڈیوڈ شا، راشد کے گھر میں موجود ہے، اس کا لڑکا شاہنواز کو لڑکیاں سپلائی کرنے کے چکر میں ملوث
ہے۔ اس کا مطلب یقینی کہ ڈیوڈ شا اور اس کی وجہ سے مرشد علی بھی شاہنواز کی طرف ہو چکے ہیں۔"

"یہ درست ہے۔" ناصر نے سر ہلایا۔

"یار، میرے ذہن میں ابھی ایک خیال آ رہا ہے، دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہم اس موقع
سے فائدہ اٹھائیں۔"

"تو جانی شاہ کے ساتھ ملنے کا سوچ رہا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ! اس جیسے شخص سے ملنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ البتہ اس سے بات کر کے اس کی پشت تھپکی جا سکتی ہے۔"

"ہم اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔" ناصر نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے مقابلے پر آنے کے لیے مجھے کچھ کرنا ہوگا۔"

"مثلاً کیا کرو گے؟" ناصر کا لہجہ کسی قدر تمسخرانہ ہو گیا تھا۔

"یہ میں نے سوچا نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکوں کی صورت میں ہمیں بہترین ہتھیار ملے ہیں اگر سلیقے سے ان کا استعمال کیا جائے تو جامی شاہ اور شاہ نواز دونوں کا دھڑن تختہ ہو سکتا ہے۔"

"یہ معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"بس یار، تم اپنی ننھی سی عقل پر زیادہ زور مت دو اور تم یہ بات کیوں بھول جاتا ہے کہ مجھے جامی شاہ سے وسیم کا اور ڈیوڈ شاہ سے شکیل کا بدلہ لینا ہے۔"

ناصر سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "معاف کرنا یار، اس وقت تم اپنے قد سے خاصی بڑی باتیں کر رہے ہو۔"

"یار، باتیں کرنے میں کیا حرج ہے۔" میں نے باہر کا رخ کیا اور ثاقب کو گردن سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا بیڈ روم میں لے آیا۔ "اس کی نگرانی کرنا۔" میں نے ناصر سے کہا۔

دراصل میں فیروز سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے پاس آ کر میں نے آہستہ سے کہا۔

"فیروز، میرا خیال ہے تم اس معاملے میں اتنے قصوروار نہیں ہو اس لئے میں تمہیں چھوڑنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔"

اس نے زور و شور سے سر ہلایا۔ میں نے ٹیپ اتارا۔ "میں واقعی بے قصور ہوں۔ مجھے ثاقب نے بہکایا تھا۔ آپ مجھے چھوڑ دیں میں پھر کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ میں خدا رسولؐ کی قسم کھاتا ہوں۔"

"وہ بیس بائیس سال کا لڑکا مجھے احمق بنانے کی کوشش کر رہا تھا اور فی الحال میں نے احمق بننے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔" ٹھیک ہے، مجھے تمہاری قسم کا اعتبار ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ڈیڈی بھی شاہ نواز سے واقف ہیں۔ مجھے اس بارے میں کچھ اندازہ ہے۔"

"ہاں.....!" وہ جھجکا۔ "دراصل.....وہ ڈیڈی کے پاس اپنے کام سے آیا تھا۔"

"اور تمہارے ڈیڈی کی کوٹھی میں ان دنوں ایک گورا بھی ٹھہرا ہوا ہے؟"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" وہ حیران ہوا تھا۔ "میرے ڈیڈی نے یہ بات سب سے چھپائی ہے۔ گیسٹ ہاؤس والے حصے کی طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"میرے سوال کا جواب دو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں، ایک گورا ہے اس کے ساتھ دو گورے محافظ بھی ہیں لیکن میں اس کا نام نہیں جانتا، ڈیڈی نے پوچھنے کے باوجود نہیں بتایا تھا۔"

"خود.....اور وہ کتنے دن سے ہے؟"

"دو دن سے۔" فیروز نے جواب دیا۔

میں نے اس امر پر غور کیا کہ ڈیوڈ شا کوسلیف کی محفوظ عمارت چھوڑ کر اس جگہ کیوں آیا تھا اور اس کے ساتھ صرف دو محافظ تھے۔ کیا یہ بھی اس کی کوئی چال تھی؟

"فیروز.....تمہارے ڈیڈی کے اس گورے سے تعلقات کیسے ہیں، دوستانہ یا سود و بات؟"

"وہ دوسرے والے.....میں نے کبھی ڈیڈی کو کسی شخص کے آگے اس طرح جھکتے نہیں دیکھا، وہ تو وزیروں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔"

اس کلاس اور ذہنیت کے لوگ گوروں کو آسمانی مخلوق سمجھتے ہیں۔ مغرب سے کوئی کتے کا پلا بھی آ جائے تو یہ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں لیکن ڈیوڈ شا جیسے لوگ ہر جگہ حاکم ہوتے ہیں اور اس سے کم کسی شے پر راضی نہیں ہوتے۔ دانیا عمروراز نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ہمالیہ کی پُراسرار وادیوں کی طرف جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس مقصد کے لئے ہی وہ یہاں آیا تھا لیکن لاہور میں اس کی موجودگی کا کیا مقصد تھا، میں فی الحال سمجھنے سے قاصر تھا۔ مجھے حکیم تاؤس کا خیال آیا جو اس کے قبضے میں تھا۔

"کیا اس گورے کے ساتھ کوئی ایسا پاکستانی تھا جس نے شمالی علاقے کے لوگوں کا سا لباس پہن رکھا ہو؟"

اس بار وہ زیادہ شدت سے چونکا تھا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا.....اسے تو اس گورے نے بھی چھپایا تھا لیکن میں نے دیکھ لیا تھا۔"

"کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

وہ جواب دیتے ہوئے جھجکا مگر جب میں نے اس کی زخمی گردن کو ذرا سا دبایا تو اس نے راز اگل دیا۔ اس نے گیسٹ ہاؤس کے کمروں میں خفیہ کیمرے لگا رکھے تھے جنہیں وہ اپنے پی سی کی مدد سے آپریٹ کرتا تھا۔ میں نے مقصد نہیں پوچھا۔ وہ گیسٹ ہاؤس میں ہونے والی عیاشیوں کا براہ راست مشاہدہ کر کے لطف اندوز ہوتا تھا۔ بہرحال وہ چھپا رستم تھا اور آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ "تم نے کیمروں کے ساتھ مائیک بھی لگا رکھے ہوں گے؟"

"ہاں۔" اس نے بادل ناخواستہ اقرار کیا۔

"اس کا مطلب ہے تم جانتے ہو.....وہ گورا تمہارے ڈیڈی کے پاس کیوں آیا ہے؟"

فیروز نے سر ہلایا۔ "ہاں..... وہ چاہتا ہے کہ لاہور کے پاس ایک ایگری کلچر لیب اس کے حوالے کر دی جائے جہاں بعض جدید ترین سہولیات میسر ہیں۔"

"لیب میں اس کا کیا کام ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو اس نے ڈیڈی کو بھی نہیں بتایا تھا۔" وہ بولتے ہوئے کراہا۔ "خدا کے لئے مجھے کوئی مرہم لگاؤ، میں تکلیف سے مرا جا رہا ہوں۔"

اگر وہ نادان لڑکی ان کے ساتھ نکل جاتی تو آج یہ درندے اس کی آبرو کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے خدا رسولؐ کے واسطوں پر کان نہیں دھر رہے ہوتے۔ اس لئے میں نے بھی اس کی فریاد نظر انداز کی۔ "یہ بتاؤ کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ تمہارے باپ کی کوٹھی میں داخل ہو اور اسے خبر نہ ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اندر جانے والے ہر فرد اور گاڑی کی تلاشی لی جاتی ہے اور آنے جانے کا ایک ہی راستہ ہے جس پر پولیس والے نہیں بلکہ ڈیڈی کے ذاتی گارڈز کھڑے ہوتے ہیں اور وہ کسی سے رعایت نہیں کرتے۔"

"اس کا مطلب ہوا تمہارے باپ کے دشمن ہیں اور وہ ان سے ڈرتا ہے؟"

"ہاں، ڈیڈی پر ایک بار قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے تب سے ڈیڈی محتاط رہنے لگے ہیں۔"

"میں غور کرتا جا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ناصر کو ان نئی معلومات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ میں بیڈ روم میں آیا اور ثاقب کو گردن سے پکڑ کر واپس نشست گاہ میں چھوڑ آیا۔ پھر میں نے ناصر اور سونیا کو فیروز سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کیا۔ ناصر پُرجوش نظر آنے لگا۔

"یہ ہوئی بے نا کام کی بات۔"

سونیا غور سے سن رہی تھی۔ "شہباز بھائی، کیا آپ نے راشد فاروقی کی کوٹھی میں گھسنے کے بارے میں سوچا ہے؟"

"ہاں، میں اس پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"میں اس کی مخالفت کروں گی۔ اول تو وہ ہائی سیکورٹی ایریا ہے دوسرے راشد نے خود بھی سیکورٹی سخت رکھی ہوگی۔" سونیا نے مکمل کر کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟" میں نے غور سے اسے دیکھا۔

"ہاں، وسیم بھائی کہتے تھے اگر شکار یا دشمن طاقتور ہو تو اسے وہاں گھیرو جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ اسے کبھی اس کے محفوظ مقام پر گھیرنے کی کوشش مت کرو۔"

میں چونکا اور پھر جوش سے کہا۔ "درست کہا تم نے..... واقعی ہمیں ڈیوڈ شا کو وہاں گھیرنا چاہئے جہاں وہ جانے کے لئے بے تاب ہے، میں فیروز سے لیب کے بارے میں پوچھتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ لیب قصور روڈ پر ہے تو میں اس جگہ سے واقف ہوں۔" ناصر نے کہا۔

"تم اس سے تصدیق کر لو۔"

میں نے فیروز سے پوچھا۔ اس نے تصدیق کی مذکورہ زرعی تجربہ گاہ قصور روڈ پر ہی تھی۔ میں نے ناصر کو بتایا وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس جگہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ سابقہ دور حکومت میں یہاں ایک جدید قسم کی لیب قائم کی گئی تھی مگر حکومت بدلتے ہی نئے آنے والوں نے وہاں کام کرنے والے سائنس دانوں کو فارغ کر کے ڈائریکٹرز لگا دیئے لہٰذا اب وہاں کوئی کام نہیں ہو رہا۔ کروڑوں کی مشینری بیکار پڑی ہے۔"

"میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اس جگہ کسی قسم کا کوئی تجربہ کرنا چاہتا ہے۔ تبھی اس نے راشد فاروقی کو پکڑا ہے۔ اگر وہ مرشد علی کے زیر اثر ہے تو وہ اسے کسی صورت انکار نہیں کر سکتا۔"

"یہ بہت عیار اور مفاد پرست قسم کا بیوروکریٹ ہے اور خاص طور سے اس نے گزشتہ چند سالوں میں بے حساب کمایا ہے۔"

"بعض ایسے بچے پیدا کئے ہیں جو نسلی طور پر نہ سہی، ذاتی طور پر حرام زادے ہیں۔" میں نے بے ساختہ کہا

اور پھر جھینپ کر سونیا کی طرف دیکھا۔ "سوری ــــ منہ سے بے اختیار نکل گیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولی۔ "جب وسیم بھائی کو کسی پر غصہ آتا تھا تو وہ بھی ایسے ہی گالیاں دیتے تھے۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم لیب میں ان کو کیسے گھیریں گے؟" میں نے کہا۔

"اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ ان دونوں کا کیا کرنا ہے؟" ناصر نے جوابی سوال کیا۔

"ہاں، ہم انہیں زیادہ دیر تک اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔" ناصر، یہ دونوں کسی کار یا گاڑی میں آئے تھے۔"

"ہمارے گھر کے سامنے ایک ہنڈا سٹی کھڑی ہے۔ سیاہ رنگ اور سیاہ شیشوں والی۔"

"میرا خیال ہے، وہی کار ہے۔"

"تب اس میں ڈال کر کہیں چھوڑ آئیں گے۔"

"میرے پاس ایک تجویز ہے۔" سونیا نے مداخلت کی۔

"کہو، مجھے اندازہ نہیں تھا تم اس معاملے میں اتنی دور کی سوچ رکھتی ہو۔"

"شکیل کے آنے اور دادا ابو سے شادی تک میں ہی وسیم بھائی کے بعد نمبر دو تھی اور ان کی غیر موجودگی میں سارے فیصلے مجھے ہی کرنا ہوتے تھے۔" وہ کہتے ہوئے دکھی ہو گئی پھر جلدی سے اپنی کیفیت پر قابو پالیا تھا۔" میں سوچ رہی تھی اگر ان دونوں کو جامی شاہ کے حوالے کر دیا جائے۔"

میں ایک بار پھر اچھل پڑا تھا۔" سونیا ــــ شاندار! تم نے کمال کر دیا۔"

ناصر نے بھی اعتراف کیا۔" میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ خاتون کے سر میں اتنی ذہانت ہو گی۔"

سونیا نے اسے گھورا۔" تم مردوں کی اس قسم میں سے ہو جو خواتین کو بے دماغ سمجھتے ہیں۔"

میں نے مداخلت کی اور ناصر سے کہا۔" آپ دو منٹ کے لئے چپ رہیں۔" پھر سونیا کی طرف دیکھا۔

"تم جانتی ہو کہ جامی شاہ ہی اصل میں وسیم کا قاتل ہے۔"

"ہاں ــــ لیکن فی الحال، ہم جامی شاہ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ آنے والا وقت اسے بھی تب بھی ہمارے یا کسی کے سامنے مجبور کرے گا اور وہی ہمارا انتقام ہو گا۔"

سونیا کی اس بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ اندر سے وہ کتنی مضبوط تھی۔ اس نے جامی شاہ کے معاملے میں جذباتی ہونے کے بجائے دماغ سے فیصلہ کیا اور مجھے بھی ایک راہ سجھائی تھی۔ میں نے ناصر سے کہا۔" میں جامی شاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے اس کے تمام لائن نمبر میرے علم میں ہیں، کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔"

ناصر نے مجھے نمبر اور اپنا موبائل دیا۔ میرے موبائل کی بیٹری ختم ہو چکی تھی اس لئے میں نے اپنی سم ناصر کے موبائل میں ڈال کر مطلوبہ نمبروں پر کوشش شروع کی۔ تیسرے نمبر پر رابطہ ہوا دو نمبر بند پڑے تھے۔

"میں جامی شاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوئے کون ہے تو؟" دوسری طرف سے کسی نے بدمعاشوں والے انداز میں کہا۔

"تمہارا باپ!" میں نے بھی اسی کے انداز میں تڑاکر کہا۔" جامی شاہ کہاں ہے؟"

"اسٹارتو ادھر نہیں ہے۔" میرے انداز سے وہ خفا ہو گیا۔

"اس سے کہو کہیں بھی ہو وہ مجھ سے بات کرے۔ جتنی دیر کرے گا اتنا ہی نقصان ہو گا۔ اسے کہہ دینا معاملہ شاہنواز سے متعلق ہے اور مجھ سے اس نمبر پر ہی بات کرے۔"

"ادھر نمبر نہیں آیا — عام سیٹ ہے جی۔" وہ بولا۔

میں نے اسے نمبر نوٹ کرا کے فون بند کر دیا۔ "میرا خیال ہے شاہنواز کا نام سن کر وہ جلدی کال کرے گا۔"

"ممکن ہے۔" ناصر نے شانے ہلائے۔ "ان کو حوالے کرنے کی کیا صورت ہو گی؟"

"بے ہوش کر کے ان کی کار میں ڈالیں گے۔ تو نے جا کر جامی شاہ کے کسی اڈے کے پاس چھوڑنا اور اسے اطلاع کر دینا۔ وہ اپنے گرگے بھیج کر اٹھوا لے گا۔"

"اور اس کے گرگے آنے سے پہلے کوئی مسئلہ ہو گیا۔ یہ کسی طرح آزاد ہو گئے؟"

"تب ان کی قسمت!" میں نے کہا۔ "لیکن ہم نے کوئی پھنسنے والا کام نہیں کرنا ہے۔ چھوڑ کر آتے وقت کار سے اپنی انگلیوں کے نشان صاف کر دینا۔"

"اتنی عقل میرے پاس بھی ہے۔" ناصر نے خفگی سے کہا۔

"ٹھیک!" میں ہنسا، اسی لمحے موبائل کی گھنٹی بجی، میں نے دیکھا ایک موبائل نمبر تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو!"

"میں جامی شاہ بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کسی نے بھاری آواز میں کہا۔ "تم مجھ سے کیوں بات کرنا چاہتے ہو۔ تم نے شاہنواز کا حوالہ دیا تھا۔"

"مجھے نہیں معلوم تم جامی شاہ ہو یا نہیں...... لیکن میں شہباز ملک بات کر رہا ہوں۔"

"وہ ایک لمحے کے لئے چپ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے شک زدہ لہجے میں کہا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں اور میں نے تمہیں دھمکی دینے کے لئے فون نہیں کیا ہے، وسیم کے خون کا حساب میں بعد میں لوں گا۔ فی الحال میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

"کیسا تحفہ!"

"تم راشد فاروقی کے بارے میں جانتے ہو؟"

"ہاں۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"وہ تمہارے باقی میرے شاہنواز کو سپورٹ کر رہا ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس بار اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"میرے پاس دو لڑکے ہیں، ان میں ایک راشد فاروقی کا لڑکا ہے اور دوسرا اس کا دوست ہے۔ دونوں لڑکیوں کو زبردستی اغوا کرتے ہیں اور شاہنواز کو بیچ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تمہارے ساتھ دھندا کرتے تھے اور اب شاہنواز سے بزنس کر رہے ہیں۔"

"میں ان کا کیا کروں گا؟" اس نے بے نیازی دکھانے کی کوشش کی تھی۔

"شاید میں نے غلط اندازہ لگایا تھا۔۔۔۔۔ خدا حافظ!" میں نے رکھائی سے کہا۔

"ایک منٹ رکو۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آخر تم انہیں میرے حوالے کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"جامی شاہ، تم میرے دشمن ہو بلکہ یہ کہنا چاہئے تم نے بلاوجہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی حالانکہ میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں تھا، میری دشمنی مرشد علی سے ہے اور اس کے باپ ڈیوڈ شاہ سے ہے۔ ابھی تمہاری حیثیت دھوبی کے کتے کی سی ہو رہی ہے۔ شاہنواز کے الگ ہوتے ہی تمہاری طاقت کا بھرم کھلنے والا ہے۔ اس لئے مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بھڑک کر کہا۔

میں نے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔ "جامی شاہ، واقعی۔۔۔ پھر تم نے مجھے فون بند کرنے سے کیوں روکا تھا؟"

"تم جامی شاہ کو جانتے نہیں ہو۔ شاہنواز میرے لئے پالتو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔"

"اب تم لاف گزاف پر اتر آئے ہو۔ کیا میں سمجھوں کہ تمہیں ان دو لڑکوں کی ضرورت نہیں ہے؟"

"نہیں۔۔۔۔۔ لیکن میں اب بھی سمجھنے سے۔۔۔۔۔"

"جامی شاہ، مجھے ہاں یا نہیں میں جواب دو۔"

"تم کس طرح ان لڑکوں کو میرے حوالے کرو گے؟"

"تم اس نمبر پر رہنا میں اطلاع کر دوں گا۔ لڑکے کسی جگہ بے ہوش ملیں گے، وہاں سے ان کو اٹھانا تمہاری ذمے داری ہوگی۔"

"کیا تم ان کو میرے پاس نہیں لاؤ گے؟"

"جامی شاہ، مجھے تم سے اتنے بچکانہ سوال کی امید نہیں تھی۔" میں نے ہنس کر کہا اور فون بند کر دیا۔

"ان کو بے ہوش کیسے کیا جائے گا؟" سونیا نے سوال کیا۔

"تم سنگ تو کا کوئی داؤ آزماؤ۔" ناصر معصومیت سے بولا۔

"سونیا دانت پیس کر کچھ کہنے جا رہی تھی کہ میں نے مداخلت کی۔ "یار وجہ زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کو کھانے میں خواب آور دوا دی جا سکتی ہے۔"

"میں سوپ بنا سکتی ہوں۔" سونیا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"وہ ایسی ہی کسی شے میں دی جا سکتی ہے۔"

یہ مرحلہ بھی ایک گھنٹے میں انجام پا گیا۔ وہ گزشتہ رات سے بھوکے تھے اس لئے میرے اور ناصر کے ہاتھ سے بے تابی سے سوپ پی گئے اور اس کے چند منٹ بعد وہ سو چکے تھے۔ میں نے ناصر سے کہا۔

"کار اندر لے آؤ۔"

"چابیاں۔" اس نے ہاتھ آگے کیا۔

میں نے دونوں کی تلاشی لی لیکن چابی کسی کے پاس نہیں تھی۔ "چابیاں تو نہیں ہیں۔"

"اور مجھے کسی اور طریقے سے کار اسٹارٹ کرنی نہیں آتی۔"

"یار، ذرا کرد یکھو شاید چابی کار میں لگی ہو۔ یہ لڑکی کو اٹھانے آئے تھے، لازمی بات ہے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے اور چابی اگنیشن میں ہو گی تا کہ فوری طور پر نکل سکیں۔"

ناصر کچھ دیر بعد آیا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ چابی اندر لگی تھی، وہ تو کسی اچکے کی نظر نہیں پڑی ورنہ اب تک کار لے جا چکا ہوتا۔"

"ایسا کرو ابھی کار اندر لے آؤ۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "دن کی روشنی میں نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ جب سورج غروب ہو جائے تب جانا۔"

"خطرہ کیسا؟" سونیا بولی۔

"اس کے باپ نے اب تک اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی ہو گی۔" میں نے فیروز کی طرف اشارہ کیا۔ "اور معاملہ ایک اعلیٰ سرکاری افسر کا ہے اس لئے پولیس سرگرمی سے تلاش میں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے، میں تاریکی ہونے پر روانہ ہوں گا۔" ناصر نے سر ہلایا پھر سونیا کی طرف دیکھا۔ "اگر تم میرے ساتھ چلو تو آسانی رہے گی۔"

"کیسی آسانی؟"

"ایک تو خاتون کی موجودگی میں آدمی پر شک کم ہوتا ہے، دوسرے اگر برا وقت آیا تو تم میری مدد کر سکو گی۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے ناصر سے اتفاق کیا۔ "سونیا، تم اس کے ساتھ جانا اور میں پیچھے ناصر کی بائیک پر ہوں گا۔"

ناصر کچھ سوچ رہا تھا۔ "یار، تجھے جابی شاہ کو اپنا نام بتانے کی ضرورت تھی؟"

"میں ذرا رعب ڈالنا چاہ رہا تھا۔"

"وہ خطرناک آدمی ہے، اس وقت ذرا پھنسا ہوا تھا ورنہ اتنی شرافت سے بات نہ کرتا۔"

"ایسے کتوں کے ساتھ ایسے ہی بات کرنا چاہئے، یہ سوچے بغیر کہ وہ آپ پر غراتے ہیں یا دم ہلاتے ہیں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"جیسا حکم باس!"

"شہباز بھائی! برابر والے مکان سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔"

"کیسا ردعمل؟" ناصر نے اسے گھورا۔ "کیا اس لڑکی کے بوڑھے ماں باپ چلا چلا کر اعلان کرتے کہ وہ رات لٹتے لٹتے بچے ہیں؟"

"مجھے یقین ہے لڑکی نے یہ معاملہ ماں باپ تک پہنچنے ہی نہیں دیا ہو گا۔" میں نے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے ماں باپ پر خود یہ راز نہ کھل گیا ہو۔"

ناصر کار لانے چلا گیا۔ جب میں نے فیروز اور ثاقب کی جیبوں کی تلاشی لی تھی تو اندر سے دوسری کچھ اشیاء کے ساتھ فیروز کے پاس سے ایک عدد موبائل سیٹ بھی ملا تھا۔ یہ جدید ترین قسم کا کلر اسکرین اور کیمرے والا موبائل فون تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس کے پاس موبائل تھا اور اس کے باپ نے اب تک اسے کال کرنے

کی زحمت نہیں کی تھی جبکہ موبائل آن بھی تھا۔ میں نے ناموں کی لسٹ اور نمبر دیکھے۔ فی الحال ان میں کوئی کام کا نمبر نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے موبائل آف کر دیا۔ ناصر کا راشد لے آیا تھا۔ وہ اندر آیا اور ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔
"باہر غضب کی سردی ہے۔" اور سونیا کو آواز دی۔ "مس سونیا چائے و کافی مل سکتی ہے۔"
"کیوں نہیں۔" وہ بیڈروم سے بولی۔ "بتاؤ گے تو مل سکتی ہے۔"
ناصر سرد آہ بھر کر کچن کی طرف چلا گیا۔ وہ دونوں ننگے قالین پر پڑے تھے۔ دوا کے اثر سے وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ ناصر کے موبائل سے میں نے سفیر سے رابطہ کیا۔ میری آواز سنتے ہی وہ چلایا۔ "شوبی..... کہاں مر گیا ہے، کل سے کوشش کر رہا ہوں۔"
"بیٹری ختم ہو گئی تھی۔ یہ ناصر کا موبائل ہے۔" میں نے اسے اطلاع دی۔ "تو کیسا ہے، مونا کہاں ہے؟"
"میں یہاں ہوں۔ شوبی، تم اور سونیا بہت یاد آرہے ہو۔" مونا نے موبائل لے لیا تھا۔
سونیا نے آواز سن لی تھی۔ وہ بھاگی ہوئی آئی۔ اس نے مونا سے بات کی اور پھر دونوں زور و شور سے رونے لگیں۔ میں نے اور سفیر نے بمشکل دونوں کو چپ کرایا تھا۔ پھر میں نے سفیر سے پوچھا۔ "تم دونوں کے پاسپورٹس کا کیا ہوا، بنے یا نہیں؟"
"بن کر آگئے ہیں۔ دبئی کے ویزے کے لئے گئے ہیں۔ امید ہے کل تک ویزا بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہمیں فوری طور پر دبئی روانہ ہونا ہے۔"
مونا نے پھر موبائل چھین لیا۔ "شوبی، ہم تمہارے بغیر نہیں جائیں گے۔"
"گڑیا میں نہیں جا سکتا اور تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ گے تو میرے لئے آسانی ہو گی پھر خدا بھی نہ بھی وہ وقت لائے گا جب میں اور سونیا تمہارے پاس آئیں گے۔"
"اچھا سونیا تو ہمارے ساتھ جا سکتی ہے؟"
"نہیں، میں اکیلا رہ جاؤں گا پھر سونیا نہ صرف اپنی بلکہ میری حفاظت بھی کر سکتی ہے۔ ویسے بھی وسیم نے اس کی ذمے داری مجھے دی تھی۔ اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تب بھی میں سونیا کو اپنے ساتھ ہی رکھتا۔"
"چل یار..... بعض اوقات آدمی کو ایسے فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔" سفیر نے سرد آہ بھری۔ "اب ہم دادا کے پاس ہیں۔ آج ناشتا ہم نے ان کے ساتھ کیا تھا۔"
"شوبی، تم دونوں بھی یہاں آجاؤ۔ ہم تم سے ملے بغیر نہیں جائیں گے۔" مونا موبائل کے پاس آکر زور سے بولی۔ "سن لیا تم نے؟"
"میں کوشش کروں گا، فی الحال ایک چکر میں الجھا ہوا ہوں۔"
"چکر یعنی کوئی خطرہ؟"
"میرے لئے نہیں ہے، بلکہ اب میں نے سوچ لیا ہے جارحیت ہی بہترین دفاع ہے۔"
"شوبی، تو کیا کر رہا ہے؟" سفیر پریشان ہو گیا تھا۔
"ابھی نہیں، آکر بتاؤں گا۔" میں نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کا چارج بھی ختم ہونے

والا تھا۔ ناصر کافی جتا کر لایا۔ اس کے پاس چارجر تھا اس نے موبائل چارجنگ پر لگا دیا۔ میں نے اپنے موبائل کے چارجر کے بارے میں پوچھا۔ "یہ مل سکتا ہے۔"

"ہاں، اب تو گلی گلیوں میں موبائل شاپس کھلنے لگی ہیں، وہاں مل جائے گا۔"

چار بجے سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور ساڑھے چار بجے تقریباً غروب ہونے والا تھا۔ ناصر نے کہا۔ "ذرا اچھی طرح اندھیرا ہو نے دو پھر ان دونوں کو کار میں منتقل کرتے ہیں۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" میں نے اسلحے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے گولیاں لانے کو کہا تھا۔"

ناصر نے سر پر ہاتھ مارا۔ "وہ تو میں بھول گیا۔"

"گولیاں لانا؟"

"نہیں وہ تو میں لے آیا ہوں، بتانا بھول گیا تھا۔"

ناصر شاپر لے کر آیا جس میں ایک ڈبے میں گولیوں کے تین سو پیکٹ تھے۔ اس نے پیکٹ نکالے۔ "ہر ایک میں ساٹھ ساٹھ گولیاں ہیں۔ میں چیک کر کے لایا ہوں۔ نمبر ون بلٹ ہیں۔ اس وجہ سے ذرا مہنگے بھی پڑے ہیں۔ ایک گولی پندرہ روپے کی ہے۔" اس نے حساب بتایا۔ "تینوں پیکٹ ستائیس سو روپے کے پڑ رہے تھے مگر مجھے ڈھائی ہزار کے ملے ہیں۔"

"گڈ۔" میں نے برٹیا والا پیکٹ کھولا اور دونوں میگزینز میں گولیاں ڈالنے لگا۔ اس کے بعد اعشاریہ تیس کے پستول کا میگزین فل کیا۔ ناصر نے بقیہ رقم مجھے دینا چاہی۔

"اپنے پاس رکھو۔ نہ جانے کب کہاں کیا ضرورت پیش آ جائے۔ میرے پاس رقم ہے، ان دونوں کے پرسوں سے بھی خاصی رقم ملی ہے۔"

ناصر نے دانت نکالے۔ "یعنی مالِ غنیمت!"

"اپنا گزارہ ایسے ہی چل رہا ہے آج کل۔"

تینوں پستول مکمل طور پر تیار کر کے میں نے سونیا کا پستول اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اس دوران ناصر اپنے موبائل فون کے ساتھ مصروف رہا تھا۔ چھ بجے ہم نکلنے کے لئے تیار تھے۔ باہر مکمل طور پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں نے ناصر سے پوچھا۔ "انہیں کہاں چھوڑنا ہے؟"

"میں سوچ رہا ہوں کسی معروف جگہ چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ وہاں چیک ہو سکتے ہیں۔ ان کو ملتان روڈ کی کسی غیر آباد جگہ چھوڑ دیتے ہیں پھر جانی شاہ کو اطلاع کر دیں گے۔"

"دیکھ لو..... کوئی اور مسئلہ نہ ہو جائے۔ مثلاً پولیس کا؟"

"فکر مت کرو۔ اگر پولیس نے کہیں روکا بھی تو اپنا پریس کارڈ کس لئے ہے۔"

"ان دونوں کو نظروں سے بھی بچانا ہوگا۔"

"ان پر چادر ڈال دیں گے اور اوپر گتے کے کچھ خالی ڈبے ڈال دیں گے۔ ڈبے میں ابھی گلی کے کونے والی دکان سے لے آتا ہوں۔"

ناصر ڈبے لینے گیا اور میں نے تیاری شروع کر دی۔ اپر پہنا اور پیروں میں جوتے ڈالے۔ سونیا بہت

اچھے کھانے بناتی تھی اور کام بھی شوق سے کرتی تھی لیکن اکثر خواتین کی طرح اسے بھی باہر کا کھانا اچھا لگتا تھا۔
"شہباز بھائی، آج باہر سے کھانا نہیں لا سکتے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔
"کیوں نہیں، جیسا تم کہو..... کہو تو مزنگ چوک چلیں۔"
"نہیں، بس ہم باہر سے لا کر کھا لیں گے۔"
"نہیں، آج ہم باہر ڈنر کریں گے۔"
سونیا میرے فیصلے سے پریشان ہو گئی تھی۔ "شہباز بھائی، اس میں خطرہ ہے دشمن ہمیں تلاش کر رہا ہے۔"
"اسے کرنے دو، آج ہم بدپرہیزی ضرور کریں گے۔"
اگرچہ میں سونیا کو تنگ کر رہا تھا لیکن میرے ذہن میں خیال ضرور آیا تھا کہ ہم کب تک چھپتے رہیں گے۔ دشمن کہیں نہ کہیں سے ہمیں تلاش کر ہی لیتا تھا۔ تقدیر کا لکھا بہر صورت پورا ہونا ہی ہوتا ہے اس لئے چھپنا بیکار تھا۔ اس قسم کے خیالات میرے ذہن میں آ رہے تھے اور میں نے ان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ کچھ دیر میں ناصر گتے کے چار پانچ خالی ڈبے لے آیا تھا۔ "چل یار، ان کو کار میں منتقل کریں۔" ناصر نے کہا۔
پہلے ہم نے ثاقب کو کار کے پچھلے حصے میں منتقل کیا۔ اسے دونوں نشستوں کے درمیانی خلا میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد فیروز کو نشست پر لٹایا، ایک بڑا سا کھیس ان پر ڈال کر اوپر سے گتے کے خالی ڈبے بھر دیئے تھے۔ پورچ میں تاریکی تھی اس لئے اردگرد سے کوئی دیکھ بھی رہا تھا تو اسے واضح طور پر کچھ نظر نہیں آ رہا ہوگا۔ ابھی ان دونوں کے کم سے کم چار گھنٹے تک ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا اور اس دوران میں وہ ہوش میں آ بھی جاتے تو بے بس تھے کیونکہ ان کے ہاتھ پیروں کے ساتھ منہ اور آنکھیں بھی بند تھیں، وہ از خود کار سے نہیں نکل سکتے تھے۔ سونیا بھی تیار تھی، ہم نے اپنے ہیٹ سروں پر کر لئے تھے تاکہ چہرے آسانی سے نہ پہچانے جا سکیں۔
ناصر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ "کیا بات ہے برخوردار! تمہارے دانت نکلے پڑ رہے ہیں؟"
"کچھ نہیں۔" وہ جھینپ گیا تھا۔
میں نے محسوس کیا کہ ناصر سونیا کی طرف متوجہ تھا اور وہ اس کی طرف سے بے پروا تھی۔ ناصر کوئی آوارہ مزاج شخص نہیں تھا۔ وہ ایک باشعور اور سنجیدہ شخص تھا جو ہر لڑکی کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا۔ ہم باہر آ گئے، ناصر کی بائیک سامنے کھڑی تھی۔ اس نے چابی میرے حوالے کی۔ "ہیلمٹ نہیں ہے میرے پاس۔"
"کوئی بات نہیں..... اور میرے پاس بھی لائسنس نہیں ہے پکڑا گیا تو....."
"پچاس، سو روپے تھما دینا۔ کاغذات تک نوبت مت آنے دینا کیونکہ بائیک میں نے ایک جبیث سے لی تھی اس نے مجھے دو ہزار روپے دینے تھے۔ اس نے نقد کے بجائے یہ بغیر کاغذات کی بائیک دے دی۔ ابھی تک پولیس کارڈ کے سہارے چلا رہا ہوں۔"
"انجن بھی ہے یا اس کے بھی بغیر ہی چلا رہے ہو؟" میں ہنستا گیا تھا۔ "اگر پکڑا گیا تو مجھ پر چھ سات الزامات تو آرام سے لگ سکتے ہیں۔"
"فکر نہ کر، میں آگے گاڑی میں ہوں۔"
"مجھے سخت شبہ ہے کہ تمہاری توجہ ایک بار بھی میری طرف جائے گی۔"

سونیا کار میں آگے بیٹھی تھی اور ناصر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ سونیا نے اعتراض کیا۔ "تمہاری بائیک ہے اس پر آؤ۔ کار شہباز بھائی ڈرائیو کریں گے۔"

"زندگی میں پہلی بار ایک اچھی کار ڈرائیو کرنے کا موقع مل رہا ہے تو آپ کو اعتراض ہو رہا ہے۔" ناصر نے سرد آہ بھری۔

"سونیا میں خود بائیک پر ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر کار پہچان لی گئی اور تم لوگ پھنسے تو میں مدد کر سکوں گا۔"

برابر والے مکان میں روشنیاں جل رہی تھیں۔ میں نے سوچا، اگر اس گھر سے لڑکی نکل جاتی تو آج ان کے ہاں تاریکی ہوتی، ماتم ہو رہا ہوتا۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور کار کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ اندھیرا ہونے سے پہلے ہی دھند چھانے لگی تھی۔ اصل میں یہ اس کی تھی جو دھند کی صورت میں گر رہی تھی۔ سردی بھی بلا کی تھی اور بائیک پر زیادہ ہی لگ رہی تھی۔ ناصر کار مناسب رفتار سے چلا رہا تھا اور میں اس سے دس بارہ گز پیچھے تھا۔ سردی کی وجہ سے سر شام ہی ٹریفک کم ہو گیا تھا اور سڑکیں تقریباً سنسان تھیں۔ صرف بعض مقامات پر تھوڑا بہت رش تھا۔ دھند کی وجہ سے لوگ تفریح کے لئے بھی باہر نہیں نکلے تھے۔ ناصر مختلف سڑکوں سے گزرتا ہوا ملتان روڈ کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک میری جیب میں رکھے موبائل نے رنگ دی۔ یہ ناصر کا موبائل تھا لیکن سم میری لگی تھی اس لئے کال بھی مجھے آ رہی تھی۔ میں نے چلتی بائیک پر موبائل نکال کر نمبر دیکھا۔ یہ وہی نمبر تھا جس پر میں نے جانی شاہ سے رابطہ کیا تھا لیکن میں نے کال ریسیو کرنے کے بجائے کاٹ دی اور موبائل آف کر دیا تاکہ وہ پھر کال نہ کرے۔ مجھے وہ ڈیوائس یاد تھی جس کی مدد سے فتح خان نے کچھ عرصے پہلے لاہور میں میرا پتا چلا لیا تھا۔ اس لئے میں موبائل کے رابطے کے سلسلے میں محتاط ہی رہنا چاہتا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم ملتان روڈ کے ساتھ ایک نئی آباد ہونے والی اسکیم میں داخل ہوئے اور شروع میں ایک خالی پلاٹ میں ناصر نے کار روک دی۔

"اب جانی شاہ کو اطلاع کر دو۔" اس نے مجھے کہا۔

"سوال یہ ہے برخوردار کہ ہماری واپسی کیسے ہو گی۔ بائیک ہے اور ہم تین ہیں۔"

"کاش مس سونیا کی جگہ کوئی سوٹا خان ہوتا تو ہم آرام سے چلے جاتے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"میں نے چند کلومیٹر پیچھے ایک ریستوران دیکھا ہے۔ سونیا کو وہاں چھوڑ کر آتا ہوں اور تجھے لے جاتا ہوں۔"

"جب تک میں کیا کروں؟"

"ان کی نگرانی۔" میں نے کار کی طرف اشارہ کیا۔ "ایسا نہ ہو کہ کوئی کار کے چکر میں ان کو لے جائے۔"

"او کے ۔۔۔ لیکن تم فاسٹ آنا۔"

میں نے جانے سے پہلے اسے سونیا والا پستول دے دیا۔ "یہ رکھ لو، کام آئے گا۔"

"مگر خیال سے ...... کہیں خود کو گولی نہ مار لینا۔" سونیا نے طنزیہ انداز میں کہا اور میرے پیچھے بائیک پر بیٹھ گئی۔

ریستوران چھوٹا لیکن مناسب قسم کا تھا اور اوپر فیملی کیبن تھے۔ میں اور سونیا ایسے ہی ایک کیبن میں آ گئے۔

میں نے ہیڈ ویٹر سے کہا۔ "بیگم صاحب کا خیال رکھنا میں ابھی آیا۔"

سونیا بے فکری سے آرڈر دے رہی تھی۔ میں نے چلتے ہوئے اسے چھیڑنے کے لئے باہر وزٹر کی بات کی تھی، مجھے کیا معلوم تھا کہ بات سچ ہو جائے گی۔ ناصر کو لینے کے لئے جاتے ہوئے میں نے پاجیرو دوڑائی اور پانچ منٹ میں وہاں جا پہنچا تھا لیکن ناصر وہاں نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ "ناصر!" مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اگلی بار میں نے چلا کر کہا۔ "ناصر، کہاں مر گئے ہو؟"

"اندر ہوں یار!" اس نے کار کے اندر سے جھانکا۔ "اتنی سردی میں کیا باہر ہی ٹھٹھرتا رہتا۔"

"اب آ جاؤ۔ جلدی کرو سونیا انتظار کر رہی ہے۔"

"چابی کا کیا کروں؟" اس نے پوچھا۔

"اسے پچھلی بمپر کے پیچھے رکھ دو۔ کار کو سینٹرلی لاک کر دینا۔"

"او کے باس!" اس نے کار سینٹرلی لاک کر کے چابی دائیں پچھلی بمپر کے پیچھے رکھ دی۔

میں اور ناصر وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ رک کر میں نے موبائل آن کیا اور جانی شاہ کا نمبر ملایا۔ وہ جیسے موبائل ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا، جیسے ہی بیل گئی اس نے کال ریسیو کر لی۔

"جانی شاہ۔ تمہارے لڑکے..... اس وقت ملتان روڈ پر ایک جگہ ہیں۔"

"کہاں ہیں؟" اس نے بے تابی دباتے ہوئے پوچھا۔ ناصر پتا مجھے پہلے ہی سمجھا چکا تھا، میں نے دہرا دیا۔

"سیاہ رنگ کی ہنڈا سٹی کار ہے اور چابی پچھلی بمپر کے اندر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پر بندے ادھر سے ملے تو؟"

"تب تم بھی مجھ سے ملنا۔" میں نے جواب دیا اور موبائل فون آف کر دیا۔ "چل یار! سونیا اکیلی انتظار کر رہی ہوگی۔" میں نے کہا، پاجیرو اب ناصر ہی چلا رہا تھا۔

"اس کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اس سے ریستوران والوں کو خطرہ ہوگا۔" ناصر خفگی سے بولا۔

"کیا بات ہے، تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"جھگڑا تو اس وقت ہو جب وہ سیدھے منہ بات کرے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم اس سے بات کرنا کیوں چاہتے ہو؟"

"یار، میں اسے دکھ کی کیفیت سے نکال کر زندگی کی طرف لانا چاہتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے اس نے خاصی حد تک خود کو سنبھال لیا ہے۔"

"یہی تو تمہاری غلط فہمی ہے۔ اس نے خود کو سنبھالا نہیں ہے، تمہیں مطمئن کرنے کے لئے خود پر ایک خول چڑھا لیا ہے۔ اس کے اندر وہ اپنی ذات میں سلگ رہی ہے۔"

"میرا خیال ہے اب تم مبالغہ آرائی کر رہے ہو۔"

"نہیں، تم معاملے کی سنگینی کو نظر انداز کر رہے ہو۔ کچھ عرصے پہلے جس لڑکی کا شوہر اسے دھوکا دے اور پھر مارا جائے۔ وہ ایک دوسرے شخص میں پناہ تلاش کرے اور پھر اسے چاہنے لگے، وہ شخص بھی مارا جائے تو کیا کوئی

لڑکی اتنی تیزی سے نارمل ہو سکتی ہے، جتنی جلدی سونیا ہوئی ہے؟"

اس کی بات نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ "واقعی ایسا ہونا تو نہیں ہے۔"

"سونیا اندر سے اتنی ہی جذباتی ہے جتنی کہ کوئی عام لڑکی ہو سکتی ہے۔ وہ اپنا غبار رو دھو کر نہیں نکال رہی ہے، اس کے آنسو اندر ہی اندر جمع ہو رہے ہیں اور کسی وقت بھی یہ جذبات کا بم پھٹ سکتا ہے، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا ہے اور وہ خودکشی بھی کر سکتی ہے۔"

"یار تم نے تو مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"میں اسے اس خول سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں جان کر اسے چھیڑتا ہوں اور اس کی نظر میں برا بھی بنتا ہوں۔ وہ مجھے عاشق مزاج سمجھنے لگی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم یہ سب کیوں اور کس لئے کر رہے ہو؟"

ناصر نے اچانک ریستوران کے سامنے روک دی تھی اور نیچے اتر کر بولا۔ "کیونکہ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔"

"سچ مچ!" میں حیران ہوا تھا۔

"ہاں، جتنا مجنوں نے لیلیٰ کو پسند کیا تھا یا فرہاد نے شیریں کو۔"

"لہٰذا تم نے ان کی صف میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے؟"

"دو یار، ایسے فیصلے آدمی سوچ سمجھ کر تو نہیں کرتا، کہا جاتا ہے محبت اور موت ہمیشہ ناگہانی طور پر ہوتی ہیں۔ بالکل اچانک اور آدمی کے پاس بچنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" میں نے اس کی تائید کی۔ مجھے بے ساختہ وہ نیلی آنکھیں یاد آ گئیں جن کے بارے میں میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور نہ جانے کب میں ان کے سحر میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"او بھائی! اس سردی کے عالم میں کہاں کھو گئے؟" ناصر نے میرا بازو دبایا۔ "اندر نہیں چلنا ہے کیا؟"

ہم اندر آئے تو سونیا سوپ سے انصاف کر رہی تھی۔ اس نے سوپ تین افراد کے لئے منگوایا تھا۔ "میں نے چکن فرائیڈ رائس اور سیخ بوٹی کا آرڈر دیا ہے۔" اس نے بتایا۔ "چند منٹ میں آنے والا ہوگا۔"

میں نے غور سے سونیا کو دیکھا۔ اپنے چہرے اور لہجے سے وہ نارمل لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی، کم سے کم مجھے تو وہ کہیں سے فرسٹریٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اچانک کہا۔ "ایسے کیا دیکھ رہے ہیں شہباز بھائی!"

"کچھ نہیں..... میں سوچ رہا ہوں، تم کتنے مضبوط اعصاب رکھتی ہو۔"

میرے الفاظ پر ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ "چھوڑیے شہباز بھائی! میں سب بھول چکی ہوں۔"

"سچ مچ!" میں نے سوال کیا۔

"جی!" وہ بولی اور ناصر سے کہا۔ "میرا پستول واپس کرو۔"

"سنو لو۔ مجھے ویسے بھی دھماکے دار چیزوں سے خوف آتا ہے۔" ناصر بولا اور اس نے میز کے نیچے سے

پستول سونیا کی طرف بڑھا دیا تھا جسے اس نے پرس میں رکھ لیا۔

"سوپ مزے کا ہے۔" میں نے پیالے میں مزید سوپ ڈالا۔

خاصا بڑا پیالہ تھا اور سونیا نے اس میں سے تھوڑا سا سوپ لیا تھا جسے وہ چمچ سے سست روی سے پی رہی تھی۔ میں نے ناصر کے ساتھ مل کر دیکھتے ہی دیکھتے پیالہ خالی کر دیا تھا۔ ناصر نے بلند آواز سے ڈکار لے کر خدا کا شکر ادا کیا۔

"اب میں ڈنر کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔" اس نے اعلان کیا۔

"اب بھی کھانے کی گنجائش ہے؟" سونیا حیرت سے بولی۔ "میرا تو سوپ سے پیٹ بھر گیا ہے۔"

ویٹر نے کھانا لانا شروع کر دیا تھا۔ چکن فرائیڈ رائس کے ساتھ تکہ بوٹی، سلاد، کولڈ ڈرنکس اور قندھاری نان تھے۔ انہوں نے کھانا سجایا اور چلے گئے۔ میں نے دوپہر میں کچھ خاص نہیں کھایا تھا اس لئے بڑی بات تھی کہ مجھے بھوک لگ رہی تھی، ناصر کا حال مجھ سے بھی زیادہ خراب تھا۔ لہٰذا ہم کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سونیا نے چکن فرائیڈ رائس تھوڑے سے نکالے اور بے دلی سے ٹونگنے کے انداز میں کھانے لگی تھی، میں نے اسے ٹوکا۔

"سونیا! ٹھیک سے کھاؤ۔"

"شہباز بھائی! مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بوٹی لو۔" میں نے تکہ بوٹی کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ "تم کھاؤ گی تو خود بھوک لگے گی۔"

اس نے ایک بوٹی اٹھا کر اپنی پلیٹ میں ڈال لی تھی مگر کھائی نہیں۔ بس چاول ٹونگتی رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی الجھن ہو۔ اس نے پانی پیا اور اپنا پرس سنبھالتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ "میں ذرا واش روم سے آتی ہوں۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ذرا چہرہ چھپا ہی رکھنا۔ ممکن ہے کوئی واقف کار نکل آئے۔"

"میں سمجھتی ہوں شہباز بھائی!" اس نے کہا پھر قدرے عجیب سے لہجے میں بولی۔ "آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں بنوں گی۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم نے میرا ساتھ دیا ہے، پریشان تو ایک بار بھی نہیں کیا ہے۔ اب ایسا مت کہنا۔"

"جی اچھا! آئندہ ایسا نہیں کہوں گی۔" اس نے سعادت مندی سے کہا اور باہر چلی گئی۔ یہ کیبن اس طرح سے بنے تھے کہ کاریڈور سے آگے پیچھے دیواریں تھیں۔ ایک طرف شیشے کی دیوار تھی جس سے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا اور چوتھی طرف پردہ تھا جسے کھینچ کر برابر کیا جا سکتا تھا یا کھولا جا سکتا تھا۔ ہم نے احتیاطاً پردہ پوری طرح کھینچ لیا تھا۔ کھانا ابتدائی مراحل میں تھا۔ آخر میں کریم رول کا آئٹم تھا لیکن وہ اس وقت سرو کیا جاتا جب ہم اشارہ کرتے۔

ناصر نے آخری تکہ بوٹی بھی معدے میں منتقل کرنے کے بعد ایک ڈکار اور لی۔

"کھانا مزے کا تھا۔"

"مجھے تمہاری خوش خوراکی پر رشک آیا۔ وہ بھی اس جسامت کے ساتھ۔"

"یہ خاندانی بات بھی ہے۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اللہ بخشے، ابا میاں لکھنوی شاعروں سے زیادہ

نازک تھے اور اماں بھی دھان پان سی تھیں۔"

"مگر کھانے کے لحاظ سے تم کسی پہلوان خاندان کی باقیات میں سے لگتے ہو۔"

"یار، یہ سونیا کہاں رہ گئی ہے۔" ناصر نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ذرا تشویش سے کہا۔

"ہاں اسے گئے ہوئے دس منٹ ہونے کو آئے ہیں۔"

"وہ اپنا پرس ساتھ لے گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں، اس میں کیا خاص بات ہے۔ خواتین پرس ساتھ رکھنا پسند کرتی ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو اس کے پرس میں پستول بھی تھا۔" ناصر بولا۔ "یار، مجھے تو فکر ہو رہی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے وہ پستول سے......" میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اس نے سر ہلایا۔" "تم نے اس کی حالت دیکھی تھی، وہ بہت الجھی ہوئی تھی، جب تک وہ ہمارے ساتھ رہی، اسے سوچنے کا موقع نہیں ملا لیکن یہاں اکیلے میں اسے تقریباً نصف گھنٹے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ اس کے اندر کوئی بڑی تبدیلی آئی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ "میں جا کر دیکھتا ہوں، تم یہیں رکو۔"

"ظاہر ہے، میں نے کہاں جانا ہے؟"

میں نے ہیڈ ویٹر سے واش روم کے بارے میں پوچھا۔ عام طور سے مردانہ اور زنانہ ایک جگہ ہوتے ہیں۔ اس ریستوران میں بھی ایسا ہی کچھ سسٹم تھا۔ ایک چھوٹی سی دیوار میں برابر برابر دو دروازے تھے، ایک پر لیڈیز لکھا تھا اور دوسرے پر جینٹس۔ میں ہچکچایا۔ اگر میں لیڈیز واش روم میں چلا جاتا اور وہاں سونیا کے ساتھ کوئی اور عورت بھی ہوتی تو معاملہ خراب ہو جاتا۔ دوسری طرف مجھے سونیا کا بھی خیال تھا، اسے اب تک باہر آ جانا چاہئے تھا۔ اسی لمحے مجھے ایک نزدیکی کیبن کے پردے کے پیچھے سے ایک جانی پہچانی آواز آئی۔ "تم جا کر بیٹھو ہم ابھی پیشاب کر کے آتا ہے۔"

اگلے ہی لمحے وہ شخص میرے پیچھے سے گزر کر مردانہ واش روم کے دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے اوپر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا۔ وہ میری طرف مڑا تھا کہ میں نے برق رفتاری سے پستول نکال کر اس کے سینے پر رکھ دیا اور اسے نال کے زور پر اندر دھکیل دیا۔ اس نے مزاحمت کرنے یا آواز نکالنے کی کوشش نہیں کی، اسے معلوم تھا ایسی کسی کوشش کا نتیجہ وفات کی صورت میں برآمد ہوگا۔ "شہباز خان! تم......؟" وہ مسکرایا۔

"شہباز ملک!" میں نے ہمیشہ کی طرح تصحیح کی اور اچانک پستول کا دستہ اس کے سر پر مارا۔ وہ کراہ کر جھکا تھا دوسری بار میں نے اس کی گدی پر ضرب لگائی اور وہ منہ کے بل فرش پر گر کر ساکت ہو گیا۔

"فتح خان! تم کیوں بار بار میرے راستے میں آ جاتے ہو۔" میں نے کہا اور جھک کر اسے چیک کیا۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ اسی لمحے ایک باتھ روم کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر آیا۔

"واپس جاؤ اور دس منٹ تک باہر مت آنا۔" میں نے پستول لہرا کر حکم دیا اور اس نے سعادت مندی سے تعمیل کی اور اندر جا کر دروازہ پھر سے بند کر لیا۔ میں پھرتی سے باہر نکلا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا، اس بار

میں بلا جھجک لیڈیز واش روم میں گھس گیا۔ اتفاق سے اسی لمحے ایک عورت باہر آرہی تھی، اس نے دم بخود سی نظروں سے مجھے دیکھا اور تیزی سے گزر کر باہر چلی گئی تھی۔ میں اندر آیا۔ ایک طرف سونیا دیوار کی طرف منہ کئے کھڑی تھی۔

"سونیا! میری آپ۔۔۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔" میں نے کہا۔

لیکن سونیا نے کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ بدستور دیوار کی طرف منہ کئے کھڑی رہی تھی۔ پھر اس کا ہاتھ رفتہ رفتہ بلند ہوا۔ اس میں پستول تھا جس کی نال اس کے سر کی طرف اٹھ رہی تھی، میں چلا اٹھا۔ "سونیا! یہ کیا کر رہی ہو؟" میں اس کی طرف جھپٹا لیکن اس سے پہلے کہ میں اس تک پہنچتا، پستول کی نال سر سے لگی، اس نے ٹریگر دبایا اور ایک دھما کا ہوا تھا۔

"نہیں، دھماکا نہیں ہوا تھا بلکہ مجھے ایسا لگا تھا کہ دھماکا ہوا ہے۔ پستول سے صرف کلک کی آواز آئی تھی۔ اگلے ہی لمحے میں نے پستول سونیا سے چھین لیا۔" سونیا پاگل، یہ کیا کر رہی ہے۔"

وہ میری طرف مڑی تو اس کے چہرے پر ناقابلِ بیان ویرانی نظر آرہی تھی۔ "شہباز بھائی! مجھے مر جانے دیں۔ اس دنیا میں اب میرے لئے کچھ باقی نہیں رہا ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اسے کیسے تسلی دوں۔ اوپر سے فتح خان سے سامنا کسی بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا۔ نہ جانے وہ اتفاقاً آیا تھا یا میرا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ دوسری صورت میں اس کے گرگوں کا باہر موجود ہونا عین ممکن تھا۔ میں ایک لفظ کہے بغیر سونیا کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔ میں نے باہر نکلنے سے پہلے کہا۔ "اپنا انداز نارمل کرو اور چہرہ چھپا لو، ہم خطرے میں ہیں۔"



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول



[illegible]

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفۂ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
20۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail: alimian_publications@yahoo.com